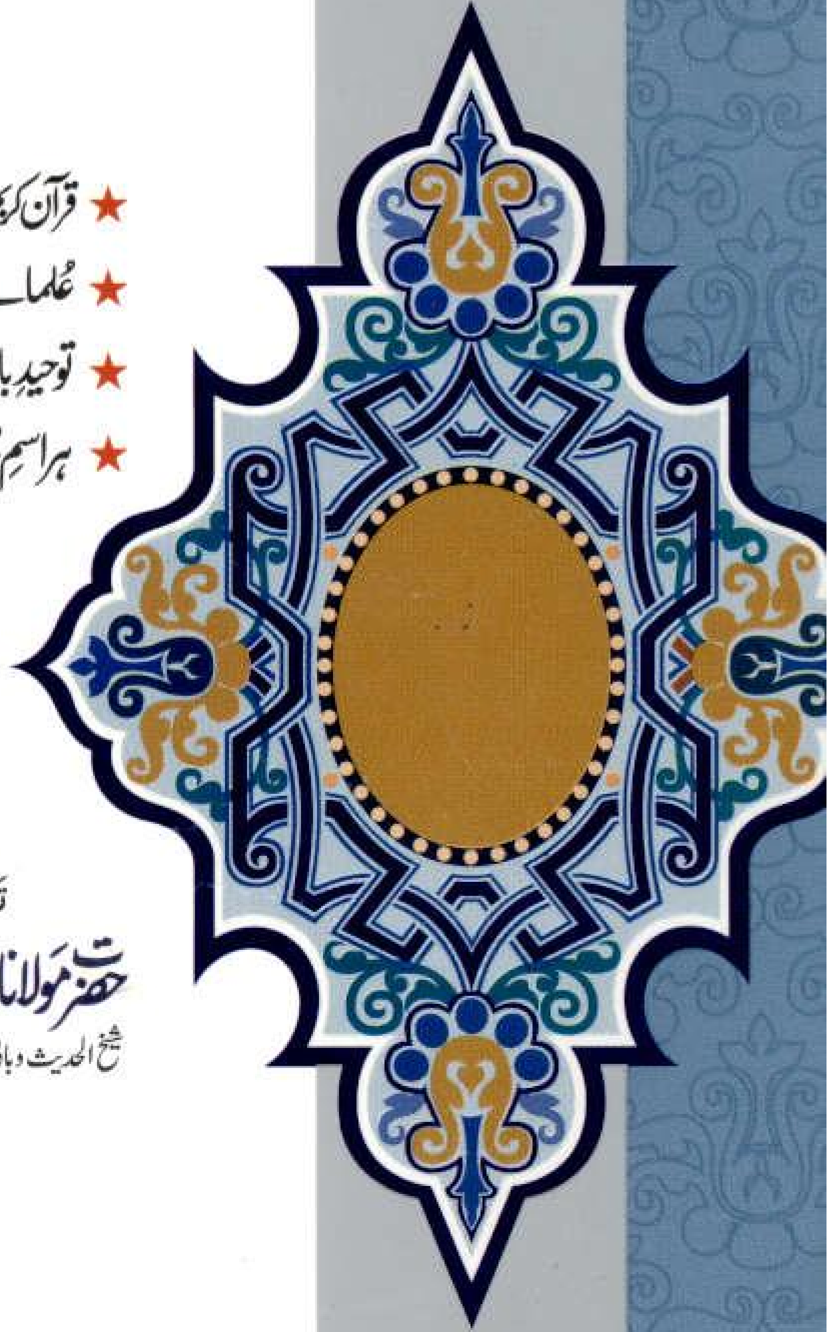
اللہ تعالیٰ کے پیارے ننانوے ناموں کی دل نشین تشریح

شرح اسمائے حسنیٰ جلد دوم

★ قرآن کریم واحادیث نبویہ سے ہر اسم کی تفسیر وتشریح اور ائمۂ کرام کے اقوال سے مزین تعریفات
★ علمائے کرام کے دلوں کو جلا بخشنے والے نصائح و بزرگانِ دین کے ایمان افروز واقعات
★ توحیدِ باری تعالیٰ سے محبت، شرک سے نفرت اور اس سے بچاؤ کی تدابیر
★ ہر اسمِ مبارک سے متعلق مفید فوائد ونصائح



ان شاء اللہ اس کتاب کا مطالعہ ایمان ویقین میں اضافے کا باعث اور عبادت، معاشرت اور زندگی کے دیگر معاملات میں رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

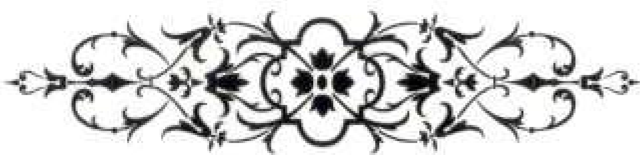
تصدیر
حضرت مولانا حسن جان صاحب
شیخ الحدیث وبانی جامعہ امداد العلوم پشاور

تقریظ
مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی

جمع وترتیب
محمد حنیف عبدالمجید عفی عنہ
فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

تقریظ
مولانا قاری مفتاح اللہ صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

کلماتِ تبریک
مولانا ابن الحسن عباسی صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی



بیت العلم ٹرسٹ کراچی

اسمائے حسنیٰ (جلد دوم)

11040507
—— اسٹاکسٹ ——
مکتبہ بیت العلم

فون: 2726509-21-92+ موبائل: 8213802-0300 - 8266655-0301

کتاب کا نام .... اسمائے حسنیٰ (جلد دوم)
تاریخ اشاعت اول .... رجب ۱۴۲۳ھ بمطابق ۲۰۰۲ء
تاریخ اشاعت دوم .... شوال ۱۴۲۶ھ بمطابق نومبر ۲۰۰۵ء
تاریخ اشاعت سوم .... صفر المظفر ۱۴۲۸ھ بمطابق مارچ ۲۰۰۷ء
تاریخ اشاعت چہارم .... رجب ۱۴۲۸ھ بمطابق اگست ۲۰۰۷ء
کمپوزنگ .... فاروق اعظم کمپوزرز کراچی
ناشر .... بیت العلم ٹرسٹ
ST-9E بلاک نمبر 8، گلشن اقبال، کراچی، فون: 4976073-21-92+
فیکس: 4972736-21-0092 ای میل - bit-trust@cyber.net.pk

ملنے کے دیگر پتے

- بیت القرآن، اردو بازار، کراچی۔ فون: 2630744-021
- مکتبہ بیت العلم، نزد جامع مسجد علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔ فون 4914569-4916690-021
- مکتبہ فہم دین، نزد مسجد بیت السلام، ڈیفنس، کراچی
- مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور۔ فون: 7224228-042
- ادارہ اسلامیات، اردو بازار لاہور۔
- مکتبہ امدادیہ، ٹی۔ بی روڈ، ملتان۔ فون: 544965-061
- کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار، مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راولپنڈی۔ فون: 5771798
- اسلامیہ کتب خانہ، گامی اڈہ، ایبٹ آباد۔ فون: 340112
- مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ۔ فون: 662263
- کتاب مرکز، فیریئر روڈ، سکھر۔
- حافظ اینڈ کو، لیاقت مارکیٹ، نواب شاہ۔
- بیت القرآن، نزد ڈاکٹر ہارون والی گلی، چھوٹکی گھٹی، حیدر آباد
- حافظ کتب خانہ، مردان۔
- مکتبہ المعارف، محلہ جنگی، پشاور

الأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى

بِمَوْقِفِ ذُلِّيْ دُوْنَ عِزَّتِكَ الْعُظْمٰى — بِمَخْفِيِّ سِرٍّ لَا أُحِيْطُ بِهٖ عِلْمًا

تیری عظیم ذات کے سامنے عجز و انکساری کے اظہار کے ذریعہ — ان مخفی رازوں کے صدقے جہاں تک میرے علم کی رسائی نہیں

بِإِطْرَاقِ رَأْسِيْ، بِاعْتِرَافِيْ بِذِلَّتِيْ — بِمَدِّ يَدِيْ، أَسْتَمْطِرُ الْجُوْدَ وَالرُّحْمٰى

اپنا سر جھکاتے ہوئے، اپنی ذلت کا اظہار کرتے ہوئے — دست سوال پھیلا کر رحم و کرم کی التجا کرتا ہوں

بِأَسْمَائِكَ الْحُسْنَى الَّتِيْ بَعْضُ وَصْفِهَا — لِعِزَّتِهَا يَسْتَغْرِقُ النَّثْرَ وَالنَّظْمَا

آپ کے ان اسمائے حسنیٰ کے وسیلے سے جس کی عظمت کے — تھوڑے سے ذکر میں سارے نظم و نثر ختم ہو جائیں

بِعَهْدٍ قَدِيْمٍ مِنْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ — بِمَنْ كَانَ مَكْنُوْنًا فَعُرِّفَ بِالْأَسْمَا

عہد أَلَسْتُ کے اس عہد و قدیم کے واسطے سے — اس عظیم ذات سے جو مخفی تھی اور اسمائے حسنیٰ سے جانی گئی

أَذِقْنَا شَرَابَ الْأُنْسِ يَامَنْ إِذَا سَقٰى — مُحِبًّا شَرَابًا لَا يُضَامُ وَلَا يَظْمَا

ہمیں بھی شراب محبت پلا اے وہ عظیم ذات — کہ جس کا پلایا ہوا نہ کبھی رسوا ہوتا ہے نہ پیاسا

(دیوان الامام الشافعی: ۲۱۹)

بِـالـلّٰـهِ يَـا نَـاظِـرًا فِـيْـهِ وَ مُـنْـتَـفِـعًـا

مِـنْـهُ سَـلِ الـلّٰـهَ تَـوْفِـيْـقًـا لِّـجَـامِـعِـهٖ

وَقُـلْ اٰنِـلْـهُ اِلٰـهَ الْـعَـرْشِ مَـغْـفِـرَةً

وَاقْـبَـلْ دُعَـاهُ وَجَـنِّـبْ عَـنْ مَّـوَانِـعِـهٖ

وَخُـصَّ نَـفْـسَـكَ مِـنْ خَـيْـرٍ دَعَـوْتَ بِـهٖ

وَمَـنْ يَّـقُـوْمُ بِـمَا يَـكْـفِـىْ لِـطَـابِـعِـهٖ

وَالْـمُـسْـلِـمِـيْـنَ جَـمِـيْـعًـا مَّـا بَـدَا قَـمَـرٌ

اَوْ كَـوْكَـبٌ مُّـسْـتَـنِـيْـرٌ مِّـنْ مَّـطَـالِـعِـهٖ

دیتی ہے اور لوگ دینی، معاشرتی، اخلاقی احکام اور ہدایات سے باخبر ہوں گے تو اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی باعمل بھی ہوں گے۔

۵ اللہ تعالیٰ نے مالی گنجائش عطا کی ہو تو کم از کم دس کتابوں کو لے کر والدین اور اساتذہ کرام کے ایصال ثواب کے لئے وقف کر دیں، یا رشتہ داروں، دوستوں کو خوشی کے مواقع پر پیش کر کے دین اور دنیا کے فوائد اپنایئے۔

کتاب دے دینا ہمارا کام ہے، مطالعہ کی توفیق اور پھر ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، ہم اپنا کام پورا کرنے کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرما کر مطلوبہ نتائج بھی ظاہر فرمائیں گے۔

درجِ ذیل سطور میں پہلے اپنا نام و پتہ پھر جنہیں ہدیہ دے رہے ہیں ان کا نام و پتہ لکھیں۔

ہدیۂ مبارکہ

مِنْ From

....

....

إِلٰی To

....

....



منفرد علمی اور دینی تحفہ

"اسمائے حُسنیٰ"

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ.

◎ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ تحفہ میں بہترین چیز پیش کرے۔

◎ کیا آپ جانتے ہیں کہ: ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کی طرف سے سب سے بہترین چیز کیا ہے؟

❶ یاد رکھیے! ایک مسلمان کے لئے سب سے بہترین تحفہ "دینی علوم سے واقفیت ہے" اپنے دوستوں، عزیزوں کو یہ کتاب ہدیہ میں پیش کرکے ہم "تَهَادَوْا تَحَابُّوْا"[1] والی حدیث پر عمل کر سکتے ہیں جس کا معنیٰ: "تم ایک دوسرے کو ہدیہ لیا دیا کرو آپس میں محبت بڑھے گی۔"

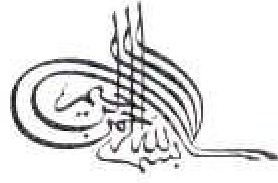
❷ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اگر آپ محسوس کریں کہ یہ آپ کے گھر والوں ...... رشتہ داروں ...... دفتر کے ساتھیوں ...... کاروباری حلقے ...... اور معاشرے کے دیگر افراد بشمول اسکول، کالج اور مدارس کے طلبہ کے لئے مفید ہے تو آپ کا انہیں یہ کتاب تحفہ میں پیش کرنا آخرت میں سرمایہ کاری اور سماجی ذمہ داری کی ادائیگی کا حصہ ہوگا۔

❸ نیکی کے پھیلانے، علمِ دین اور کتابوں کی اشاعت کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔

لہٰذا اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔ محلّہ کی مسجد، لائبریری، کلینک، محلّہ کے اسکول اور مدرسہ کی لائبریری تک پہنچا کر معاشرہ کی اصلاح میں معاون و مددگار بنئے۔

❹ کتاب کو ہدیہ میں دے کر آپ علمی دوست بن سکتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بنا سکتے ہیں اس لئے کہ کتاب جہاں کہیں بھی رکھی جاتی ہے وہ لوگوں کو پڑھنے کی طرف دعوت

[1] موطّا امام مالك، كتاب الجامع، باب ماجاء في المهاجرة: ٧٠٦، ٧٠٧



ضروری گزارش

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

حضرات علماء کرام اور معزز قارئین کی خدمت میں نہایت ہی عاجزانہ گزارش ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ...... ہم نے اس کتاب میں تصحیح وتخریج کی پوری کوشش کی ہے۔ تاکہ ہر بات مستند اور باحوالہ ہو پھر بھی اگر کہیں مضمون یا حوالہ جات میں کمی بیشی یا اَغلاط وغیرہ نظر آئیں تو اَزراہِ کرم ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں وہ غلطی دور کی جائے۔ مزید اس کتاب کے متعلق کوئی اصلاحی تجویز ہو تو ہم نے آخر میں ''خط'' دیا ہے وہ ضرور بھیجیں۔

اس کتاب کی تصحیح اور کتابت پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ............ کافی محنت ہوئی ہے اُمید ہے قدر دان لوگ مسلمانوں کے لئے کی گئی اس محنت کو دیکھ کر حوصلہ افزائی فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا بھی کرتے رہیں گے۔

جَزَاکُمُ اللّٰہُ خَیْرًا

آپ کی قیمتی آراء کے منتظر

احباب بیت العلم ٹرسٹ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس کتاب کا مطالعہ کس طرح کریں

۱ اگر ممکن ہو تو دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر دعا مانگ کر پڑھیں کہ اے اللہ! مجھے ان اسمائے مبارکہ سے دین کی کامل معرفت عطا فرما اور، اپنی کامل محبت وعظمت میرے دل میں بٹھا دے اور کتاب کا مطالعہ شروع کرنے سے پہلے اگر آسان اور ممکن ہو تو وضو کا اہتمام کریں، ہمارے بعض اکابر و بزرگانِ دین، دین کی کوئی کتاب بغیر وضو کئے نہیں اُٹھایا کرتے تھے۔ لہٰذا ''اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں کی تشریح'' کا مطالعہ وضو کے اہتمام کے ساتھ شروع کریں، ان شاء اللہ باوضو مطالعہ بہت خیر کا ذریعہ بنے گا۔

۲ مطالعہ کے وقت اللہ تعالیٰ کی محبت وعظمت کا استحضار کر کے مطالعہ کیا جائے، گویا اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ کے ذریعے، میں ان کی محبت اپنے دل میں پیدا کرنا چاہتا ہوں/ چاہتی ہوں۔ دل سے اللہ تعالیٰ کے غیر کو نکالنا چاہتا ہوں/ چاہتی ہوں۔

اگر ایسا کیا گیا تو قلب وروح کو انوار و برکات اور ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ ان شاء اللہ ضرور نصیب ہوگا۔

۳ اس بندہ عاجز نے بارہا اپنے اساتذہ کرام اور بزرگوں سے سنا ہے کہ ادب اور توجہ کے ساتھ جو علم حاصل کیا جائے اور سچی طلب اس میں شامل ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرماتے ہیں اور یہ تو سب ہی کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت ہمارے سینوں میں پیدا ہو جائے، اللہ تعالیٰ کے غیر پر ہماری نگاہ نہ رہے، اور یہ کہ رضا اور امید و خوف صرف اللہ ہی سے رہے، اس ضرورت کے لئے جتنا بھی توجہ و دھیان کے ساتھ، ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے دعائیں مانگتے ہوئے پڑھیں گے، اتنا ہی ان شاء اللہ فائدہ ہوگا۔

۴ اس کتاب کا مطالعہ خالص علمی سیر کی طرز پر ہرگز نہ کیا جائے، بل کہ محض معرفتِ الٰہی اور ایمان مضبوط، یقین کامل حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔

۵ مطالعہ کے دوران آپ کو جو مفید باتیں محسوس ہوں وہ ایک جگہ لکھتے رہیں اور اپنے گھر والوں اور دوست واحباب سے اُن کا مذاکرہ بھی فرماتے رہیں تو ان شاء اللہ سب کا فائدہ ہوگا۔

فہرستِ مضامین



Muhammad Hassan Jan
Sheikul Hadish, jamia Imdaadul Uloomul Islamia, Peshawar Cantt,
M.A. Islamic University of Madina Munawara
M.A.(Gold Medalist) Peshawar University
Voice President Wifaq Almadaris
Ex.Member National Assembly Pakistan
Ex. Member Council of Islamic Ideology Pakistan
Tel: Office:271497 Res:844302

محمد حسن جان
شیخ الحدیث بجامعة امداد العلوم الاسلامية بشاور صدر باکستان
(خریج الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة)
الماجستير من جامعة بشاور
نائب رئيس وفاق المدارس
عضو البرلمان الوطني سابقاً
عضو مجلس الفكر الاسلامي بجمهورية باكستان الاسلامية سابقاً
هاتف الجامعة:٢٧١٤٩٧ هاتف المنزل:٨٤٤٣٠٢

Ref No:
Date: ۱۱ / ۳ / ۲۰۰۶ء
۱۰ / ۲ / ۱۴۲۷ھ

تصدیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهُ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى وَنَحْنُ نَدْعُوْهُ بِهَا. وَصَلَاتُهُ وَسَلَامُهُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدِ الْمُجْتَبٰى وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَعَلٰى مَنِ اقْتَدٰى بِسِيْرَتِهِ وَاهْتَدٰى:

وَبَعْدُ! فَإِنَّ هٰذَا الْكِتَابَ الْمُسْتَطَابَ بَيْنَ يَدَيْكَ أَيُّهَا الْقَارِى الْكَرِيْم. كِتَابٌ قَيِّمٌ وَصَحِيْفَةٌ عِلْمِيَّةٌ نَيِّرَةٌ، أَوْضَحَ فِيْهِ أَخُوْنَا فِى اللّٰهِ تَعَالٰى "مُحَمَّد حَنِيْف" ـ اَلْمُحْتَرَمُ حَفِظَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى- أَسْمَآءَ اللّٰهِ الْحُسْنَى الَّتِي وَرَدَتْ فِى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَشَرَّحَهَا مُفَصَّلاً، وَاعْتَنٰى بِكَلِمَاتِهَا وَمِيْزَاتِهَا، وَمَا وَرَدَ فِي فَضَائِلِهَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ الْمُطَهَّرَةِ، وَمَا اهْتَمَّ بِهِ سَلَفُنَا الصَّالِحُ فِي وِرْدِهَا وَذِكْرِهَا، وَفِي مَا جَعَلُوْهُ لِحَلِّ مَشَاكِلِهِمِ الدُّنْيَوِيَّةِ وَالْأُخْرَوِيَّةِ فِى التَّوَسُّلِ بِهَا، وَمَا بَيَّنُوْا مِنْ مَّعَالِمِ الْهِدَايَةِ فِيْهَا لِلْأُمَّةِ الْمَرْحُوْمَةِ.

وَلَقَدْ أَعْجَبَنِيْ جِدًّا مَا مَرَحْتُ فِي أَوْرَاقِهِ الْبَرَّاقَةِ مِنْ نَظَرِى الْفَاتِرِ فِي عُجْلَةِ الْمُسْتَوْفِزِ. وَأَرْجُو اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى أَنْ يَّنْفَعَ بِهِ الْعُلَمَاءَ وَالنَّاشِئَةَ مِنَ الطَّلَبَةِ، وَعَامَّةَ الْمُسْلِمِيْنَ مِمَّنْ طَالَعُوْهُ بِحُبِّ الْقَلْبِ وَعَزْمِ الْاِسْتِفَادَةِ مِنْ أَضْوَائِهِ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَأَنْ يَّجْعَلَهٗ وَسِيْلَةً لِنَجَاةِ الْمُؤَلِّفِ الْمُحْتَرَمِ وَ إِخْوَانِهِ الَّذِيْنَ سَاعَدُوْهُ فِي جَمْعِهِ وَطَبْعِهِ وَذُخْراً لِعِقَابِهِمْ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُونَ وَهُوَ وَلِيُّ ذٰلِكَ وَالْقَادِرُ عَلَيْهِ.

اخوكم في الله
محمد حسن جان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کلماتِ تبریک

مولانا ابن الحسن عباسی صاحب مدظلہ العالی

استاذِ حدیث جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا

حضرت مولانا محمد حنیف صاحب مدظلہ نے بہت مختصر عرصے میں کئی مفید کتابیں مرتب فرمائی ہیں: مثالی اُستاذ، مثالی ماں، تحفۂ دلہن اور تحفۂ دولہا، ان کی مرتبہ کردہ مقبول عام کتابیں ہیں۔ اس ناکارہ نے ان کی بعض کتابوں سے استفادہ کیا ہے اور دورانِ مطالعہ محسوس ہوا کہ انہوں نے کتاب ترتیب دیتے وقت ہمارے معاشرے کی نفسیات کو بطورِ خاص پیش نظر رکھا ہے، ان کا اسلوب عام فہم، انداز انتہائی سہل لیکن سنجیدہ و پروقار، تحریر کے بین السطور میں ایک داعی و مبلغ کا درد اور اصلاح کا جذبہ نمایاں، اکابر کی تحریروں سے جگہ جگہ مفید اقتباسات، خوب صورتی اور سلیقہ مندی کے ساتھ کتاب کی طباعت اور اشاعت ان کی اور ان کے ادارے کی کتابوں کی یہ چند امتیازی خصوصیات ہیں۔

زیرِ نظر کتاب انہوں نے ''اسمائے حسنیٰ'' کے موضوع پر مرتب فرمائی ہے۔ یہ ایک معطر اور مشک بار موضوع ہے، اللہ کے ایک ایک اسم میں جو مٹھاس، حلاوت اور روحانیت ہے اس کا احساس ایک قلبِ مؤمن ہی کو ہوسکتا ہے۔

اس ناکارہ نے ان کی اس کتاب کا کچھ حصہ پڑھا، ان کے قلم کی خصوصیت اس میں بھی اس طرح جھلکتی ہے، انہوں نے اولاً ایک اسم ذکر کیا ہے، اس کے معنی لکھے ہیں، پھر اس کی سیر حاصل تشریح کی ہے اور اس اسم سے متعلق دوسری کئی مفید بحثوں کو بھی مختلف مناسبتوں سے قلم بند کیا ہے، جو کچھ لکھا اس کے حوالہ جات کا بھی اہتمام کیا ہے، مثلاً: ''السَّلَامُ'' کے تحت سلام کرنے کی فضیلت، سلامتی کا مفہوم اور سلامتی کی دعائیں بھی ذکر کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ان کے لئے ذخیرہ آخرت اور قارئین کے لئے مفید بنائیں۔

مولانا ابن الحسن عباسی صاحب

تقریظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مولانا حافظ قاری مفتاح اللہ عفا اللہ عنہ
استاذ حدیث و تفسیر و فقہ و اصول فقہ
جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی ۵
خطیب جامع مسجد گلشن عمرؓ۔ فیڈرل بی ایریا بلاک ۲۰
کراچی۔ پاکستان

Moulana Hafiz Qari Miftahullah
USTAD HADIS, TAFSEER, FIQAH & ASOOL-E-FIQAH
Jamia-tul-Uloom-il-Islamiyyah,
Allama Banuri Town, Karachi-5.
KHATIB JAMIA MASJID GULSHAN-E-UMER
Federal 'B' Area, Block No. 20,
Karachi-Pakistan.

DATE ۰۱ - ۰۹ - ۱۴۲۶

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّيۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ

اَمَّا بَعۡدُ! اللہ تعالیٰ نے اس جہاں میں مختلف لوگوں کو مختلف اعمال و اشغال کے لئے پیدا کیا ہے:

ہر کسے را بہر کارے ساختند میل اُورا در دلش انداختند[1]

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ ان ہی خوش قسمت لوگوں میں سے مؤلف سَلَّمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى کا خاندان ہے۔

مولانا محمد حنیف صاحب نے کئی گراں قدر تصانیف کی ہیں، الحمد للہ "تحفۂ دلہن"، "تحفۂ دولہا"، "والدین کی قدر کیجئے"، مقبولِ عام و خاص ہیں۔ ان ہی میں سے زیرِ نظر تصنیف "اسمائے حسنیٰ" ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو عوام و خواص کے لئے مفید بنائے۔

کائنات کا ذرّہ ذرّہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء کا مظہر ہے، اور انسان اپنی تمام ضروریات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء کا محتاج ہے۔

اس کتاب کو پڑھنے سے ان شاء اللّٰہ وہ تمام معلومات حاصل ہوں گی جو اسمائے مبارکہ سے متعلق ہیں۔

ایک مرتبہ پھر دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کو مقبول و نافع بنائے، آمین ثم آمین۔

مفتاح اللہ
یکم رمضان المبارک
۱۴۲۶ھ

[1] ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لئے مخصوص لوگ پیدا فرمائے ہیں، اور ان لوگوں کے دل میں اُس کام کا میلان اور شوق بھی پیدا فرمایا ہے۔"

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہ العالی

استاذِ حدیث و نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

احقر نے برادرِ مکرم مولانا حنیف عبدالمجید صاحب زید مجدہم اور ان کے احباب کی مرتب کردہ کتاب ''اسمائے حسنیٰ'' دیکھی اور اس کے کچھ صفحات متفرق مقامات سے پڑھے تو احقر کو قلبی طور پر بہت فائدہ محسوس ہوا۔ اکابر کے علوم بہت آسان زبان میں بیان کئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں قبولیت سے نوازیں اور اس کا نفع خوب عام فرمائیں۔ آمین

احقر محمود اشرف غفر اللہ لہ

جامعہ دارالعلوم کراچی (۷۵۱۸۰)

۵ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مقدمہ طبعِ اوّل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

اما بعد! انسان کے مختلف بشری تقاضے اور ضروریات ہوتی ہیں، جب انسان پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے، مصائب و مشکلات کا شکار ہوتا ہے اور مخلوق میں سے کسی کے بارے میں اس کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص میرا کام کر دے گا، تو یہ اس کی تلاش میں لگ جاتا ہے، اگر کوئی کہہ دے کہ فلاں تھانیدار، گورنر، وزیر سے میری جان پہچان ہے، تو انسان مطمئن ہو جاتا ہے کہ اب میرا کام ہو جائے گا۔ اسی طرح انسان کی کوشش یہ ہو کہ ہم میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کی جان پہچان نصیب ہو جائے یعنی ہر پریشانی، ہر مصیبت بل کہ ہر آن، ہر گھڑی، ہر حال میں ہماری نگاہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ انسان کا تعلق اپنے خالق سے کس طرح قائم ہو اور اللہ تعالیٰ کی معرفت انسان کو کس طرح حاصل ہو؟

اس کا ایک اہم ذریعہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ ہیں۔ جب انسان ان ناموں کے معنی اور مفہوم میں غور و فکر کرے اور ان میں موجود صفات سے تعلق اور نسبت پیدا کرے، تو یہ انسان دونوں جہانوں میں کامیاب ہوگا۔

جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے ناموں کی صفات و معرفت ہوں گی، اُس کو اللہ تعالیٰ کا تعلق نصیب ہوگا، اور جس کو اللہ تعالیٰ کا تعلق مل گیا اس کو کبھی کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوسکتی، بقول کسی شاعر کے ؎

جس کو مولیٰ ملے اُسے کوئی مرض نہ ملے   جس کو مولیٰ نہ ملے اُسے کوئی دوا نہ ملے

اسی طرح جس کو اسمائے حسنیٰ کی معرفت حاصل ہوگئی، تو اس کو پریشانی و بے چینی نہیں ستائے گی اور اس میں اللہ تعالیٰ کا خوف بھی ہوگا، اس لئے کہ جو شخص یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ ہی عَلِيْمٌ وَ خَبِيْرٌ ہے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی چیز مخفی نہیں ہے، تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے زیادہ خوف رکھے گا، برخلاف اس شخص کے، جو اللہ تعالیٰ کی یہ صفات نہیں جانتا، اور جو شخص یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ قَدِيْرٌ ہے، ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، تو وہ اس شخص کے مقابلے میں زیادہ متقی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے ناواقف ہو۔

اسی بات کی حقیقت دل میں بٹھانے کے لئے "اسمائے حسنیٰ حصہ اوّل" کے بعد "اسمائے حسنیٰ حصہ دوم" کی تیاری میں یہ ادنیٰ سی کوشش کی گئی ہے، جس میں مندرجہ ذیل امور کا خاص طور سے لحاظ رکھا گیا ہے:

1. اسمائے حسنیٰ کے لغوی و اصطلاحی معنی۔

۲ قرآن کریم کی جن آیات میں اسمائے حسنیٰ کا ذکر ہے اُن میں سے کم از کم تین آیات کا ذکر۔
۳ قرآنی آیات، احادیثِ نبویہ اور ائمہ کرام کے اقوال کی روشنی میں اسمائے حسنیٰ کی تشریح۔
۴ اسمائے حسنیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے لئے مواعظِ حسنہ۔
۵ ہر اسم کے تحت اس اسم کی خصوصیات سے متعلق مفید اذکار اور دعائیں۔
۶ ہر اسم کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بڑھانے کے لئے فوائد و نصائح۔

آخر میں گزارش ہے کہ اپنی دعاؤں میں ان تمام بزرگوں، مصنّفین اور مؤلفین کو یاد رکھیں جن کی کتب سے یہ کتاب تیار کی گئی ہے۔

تاہم یہ کام پایۂ تکمیل کو اس وقت تک نہ پہنچتا جب تک اللہ تعالیٰ کی نصرت و توفیقِ الٰہی کے ساتھ ساتھ مخلص احباب کی ایک مجلسِ شوریٰ اس کے لئے دن رات ایک نہ کر رہی ہوتی، خاص کر شروع کی تصحیح میں مولوی صالح صاحب اور مولوی عمیر صاحب (فاضلانِ جامعہ فاروقیہ)، اور اِن کے بعد عزیزم مولوی ریاض احمد صاحب (فاضل جامعہ فاروقیہ)، مولوی ارشد محمود صاحب (فاضل جامعہ عربیہ احسن العلوم)، اور مولوی ارشد اقبال صاحب (فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن) کے تعاون کا نہایت ممنون ہوں۔

ان کے لئے بھی اور ادارہ کے تمام اساتذہ معاونین کے لئے بھی دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی عافیت نصیب فرمائے اور اعلائے دین کی خدمت کے لئے دیر سے دیر اور دور سے دور کے لئے ہم سب کو قبول فرمائے اور بندہ کے لئے بھی فرض نماز کے بعد ضرور دعا کیجئے اس سے آپ کو بھی فائدہ ہوگا، اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"مَا مِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ يَدْعُوْ لِأَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ إِلَّا قَالَ الْمَلَكُ: وَلَكَ بِمِثْلٍ."[1]

تَرجَمَہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو کوئی مسلمان اپنے (مسلمان) بھائی کے لئے غائبانہ (پیٹھ پیچھے) دعا کرے تو ایک فرشتہ کہتا ہے، تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو۔"

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حصہ اوّل کی طرح حصہ دوم کو بھی اپنی بارگاہ ایزدی میں شرفِ قبولیت سے نوازیں، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَمَنْ تَبِعَهُمْ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ.

آپ کی دعاؤں کا طالب

محمد حنیف عبد المجید

۱۵/ شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ

[1] مسلم، کتاب الذکر، باب فضل الدعاء للمسلمين بظهر الغيب: ۳۵۱/۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مقدمہ طبعِ ثانی

﴿وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ﴾ (الضحیٰ: ۱۱)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ! میرے لئے زیرِ نظر کتاب ''اسمائے حسنیٰ'' کا تالیف کرنا انتہائی خوشی کی بات ہے۔ ہر انسان کی کوئی آخری تمنا ہوتی ہے، میری آخری تمنا یہی تھی کہ مولائے کریم اپنے ناموں کی تشریح وتفسیر کے لئے میرے قلم اور میرے ساتھیوں کو منتخب فرمائے۔

کتنا اس پر شکر کروں اور کتنی سعادت سمجھوں اپنے لئے، اپنے خاندان، اپنے اساتذہ و والدین کے لئے کہ اُس مولائے کریم نے اپنے ناموں کا تعارف کروانے کی ہمیں سعادت بخشی۔

لَقَدۡ جُدۡتَ اِنۡعَامًا عَلَيَّ وَمِنَّةً وَفَضۡلاً وَاِحۡسَانًا فَهَا أَنَا شَاكِرٌ[1]

یہ نام صرف نام نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ کی (جو اس کائنات زمین و آسمان اور انسان کا پیدا کرنے والا اور اس کارخانۂ قدرت کا تنہا چلانے والا ہے) صفات ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان خوبیوں، قدرتوں، کمالات اور اوصاف کا مالک ہے، اس کو اپنی مخلوق سے کیسا تعلق ہے، وہ ان پر کتنا مہربان ہے،...... وہ کتنا قابلِ محبت، مستحقِ اطاعت وعبادت اور تعظیم واحترام ہے، کیا چیز ہے جو اس کے پاس نہیں، اور اس کے احاطۂ قدرت میں داخل نہیں؟ کائنات میں اس سے زیادہ محبت کرنے والا ...... اچھائی کی قدر کرنے والا ...... رحم کرنے والا ...... انصاف کرنے والا ...... چھوٹی بڑی چیز کا جاننے والا ...... اور بڑی سی بڑی چیز اور مشکل سے مشکل کام کو نیست (عدم) سے ہست (وجود) میں لانے والا، اور ناممکن کو ممکن بنا دینے والا، اس کے علاوہ کون ہے؟ پھر کیوں نہ اس سے محبت کی جائے، اس کی بڑائی کے گیت گائے جائیں، اُٹھتے بیٹھتے اس کا نام لیا جائے، ہر مشکل ہر مصیبت میں اس کو پکارا جائے اس کی دہائی دی جائے، اس کے سہارے جیا جائے، زندگی بھر اس کا دم بھرا جائے اور اس کے منشاء پر چلا جائے، اپنی جان اپنے ماں باپ اور اولاد اور پیاری سے پیاری چیز سے زیادہ اس سے محبت کی جائے، پھر اس سب کے ہوتے ہوئے اس کے سوا کسی کی بندگی کرنے، کسی سے دعا والتجا کرنے اور کسی کو کارساز ومشکل کشاء سمجھنے کا کیا جواز ہے۔ تمام آسمانی صحیفوں اور مذہبوں اور تمام شریعتوں نے بھی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ زور اللہ تعالیٰ کی صفات پر دیا ہے، اس کے بعد عبادات، طاعات، اور فرائض ومعاملات کی

[1] ترجمہ: ''بلاشک وشبہ آپ نے مجھ پر انعامات اور احسانات کی بارش کر دی ہے، لیجئے میں آپ کے عظیم وعالی دربار میں شکر کرنے آپہنچا۔''

تفصیل بیان کی ہے۔

سارے مسلمانوں کے لئے عموماً اور اُردو زبان جاننے والوں کے لئے خصوصاً یہ انتہائی سعادت اور خوشی کی بات ہے کہ اس زبان کے اندر اگرچہ یہ انوکھا البیلا تو نہیں، البتہ ہمارے علم کے موافق اس طرح کا یہ پہلا کام ہے جو محض بتوفیقِ الٰہی ہم سے لیا گیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! عربی زبان میں اس پر بے شمار کتب تیار ہو چکی ہیں کہ ''اسمائے حسنیٰ'' سے جو اصل مقصد ہے، اللہ تعالیٰ کی معرفت، توحید، اللہ تعالیٰ کی محبت، وہ انسانوں کو بتلایا جائے۔ اس لحاظ سے اس طرح کا کام اُردو زبان میں کم ہوا تھا ...... بِحَمْدِ اللّٰہِ تَعَالٰی اب یہ کام مکمل ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس نئے ایڈیشن میں بندہ اپنے معاونین مولوی اختر علی صاحب (سابق استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی) اور مولوی خلیل الرحمٰن صاحب (فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی) کا نہایت ممنون ہے جنھوں نے پروف ریڈنگ، علامات ترقیم اور تصحیح وتخریج میں کافی تعاون فرمایا، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس کی قبولیت اور بندہ اور بندہ کے معاونین حضرات کے لئے صدقۂ جاریہ اور نجات کا ذریعہ بننے کے لئے آپ حضرات سے دعا کی درخواست ہے اور گزارش ہے کہ اس کتاب کو اپنے رشتہ داروں، دوست احباب اور تعلق والوں میں خوب عام کریں، تاکہ دوسرے مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں کی معرفت اور اللہ ربّ العزت سے محبت پیدا کرنے میں آپ کا بھی حصہ شامل ہو جائے، کیوں کہ انسانی معاشرے میں اگر ''اسمائے حسنیٰ'' سے حاصل ہونے والے اخلاق وصفات آجائیں تو ہر کنبہ اور معاشرہ جنت کدہ بن سکتا ہے، ہر زمانے اور خاص طور پر مادیت کے اس دور میں ہزارہا انسانی مسائل کا حل اسمائے حسنیٰ میں مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اسماء مبارکہ کے فیوض وبرکات، انوار واسرار اور اخلاق وآثار نصیب فرمائے۔ آمین

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

آپ کی دعاؤں کا طالب

محمد حنیف عبدالمجید

۱۵ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ

اَلْحَكِيْمُ جَلَّ جَلَالُهٗ

(بڑی حکمتوں والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ اَلْحَكِيْمُ: اَلَّذِيْ لَا يَدْخُلُ فِيْ تَدْبِيْرِهٖ خَلَلٌ وَّلَا زَلَلٌ.[1]

ترجمہ: علامہ ابنِ جریر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''اَلْحَكِيْمُ جَلَّ جَلَالُهٗ'' وہ ذات ہے جس کی تدبیریں مضبوط ہیں اور اُن میں کوئی خلل اور رکاوٹ نہیں آتی۔''

❷ علامہ ابنِ کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''اَلْحَكِيْمُ جَلَّ جَلَالُهٗ'' وہ ذات ہے جو اپنے تمام افعال و اقوال میں حکیم ہے۔ اس طرح کہ ہر چیز کو اس کی صحیح جگہ پر اپنے علم، حکمت اور انصاف کے ساتھ رکھتا ہے۔''[2]

❸ حضرت امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''اَلْحَكِيْمُ جَلَّ جَلَالُهٗ'' وہ ذات ہے کہ ٹھیک بات کہنا اور صحیح کام کرنا ہی اس کی شان ہو اور مناسب بھی یہی ہے کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ہوں اس لئے کہ اس کے افعال بالکل مناسب اور اس کی پیدا کردہ چیزیں بالکل ٹھیک ہیں اور یہ سب باتیں حکیم ذات کے علاوہ کسی سے نہیں ہوسکتیں جیسا کہ تمام کاموں پر قدرت اسی ذات کو ہے جو زندہ ہے، تمام باتوں کو جانتا ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔[3]

اللہ پاک کا اسم مبارک ''اَلْحَكِيْمُ'' قرآن مجید میں (۹۴) مرتبہ آیا ہے، جن میں سے تین یہ ہیں:

﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾[4]

---

[1] النهج الاسمٰى: ۲۴۴/۱

[2] قَالَ ابْنُ كَثِيْرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: اَلْحَكِيْمُ فِيْ أَفْعَالِهٖ وَأَقْوَالِهٖ فَيَضَعُ الْأَشْيَاءَ فِيْ مَحَالِّهَا لِعِلْمِهٖ وَحِكْمَتِهٖ وَعَدْلِهٖ. (تفسير ابن كثير: ۱۲۲، البقرة: ۱۲۹)

[3] وقَالَ الْحَلِيْمِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: ''اَلْحَكِيْمُ'' وَمَعْنَاهُ الَّذِيْ لَا يَقُوْلُ وَلَا يَفْعَلُ إِلَّا الصَّوَابَ، وَ إِنَّمَا يَنْبَغِيْ أَنْ يُّوْصَفَ بِذٰلِكَ لِأَنَّ أَفْعَالَهٗ سَدِيْدَةٌ، وَصُنْعَهٗ مُتْقِنٌ، وَلَا يَظْهَرُ الْفِعْلُ الْمُتْقِنُ السَّدِيْدُ إِلَّا مِنْ حَكِيْمٍ، كَمَا لَا يَظْهَرُ الْفِعْلُ عَلٰى وَجْهِ الْإِخْتِيَارِ إِلَّا مِنْ حَيٍّ عَالِمٍ قَدِيْرٍ. (النهج الاسمٰى: ۲۴۴/۱)

[4] البقرة: ۲۲۸

ترجمہ: ”اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔“

﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾[1]

ترجمہ: ”اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔“

﴿وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾[2]

ترجمہ: ”اور وہی بڑی حکمت والا پوری خبر رکھنے والا ہے۔“

حکمتِ خداوندی کی کھلی نشانی

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی اپنے سفر نامے میں اس قدرتِ باری تعالیٰ کا عملی مشاہدہ بیان فرماتے ہیں:

”کیپ ٹاؤن دنیا کے حسین ترین مقامات میں سے ایک ہے۔ یہاں سمندروں، پہاڑوں، جھیلوں اور سرسبز میدانوں میں ہر طرح کا فطری حسن موجود ہے اور اسی شہر کے جنوب میں تقریباً ۷۰، ۸۰ کلومیٹر کے فاصلے پر وہ مشہور تاریخی ٹیلہ ہے، جسے اردو میں ”راسِ اُمید“ عربی میں ”رَأْسُ الرَّجَاءِ الصَّالِح“ اور انگریزی میں (Capofgoodhope) کہا جاتا ہے، جو اس سمت میں آباد دنیا کا آخری کنارہ ہے۔

یہیں سے ”واسکوڈی گاما“ نے ہندوستان کا راستہ دریافت کیا تھا اور اسی مقام پر دنیا کے دو بڑے سمندروں ”بحراوقیانوس“ اور ”بحرِ ہند“ کا وہ سنگم ہے جو ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ﴾[3] کا دِل آویز منظر پیش کرتا ہے۔ اس سے پہلے بھی یہاں آنا ہوا تھا لیکن اس وقت ابر آلود موسم کی وجہ سے دونوں سمندروں کا امتیاز واضح نہ تھا۔ اس مرتبہ موسم صاف تھا، اس لئے وہ امتیازی لکیر میلوں دُور تک نظر آ رہی تھی جسے قرآن حکیم نے ﴿بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ﴾[4] سے تعبیر فرمایا ہے اور جسے دیکھ کر انسان بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾[5]

اسی طرح حکمتِ خداوندی کے بہت سے مظاہر انسان اپنے جسمانی نظام میں غور کرے تو نظر آئیں گے مثلاً: سانس لینا، کھانا پینا، پیدل چلنا وغیرہ۔ لوگوں کے لئے یہ فطری باتیں ہیں، مگر یہ بنیادی کام کس طرح عمل پذیر ہوتے ہیں اس میں غور نہیں کرتے۔

مثال کے طور پر جب ہم پھل کھاتے ہیں، عین اُسی وقت ہمارا جسم بڑی جزئیات کے ساتھ ایسے فعل سے گزر رہا

---

[1] النساء: ٢٦ [2] الأنعام: ١٨

[3] الرحمٰن: ١٩، ترجمہ: ”اس نے دو دریا جاری کر دیئے جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔“

[4] الرحمٰن: ٢٠، ترجمہ: ”ان دونوں میں ایک آڑ ہے کہ اس سے بڑھ نہیں سکتے (یعنی دونوں کے پانی آپس میں نہیں ملتے)۔“

[5] المؤمنون: ١٤، ترجمہ: ”سو بڑی برکت اللہ کی ہے جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔“ (جہانِ دیدہ: ٦)

ہوتا ہے جس کا ہمیں تصور تک نہیں ہوتا۔

جوں ہی خوراک کا ایک لقمہ ہمارے منہ کے اندر جاتا ہے تو نظامِ ہضم اپنا کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ لعابِ دہن خوراک کو پہلے گیلا کرتا ہے اور پھر دانتوں سے اس کے پس جانے اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تبدیل ہو جانے پر مُری (Oesphagus) سے نیچے معدے میں اُتار دیتا ہے۔ یہاں پہنچ کر معدے میں موجود نمک کے ترشے سے یہ خوراک ہضم ہو جاتی ہے۔ یہ ترشہ اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ اس میں موجود صلاحیت خوراک کو تحلیل کر دیتی ہے۔ مفید خوراک کے وہ ٹکڑے جن کو نظامِ ہضم توڑتا ہے، انہیں چھوٹی آنت کی دیواریں جذب کر لیتی ہیں اور یہ خون کی ندی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ چھوٹی آنت کے اندر کی سطح پر چھوٹے چھوٹے عسلج (Tendrils) جمع ہو جاتے ہیں۔ جنہیں خملہ (Villus) کہتے ہیں۔ اس کے سب سے اوپر والے حصے میں موجود خلیوں پر خوردبینی توسیع ہوتی ہے، جسے خورد خملے (Micro Villus) کہتے ہیں۔ یہ توسیعات خوراک کو جزوِ بدن بنانے کے لئے پمپوں کا کام کرتی ہیں۔ اس طرح جزوِ بدن بننے والی خوراک جسم میں دورانِ خون کے نظام کے ذریعے چاروں طرف پہنچادی جاتی ہے۔

اب آپ ایک جان دار کے بارے میں تصور کر سکتے ہیں کہ جب خوراک اُس کے معدے کے اندر پہنچتی ہے تو اس کے اندر کئی کیمیائی تبدیلیوں سے معدے میں اسے توڑنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور محض کسی ارتقائی عمل سے اُس کے جسم میں اِس قسم کی کیمیائی تبدیلی ممکن نہیں۔ مزید برآں یہ کہ اس تحلیل کے دوران معدے کی دیواریں ساتھ ساتھ وہ افراز (Secretion) پیدا کرتی ہیں جسے لعاب کہتے ہیں۔

اگر یہ پیدا نہ ہو تو ترشہ تو معدے کو تباہ کر دے گا۔ اس لئے زندگی کو قائم رکھنے کے لئے معدے کو یہ دونوں سیال مادّے (ترشہ اور لعاب) ساتھ ساتھ پیدا کرنے ہوں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ کوئی تدریجی انطباق یا اتفاقی ارتقاء نہیں ہے، بل کہ اللہ ربُّ العزت کی شعوری تخلیق اور حکمت کا مظہر ہے۔[1]

الحکیم جل جلالہٗ کی حکمت کے کرشمے

یوں تو اس کائنات میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے، جو اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت کے بغیر پیدا کی ہو، ہر چیز کا کوئی نہ کوئی عمل اور فائدہ ضرور ہے۔ اقبال مرحوم نے خوب کہا: ؎

نہیں کوئی چیز نکمّی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں کوئی چیز بری پیدا نہیں فرمائی، تکوینی اعتبار سے سب اچھی ہیں، ہر ایک کے اندر کوئی نہ کوئی تکوینی مصلحت ضرور ہے، البتہ جب ہمیں کسی چیز کی حکمت اور مصلحت کا پتہ نہیں ہوتا تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ چیز

[1] اللہ کی نشانیاں: ۳۷، بالتلخیص

بری ہے، ورنہ حقیقت میں کوئی چیز بری نہیں۔ حتیٰ کہ وہ مخلوقات جو بظاہر موذی اور تکلیف دہ معلوم ہوتی ہیں مثلاً: سانپ اور بچھو ہیں، ان کو ہم اس لئے برا سمجھتے ہیں کہ بعض اوقات یہ ہمیں نقصان پہنچاتے ہیں، لیکن کائنات کے مجموعی انتظام کے لحاظ سے ان میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ضرور ہے، ان میں فائدہ موجود ہے، چاہے ہمیں پتہ چلے یا نہ چلے۔

مکھی اور متکبر بادشاہ

واقعہ نمبر ①: ایک بادشاہ کا قصہ لکھا ہے کہ وہ ایک دن اپنے دربار میں بڑی شان وشوکت سے بیٹھا ہوا تھا۔ ایک مکھی آکر اس کی ناک پر بیٹھ گئی، اس بادشاہ نے اس کو اُڑا دیا، وہ پھر آکر بیٹھ گئی، اس نے دوبارہ اڑایا، وہ پھر آکر بیٹھ گئی۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض مکھیاں بہت ضدی قسم کی ہوتی ہیں۔ ان کو کتنا ہی اڑالو، وہ دوبارہ اسی جگہ پر آکر بیٹھ جاتی ہیں۔ وہ بھی اسی قسم کی تھی۔ بادشاہ نے اس وقت کہا: خدا جانے یہ مکھی اللہ تعالیٰ نے کیوں پیدا کی؟

یہ تو تکلیف ہی تکلیف پہنچا رہی ہے، اس کا کوئی فائدہ تو نظر نہیں آتا۔ اس وقت دربار میں ایک بزرگ موجود تھے۔ ان بزرگ نے اس بادشاہ سے کہا: اس مکھی کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ تم جیسے جابر اور متکبر انسانوں کے دماغ درست کرنے کے لئے پیدا کی ہے۔ تم اپنی ناک پر مکھی بیٹھنے نہیں دیتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا کہ تم اتنے عاجز ہو کہ اگر ایک مکھی تمہیں ستانا چاہے تو تمہارے اندر اتنی بھی طاقت نہیں ہے کہ اپنے آپ کو اس کی تکلیف سے بچالو۔ اس کی پیدائش کی یہی حکمت اور مصلحت کیا کم ہے؟ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو کسی نہ کسی مصلحت اور حکمت کے تحت پیدا کیا ہے۔[1]

ناکامی میں بھی حکمت ہے

واقعہ نمبر ②: امام احمد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے نوف بکالی سے ایک عجیب حکایت نقل فرمائی ہے، فرمایا:

ایک مرتبہ دو شخص مچھلیوں کے شکار کی غرض سے نکلے، ان میں ایک کافر تھا اور دوسرا مسلمان، کافر اپنا جال ڈالتے وقت اپنے معبودوں کا نام لیتا جس کی وجہ سے اس کا جال مچھلیوں سے بھر جاتا اور مسلمان اپنا جال ڈالتے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لیتا لیکن کوئی مچھلی اس کے ہاتھ نہ آتی، اس کا جال خالی رہتا، اسی طرح غروبِ آفتاب تک دونوں شکار کرتے رہے، آخرکار ایک مچھلی مسلمان کے ہاتھ لگی۔

لیکن وائے ناکامی! وہ مچھلی بھی اس کے ہاتھ سے اچھل کر پانی میں کود گئی، یہاں تک کہ یہ بے چارہ غریب مسلمان شکارگاہ سے ایسا خائب وخاسر (خالی ہاتھ) لوٹا کہ اس کے ساتھ کوئی شکار نہ تھا اور کافر ایسا کامیاب لوٹا کہ اس کا تھیلا مچھلیوں سے بھرا ہوا تھا، اس عجیب وغریب حیرت ناک واقعہ سے مؤمن کے فرشتے (جو اللہ کی طرف سے ہر انسان کی

[1] اصلاحی خطبات، ایک بادشاہ ایک مکھی: ۱۵۸/۵

نگرانی پر مامور ہیں) کو سخت افسوس ہوا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: اے میرے رب! یہ کیا بات ہے کہ تیرا ایک مؤمن بندہ جو تیرا نام لیتا ہے، ایسی حالت میں لوٹتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی شکار نہیں ہوتا اور تیرا کافر بندہ ایسا کام یاب واپس آتا ہے کہ اس کا تھیلا مچھلیوں سے لبریز ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مردِ مؤمن کا عالی شان محل دکھا کر جو اس کے لئے جنت میں تیار کر رکھا ہے مؤمن کے فرشتے سے خطاب فرمایا: اے فرشتے! کیا اس مقام کو حاصل کرنے کے بعد میرے اس بندہ مؤمن کو جو رنج وتعب دنیا میں مچھلیوں کے شکار میں ناکامی کے باعث ہوا تھا، باقی رہے گا؟

اور کافر کے اس بدترین مقام کو دکھلا کر جو اس کے لئے جہنم میں تیار کر رکھا ہے ارشاد فرمایا: کافر کی وہ چیزیں جو اس کو دنیا میں عطا کی گئیں اس جہنم کے دائمی عذاب سے نجات دلاسکتی ہیں؟ فرشتے نے جواب دیا: اے میرے پروردگار! آپ کی ذات کی قسم، بالکل ایسا نہیں ہوسکتا۔[۱]

کوئی نکمہ نہیں قدرت کے کارخانہ میں

واقعۂ نمبر (۳): امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ مشہور بزرگ اور علمِ کلام کے ماہر گزرے ہیں۔ انہوں نے ''تفسیرِ کبیر'' کے نام سے قرآن کریم کی مشہور تفسیر لکھی ہے۔ اس تفسیر میں صرف سورۂ فاتحہ کی تفسیر دو سو صفحات پر مشتمل ہے اور اس تفسیر میں سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کی تفسیر کے تحت ایک واقعہ لکھا ہے: میں نے ایک بزرگ سے خود ان کا اپنا واقعہ سنا، وہ بغداد میں رہتے تھے۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں: ''ایک دن شام کو سیر کرنے کے لئے ''دریائے دجلہ'' کے کنارے کی طرف چلا گیا۔ جب میں دریائے دجلہ کے کنارے کنارے چلنے لگا تو میں نے دیکھا کہ میرے آگے ایک بچھو چلا جا رہا ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ بچھو بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی نہ کسی حکمت اور مصلحت کے تحت ہی پیدا فرمایا ہے۔ اب اس وقت پتہ نہیں کہاں سے آ رہا ہے؟...... کہاں جا رہا ہے؟...... اس کی منزل کیا ہے؟...... وہاں جا کر کیا کرے گا......؟

میرے دل میں خیال آیا کہ میرے پاس تو وقت ہے، میں سیر کے لئے نکلا ہوں، آج میں اس بچھو کا تعاقب کرتا ہوں کہ یہ کہاں جاتا ہے، چناں چہ وہ بچھو آگے آگے چلتا رہا اور میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ چلتے چلتے اس نے پھر دریا کی طرف رخ کیا اور کنارے پر جا کر کھڑا ہوگیا۔ میں بھی قریب ہی کھڑا ہوگیا، تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ دریا میں ایک کچھوا تیرتا ہوا آ رہا ہے۔ وہ کچھوا آ کر کنارے لگ گیا، اور یہ بچھو چھلانگ لگا کر اس کی پشت پر سوار ہوگیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے اُس کے لئے دریا عبور کرنے کے لئے کشتی بھیج دی۔ چناں چہ وہ کچھوا اس کو اپنی پیٹھ پر سوار کر کے

[۱] سکونِ قلب: ۳۲۵

روانہ ہوگیا۔ چوں کہ میں نے یہ طے کرلیا تھا کہ آج میں یہ دیکھوں گا کہ بچھو کہاں جارہا ہے، اس لئے میں نے بھی کشتی کرائے پر لی اور اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوگیا۔ حتیٰ کہ اس کچھوے نے دریا پار کیا اور اسی طرح دوسرے کنارے جا کر لگ گیا اور وہ بچھو چھلانگ لگا کر اتر گیا۔ اب بچھو آگے چلا اور میں نے اس کا پھر تعاقب کرنا شروع کردیا۔

آگے چل کر میں نے دیکھا کہ ایک آدمی ایک درخت کے نیچے سورہا ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ شاید یہ بچھو اس آدمی کو کاٹنے جارہا ہے۔ میں نے سوچا کہ میں جلدی سے اس آدمی کو بیدار کردوں تاکہ وہ شخص اس بچھو سے بچ جائے۔ لیکن جب میں اس آدمی کے قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک زہریلا سانپ اپنا پھن اٹھائے اس آدمی کے سر کے پاس کھڑا ہے اور قریب ہے کہ وہ سانپ اس کو ڈس لے، اتنے میں یہ بچھو تیزی کے ساتھ سانپ کے اوپر سوار ہوگیا اور اس کو ایک ایسا ڈنک مارا کہ وہ سانپ بل کھا کر زمین پر گر پڑا اور تڑپنے لگا۔

پھر وہ بچھو وہاں سے کسی اور منزل پر روانہ ہوگیا۔ اچانک اس وقت اس سونے والے شخص کی آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ قریب سے ایک بچھو جارہا ہے، اس نے فوراً ایک پتھر اٹھایا اور اس بچھو کو مارنے کے لئے دوڑا، میں قریب ہی کھڑا ہوا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ اس لئے میں نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑلیا اور اس سے کہا: ''تم جس بچھو کو مارنے جارہے ہو، یہ تمہارا محسن ہے اور اس نے تمہاری جان بچائی ہے۔ حقیقت میں یہ سانپ جو یہاں مرا ہوا پڑا ہے، تم پر حملہ کرنے والا تھا اور قریب تھا کہ ڈنک مار کر تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے بہت دور سے اس بچھو کو تمہاری جان بچانے کے لئے بھیجا ہے اور اب تم اسی بچھو کو مارنے کی کوشش کررہے ہو۔''

وہ بزرگ فرماتے ہیں: میں نے اس روز اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا یہ کرشمہ دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ اس بچھو کو دریا کے دوسرے کنارے سے اس شخص کی جان بچانے کے لئے یہاں لائے۔'' بہرحال دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جس کے پیدا کرنے میں الحکیم جل جلالہ کی کوئی نہ کوئی تکوینی حکمت اور مصلحت نہ ہو۔[1]

بلاشبہ عالم کا یہ اکمل واحکم اور بہترین نظم ونسق ہی ایسی چیز ہے، جسے دیکھ کر بالبداہت (بغیر دلیل کے) اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس عظیم الشان مشین کا بنانے اور چلانے والا .... اس کے پرزوں کو نہایت مضبوط ترتیب وسلیقہ سے جوڑنے والا .... اور ہزاروں لاکھوں برس سے ایک ہی انداز پر اس کی حفاظت کرنے والا .... بڑا زبردست حکیم و قدیر صانع ہے۔ جس کے حکیمانہ تصرف اور نفوذ واقتدار سے مشین کا کوئی چھوٹا بڑا پرزہ باہر نہیں جاسکتا۔ یہ کام یوں ہی محض اتفاق یا بے شعور طبیعت یا اندھے بہرے مادے سے نہیں ہوسکتا۔

---

[1] التفسیر الکبیر: ۱۸۹/۱ الفاتحۃ: ۲

اس نقصان میں بھی نفع ہے

واقعہ نمبر (۴): ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ جنگل میں رہتے تھے اور انہوں نے ایک گدھا پال رکھا تھا جس پر اسباب لادتے تھے اور ایک کتا رکھ چھوڑا تھا جو مکان کی حفاظت کیا کرتا تھا اور ایک مرغ پال رکھا تھا جو اذان دے کر سب کو جگا دیا کرتا تھا۔ اللہ کی شان کہ ایک دن لومڑی آئی اور مرغ کو پکڑ کر لے گئی۔ ان کی بیوی رونے لگی کہ ہائے مرغ گیا۔ شیخ نے فرمایا: ''رومت اسی میں بہتری ہوگی'' اس کے بعد بھیڑیا آیا اور گدھے کو مار گیا۔

اس وقت بیوی پھر رنجیدہ ہوئی تو شیخ نے کہا: ''اس میں خیر تھی رونے کی کوئی بات نہیں۔'' اس کے بعد اچانک کتا مر گیا اور بیوی پھر غمگین ہوئی تو شیخ نے پھر یہی فرمایا: غم نہ کرو اس میں بھلائی تھی، غرض صبح ہوئی تو اچانک غنیم کا ایک لشکر اس میدان میں لوٹنے کے لئے آپڑا اور جتنے بھی گھروں کا ان کو پتہ چلا سب کو لوٹ لیا اور سوائے ان بزرگ اور ان کی بیوی کے سب ہی کو گرفتار کر کے باندی غلام بنا کر لے گئے۔

ان کے مکانات کا پتہ دشمن کی فوج کو اس طرح چلا کہ کسی کے دروازے کا کتا آہٹ پا کر بھونکنے لگا اور کسی کا گدھا رینگ رہا تھا اور کسی کا مرغ اپنی بانگ بلند کر رہا تھا۔ اس وقت ان بزرگ نے اپنی بیوی سے کہا: دیکھا! اس بادیہ نشین قوم کی بربادی کا سبب یہی جانور بن گئے، اللہ تعالیٰ کا کتنا فضل تھا کہ ہمارے تینوں جانور پہلے ہی مرگئے ورنہ آج ہم بھی گرفتار ہوتے۔[1]

اللہ نے جو کیا اس میں خیر ہوگی

واقعہ نمبر (۵): ایک بادشاہ کا وزیر شاکرِ تقدیر (تقدیر پر شکر کرنے والا) تھا اور ہر ایک برے بھلے واقعے پر یہ کہنے کا عادی تھا کہ ''اللہ نے جو کیا اسی میں خیر ہوگی۔'' ایک مرتبہ بادشاہ کی انگلی کٹ گئی تو وزیر نے حسبِ عادت کہا: ''اللہ نے جو کیا اسی میں خیر ہوگی۔''

بادشاہ کو وزیر کے اس بے محل فقرے کے استعمال سے رنج ہوا اور وزیر کو قید خانے بھجوانے کا حکم دے دیا۔ وزیر نے اس حکم کو سن کر بھی وہی فقرہ کہا: ''اللہ نے جو کیا اسی میں خیر ہوگی۔''

دوسرے روز بادشاہ شکار کے لئے گیا اور شکار کے دوران اپنے ہم راہیوں سے بچھڑ کر اکیلا جنگل میں دور نکل گیا۔ چوں کہ راستہ معلوم نہ تھا اس لئے لاچار ایک درخت کے نیچے آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ اتنے میں ایک شیر نمودار ہوا اور بادشاہ پر حملہ آور ہوا۔ بادشاہ نے سانس کھینچ لیا اور مردہ سا بن کر پڑا رہا۔ شیر زخمی انگلی کو سونگھ کر بادشاہ کو اس خیال سے چھوڑ کر چلا گیا کہ یہ پہلے سے کسی جانور نے کھایا ہوا ہے۔ بقول

---

[1] تبلیغِ دین: نویں فصل ''رضا برقضا'' ۲۶۲

نخورد شیر نیم خوردۂ سگ در بسختی بمیرد اندر غار

اتنے میں بادشاہ کے ہم راہی بھی تلاش کرتے ہوئے وہاں آ گئے اور بادشاہ کو صحیح سلامت پا کر سجدۂ شکر بجالائے اور اس واقعہ کو سن کر بادشاہ کی جان بچ جانے کو نہایت غنیمت اور اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت خیال کیا۔ واپس آ کر بادشاہ نے وزیر کو قید خانے سے طلب کر کے انعام سے مالا مال کر دیا اور کہا:

''واقعی اگر کل میری انگلی نہ کٹتی تو آج وہ شیر مجھے ہرگز نہ چھوڑتا اور انگلی کا کٹ جانا واقعی بہت اچھا ہوا۔'' اور وزیر سے کہا: ''تم نے قید خانے کو جاتے وقت بھی ''اللہ نے جو کیا اسی میں خیر ہوگی'' کہا تھا، اس میں کیا مصلحت خیال کر کے یہ فقرہ کہا تھا؟

وزیر نے جواب دیا کہ لازمی طور پر میں آپ کا ہم رکاب رہتا اور شیر آپ کو چھوڑ کر مجھے کھا جاتا۔

نتیجہ یہ کہ قدرت کا کوئی فعل خالی از حکمت نہیں ہوتا۔ خواہ وہ بظاہر کتنا ہی برا کیوں نہ ہو۔[1]

الحکیم جل جلالہ بندوں کی مصلحتوں کو زیادہ جانتے ہیں

واقعہ نمبر ۶: شیخ علی الطنطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''اَلْبَابُ الَّذِيْ لَایُغْلَقُ فِيْ وَجْهِ سَائِلٍ'' میں ایک واقعہ لکھا ہے جس کو شیخ زہرانی نے اپنی کتاب ''اَللّٰهُ اَهْلُ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ'' میں نقل کیا ہے، جس کا اردو میں مختصر خلاصہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے (اہلِ علم اور عربی جاننے والوں کو ان دو کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے، ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔ اگر کسی اہلِ علم کو توفیق ہو جائے تو ان کا اردو میں ترجمہ فرما دیں تو اردو جاننے والوں کے لئے بھی ان شاء اللہ یہ دو کتابیں مشعل راہ بنیں گی اور ترجمہ کرنے والوں کے لیے صدقہ جاریہ ہوں گی)۔

فرماتے ہیں: ''میں ۱۳۸۲ھ میں سعودیہ گیا، ایک سال ریاض میں رہائش پذیر رہا۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ چلا آیا۔ میرے ساتھ ایک آدمی رہتا تھا جو ملک شام کا تھا اور میں اس کا نام ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ اس سے پہلے وہ اور اس کی ماں دونوں ریاض میں تھے۔ ایک دن اس کو ایک کام پیش آیا اور اس نے لبنان کی طرف سفر کا ارادہ کیا، لیکن اس کی ماں نے اس کے اس سفر کو پسند نہیں کیا کہ وہ کہیں اکیلی نہ رہ جائے۔ جب جانے کا وقت قریب آیا تو وہ اپنا سامان ایئر پورٹ لے گیا اور کمپنی کے حوالے کر دیا اور واپس آ گیا تا کہ وہ فجر کے وقت جائے اور سفر کر سکے۔

اس نے اپنی ماں سے یہ امید لگائی کہ وہ فجر سے تھوڑا پہلے اِس کو جگا دے گی، لیکن اس کی ماں نے اس کو نہیں جگایا، یہاں تک کہ جہاز کی روانگی میں پون گھنٹہ رہ گیا تو وہ جلدی سے اٹھا، گاڑی پکڑی اور ڈرائیور سے کہا کہ جلدی سے ائرپورٹ پہنچا دے اور زیادہ پیسے دینے کی بھی بات کی اور اس نے دعا کرنی شروع کر دی کہ جہاز کے اڑنے سے پہلے وہ

---

[1] مخزنِ اخلاق، حکایات مفید: ۴۵۰، ۴۵۱

وہاں پہنچ جائے۔ جب وہ ویٹنگ روم میں پہنچا تو دیکھا کہ ابھی ۱۵ منٹ باقی ہیں۔ ویٹنگ روم میں داخل ہوا اور کرسی پر بیٹھا اور نیند آگئی۔ پھر مسافروں کے لئے آواز لگائی گئی کہ وہ جہاز میں آجائیں، لیکن اس نے نہیں سنا اور جہاز اُڑ گیا۔ میں اس وقت اس کے ساتھ ہی تھا۔ اس نے تعجب کرنا شروع کیا کہ اس نے کس طرح مجبوری کی حالت میں اخلاص کے ساتھ دعا مانگی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کیوں قبول نہیں کی؟

میں نے اسے تسلی دی اور کہا: اللہ تعالیٰ اخلاص سے مانگی ہوئی دعا کو کبھی بھی رد نہیں فرماتا، لیکن بعض اوقات انسان شر کو خیر سمجھتے ہوئے مانگتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اس کی مصلحت کو زیادہ جاننے والا ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں اس کا نتیجہ کیا ہوا؟

شاید آپ میں سے کسی کو یاد ہو کہ سعودی ائر لائن کا ایک جہاز گر کر تباہ ہو گیا تھا اور اس میں سوار تمام لوگ ہلاک ہو گئے تھے، یہ وہی طیارہ تھا جو اس دن اس آدمی سے رہ گیا تھا۔

کبھی انسان وہ چیز مانگتا ہے جو اس کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر ان کے والدین اور ان کے رشتہ داروں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ وہ حکیم ہے کہ سارے کام اس کی حکمت کے موافق ہوتے ہیں، اگر کسی کو مطلوبہ چیز نہ ملے تو اُسے یہ سوچنا چاہئے کہ اس میں اس کے لئے کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی۔[1]

الحکیم جل جلالہٗ نے تمام مخلوقات کو کسی نہ کسی حکمت کے تحت پیدا کیا ہے

❶ زمین پیدا کرنے کی حکمت:

﴿الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا﴾[2]

تَرجَمَہ: ”تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے کمالِ مہربانی سے زمین کا کیسا اچھا بستر بچھایا، نہ اتنا نرم کہ ہم اس میں دھنس جائیں اور نہ اتنا سخت کہ ہم زمین پر کوئی کام ہی نہ کر سکیں بل کہ ہمارے تمام کاموں کے مناسب بنایا اور ہمارے لئے زندگی کی تمام ضروریات اور کھانے پینے کے سامان کے لئے زمین کو خزانہ بنایا۔

❷ آسمان پیدا کرنے کی حکمت:

﴿وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا﴾[3]

تَرجَمَہ: ”اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔“

یعنی جب آپ اس کائنات میں غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک مکان ہے جس میں ہماری ضروریات کی تمام

---

[1] اللّٰہ اہل الثناء والمجد: ۳۷۳ [2] البقرۃ: ۲۲ [3] الانبیاء: ۳۲

چیزیں موجود ہیں۔ آسمان بطورِ چھت کے اور زمین بطورِ فرش کے ہے۔ ستارے آسمان میں روشنی کے لئے چراغوں کی طرح ہیں اور راہ نمائی کے کام بھی دیتے ہیں۔

۳ سورج پیدا کرنے کی حکمت:

﴿وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا﴾[۱]

ترجمہ: ”اور سورج کو چراغ بنایا۔“

یعنی ایک تو سورج کی روشنی سے رات اور دن کا قیام ہے اگر یہ نہ ہوتو نظامِ دنیا درہم برہم ہو جائے۔

۴ سمندر پیدا کرنے کی حکمت:

﴿وَهُوَ الَّذِىْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا﴾[۲]

ترجمہ: ”اس پاک ذات نے سمندر کو تمہارے قبضہ میں دے دیا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے سمندر کو پیدا فرمایا اور اس کے کثیر منافع اور فوائد کی وجہ سے اس کو بہت وسیع کیا اور زمین میں خشکی کے اردگرد اس طرح پھیلا دیا کہ زمین کا خشک حصہ اس پانی میں ایک چھوٹا سا جزیرہ دکھائی دیتا ہے جو ہر طرف سے پانی میں گھرا ہوا ہے اور پانی مخلوق کی زندگی باقی رکھنے میں ہوا کے بعد دوسرے درجے میں ہے۔

اسی طرح کان، آنکھ، ناک، منہ، پلکیں، ہڈیاں، پھر ان سب کو ملا کر ایک خوب صورت جسم بنایا اور انسان کی ایک مخصوص صورت بنائی اور اس میں بے شمار حکمتیں رکھ دیں ان کو شمار کرنا، ایک ایک تفصیل سے بیان کرنا اور اس کی حقیقت تک پہنچنا انسان کی بس کی بات نہیں۔[۳]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی حکمت میں سے جس کو چاہتے ہیں، کچھ حصہ عطا فرما دیتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے:

”وہ جسے چاہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت عطا ہوگئی، اسے یقیناً خیر کثیر عطا ہوگئی۔“[۴]

ایک حدیث میں ہے کہ دو شخصوں پر رشک کرنا جائز ہے:

۱ ایک وہ جسے اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اسے اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے۔

۲ دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت دی جس سے وہ فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔[۵]

---

[۱] نوح: ١٦ [۲] النحل: ١٤ [۳] مأخذہ ”اَللّٰهُ وَحْدَهٗ“: ١٤٢ تا ١٦١

[۴] اَللّٰهُ سُبْحَانَهٗ يُؤْتِيْ حِكْمَتَهٗ مَنْ يَّشَآءُ: كَمَا قَالَ عَنْ نَفْسِهٖ جَلَّ ثَنَاؤُهٗ ﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ (سورة البقرة: ٢٦٩)

[۵] مسند احمد: ٤٣٢/١، رقم: ٤٠٩٨

رُشد و ہدایت کے حصول کی دعا

واقعہ نمبر (۷): حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد سے فرمایا: ''اے حصین! تم دن میں کتنے معبودوں کی عبادت کرتے ہو؟'' میرے والد نے کہا: (جو کہ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) ''سات، جن میں سے چھ زمین میں ہیں اور ایک آسمان پر۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان میں سے کس سے تمہیں چاہت اور ڈر زیادہ ہے؟''

حصین نے کہا: ''اس معبود سے جو آسمان میں ہے۔'' (یعنی اللہ ربُّ العزت۔ چوں کہ کفارِ مکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیگر معبودانِ باطلہ کو شریک کرتے تھے جو کہ چھ تھے اور کعبۃ اللہ میں بتوں کی شکل میں رکھے ہوئے تھے)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے حصین! اگر تو ایمان لے آیا تو میں تجھے دو ایسے کلمات سکھلاؤں گا، جو تجھے نفع دیتے رہیں گے۔'' راوی کہتے ہیں: جب حصین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اسلام لے آئے، تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے وہ دو کلمات سکھلا دیجیے، جن کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پڑھو:

''اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ.''[1]

''اے اللہ! میرے مقدر کی بھلائی میرے دل میں ڈال دے...... اور مجھ کو میرے نفس کی بدی سے بچالے۔''

اسی طرح ایک اور حدیث میں یوں ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم کتنے معبودوں کی عبادت کرتے ہو؟ جواب دیا: سات کی، چھ وہ جو زمین میں ہیں اور ایک جو آسمان میں ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو کسے پکارتے ہو؟ جواب دیا: اسے جو آسمان میں ہے۔ پھر فرمایا: جب مال ہلاک ہو جائے تو کسے پکارتے ہو؟ پھر جواب دیا اسے جو آسمان میں ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ عجیب بات ہے! تمہاری ضرورتیں تو سب آسمان والا پوری کرتا ہے اور تم اس کے علاوہ دوسروں کو بھی پکارتے ہو۔ حضرت حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ میں نے ان جیسی ہستی سے پہلے کبھی بات نہیں کی۔[2]

اس لئے اللہ تعالیٰ سے ہر وقت رُشد و ہدایت کی دعا مانگنی چاہئے۔

---

[1] عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِيْ: يَا حُصَيْنُ! كَمْ تَعْبُدُ الْيَوْمَ إِلٰهًا؟ قَالَ أَبِيْ: سَبْعَةً: سِتَّةً فِي الْأَرْضِ وَوَاحِدًا فِي السَّمَاءِ. قَالَ: فَأَيُّهُمْ تَعُدُّ لِرَغْبَتِكَ وَرَهْبَتِكَ؟ قَالَ: الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ. قَالَ: يَاحُصَيْنُ! أَمَا إِنَّكَ لَوْ أَسْلَمْتَ عَلَّمْتُكَ كَلِمَتَيْنِ تَنْفَعَانِكَ قَالَ: فَلَمَّا أَسْلَمَ حُصَيْنٌ، قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِي الْكَلِمَتَيْنِ اللَّتَيْنِ وَعَدْتَنِيْ فَقَالَ: قُلْ ''اَللّٰهُمَّ أَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَأَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ.'' (الترمذی، ابواب الدعوات: ۱۸۶/۲، رقم: ۳۴۸۳)

[2] الاصابة فی تمیز الصحابة، حرف الحاء، القسم الاول: ۳۳۷/۱، رقم: ۱۷۳۵

بے شک وہ حکیم ذات ہے، اگر دعا کی قبولیت کے فوری اسباب نظر نہ آئیں تو مایوس نہیں ہونا چاہئے، کیوں کہ وہ بڑی حکیم ذات ہے۔

ہوسکتا ہے کہ اس ذات نے آپ کی دعا کے بدلے کوئی بڑی مصیبت جو آپ پر آنے والی تھی ٹال دی ہو، یا آپ کے لئے آخرت کا ذخیرہ بن گئی ہے۔ جو کہ ہر لحاظ سے انسان کے لئے فائدہ مند ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے، اگرچہ انسان کو وہ حکمت نظر نہ آئے۔

فوائد و نصائح

❶ بندہ کو چاہیے کہ ہر کام اور ہر حال میں یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اسی میں ہوگی تو ان شاء اللہ ایسے شخص کو حقیقی امن اور سکون نصیب ہوگا۔[1]

❷ بندہ کو چاہیے کہ اس اسم مبارک کی معرفت حاصل کرنے کے لئے ہر حال میں یہ سوچے کہ جو اللہ نے کیا اس میں خیر ہے، زبان سے بھی اسی جملے کو دہرائے، انسان پریشانیوں اور مصیبتوں میں دوسروں پر الزامات تھوپتا ہے، اپنے ماتحتوں کی برائی بیان کرتا ہے، اپنی قسمت کو موردِ الزام قرار دیتا ہے، اور اس نام مبارک سے جتنا تعلق ہمارا بڑھتا جائے گا اتنا ہی ہر حال، ہر پریشانی میں ہماری زبان پر یہ ہوگا: اللہ نے جو کیا اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے، اللہ کا نام حکیم ہے اس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

ایسا شخص تسلی سے پریشانی کے درمیان بھی پریشانی سے نکلنے کا راستہ ڈھونڈ لیتا ہے، اور ماتحتوں کو بھی اعتماد میں لے کر اُن سے مشورہ کر کے جلد بلاؤں، مصیبتوں سے نکلنے کا راستہ نکال لیتا ہے۔

❸ چرند، پرند، درخت، پھل، پھول ہر چیز میں الحَکِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی حکمتوں کو سوچے، بل کہ اپنے آپ میں بھی غور و فکر کرے کہ کیسا بہترین نظام اس حکمت والی ذات نے عطا کیا ہے کہ جو کسی اور کی طاقت میں نہیں۔

---

[1] المنهج للامام الجوزي: ۳۳۹، ۳۴۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الوَدُودُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(اپنے بندوں کو چاہنے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ فَاللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَدُوْدٌ لِأَوْلِيَائِهِ......وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِهِ......وَهُوَ مُحِبٌّ لَهُمْ.[1]

ترجمہ: امام زجاجی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اَللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اپنے دوستوں اور اپنے نیک بندوں کے لئے ”وَدُوْدٌ“ ہیں۔ (یعنی) وہ ان سے محبت کرنے والے ہیں۔

❷ هُوَالْوَادُّ لِأَهْلِ طَاعَتِهِ، أَيِ الرَّاضِيْ عَنْهُمْ بِأَعْمَالِهِمْ......وَالْمُحْسِنُ إِلَيْهِمْ لِأَجْلِهَا......وَالْمَادِحُ لَهُمْ بِهَا.[2]

ترجمہ: امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”الوَدُودُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے جو فرماں بردار لوگوں کو پسند کرتی ہے۔ یعنی وہ ان کے اعمال سے راضی ہے اور ان اعمال کے بدلے میں ان سے احسان کا معاملہ کرتی ہے اور اس پر ان کی تعریف بھی کرتی ہے۔

❸ وَقَدْ قِيْلَ: هُوَ الْوَدُوْدُ بِكَثْرَةِ إِحْسَانِهِ......أَيِ الْمُسْتَحِقُّ لِأَنْ يُّوَدَّ فَيُعْبَدَ وَيُحْمَدَ.[3]

ترجمہ: ”الوَدُودُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے، جس کے انعامات کی کثرت کی وجہ سے اُس سے محبت کرنی چاہئے۔ یعنی ان بے شمار نعمتوں کی وجہ سے اس کی ذات اس کے لائق ہے کہ اس سے محبت کی جائے اور اس کی عبادت کی جائے اور اس کی تعریف کی جائے۔

ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا: الوَدُودُ کے معنی الحبیب کے ہیں۔[4]

---

[1] اشتقاق اسماء اللّٰہ: ۱۵۲، نقلاً عن النہج الاسمیٰ: ۱/۴۲۱

[2] المنہاج: ۱/۲۰۶، نقلاً عن النہج الاسمیٰ: ۱/۴۲۱

[3] المنہاج: ۱/۲۰۶، نقلاً عن النہج الاسمیٰ: ۱/۴۲۱

[4] بخاری، التوحید، باب قولہ ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ﴾: ۲/۱۱۰۳

اسی طرح علامہ ابنِ قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"اَلْوَدُوْدُ"، "اَلْوُدُّ" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی خالص محبت کے ہیں۔ اس اسم کا اطلاق اللہ ربُّ العزت کی ذاتِ عالی پر دو طرح سے ہوتا ہے، ایک یہ کہ اللہ ربُّ العزت محبت کرنے والے ہیں یعنی اپنے انبیاء، فرشتوں اور نیک بندوں سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتے ہیں ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ محبوب بھی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سے انبیاء، فرشتے اور نیک بندے سب محبت کرتے ہیں، بل کہ ان کے نزدیک اللہ ربُّ العزت کی ذات سے زیادہ محبوب اور کوئی شے نہیں ہوتی۔

اور آگے فرماتے ہیں: یہ بات ضروری ہے کہ بندہ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہر چیز کی محبت سے بڑی ہوئی ہو، غالب ہو اور باقی ساری محبتیں اللہ تعالیٰ کی محبت کے تابع ہوں۔[1]

امام ابنِ قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی قصیدۂ نونیہ میں فرماتے ہیں:

"اَلْوَدُوْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہی ذات ہے جو اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے اور اس کے بندے بھی اس سے محبت کرتے ہیں اور بزرگی احسان کرنے والے کے لئے ہے۔ وہی ذات ہے جس نے اپنے بندوں کے دلوں میں محبت کو پیدا کیا اور پھر اُسی محبت کا اُن کو بدلہ عطا کیا۔ حقیقت میں یہی چیز اللہ پاک کی طرف سے بندوں پر احسان ہے۔ جو اللہ پاک بغیر عوض (بغیر بدلے کے) عطا فرماتے ہیں اور بندوں کی طرف سے شکر کی امید و توقع کے بغیر عطا فرماتے ہیں۔ بل کہ اللہ پاک تو بندوں کے شکر ادا کرنے کے محتاج نہ ہونے کے باوجود شکر ادا کرنے والوں کو اور اُن کے شکر ادا کرنے کو پسند فرماتے ہیں۔[2]

قرآن کریم میں یہ اسم مبارک دو جگہ آیا ہے:

1 ﴿إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ﴾[3]

تَرْجَمَہ: "یقین مانو کہ میرا ربّ بڑی مہربانی والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔"

"رَحِيمٌ" یعنی رحمت کے تقاضوں سے گناہوں کو معاف کر دے گا اور "وَدُودٌ" محبت کے تقاضے سے اطاعتوں کو قبول کرے گا، ایسے "رَحِيمٌ" اور "وَدُودٌ" ربّ کی طرف اِطاعت وعبادت کے ساتھ رجوع کرو۔

---

[1]

وَهُوَ الْوَدُوْدُ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّهُ	أَحْبَابُهُ وَالْفَضْلُ لِلْمَنَّانِ
وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الْمَحَبَّةَ فِيْ قُلُوْ	بِهِمْ وَجَازَاهُمْ بِحُبٍّ ثَانِ
هٰذَا هُوَ الْإِحْسَانُ حَقًّا لَا مُعَا	وَضَةً وَلَا لِتَوَقُّعِ الشُّكْرَانِ
لٰكِنْ يُحِبُّ شَكُوْرَهُمْ وَشُكُوْرَهُمْ	لَا لِاحْتِيَاجٍ مِنْهُ لِلشُّكْرَانِ

(شرح اسماء حسنیٰ: ۲۲۳)

[2] النونية: ۳۲۰/۲، نقلاً عن النهج الاسمٰى: ۴۲۲/۱ [3] هود: ۹۰

کیسا ہی پرانا، عادی مجرم ہو جب صدقِ دل سے اس کی بارگاہ میں رجوع ہو کر معافی چاہے تو وہ اپنی مہربانی سے معاف کر دیتا ہے، بل کہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔[1]

۲ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ﴾[2]

تَرْجَمَۃ: ''اور وہی ہے بخشنے والا محبت کرنے والا۔''

اُس کی بخشش اور محبت کی بھی کوئی حد نہیں۔ وہ اپنے فرماں بردار بندوں کی خطائیں معاف کرتا ہے، اُن کے عیب چھپاتا ہے اور انہیں طرح طرح کے لطف و کرم اور عنایت و شفقت سے نوازتا ہے۔[3]

اللہ سے محبت پیدا کیجئے

امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

''ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ ربُّ العزت بغیر کسی حاجت و ضرورت کے اپنی مخلوق سے محبت کرنے والے ہیں، ان کی تعریف کرنے والے ہیں اور ان پر احسان کرنے والے ہیں۔''[4]

صاحب ''أَهْلُ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ'' فرماتے ہیں: ''جس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو گیا اُس نے زندگی کا مقصد پالیا...... اور سعادت مندی کو حاصل کرلیا...... اور زندگی کا مزہ اُسے مل گیا...... اُس کا دل مطمئن اور منور ہو گیا...... اُسے شرحِ صدر حاصل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اُس کے دل میں نقش ہو گئی...... اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا وہ مظہر بن گیا...... اللہ تعالیٰ کے اسماء اُس کے سامنے آنے لگے...... تو وہ اُن اسماء کی حفاظت کرنے لگا اور اُس کی صفات میں غور و فکر کرنے لگا اور اپنے دل میں ''اَلرَّحْمٰنُ'' ''اَلرَّحِيْمُ'' ''اَلْجَمِيْلُ'' ''اَلْحَلِيْمُ'' ''اَلْبَرُّ'' ''اَللَّطِيْفُ'' ''اَلْمُحْسِنُ'' ''اَلْوَدُوْدُ'' ''اَلْكَرِيْمُ'' ''اَلْعَظِيْمُ'' وغیرہ صفات کا استحضار کرنے لگا۔ اس استحضار کے نتیجہ میں ذات ''اَلْبَارِيْ'' کے ساتھ تو اُنس اور ذات ''اَلْعَظِيْمُ'' کے ساتھ محبت اور ذات ''اَلْعَلِيْمُ'' کے ساتھ اُسے قرب حاصل ہوا۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق، اِطاعت و محبت کا نتیجہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا مطیع ہوگا، اُس کے احکامات کو پورا کرے گا، منع کردہ چیزوں سے بچے گا اور اپنی محبت میں سچا ہوگا، وہ تعلق کا ذائقہ، قرب کی لذت اور مناجات کی سعادت کو حاصل کرے گا۔''[5]

---

[1] تفسیر عثمانی: ۳۰۷ حاشیہ ۲، هود: ۹۰

[2] البروج: ١٤ [3] تفسیر عثمانی: ٧٨٦ حاشیه ٤

[4] ''قَالَ الْقُرْطَبِيُّ: فَيَجِبُ عَلٰى كُلِّ مُكَلَّفٍ، أَنْ يَّعْلَمَ أَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ هُوَ ''الْوَدُوْدُ'' عَلَى الْإِطْلَاقِ، اَلْمُحِبُّ لِخَلْقِهٖ، وَالْمُثْنِيْ عَلَيْهِمْ وَالْمُحْسِنُ إِلَيْهِمْ.'' (النهج الاسمیٰ: ١/٤٢٢)

[5] وَمَنْ أَنِسَ بِاللّٰهِ أَنِسَ بِالْحَيَاةِ، وَسَعِدَ بِالْوُجُوْدِ، وَتَلَذَّذَ بِالْأَيَّامِ، قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ، وَفُؤَادُهٗ مُسْتَنِيْرٌ، وَصَدْرُهٗ مُنْشَرِحٌ، نُقِشَتْ مَحَبَّةُ =

الوَدُودُ جَلَّ جَلَالُہٗ کن بندوں سے محبت فرماتے ہیں

واقعہ نمبر ⑧: آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

''ایک شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی زیارت اور اس سے ملاقات کے لئے چلا وہ دوسری بستی میں تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتے کو اس کا منتظر بنا کر بٹھا دیا۔ جب وہ اس تک پہنچا تو فرشتہ نے (جو انسانی شکل میں تھا) اس سے پوچھا: ''کہاں جانے کا ارادہ ہے؟''

اس نے کہا: ''اس بستی میں میرا بھائی ہے، اس سے ملنے جانے کا ارادہ ہے۔''

فرشتہ نے کہا: ''کیا تمہارا اس پر کوئی حق ہے کہ اس کی وجہ سے وہاں جا رہے ہو؟''

وہ کہنے لگا! ''نہیں (جانے کا سبب سوائے اس کے) کچھ نہیں کہ میں اس سے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے لئے محبت کرتا ہوں۔'' فرشتہ نے کہا: ''بلاشبہ میں تمہارے لئے اللہ کا فرستادہ ہوں (اور یہ پیغام دینے کے لئے بھیجا گیا ہوں کہ)

''أَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَبَّكَ كَمَا أَحْبَبْتَهُ فِيْهِ''

بلاشبہ اللہ تعالیٰ بھی تم سے اسی طرح محبت فرماتے ہیں جیسے تم اس سے محبت کرتے ہو۔''[1]

اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے کتنی محبت ہے کہ مخلوق پر کسی قسم کا ظلم، کسی کی طرف سے بھی ہو حرام قرار دیا گیا ہے۔ دشمنی و انتقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں، یہاں تک کہ درختوں، پودوں اور بے زبان جانوروں کو بلاوجہ نقصان پہنچانا بھی پسندیدہ نہیں۔

واقعہ نمبر ⑨: ایک چیونٹی نے انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ میں سے کسی نبی کو کاٹ لیا۔ انہوں نے چیونٹیوں کی بستی کو جلانے کا حکم دیا تو بستی جلا دی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کے ذریعہ فرمایا:

''آپ نے ایک ایسی پوری امت کو ہلاک کر دیا جو اللہ کی تسبیح کرتی تھی جب کہ ایک ہی چیونٹی نے آپ کو کاٹا تھا۔''[2]

اللّٰهِ فِيْ قَلْبِهِ، وَسَكَنَتْ صِفَاتُ اللّٰهِ فِيْ ضَمِيْرِهِ، وَمَثُلَتْ أَسْمَاءُ اللّٰهِ أَمَامَ عَيْنَيْهِ، فَهُوَ يَحْفَظُ أَسْمَائَهُ، وَيَتَأَمَّلُ صِفَاتَهُ، وَيَسْتَحْضِرُ فِيْ قَلْبِهِ اَلرَّحْمٰنَ، اَلرَّحِيْمَ، اَلْجَمِيْلَ، اَلْحَلِيْمَ، اَلْبَرَّ، اَللَّطِيْفَ، اَلْمُحْسِنَ، اَلْوُدُوْدَ، اَلْكَرِيْمَ، اَلْعَظِيْمَ ...... إِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ مِنْ صِفَاتِ الْجَلَالِ وَأَسْمَاءِ الْكَمَالِ، فَتُثِيْرُ أُنْسًا بِالْبَارِيْ، وَحُبّاً لِلْعَظِيْمِ، وَقُرْباً مِنَ الْعَلِيْمِ.

إِنَّ الْأُنْسَ بِاللّٰهِ ثَمَرَةٌ لِلطَّاعَةِ، وَنَتِيْجَةٌ لِلْمَحَبَّةِ، فَمَنْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَامْتَثَلَ أَمْرَهُ وَاجْتَنَبَ نَهْيَهُ وَصَدَقَ فِيْ مَحَبَّتِهِ، وَجَدَ لِلْأُنْسِ طَعْماً وَلِلْقُرْبِ لَذَّةً، وَلِلْمُنَا جَاهِ سَعَادَةً. (الله أهل الثناء والمجد: ١٠٦ (بالاختصار)

[1] مسلم، البر والصلة، فضل الحب في الله تعالىٰ: ٣١٧/٢

[2] مسلم، السلام، النهى عن قتل النملة: ٢٣٦/٢

اس لئے کہ عدل و انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ کسی بے گناہ کو گناہ گار کے جرم کی سزا نہ دی جائے، یہ بات اہل اللہ کی شان سے مناسبت نہیں رکھتی۔

انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ بھی دیگر انسانوں کی طرح انسان ہوتے ہیں اور تمام انسانی صفات و عادات ان کے اندر بھی پائی جاتی ہیں، کسی کے تکلیف پہنچانے پر ناگواری ہونا اور غصہ ہو جانا انسانی عادت ہے۔ چناں چہ مذکورہ نبی عَلَیْہِ السَّلَامُ کے ساتھ بھی یہی بات پیش آئی۔

قصہ سے حاصل شدہ باتیں

اس واقعہ میں ہمارے لئے بہت سے فوائد اور سبق پوشیدہ ہیں:

❶ اگر کوئی چیونٹی ایذاء پہنچائے مثلاً کاٹ لے تو اس کو مار سکتے ہیں، لیکن بلا کسی سبب و ایذاء کے چیونٹیوں کو مارنا جائز نہیں۔ اسی طرح دوسرے بے ضرر اور معصوم جانوروں کا بھی یہی حکم ہے۔

چناں چہ ایک حدیث میں صراحتاً چار جانوروں کا نام لے کر حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان کے قتل سے منع فرمایا۔ چیونٹی، شہد کی مکھی، ہُد ہُد اور صرد (ایک خاص پرندہ ہے)۔[1]

البتہ موذی جانوروں کو مارنا جائز ہے مثلاً: سانپ، بچھو وغیرہ۔

❷ کسی بھی جان دار کو آگ میں جلانا بالکل ناجائز ہے۔ شریعتِ محمدی عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ میں یہ بالکل حرام ہے۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اس کی علت اور وجہ بیان فرمائی:

''آگ کا عذاب، آگ کا رب ہی دے سکتا ہے۔''[2] (البتہ شاید پچھلی شریعتوں میں اس کی اجازت رہی ہوگی)۔

❸ کسی بے گناہ کو گناہ گار کے جرم میں قتل کرنا جائز نہیں، جس نے جرم کیا ہے سزا اسی کو ملنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے یہی فرمایا: ''فَهَلَّا نَمْلَةً وَّاحِدَةً''...... ''ایک ہی چیونٹی کو ہلاک کیوں نہ کیا؟

یعنی سب سے انتقام لینے کا کیا تقاضا تھا؟

❹ چیونٹی بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے: ''ایسی کوئی چیز نہیں جو اسے پاکیزگی اور تعریف کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو۔ ہاں! یہ صحیح ہے کہ تم اس کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے۔''[3]

❺ اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کسی تسبیح کرنے والے کو بلاوجہ ہلاک کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔ کیوں کہ جب تک وہ زندہ رہے گا اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تسبیح کرتا رہے گا۔

---

[1] ابوداؤد، الادب، في قتل الذر: ۳۵۸/۲

[2] ابوداؤد، الادب، باب في قتل الذر: ۳۵۸/۲

[3] الاِسراء: ٤٤

❻ چیونٹی بھی ایک پوری امت ہے، گویا اللہ تعالیٰ کی جو بے شمار امتیں ہیں، ان میں سے چیونٹی ایک مستقل امت ہے۔

ماہرینِ حیوانات کی تحقیق کے مطابق چیونٹی حشرات الارض میں سب سے زیادہ عقل مند جانور ہے اور اپنے زندگی کے نظام کو ایک مستقل اور مربوط طریقہ سے چلاتی ہے۔

ماہرینِ حیوانات نے سالہا سال جو تجربے کیے ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حقیر ترین جانور اپنی حیاتِ اجتماعی اور نظامِ سیاسی میں بہت ہی عجیب اور شؤنِ بشریہ (انسانی عادات) سے بہت قریب واقع ہوا ہے۔ آدمیوں کی طرح چیونٹیوں میں بھی خاندان اور قبائل ہیں۔ ان میں تعاونِ باہمی کا جذبہ...... تقسیمِ عمل کا اصول...... اور نظامِ حکومت کے ادراکات...... نوع انسانی کے مشابہہ پائے جاتے ہیں۔ محققینِ یورپ نے مدتوں ان اطراف میں قیام کر کے جہاں چیونٹیوں کی بستیاں بکثرت ہیں بہت قیمتی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

''جب کوئی دشمن چیونٹیوں کی بستی کا رُخ کرتا ہے تو سب چیونٹیاں کام روک دیتی ہیں اور لشکرِ دشمن سے مقابلہ کے لئے نکلتی ہیں...... پہلے ان میں سے ایک آگے جاتی ہے تاکہ دشمن کے متعلق اطلاعات حاصل کرے اور جا کر قوم کو بتائے۔ چناں چہ وہ واپس جا کر سب کو بتاتی ہے جو کچھ اس نے معلومات حاصل کی ہوتی ہیں، پھر تھوڑی دیر بعد تین یا چار چیونٹیاں نکلتی ہیں۔ ان کے پیچھے چیونٹیوں کا ایک پورا لشکر ہوتا ہے۔ پھر جو مقابلہ پر آتا ہے یہ اسے ڈستی اور کاٹتی ہیں۔[1]

غرض چیونٹی بظاہر تو ایک حقیر سا کیڑا ہے، لیکن فی الواقع وہ ایک بڑا عقل مند اور منصوبہ ساز جانور ہے اور اس کی نسل ایک پوری اُمت ہے اور نہ صرف چیونٹی بل کہ دیگر تمام حیوانات، چرند پرند، حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) غرض جتنی بھی اللہ تعالیٰ کی جان دار مخلوقات ہیں، سب الگ الگ امت کی حیثیت رکھتی ہیں۔[2]

یہ ''الوَدُودُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی اپنی مخلوق سے محبت ہے اور پھر نوعِ انسانیت سے تو یہ محبت اور بھی زیادہ ہے۔ انسان کو بھی چاہئے کہ اس ذات سے ان ہزارہا نعمتوں کے سبب محبت میں دِن بدن اضافہ کرے تاکہ ''الوَدُودُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی معرفت مضبوط ہوتی جائے۔

جب محبت کرنے والے کا حال اور معرفت مضبوط ہو جاتی ہے تو اس کو ذکرِ قلبی اور ذکرِ لسانی سے کوئی چیز نہیں روکتی اور وہ بظاہر مخلوق کے درمیان ہوتا ہے لیکن اس کا دل سب سے اونچی جگہ پر ہوتا ہے۔ جیسے حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''ان کے جسم تو دنیا میں ہوتے ہیں لیکن ان کا دل سب سے اعلیٰ جگہ پر ہوتا ہے''[3] عبادت گزار کے لئے آرام کی جگہ جنت میں طوبیٰ کا درخت ہی ہے، محبوب کا دل محبوب کی یاد سے کبھی نہیں بھرتا، سچا

---

[1] تفسیر عثمانی: ۵۰۴ حاشیہ ۳، سورۃ النمل: آیت ۱۷

[2] چیونٹی کی پیدائش، اس کے رہن سہن میں کتنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، اس کے لئے کتاب ''چیونٹی ایک معجزہ'' مصنف ہارون یحییٰ صاحب، کا مطالعہ ان شاء اللہ تعالیٰ مفید رہے گا۔

[3] صفة الصفوة: ۱/۱۷۳، كلمات منتخبة من كلامه ......

عاشق وہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ سے محبت کا اظہار کرے اور اس کی حدود کی حفاظت نہ کرے۔

''اَلْمَحَبَّةُ هِيَ مُوَافَقَةُ الْمَحْبُوْبِ عَلٰى جَمِيْعِ الْأَحْوَالِ''

محبت اسے کہتے ہیں کہ ہر حال میں محبوب کی موافقت ہو، جیسے ایک عربی شاعر نے کہا ہے: ؎

إِنَّ هَـوَاكَ الَّـذِيْ بِـقَـلْـبِـيْ صَـيَّـرَنِـيْ سَـامِـعًـا مُـطِـيْـعًـا

ترجمہ: ''اے اللہ ! آپ کی محبت نے میرے دل میں ایسا گھر کر لیا ہے کہ آپ کا فرمان سننا اور اس کی اطاعت کرنا ہی میری زندگی کا حاصل ہے۔''

حضرت داؤد طائی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى رات کی تنہائی میں اپنے ربّ سے مناجات کرتے ہوئے کہہ رہے تھے:

میرے محبوب! تیرے غم نے مجھے دوسرے غموں سے بے نیاز کر دیا، تیری محبت میری نیند پر غالب آگئی اور تہجد میں اُٹھنا آسان ہوگیا۔ تیرے دیدار کے شوق اور تڑپ نے مجھے کسی اور طرف دیکھنے سے بے گانہ کر دیا، میرے دل کی چاہتوں پر تجھ سے ملاقات کا شوق غالب آ گیا۔ میں تو اے کریم! تیری محبت کا اسیر (قیدی) ہوں، ایسی قید جس پر ہزار آزادیاں قربان۔''[1]

محبت الٰہی میں جان کا نذرانہ

واقعہ نمبر ۱۰ : آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اپنے ایک قاصد کو مسیلمہ کذاب (نبوت کے جھوٹے دعوے دار) کے پاس پیغام دے کر بھیجا اور اس نے قاصد کو جیل میں ڈال دیا اور سخت تکلیف پہنچائی، پھر ایک خاص دن اپنی قوم والوں کو جمع کیا اور اس قاصد کو لایا گیا۔ اور مسیلمہ کذاب نے اس سے کہا: ''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں'' تو قاصد (جن کا نام حبیب بن زید رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ تھا) نے جواب دیا:

''ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔''

مسیلمہ بہت غصہ ہوا اور کہا: ''تو میرے لیے بھی اس کی گواہی دیتا ہے؟''

تو حبیب رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے ایک مذاق اڑانے والے انداز میں کہا: ''نہیں میں تمہاری بات پر کان بھی نہیں دھرتا'' مسیلمہ غصے میں لال پیلا ہوگیا اور چیخ کر اپنے جلاد کو حکم دیا: اس کو اس طرح وحشیانہ طور پر قتل کرو کہ جس طرح ایک وحشی جانور انسان کو چیر پھاڑتا ہے۔ جلاد نے اپنی تلوار کی نوک سے حضرت حبیب رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ کو تکلیف پہنچائی اور زندہ حالت میں تڑپا تڑپا کر ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کیے، لیکن اس بدترین ظلم نے بھی حضرت حبیب رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ کو ان کے کلمہ ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' سے نہیں ہٹایا اور وہ اس پر آخری وقت تک قائم تھے، یہاں تک کہ ان کی پاک روح نے اپنے ربّ سے ملاقات کی۔[2]

---

[1] صفوة الصفوة: ۹۳/۳، داود بن نصير الطائي.

[2] صور من حياة الصحابة، حبيب بن زيد الانصاري: ۳۱۲ تا ۳۱٤

حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی روح کو اپنے حبیب کے لئے بیچا یعنی اپنی زندگی ان کے نام پر قربان کردی اور خود ہی اس عذاب کو خوشی سے برداشت کیا اور اپنے معاملہ کو ''الودود جل جلالہٗ'' کے سپرد کیا، تو اس وجہ سے کرب و تکلیف کی آگ ان پر ٹھنڈی اور سلامتی والی کردی گئی! سو کیا ہی عظمت و بزرگی تھی اور کیا ہی محبت و فدائیت تھی اور کیا ہی صبر و ایمان تھا۔

''الودود جل جلالہٗ'' سے محبت کی تدبیریں

① غور و فکر اور سمجھ کے ساتھ قرآنِ کریم کی تلاوت اور اس کے معانی اور مطلب کو سمجھنا۔ جیسے کوئی شخص کسی کتاب کی شرح کرتے ہوئے کتاب والے کی مراد کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، ایسے ہی اللہ ربُّ العزت کی کتاب میں تدبر اور غور کرنا چاہئے تا کہ اس کی چاہت کے مطابق چلے اور اس کی محبت و معرفت نصیب ہو۔

② اللہ ربُّ العزت کا قرب حاصل کرنے کے لئے فرائض کی ادائیگی کے بعد نوافل کی کثرت۔ اس لئے کہ نوافل محبوبیت کے درجے تک پہنچا دیتے ہیں۔ ہر وقت اللہ ربُّ العزت کے ذکر میں مشغول رہنا۔ زبان سے...... دل سے ...... عمل سے...... حال سے...... جس قدر ذکر ہوگا، اس قدر محبتِ الٰہی حاصل ہوگی۔

③ اپنی پسندیدہ چیزوں کو اللہ ربُّ العزت کی محبوب چیزوں کی خاطر قربان کردینا۔ اللہ ربُّ العزت کے اسما و صفات میں دل کی گہرائیوں سے غور کرنا۔ کیوں کہ جس نے اللہ ربُّ العزت کی معرفت اس کے اسماء وصفات کے ذریعے حاصل کرلی وہ ضرور اللہ تعالیٰ سے محبت کرے گا۔ اللہ ربُّ العزت کے اِحسانات و انعامات اور ظاہری و باطنی نعمتوں کو سوچنا کیوں کہ احسانات کا استحضار محبت کا سبب ہے۔

④ جب اللہ ربُّ العزت دنیاوی آسمان پر اپنی شان کے موافق نزول فرماتے ہیں (یعنی تہجد کے وقت)، اس وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جوڑنا تا کہ اس کے ساتھ مناجات (دعا) کی جاسکے اور اس کے کلام کی تلاوت کی جاسکے اور آدابِ عبودیت کو اختیار کر کے دل میں اس کی معرفت کا نور حاصل کیا جاسکے، پھر اس خلوت کو استغفار اور توبہ پر ختم کرنا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وہ شخص میری محبت کے دعویٰ میں جھوٹا ہے جو رات کو سو جائے۔ کیا ہر محبت کرنے والا اپنے محبوب کے ساتھ خلوت کو پسند نہیں کرتا''؟[1]

محبین صادقین کی مجلس اختیار کرنا اور ان کے پاکیزہ کلام کے خوشوں کو چننا۔

اور اس گناہ سے دوری اختیار کرنا جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی کا سبب ہے۔

ان اسباب کی وجہ سے محبت کرنے والے منازلِ محبت طے کر گئے اور انہوں نے محبوب کی بارگاہ میں باریابی حاصل

---

[1] حلیۃ الاولیاء: ۱۰۲/۸، رقم: ۱۱۵۰۹

کرلی اوران تمام باتوں کا سرمایہ دو چیزیں ہیں:

(۱) اپنے آپ کو چھوٹے بڑے اور ظاہری باطنی گناہوں سے بچنے اور بچانے کی کوشش کرنا۔

(۲) دل میں ایسی کیفیت کا ہونا جس سے گناہوں سے دوری نصیب ہو۔

۵ شیخ محمد حمود فرماتے ہیں: مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ اس چیز کی اتباع کریں جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اور ان چیزوں سے بچے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔

پھر اس پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر (حکموں) کو پورا کرکے اور اس کے منع کردہ چیزوں سے بچ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کریں، جیسے اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں اور احسانات کی کثرت سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے اور بندہ بھی اللہ تعالیٰ سے اتنی ہی محبت کرے جتنی اللہ پاک اُس سے محبت فرماتے ہیں۔

اور اس بات کو جان لو کہ گناہوں سے بچ کر اللہ پاک سے اپنی محبت کا اظہار کرنا، نیکیوں کو اختیار کرکے اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرنے سے بڑھ کر ہے۔ کیوں کہ نیک اعمال کا ظہور کبھی کبھی نیک وبد دونوں ہی سے ہوجاتا ہے۔ جب کہ گناہوں سے رُکنا صرف اور صرف کامل اور سچے مؤمن ہی سے ہوسکتا ہے۔[1]

محبتِ الٰہی کے لئے آسان دعا

اس اسم کے تحت یہ پیاری دعا یاد کرکے مانگتے رہنا چاہیے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ يُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ"[2]

تَرجَمَہ: "الٰہی! میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت رکھتا ہو اور وہ کام جو مجھ کو تیری محبت نصیب کرے۔"

امام رازی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی شرح اسمائے حسنیٰ میں فرماتے ہیں:

اس اسم مبارک سے بندہ کے لئے سبق آموز حصہ یہ ہے: وہ لوگوں سے حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے محبت کرے۔ (جس کے لئے نمونہ اور مثال نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی مبارک زندگی ہے۔) کیوں کہ جب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے دندانِ مبارک (غزوۂ اُحد میں) شہید ہوئے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے شفقت سے ان کے لئے دعا فرمائی: "اے اللہ! میری

---

[1] فَيَجِبُ عَلَى الْعَبْدِ أَنْ يَتَّبِعَ مَايُحِبُّهُ اللّٰهُ وَيَرْضَاهُ، وَيَتَجَنَّبُ مَايُبْغِضُهُ وَلَا يُحِبُّهُ، ثُمَّ يَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يَتَوَدَّدَ إِلٰى رَبِّهٖ بِإِمْتِثَالِ أَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ، كَمَا تَوَدَّدَ إِلَيْهِ بِإِدْرَارِ نِعَمِهٖ وَفَضْلِهٖ، وَيُحِبُّهُ كَمَا أَحَبَّهُ.

وَاعْلَمْ أَنَّ مِثَالَ مَحَبَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى بِتَرْكِ الْمَنَاهِيْ، أَكْثَرُ مِنْ مِثَالِهَا بِسِوَاهَا مِنْ أَعْمَالِ الطَّاعَاتِ، فَالْأَعْمَالُ الصَّالِحَةُ قَدْ يَعْمَلُهَا الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ، وَالْإِنْتِهَاءُ عَنِ الْمَعَاصِيْ لَاتَكُوْنُ إِلَّا بِالْكَمَالِ [وَ] إِلَّا مِنْ مُصَدِّقٍ. (النهج الاسمیٰ: ۱/۴۲۳)

[2] ترمذی: ابواب الدعوات: ۲/۱۸۷

قوم کو ہدایت عطا فرما کہ یہ لوگ نادان ہیں۔''[1] جو نبی ﷺ اپنے دانت مبارک شہید کرنے والوں کے لئے بھی ہدایت کی دعا کرے اُمتی کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے نبی کی اقتدا کرتے ہوئے مخالفین کے لئے ہدایت کی دعا کرے۔[2]

فوائد و نصائح

۱ اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ ''الوَدُودُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی محبت کو اپنے اعمال کے ذریعے سے بڑھائیں اور مذکورہ بالا ۵ تدبیروں کو محبت الٰہی بڑھانے کے لئے اختیار کرے۔

۲ جب بندہ ''الوَدُودُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا محبوب بننے اور اس ذات کو اپنا محبوب بنانے والی زندگی گزارے گا اور اللہ تعالیٰ کا محبوب بنانے والی دُعا کو خوب اہتمام سے مانگتا رہے گا جو اس اسم مبارک میں ذکر کی گئی ہیں تو دنیاوی زندگی کا لطف اٹھا سکے گا پھر دنیاوی چیزیں اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنیں گی اور وہ بندہ ''الوَدُودُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا قریبی بندہ بن جائے گا۔

۳ دشمنوں کے لئے بھی ہدایت کی دعا مانگنا اور ان کے دِلوں میں ''الوَدُودُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی محبت پیدا کرنے کی فکر کرنا۔ دنیا میں بسنے والے سارے انسان کالے، گورے، عرب، عجم سب کے دلوں میں ''الوَدُودُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی محبت پیدا ہو جائے، سب کے دِلوں کا رخ دنیا کی چیزوں کی محبت سے ہٹ کر ''الوَدُودُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی محبت کی طرف آ جائے اور دشمنوں سے بھی محبت کرے۔

---

[1] قَالَ: ''رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ.'' رواه مسلم، الجهاد، غَزْوَةُ أُحُدٍ: ۱۰۸/۲

[2] حَظُّ الْعَبْدِ مِنْهُ أَنْ يَكُوْنَ كَثِيْرَ التَّوَدُّدِ إِلَى النَّاسِ بِالطُّرُقِ الْمَشْرُوْعَةِ وَمِنْ ذٰلِكَ لَمَّا كُسِرَتْ رُبَاعِيَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. (شرح الاسماء الحسنیٰ: (للرازی) ۲۸۸)

المجید جل جلالہ

(بڑی بزرگی والا)

اس اسم کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ أَيْ: مَحْمُوْدٌ مَاجِدٌ." [1]

ترجمہ: ابوعبیدہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"حمید مجید" (کے معنی اللہ پاک کے حق میں یہ ہیں کہ) وہ بزرگی والا اور ساری تعریفوں کے لائق ہے۔

❷ "مَجِيْدٌ: ذُوْ مَجْدٍ وَمَدْحٍ وَثَنَاءٍ وَكَرِيْمٌ." [2]

ترجمہ: علامہ ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"المجید جل جلالہ" وہ ذات ہے جو بزرگی والی ہے، بہترین تعریف کے لائق اور کریم ہے۔

"المجید جل جلالہ" وہ ذات ہے جو شرافت وکرامت والی ہے، اس کے افعال حکمتوں سے بھرے ہوئے ہیں، اس کی عطائیں اور بخششیں بے شمار ہیں۔ [3]

❸ علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"المجید جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کے ذریعے بہت زیادہ احسانات کرنے والی ہے۔ [4]

❹ اَللّٰهُ تَعَالٰى هُوَ (الْمَجِيْدُ) تَمَجَّدَ بِأَفْعَالِهِ، وَمَجَّدَهُ خَلْقُهُ لِعَظْمَتِهِ. [5]

علامہ ازہری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ ہی المجید ہے اپنے افعال کی وجہ سے، اور اس کی مخلوق

---

[1] مجاز القرآن: ۲۹۳/۱ [2] جامع القرآن: ۴۷/۱۲

[3] وَفِي الْمَقْصَدِ: (أَلْمَجِيْدُ) هُوَ الشَّرِيْفُ ذَاتُهُ، أَلْجَمِيْلُ أَفْعَالُهُ، أَلْجَزِيْلُ عَطَاؤُهُ وَنَوَالُهُ. (المقصد الاسنی: ۷۷ نقلاً عن النهج الاسمى: ۴۳۲/۱)

[4] وَقَالَ الشَّوْكَانِيُّ: (مَجِيْدٌ): كَثِيْرُ الإِحْسَانِ إِلَى عِبَادِهِ، بِمَا يُفِيضُهُ عَلَيهِم مِّنَ الْخَيْرَاتِ. (فتح القدير: ۵۱۱/۲)

[5] اللسان: ۴۱۳۸/۵، نقلاً عن النهج الاسمیٰ: ۴۲۳/۱

اس کی بزرگی، عظمت کی وجہ سے بیان کرتی ہے۔"

پس "الْمَجِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" اپنے عظیم افعال اور اپنی بلند صفات اور اپنے اچھے ناموں کی وجہ سے بڑی بزرگ اور عظیم ذات ہے۔ اس کی بزرگی کے سامنے اور کسی کی بزرگی نہیں ہے اور اس کی عظمت کے سامنے کسی اور کی عظمت نہیں ہے۔ اور اگر کسی اور مخلوق کی بڑائی اور اونچا مقام ہو تو وہ بھی "الْمَجِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کی طرف سے عطا اور فضل ہے۔[1]

لہٰذا خوب سے خوب "الْمَجِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کی تعریف بیان کیجئے، "الْمَجِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کی تعریف سنئے اور "الْمَجِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کی تعریف کو اور اس کی نعمتوں کو سوچئے۔ ہر مجلس میں، ہر جگہ آپ "الْمَجِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کی تعریف بیان کریں گے، اس کی عظمت اس کی کبریائی لوگوں کے دلوں میں بٹھانے کی کوشش کریں گے تو "الْمَجِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" بغیر مانگے عطا فرمائیں گے۔

سرکارِ دو عالم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کرب (شدت و تکلیف) کے موقع پر دعائے کرب مانگا کرتے تھے، جو یہ ہے:

"لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ."[2]

تَرْجَمَۃ: "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جو نہایت عظیم بردبار ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عرشِ عظیم کا مالک ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی آسمانوں اور زمین کا ربّ ہے اور عرشِ کریم کا ربّ ہے۔"

یہ دعائے کرب ہے...... جو ہر پریشانی...... ہر کرب...... اور ہر مصیبت...... میں کام آنے والی دعا ہے۔ ایک مشہور تابعی سفیان بن عیینہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی سے پوچھا گیا کہ اس دعا کو "دعائے کرب" کیسے کہہ دیا گیا جب کہ یہ تو ساری کی ساری حمد و ثنا والی دعا اور مدح و ثنا والے جملے ہیں، یعنی اس دعا میں پریشانی دور کرنے کی درخواست تو سمجھ میں نہیں آتی؟

حضرت نے جواب دیا: "کیا تم نے وہ حدیث قدسی نہیں سنی کہ جس میں "الْمَجِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کا ارشاد ہے:

"جس کسی کو میرے ذکر کرنے (یعنی قرآن مجید کی کثرتِ تلاوت) نے یہ موقع اور یہ وقت نہیں دیا کہ وہ مجھ سے کچھ مانگ سکے اور مجھ سے دعا کرے، تو اس کو میں ان لوگوں سے زیادہ بہتر چیزیں عطا کرتا ہوں جو مجھ سے مانگتے ہیں۔"[3]

امام سفیان رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے یہاں یہ مسئلہ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کرنا...... اس کی حمد و ثنا کرنا...... اور اس کی تعریف کرنا...... بھی دعا ہی ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور ذکر و تلاوت میں مشغول رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو بغیر مانگے سب کچھ عطا فرما دیتا ہے۔[4]

---

[1] فَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ لَهُ الْمَجْدُ، الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ بِأَفْعَالِهِ الْعَظِيْمَةِ وَصِفَاتِهِ الْعُلْيَةِ وَبِأَسْمَائِهِ الْحُسْنٰى، فَلَا مَجْدَ اِلَّا مَجْدُهٗ، وَلَا عَظَمَةَ اِلَّا عَظَمَتُهٗ، وَكُلُّ مَجْدٍ لِغَيْرِهٖ إِنَّمَا هُوَ مِنْهُ عَطَاءٌ وَتَفَضُّلٌ. (النهج الاسمىٰ: ۱/۴۳۳)

[2] البخاری، التوحید، قول اللّٰه ﴿تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ﴾ (المعارج: ۴): ۲/۱۱۰۴

[3] ترمذی، ابواب القراء ات، رقم: ۲۹۲۶ [4] کتاب الدعاء: ۳۰

فَائِدَہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف، کبریائی، عظمت بیان کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے جس سے بھی ملاقات ہو، جس مجلس میں بھی جائیں وہاں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو خوب بیان کرنا چاہئے۔

قرآنِ کریم میں یہ اسم مبارک دو جگہ اللہ تعالیٰ کی صفت کے لئے استعمال ہوا ہے اور دو جگہ قرآن کریم کی صفت کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کے لئے یہ لفظ آیا ہے: ﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ﴾[1] اور دوسرا: ﴿اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾[2] اور قرآنِ کریم کے لئے بھی ایک جگہ میں: ﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ﴾[3] دوسری جگہ میں: ﴿قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾[4] آیا ہے۔

درود شریف کے اخیر میں بھی اس اسم مبارک کا ذکر ہے۔ عجیب بات ہے کہ درود شریف کا اول ''اَللّٰهُمَّ''...... اور آخر...... اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ '' ہے۔

درود شریف کو ''اَللّٰهُمَّ'' سے شروع کر کے اللہ تعالیٰ کے دو مبارک اور پاک ناموں '' حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ '' پر ختم کیا گیا ہے۔

بعض جلیل القدر حضرات ائمہ سلف رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل کیا گیا ہے کہ ''اَللّٰهُمَّ'' اللہ تعالیٰ کے تمام ''اسمائے حسنیٰ'' کے قائم مقام ہے اور اس کے ذریعے دعا کرنا ایسا ہے جیسا کہ تمام اسمائے حسنیٰ کے ذریعے دعا کی جائے۔[5]

اور '' حَمِيْدٌ وَ مَجِيْدٌ '' اللہ تعالیٰ کے یہ دو مبارک نام اس کی تمام صفاتِ جلال و جمال کے آئینہ دار ہیں۔

'' الحمید جل جلالہٗ '' وہ ہے جس کی ذات میں سارے وہ محاسن و کمالات ہوں جن کی بنا پر وہ ہر ایک کی حمد و ستائش کا مستحق اور لائق ہو۔

'' المجید جل جلالہٗ '' وہ ہے جس کو ذاتی جلال و جبروت اور عظمت و کبریائی بدرجۂ کمال حاصل ہو۔ اس بنا پر ''اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ'' کا مطلب یہ ہوا: '' اے اللہ! تو تمام صفات جمال و کمال اور شانِ جلال کا جامع ہے۔ اس لئے سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ اور برکت بھیجنے کی آپ ہی سے درخواست ہے۔''

قرآنِ مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھر والوں پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و برکت کا جہاں ذکر کیا گیا ہے، وہاں بھی اللہ ربُّ العزت کے ان دونوں ناموں کی اسی خصوصیت اور امتیاز کی وجہ سے ان ہی کو بالکل اسی طرح خاتمۂ کلام بنایا گیا ہے۔ سورۂ ہود میں فرشتوں کی زبانی فرمایا گیا ہے:

﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾[6]

---

[1] البروج: ۱۵ [2] هود: ۷۳ [3] البروج: ۲۱ [4] ق: ۱

[5] شیخ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''جلاء الافہام'' میں اس پر بڑی نفیس اور فاضلانہ بحث کی ہے، جو اہلِ علم کے لئے قابل دید ہے۔

[6] هود: ۷۳

الغرض ''اَللّٰھُمَّ '' سے درود شریف کا آغاز اور ﴿ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴾ پر اس کا اختتام اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ اور ان دونوں کلموں کی اس معنویت کا لحاظ کرنے سے درود شریف کا کیف بے حد بڑھ جاتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۞ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۞ [1]

انسانوں پر خاص کر ان بندوں پر جن کو کسی نبی کی ہدایت وتعلیم سے ایمان نصیب ہو، اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا احسان اس نبی و رسول کا ہوتا جس کے ذریعے ان کو ایمان ملا ہو اور ظاہر ہے کہ امتِ محمدیہ عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کو ایمان کی دولت اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ملی ہے۔ اس لئے یہ امت اللہ کے بعد سب سے زیادہ ممنونِ احسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

پھر جس طرح اللہ تعالیٰ جو خالق و مالک اور پروردگار ہیں، ان کا حق یہ ہے کہ ان کی عبادت اور حمد وتسبیح کی جائے، اسی طرح ان کے پیغمبروں کا حق ہے کہ ان پر درود وسلام بھیجا جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے مزید رحمت اور رفعِ درجات کی دعا کی جائے۔

درود وسلام کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ یہ دراصل ان محسنوں کی بارگاہ میں عقیدت ومحبت کا ہدیہ...... وفاداری و انکساری کا نذرانہ...... اور ممنونیت وشکر گزاری کا اظہار...... ہوتا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ان کو ہماری دعاؤں کی کیا احتیاج، بادشاہوں کو فقیروں اور مسکینوں کے ہدیوں اور تحفوں کی کیا ضرورت؟

تاہم اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا یہ تحفہ بھی ان کی خدمت میں پہنچاتا ہے اور ہماری اس دعا و التجا کے حساب میں بھی ان پر اللہ تعالیٰ کے الطاف وعنایات میں اضافہ ہوتا ہے اور سب سے بڑا فائدہ اس دعا گوئی اور اظہارِ وفاداری کا جو خود ہم کو پہنچتا ہے، وہ یہ ہے کہ ہمارا ایمانی رابطہ مستحکم ہوتا ہے اور ایک مرتبہ کے مخلصانہ درود کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی کم از کم دس رحمتوں کے ہم مستحق ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے درود وسلام کا راز اور اس کے فوائد ومنافع۔

درود وسلام سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے

اس کے علاوہ ایک خاص حکمت درود وسلام کی یہ بھی ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ مقدس اور محترم ہستیاں انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی ہیں۔ جب ان کے لئے بھی حکم یہ ہے کہ ان پر درود وسلام بھیجا جائے۔ (یعنی ان کے واسطے اللہ تعالیٰ سے رحمت وسلامتی کی دعا کی جائے) تو معلوم ہوا کہ وہ بھی سلامتی اور رحمت

[1] (صحيح البخاري، الانبياء، باب ﴿ يزفون ﴾ النسلان في المشي: ٤٧٧/١)، معارف الحديث: ٣٨٩/٥

کے لئے اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور ان کا حق اور مقامِ عالی بس یہی ہے کہ ان کے واسطے رحمت وسلامتی کی دعائیں کی جائیں۔

رحمت وسلامتی خود ان کے ہاتھ میں نہیں ہے ...... اور جب ان کے ہاتھ میں نہیں ہے ...... تو پھر ظاہر ہے کہ کسی مخلوق کے ہاتھ میں بھی نہیں ہے، کیوں کہ ساری مخلوق میں ان ہی کا مقام سب سے بالا و برتر ہے اور شرک کی جڑ اور بنیاد یہی حرام عقیدہ ہے کہ خیر ورحمت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے قبضے میں بھی سمجھی جائے یا کسی اور کو بھی اللہ کی مخصوص صفات میں اللہ تعالیٰ کا حصہ دار سمجھا جائے۔ بہرحال درود وسلام نے ہم کو نبیوں کے لئے دعا گو بنا دیا اور اللہ تعالیٰ کا جو بندہ اور پیغمبر کا جو امتی پیغمبروں کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہو، وہ خود اس پیغمبر کا یا کسی اور مخلوق کا پرستش کرنے والا کیسے ہو سکتا ہے۔[1]

حدیث شریف میں ہے:

"مَنْ صَلّٰی عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰی نَائِيًا أُبْلِغْتُهٗ."[2]

تَرجَمہ: "جو شخص مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے میں اسے خود سنوں گا اور جو شخص مجھ پر دور سے درود شریف پڑھے وہ مجھے پہنچایا جائے گا۔"

ایک اور حدیث میں ہے:

"لَاتَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا .... وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا .... وَصَلُّوْا عَلَيَّ .... فَإِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ حَيْثُ كُنْتُمْ ...."[3]

تَرجَمہ: "اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ .... اور میری قبر کو عید میلہ نہ بنا لینا .... اور مجھ پر درود شریف پڑھا کرو .... کیوں کہ تم جہاں سے بھی درود پڑھو .... وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔"

فوائد ونصائح

(۱) بندہ کو چاہئے کہ وہ یقین بنائے کہ بزرگی اور عظمت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور ایسے افعال واعمال کرے جن سے "المجید جل جلالہ" کی بزرگی کا اظہار ہوتا ہو، مثلاً: قرآنِ کریم کی کثرت سے تلاوت .... نمازوں کی پابندی .... اپنے کھانے پینے، لباس اور رہن سہن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر چلنے کی پابندی۔

---

[1] مستند مجموعہ وظائف: ۷۹

[2] شعب الایمان: ۱٤۰/۳، رقم: ۱٤۸۱

[3] ابوداؤد، المناسك، زيارة القبور، رقم: ۲۰٤۲

❷ ایسی بزرگ و برتر ذات پر اپنے یقین کو بڑھائے اور شرافت و بزرگی کی صفات اپنے اندر پیدا کرے، تاکہ حقوق العباد کی ادائیگی میں بھی کوئی کوتاہی باقی نہ رہے۔

❸ کم از کم ہر جمعہ کے دن **۳۰۰** مرتبہ درود شریف پڑھے اور ہو سکے تو تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھ لے۔

❹ اپنے اندر ایسی طلب و چاہت پیدا کرے کہ آخری دم تک بس اللہ تعالیٰ کی بزرگی و بڑائی میں لگا رہے کہ یہ اِنْ شَآءَ اللہ جنت تک لے جانے کا ذریعہ ہے۔[1]



[1] المنهج للامام الجوزی: ۳۸۶

الباعث جل جلالہ

(زندہ کر کے قبروں سے اٹھانے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ بَاعِثُ الرُّسُلِ إِلَى الْأُمَمِ بِالْأَحْكَامِ أَوِ الَّذِيْ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ لِلْحَشْرِ وَالنُّشُوْرِ.

ترجمہ: "الباعث جل جلالہ" ہی وہ ذات ہے جو انبیاء اور رسولوں کو احکامات دیکر قوموں کی جانب مبعوث فرماتے ہیں اور "الباعث جل جلالہ" ہی حشر کے لئے تمام انسانوں کو قبروں سے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائیں گے۔

❷ بعض حضرات کا قول ہے: "الباعث جل جلالہ" وہ ذات ہے جو بندوں تک بغیر کسی محنت کے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتی ہے جہاں سے ان بندوں کو گمان بھی نہیں ہوتا۔[1]

ہر ذی روح چیز مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کی جائے گی

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو دوبارہ زندہ فرمائیں گے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾[2]

ترجمہ: "اور یقیناً اللہ تعالیٰ قبروں والوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا۔"

سورۂ رعد میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾[3]

ترجمہ: "اگر تجھے تعجب ہو...... تو واقعی ان کا یہ کہنا عجیب ہے ...... کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے ...... تو کیا ہم نئی پیدائش میں ہوں گے......؟"

حالاں کہ "الباعث جل جلالہ" وہ قادرِ مطلق ہے جو ساری مخلوق کو عدم سے وجود میں لایا اور پھر ہر چیز کے وجود میں

---

[1] وَقِيْلَ هُوَالَّذِيْ يَبْعَثُ الْأَرْزَاقَ إِلَى عَبْدِهِ وَلَوْ لَمْ يَكْتَسِبْ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ. (مرقاة: كتاب أسماء الله تعالیٰ: ۵/۹۰)

[2] الحج: ۷ [3] الرعد: ۵

کیسی کیسی حکمتیں رکھیں کہ انسان ان کا ادراک و احاطہ بھی نہیں کرسکتا اور یہ ظاہر ہے کہ جو ذات پہلی مرتبہ بالکل عدم سے ایک چیز کو وجود عطا کرسکتی ہے، اس کو دوبارہ وجود عطا کر دینا کیا مشکل ہے؟ انسان بھی جب کوئی چیز بنانا چاہتا ہے تو پہلی مرتبہ اس کو مشکل پیش آتی ہے اور اسی کو دوبارہ بنانا چاہے تو آسان ہو جاتا ہے۔ اور'' اَلْبَاعِثُ جَلَّ جَلَالُہٗ '' کے لئے تو پہلی بار بھی مشکل نہ تھی۔

تو تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ اس کے تو قائل ہیں کہ پہلی مرتبہ تمام کائنات کو بے شمار حکمتوں کے ساتھ اسی نے پیدا فرمایا ہے، پھر دوبارہ پیدا کرنے کو کیسے محال اور خلافِ عقل سمجھتے ہیں؟

شاید ان منکرین کے نزدیک بڑا اشکال یہ ہے کہ مرنے اور خاک ہو جانے کے بعد انسان کے اجزا اور ذرّات دنیا بھر میں منتشر ہو جاتے ہیں۔ ہوائیں ان کو کہیں سے کہیں لے جاتی ہیں اور دوسرے اسباب و ذرائع سے بھی یہ ذرّات سارے جہاں میں پھیل جاتے ہیں، پھر قیامت کے روز ان تمام ذرّات کو جمع کس طرح کیا جائے گا؟ پھر ان کو جمع کر کے دوبارہ زندہ کیسے کیا جائے گا؟

مگر وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اس وقت جو وجود ان کو حاصل ہے اس میں کیا سارے جہاں کے ذرّات جمع نہیں؟

دنیا کے مشرق و مغرب کی چیزیں، پانی، ہوا اور ان کے لائے ہوئے ذرّات انسان کی غذا میں شامل ہو کر اس کے بدن کا جزو بنتے ہیں۔ اس مسکین کو بسا اوقات خبر بھی نہیں ہوتی کہ ایک لقمہ جو وہ اپنے منہ تک لے جارہا ہے، اس میں کتنے ذرّات افریقہ کے...... کتنے امریکہ کے...... اور کتنے مشرقی ممالک کے ہیں......؟

تو جس ذات نے اپنی حکمتِ بالغہ اور تدبیرِ امور کے ذریعہ اس وقت ایک ایک انسان اور جانور کے وجود کو سارے جہان کے منتشر ذرّات جمع کر کے کھڑا کر دیا ہے، کل اس کے لئے یہ کیوں مشکل ہو جائے گا کہ ان سب ذرّات کو جمع کر ڈالے؟

جب کہ دنیا کی ساری طاقتیں، ہوا اور پانی اور دوسری قوتیں سب اس کے حکم کی تابع اور مسخر ہیں۔ اس کے اشاروں پر اگر ہوا، پانی اور فضا اپنے اندر کے سب ذرّات کو جمع کر دیں تو اس میں کیا اشکال ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے '' اَلْبَاعِثُ جَلَّ جَلَالُہٗ '' کی قدرت اور قدر کو پہچانا ہی نہیں۔ اس کی قدرت کو اپنی قدرت پر قیاس کرتے ہیں۔ حالاں کہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی سب چیزیں اپنی اپنی حیثیت کا ادراک و شعور رکھتے ہیں اور حکمِ حق کے تابع چلتے ہیں۔

خاک و باد و آب و آتش زندہ اند ؎ بامن و تو مردہ باحق زندہ اند

ترجمہ: ''مٹی، ہوا، پانی اور آگ (یہ چاروں عناصر) زندہ ہیں ـــــ میں اور تو اگرچہ ان کو مردہ سمجھتے ہیں، لیکن حق تعالیٰ کے ہاں یہ بھی زندہ ہی ہیں۔''

خلاصہ یہ ہے کہ کھلی ہوئی نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود جس طرح ان کا نبوت سے انکار قابلِ تعجب ہے، اس سے زیادہ قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے اور حشر کے دن سے انکار تعجب کی چیز ہے۔[1]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ﴾[2]

ترجمہ: ''ہم تو قادر ہیں کہ اس کے پور پور کو درست کر دیں۔'' حاصل یہ ہے کہ تمہیں تو اس پر تعجب ہے کہ میّت کے پھیلے ہوئے ذرّاتِ اور بوسیدہ ہڈیوں کو جمع کیسے کیا جائے گا؟ اور اُن میں دوبارہ حیات کیسے ڈالی جائے گی؟

حالاں کہ یہ بات پہلے ایک مرتبہ مشاہدہ میں آچکی ہے کہ ہر انسان کا وجود دُنیا میں پلتا اور بڑھتا ہے۔ وہ دُنیا بھر کے مختلف ملکوں، خطوں کے اجزاء اور ذرّات کا مرکب ہوتا ہے، تو جس ذاتِ قادر نے پہلی مرتبہ ساری دنیا میں بکھرے ہوئے ذرّات کو ایک انسان کے وجود میں جمع کر دیا تھا، اب دوبارہ جمع کر لینا اس کے لئے کیوں مشکل ہوگا؟

اور جس طرح پہلے اس کے ڈھانچے میں رُوح ڈال کر زندہ کیا تھا، دوبارہ ایسا کرنے میں کیا حیرت کی بات ہے؟

قیامت کے دن ''الباعث جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا عجیب وغریب معاملہ

غور اس پر کرو کہ ایک انسان جس ہیئت و جسامت اور شکل وصورت پر پہلے پیدا کیا گیا تھا، قدرتِ حق دوبارہ بھی اس کے وجود میں اُنہی ساری چیزوں کو بغیر کسی ادنیٰ فرق کے جمع کر دے گی۔ حالاں کہ یہ اربوں کھربوں انسان، ابتدائے دُنیا سے قیامت تک پیدا ہوتے اور فنا ہوتے رہے۔ کس کی مجال ہے کہ ان سب کی شکلوں، صورتوں اور قد و قامت کی کیفیتوں کو الگ الگ یاد بھی رکھ سکے؟

مگر حق تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ ہم صرف اسی پر قادر نہیں ہیں کہ میت کے سارے بڑے بڑے اجزا و اعضاء کو دوبارہ اُسی طرح بنا دیں، بل کہ انسانی وجود کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کو بھی ہم ٹھیک اُسی طرح کر دیں گے جس طرح وہ پہلے تھیں۔ اس میں ''بنان'' یعنی انگلیوں کے پوروں کا خاص ذکر فرمایا کہ وہ سب سے چھوٹے اجزا ہیں۔ جب ان چھوٹے اجزا کی دوبارہ ساخت میں فرق نہیں آیا تو بڑے بڑے اعضا ہاتھ پاؤں وغیرہ میں کیا فرق ہوگا۔

اور اگر غور کیا جائے تو ''شاید'' بنان یعنی انگلیوں کے پوروں کی تخصیص میں اس کی طرف بھی اشارہ ہو کہ حق تعالیٰ نے ایک انسان کو دوسرے انسان سے ممتاز کرنے کے لئے اُس کے سارے ہی بدن میں ایسی خصوصیات رکھی ہیں جن سے وہ پہچانا جاتا ہے اور ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے۔

خصوصاً انسانی چہرہ جو چند مربع انچ سے زائد نہیں، اس کے اندر قدرتِ حق نے ایسے امتیازات رکھے ہیں کہ اربوں

---

[1] معارف القرآن: ١٧٤/٥ [2] القيامة: ٤

کھربوں انسانوں میں ایک کا چہرہ بالکل دوسرے کے ساتھ ایسا نہیں ملتا کہ امتیاز باقی نہ رہے۔ انسان کی زبان اور حلقوم بالکل ایک ہی طرح ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے ایسی ممتاز ہے کہ بچے، بوڑھے، عورت، مرد کی آوازیں الگ پہچانی جاتی ہیں اور ہر انسان کی آواز الگ الگ پہچانی جاتی ہے۔ اُس سے بھی زیادہ حیرت انگیز انسان کے انگوٹھے اور انگلیوں کے پورے ہیں کہ اُن کے اوپر جو نقش و نگار خطوط کے جال کی صورت میں قدرت نے بنائے ہیں، وہ کبھی ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ نہیں ملتے۔

صرف آدھ انچ کی جگہ میں ایسے امتیازات کہ اربوں انسانوں میں یہ پورے مشترک ہونے کے باوجود ایک کے خطوط دوسرے سے نہیں ملتے اور قدیم و جدید ہر زمانے میں انگوٹھے کو ایک امتیازی چیز قرار دے کر عدالتی فیصلے اُس پر ہوتے ہیں اور فنی تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ بات صرف انگوٹھے ہی میں نہیں، ہر انگلی کے پورے کے خطوط بھی اسی طرح ممتاز ہوتے ہیں۔

یہ سمجھ لینے کے بعد، پوروں کے بیان کی تخصیص خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمہیں تو اسی پر تعجب ہے کہ یہ انسان دوبارہ کیسے زندہ ہوگا؟

ذرا اس سے آگے سوچو اور غور کرو کہ صرف زندہ ہی نہیں ہوگا، بل کہ اپنی سابقہ شکل وصورت اور اس کے ہر امتیازی وصف کے ساتھ زندہ ہوا ہے۔ یہاں تک کہ انگوٹھے اور انگلیوں کے پوروں کے خطوط پہلی پیدائش میں جس طرح تھے اس نشأۃ ثانیہ (دوسری پیدائش) میں بھی بالکل وہی ہوں گے۔[1]

سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو یہ دعوت دی ہے کہ (اگر یہ دھوکا لگ رہا ہے کہ ریزہ ریزہ ہوکر دوبارہ کیسے جی اٹھیں گے) تو خود اپنی پیدائش میں غور کرو کہ کس طرح ہوئی؟

اس کے علاوہ دوسری دلیل یہ دی ہے کہ دیکھو زمین مردہ پڑی تھی، رحمت کا پانی پڑتے ہی جی اٹھی اور تر و تازہ ہوکر لہلہانے لگی۔ قسم قسم کے خوش منظر، فرحت بخش اور نشاط افزا پودے قدرت نے اُگا دیئے۔ تو وہ اللہ جس طرح مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کر دیتا ہے اسی طرح تمہیں بھی دوبارہ زندہ کر دے گا۔[2]

﴿مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾[3]

تَرجَمہ: ”ہم نے ان دونوں یعنی زمین و آسمان کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔“

مطلب یہ ہے کہ اگر سوچنے سمجھنے والی عقل ہو تو آسمان و زمین اور ان کے اندر جو مخلوقات پیدا کی گئی ہیں، وہ سب بہت سے حقائق پر دلالت کرتی ہیں۔

(۱) مثلاً قدرتِ خداوندی پر۔

[1] معارف القرآن: ۶۲۳/۸ [2] تفسیرِ عثمانی: ۴۴۳، الحج: ۵ [3] الدخان: ۳۹

(۲) آخرت کے امکان پر کیوں کہ جس ذات نے ان عظیم اجسام کو عدم سے وجود عطا کیا، وہ یقیناً اس بات پر بھی قادر ہے کہ انہیں ایک مرتبہ ختم کر کے دوبارہ پیدا کر دے۔

(۳) جزا و سزا کی ضرورت پر۔

کیوں کہ اگر آخرت کی جزا و سزا نہ ہو تو یہ سارا کارخانۂ وجود بے کار ہو جاتا ہے، اس کی تخلیق کی تو حکمت ہی یہ ہے کہ اسے دارالامتحان بنایا جائے اور اس کے بعد آخرت میں جزا و سزا دی جائے، ورنہ نیک و بد دونوں کا انجام ایک ہونا لازم آتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ حکمت سے بعید ہے۔

(۴) یہ کائنات سوچنے سمجھنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری پر اُبھارنے والی بھی ہے، کیوں کہ یہ ساری مخلوقات اُس کا بہت بڑا انعام ہیں اور بندے پر واجب ہے کہ اس نعمت کا شکر اس کے خالق کی اطاعت کر کے ادا کرے۔[1]

فوائد و نصائح

❶ اس اسم سے تعلق قائم کرنے والے کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اِسی صفت پر غور کرے "کہ اس کے لئے دوبارہ پیدا کرنا بالکل آسان ہے جیسے پہلے پیدا کیا" اور اس بات کا استحضار کرے کہ یہ معاملہ اس کے ساتھ بھی ہوگا، لہٰذا دنیا کے تعیش سے نکل کر آخرت کی تیاری کرے، لوگوں کو دین کی طرف بلائے اور ان کو سیدھی راہ دکھلائے اور قیامت کے دِن کی تیاری کی فکر پیدا کرے۔

❷ انسان کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ مردوں کو قبروں سے زندہ کر کے نکالے گا تو دلوں میں چھپی ہوئی باتیں بھی سب کھل کر سامنے آجائیں گی، اس لئے دل صاف رکھنے کی کوشش کرے اور دل کی صفائی کے لئے یہ دعا مانگتا رہے۔

"اَللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنْ خَطَايَايَ...... كَالثَّوْبِ الْأَبْيَضِ مِنَ الدَّنَسِ"[2]

تَرجَمہ: "اے اللہ! مجھے گناہوں سے ایسا پاک کر دیجئے جیسا سفید کپڑا میل سے پاک کیا جاتا ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دیں گے۔

---

[1] معارف القرآن: ۷/۷۷۱

[2] مسند احمد: ۲/۲۳۱، رقم: ۷۱۲٤

الشَّهِيْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(ایسا حاضر جو سب کچھ دیکھتا اور جانتا ہے)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ فَإِنَّهٗ تَعَالٰى شَهِيْدٌ عَلٰى أَفْعَالِهِمْ، حَفِيْظٌ لِأَقْوَالِهِمْ، عَلِيْمٌ بِسَرَائِرِهِمْ وَمَا تُكِنُّ ضَمَائِرُهُمْ.[۱]

تَرْجَمَہ: ابنِ کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے تمام افعال کو دیکھتے ہیں، بندوں کے اقوال پر محافظ ہیں (یعنی بندوں کے تمام اقوال اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہیں) اور بندوں کے رازوں سے بھی واقف ہیں۔ حتیٰ کہ ان باتوں سے بھی واقف ہیں جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہیں۔

❷ شیخ سعدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں "اَلشَّهِيْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو تمام اشیا پر مطلع ہے اور تمام آوازوں کو سنتی ہے خواہ وہ آوازیں ظاہر ہوں یا مخفی اور اللہ تعالیٰ تمام موجودات کو دیکھتے ہیں خواہ کتنے ہی چھوٹے چھوٹے ذرّات ہوں یا بڑے بڑے اَجسام۔ اللہ تعالیٰ کے علم نے بندوں کے اعمال میں سے ہر اُس چیز کا احاطہ کر رکھا ہے جو بندوں کے حق میں اور بندوں کے خلاف گواہی دیتی ہے۔[۲]

❸ "اَلشَّهِيْدُ" کے معنیٰ "اَلْعَلِيْمُ" کے معنیٰ کے ساتھ ایک گونہ مناسبت رکھتے ہیں اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ "شَهِيْد" ہیں۔ "عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ" ہیں، یعنی پوشیدہ اور ظاہر دونوں کو یکساں طور پر جاننے والے ہیں۔ غیب سے مراد وہ چیز ہے جو پوشیدہ ہو اور شہادۃ سے مراد وہ چیز ہے جو ظاہر ہو اور اللہ تبارک وتعالیٰ ظاہر اور مخفی سب سے باخبر ہیں۔

اگر صرف علم کا اعتبار کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی ذات "اَلْعَلِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے اور اگر اسی علم کی نسبت غیب اور مخفی (یعنی چھپے ہوئے) امور کی جانب کی جائے تو اللہ تعالیٰ کی ذات "اَلْخَبِيْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے اور اگر اسی علم کی نسبت ظاہری

---

[۱] التفسیر لابن الکثیر: ۸۹۱، الحجّ: ۱۷

[۲] وَقَالَ السَّعْدِيُّ: "الشَّهِيْدُ" أَيِ الْمُطَّلِعُ عَلٰى جَمِيْعِ الْأَشْيَاءِ، سَمِعَ جَمِيْعَ الْأَصْوَاتِ خَفِيَّهَا وَجَلِيَّهَا، وَأَبْصَرَ جَمِيْعَ الْمَوْجُوْدَاتِ دَقِيْقَهَا وَجَلِيْلَهَا، صَغِيْرَهَا وَكَبِيْرَهَا، وَأَحَاطَ عِلْمُهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ الَّذِيْ شَهِدَ لِعِبَادِهٖ وَعَلٰى عِبَادِهٖ بِمَا عَمِلُوْهُ. (تيسير الكريم: ۳۰۳/۵، نقلاً عن النهج الاسمیٰ: ۴۴۲/۱)

امور کی طرف کی جائے تو اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ذات ''اَلشَّهِيْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہے۔[1]

یہ اسم قرآن کریم میں اٹھارہ مرتبہ آیا ہے، اِن میں سے تین یہ ہیں:

1. ﴿قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ﴾[2]

تَرجَمہ: ''آپ ﷺ کہئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے۔''

2. ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾[3]

تَرجَمہ: ''وہ ہر چیز سے باخبر (اور مطلع) ہے۔''

3. ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾[4]

تَرجَمہ: ''اور اللہ تعالیٰ بطورِ گواہ کافی ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خوب واقف ہے اور ایسا بادشاہ ہے جس کی بادشاہت سے زمین و آسمان کا کوئی گوشہ باہر نہیں ہے اور جو ہر چیز کے ذرّے ذرّے کے احوال سے باخبر ہے۔ مظلوم کی مظلومیت سے بھی باخبر ہے، بس اس کی نصرت کرے گا اور ظالم کے ظلم پر بھی اس کو سزا دے گا، خواہ دنیا میں یا پھر آخرت میں۔

سورۂ آلِ عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ﴾[5]

تَرجَمہ: ''اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے۔''

یہ یہود و نصاریٰ سے خطاب ہے یعنی حق و صداقت کے واضح دلائل اور قرآنِ کریم کی ایسی سچی اور پکی باتیں سننے کے بعد بھی تمہیں کیا ہوا کہ باوجود اہلِ کتاب کہلانے کے، مسلسل کلامُ اللہ اور اس کے لانے والے کے انکار پر تلے ہوئے ہو؟ یاد رکھو! تمہاری سب کارروائیاں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں۔ تمہاری نیتوں اور تدبیروں کو وہ خوب جانتا ہے، جس وقت پکڑے گا، رتی رتی کا حساب لے کر چھوڑے گا۔[6]

اس اسم مبارک ''اَلشَّهِيْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' میں ہمارے لئے دو سبق موجود ہیں۔ ویسے اسمائے حسنیٰ کے اسرار و خواص تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں، لیکن اب تک بزرگوں کی کتابوں سے جو سمجھ میں آتے ہیں، ان میں سے دو سبق بہت اہم ہیں۔

اوّل توحید: اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ قرآن مجید میں اور دوسری آسمانی کتابوں میں توحید یعنی اپنی وحدانیت اہتمام

---

[1] وَفِي الْمَقْصَدِ:(اَلشَّهِيْدُ) يَرْجِعُ مَعْنَاهُ إِلَى (الْعَلِيْمِ) مَعَ خُصُوْصِ إِضَافَةٍ، فَإِنَّهُ تَعَالٰى عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، وَالْغَيْبُ عِبَارَةٌ عَمَّا بَطَنَ وَالشَّهَادَةُ عَمَّا ظَهَرَ، وَهُوَ الَّذِي يُشَاهِدُ. فَإِذَا اُعْتُبِرَ الْعِلْمُ مُطْلَقًا فَهُوَ الْعَلِيْمُ. وَ إِذَا أُضِيْفَ إِلَى الْغَيْبِ وَالْأُمُوْرِ الْبَاطِنَةِ فَهُوَ الْخَبِيْرُ. وَ إِذَا أُضِيْفَ إِلَى الْأُمُوْرِ الظَّاهِرَةِ فَهُوَ الشَّهِيْدُ. (النهج الاسمیٰ: ١/٤٤١)

[2] الانعام: ١٩ [3] سبا: ٤٧ [4] النساء: ١٦٦

[5] اٰلِ عمرٰن: ٩٨ [6] تفسیر عثمانی: ٨٠، حاشیہ: ١

سے بیان کی ہے۔ آپ اندازہ لگائیں خود حق تعالیٰ اپنی تمام کتابوں میں مسلسل اس یقین اور عقیدے کو مستحکم کروا رہے ہیں اور اس کی فعلی کتاب (صحیفہ کائنات) کا ایک ایک ورق، بل کہ ایک ایک نقطہ شہادت دیتا ہے کہ بندگی کے لائق ربُّ العالمین کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔

چناں چہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾[1]

یعنی: ہم اپنی قدرت کاملہ اور وحدانیت کی نشانیاں ان لوگوں کو دکھلاتے ہیں آفاق (عالم) میں بھی اور خود ان کے اپنے تن وبدن میں بھی۔

آفاق اُفق کی جمع ہے، آسمان کے نچلے کنارے کو کہا جاتا ہے۔ مراد آفاق سے اطرافِ عالم ہیں یعنی سارے عالم کی چھوٹی بڑی مصنوعات ومخلوقات، آسمان وزمین اور ان کے درمیانی مخلوقات میں سے ہر چیز کو دیکھو تو وہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے وجود اور اس کے علم وقدرت کے محیط ہونے اور اس کے یکتا ہونے کی شہادت دیتی ہے۔ اس سے زیادہ قریب کی چیز خود انسان کی اپنی جان اور جسم ہے۔ اس کے ایک ایک عضو اور اس میں کام کرنے والی باریک اور نازک مشینوں کو دیکھئے کہ ان میں انسان کی راحت وسہولت کے کیسے کیسے انتظام رکھے گئے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ پھر ان نازک مشینوں کو اتنا مضبوط بنایا ہے کہ ستر اسّی سال تک بھی وہ گھستی نہیں۔

انسان کے عام جوڑوں میں جو اسپرنگ لگے ہوئے ہیں۔ اگر انسانی صنعت ہوتی تو فولادی اسپرنگ بھی گھس کر ختم ہوجاتے۔ یہاں ہاتھوں کی کھال اور اس پر لکھی ہوئی لکیریں اور خطوط بھی ساری عمر نہیں گھستے۔ جن میں کوئی ادنیٰ عقل و شعور کا آدمی بھی غور کرے تو اس یقین پر مجبور ہوگا کہ اس کی پیدا کرنے والی اور قائم رکھنے والی کوئی ایسی ذات ہے جس کے علم وقدرت کی کوئی انتہا نہیں اور جس کا مثل کوئی نہیں ہوسکتا۔[2]

اس طرح اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ دیگر اشیاء مثلاً سبزیوں اور پھلوں میں سے کسی کا رنگ ...... کسی کی خوشبو ...... کسی کا مزا ...... کسی کی صورت وشکل ...... کسی کا مخصوص موسم میں پیدا ہونا ...... کسی کا خاص خطۂ زمین میں پیدا ہونا ...... کسی کا پانی اور کسی کا شیرہ ...... صاحبِ عقل وحکمت کے لئے اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے۔

اسی طرح اخروٹ کی ساخت بالکل دماغ کی صورت کی سی ہے اور اس کا مغز بالکل بھیجے کے مشابہ ہے۔ لہٰذا اس کی بناوٹ سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ دماغ کے لئے خصوصیت سے فائدہ مند ہے۔

پستے کی ساخت بتاتی ہے کہ وہ دل کی شکل پر ہے اور اس کا مغز بتاتا ہے کہ میں دل کے لئے مفید ہوں۔

انار گواہی دیتا ہے کہ میں سراپا خون ہوں اور دل وجگر کے لئے مفید ہوں۔ فالسہ اور جامن کا رنگ بتا رہا ہے کہ ہم

---

[1] حٰمٓ السجدة: ٥٣ [2] معارف القرآن: ٦٦٨/٧، حٰمٓ السجدة: ٥٣

جگر کے لئے نفع رساں ہیں۔

سیب کھلے منہ گواہی دے رہا ہے کہ میں دل کو طاقت دیتا ہوں اور میرے اندر فولاد ہے، لہٰذا خون پیدا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے معدہ وجگر کو فائدہ پہنچا سکتا ہوں۔[1]

سورۂ اٰلِ عمران میں ارشاد ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾[2]

تَرجَمہ: ''اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہلِ علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔''

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں:

اس میں تین شہادتوں کا ذکر ہے، ایک خود اللہ جل شانہ کی شہادت، دوسرے اس کے فرشتوں کی، تیسرے اہلِ علم کی۔ اللہ جل شانہ کی شہادت تو بطورِ مجاز ہے، مراد یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی ذات و صفات اور اس کے تمام مظاہر و مصنوعات اللہ تعالیٰ کی توحید کی کھلی نشانیاں ہیں:

ہر گیا ہے کہ از زمیں روید   وحدہٗ لاشریک لہ گوید

زمین سے اگنے والی گھاس کی ہر ہر پتی   زبان حال سے توحید کی دیتی ہے گواہی

اور ایک شاعر اللہ تعالیٰ کی توحید یوں بیان کرتا ہے:

وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَهٗ آيَةٌ   تَدُلُّ عَلٰى أَنَّهٗ وَاحِدٌ

اور ہر چیز میں ایک نہ ایک ایسی نشانی موجود ہے   جو اللہ رب العزت کی وحدانیت پر دلیل ہے

اس کے علاوہ اس کی طرف سے بھیجے ہوئے رسول اور کتابیں بھی اس کی توحید پر شاہد ہیں اور یہ سب چیزیں حق تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو گویا خود اس کی شہادت اس بات پر ہے کہ اس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں۔

دوسری شہادت فرشتوں کی ذکر کی گئی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے مقرب اور اس کے تکوینی امور کے اہلکار ہیں۔ وہ سب کچھ جان کر اور دیکھ کر شہادت دیتے ہیں کہ لائقِ عبادت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔

تیسری شہادت اہلِ علم کی ہے۔ اہلِ علم سے مراد انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اور علماءِ اسلام ہیں۔ اسی لئے امام غزالی اور ابنِ کثیر رَحِمَہُمَا اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا: ''اس میں علماء کی بڑی فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شہادت کو اپنی اور اپنے فرشتوں کی شہادت کے ساتھ ذکر فرمایا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اہلِ علم سے مطلق وہ لوگ مراد ہوں، جو علمی اصول پر صحیح نظر کر کے

---

[1] شرح اسماء حُسنیٰ: ۲۲۵ (الازھری) [2] اٰلِ عمرٰن: ۱۸

یا کائناتِ عالم میں غور وفکر کر کے حق جل شانہ کی وحدانیت کا علم حاصل کر سکیں، اگرچہ وہ ضابطہ کے عالم نہ ہوں۔"[1]

دوسری جگہ سورۂ انعام میں بھی اللہ تعالیٰ توحید کی طرف بلا رہے ہیں کہ معبودِ برحق ایک ہی ہے۔

ایک مرتبہ اہلِ مکہ کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: آپ جو رسول اللہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اس پر آپ کا گواہ کون ہے؟ کیوں کہ ہمیں کوئی آدمی ایسا نہیں ملا کہ جو آپ کی تصدیق کرتا ہو، حالاں کہ ہم نے یہود و نصاریٰ سے بھی اس کی تحقیق میں پوری کوشش کی۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً﴾[2]

"آپ کہہ دیجئے کہ سب سے بڑی چیز گواہی دینے کے لئے کون ہے؟۔"

جس کے قبضے میں کل جہان اور سب کا نفع وضرر ہے۔ پھر آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی گواہی سے مراد وہ معجزات اور آیاتِ بینات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آں حضرت ﷺ کے رسولِ برحق ہونے کے متعلق ظاہر فرمائی ہیں۔ اسی لئے اس کے بعد اہل مکہ کو خطاب کر کے یہ ارشاد فرمایا:

﴿اِئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ۚ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾[3]

تَرجَمہ: "کیا تم سچ مچ یہی گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو گواہی نہیں دیتا۔ آپ فرما دیجئے کہ بس وہ تو ایک ہی معبود ہے اور بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔"[4]

مندرجہ بالا آیات سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اِثبات اور شرک کی نفی واضح ہوگئی۔

دوسرا سبق یہ ہے: جب اللہ تعالیٰ "الشَّهِيْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہیں، ہمارے ہر حال سے واقف ہیں تو ہمیں اپنے معاملات صاف رکھنے چاہئیں۔ اگر ہم نے کسی سے قرض لیا ہے تو ہمیں وقت پر ادا کرنا چاہئے، ٹال مٹول یا جان بوجھ کر دیر نہیں کرنی چاہئے۔ خاص طور سے دینے والے نے امانت دار، دین دار سمجھ کر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر دیا ہو تو بہت زیادہ اہتمام سے اس کا خیال رکھنا چاہئے۔ اگر ہمارے والد دنیا سے پردہ فرما چکے ہیں اور ان کی میراث میں مال، جائیداد یا اور کچھ ہمارے پاس ہو تو ان کے حق داروں کو دینے میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے، خصوصاً چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کو ان کا پورا پورا حق دے دینا چاہئے۔

بخاری شریف میں ایک سبق آموز واقعہ مذکور ہے، حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جنابِ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: "ایک شخص جس نے اپنا قرض ادا کرنے کے لئے اپنا فرض پورا کیا اور ظاہری وسائل نہ ہونے کے باوجود اپنی بساط بھر پوری کوشش کر لی تو اس کو اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت کا مشاہدہ ہوا۔

[1] معارف القرآن: ۳٤/۲، اٰلِ عمرٰن: ۱۸ [2] الانعام: ۱۹ [3] الانعام: ۱۹ [4] معارف القرآن: ۲۹۵/۳

''الشّھیدُ جلّ جلالہٗ'' پر یقین کا فائدہ

واقعہ نمبر (۱۱): ''ایک شخص نے بنی اسرئیل کے کسی شخص سے ایک ہزار دینار قرض مانگے، اس نے کہا: گواہ لاؤ تا کہ میں انہیں قرض کے اس معاملہ پر گواہ بنالوں۔ قرض خواہ نے کہا:

''اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔'' اس نے کہا: ''اچھا کوئی کفیل (ضامن) لے آؤ۔'' کہنے لگا: ''اللہ تعالیٰ ہی میرا ضامن اور کفیل ہے۔'' اس نے کہا:

''تم نے سچ کہا'' ..... اور ایک مقررہ مدت تک کے لئے اس نے ایک ہزار دینار اسے قرض دے دیئے۔

قرض لینے والا اپنے کسی کام سے سمندر میں سفر پر گیا اور اپنا کام پورا کیا۔ فارغ ہونے کے بعد جب اس نے سمندر عبور کرنے کے لئے کشتی تلاش کی تا کہ اس پر سوار ہو کر اپنی مقررہ مدت پر، جو اس نے متعین کی تھی، قرض کی ادائیگی کے لئے پہنچ جائے تو اُسے کوئی کشتی نہ ملی۔ اس نے ایک بڑی لکڑی لی، اسے اندر سے کھود کر کھوکھلا کیا اور ہزار دینار اس میں رکھ دیئے اور ایک خط قرض دینے والے کے نام لکھ کر رکھ دیا۔ پھر اس نے کھلی جگہ کو اچھی طرح سے بند کر دیا اور اسے لے کر سمندر پر آ گیا اور دعا کی:

''اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَعْلَمُ اَنِّیْ کُنْتُ تَسَلَّفْتُ فُلَانًا اَلْفَ دِیْنَارٍ.... فَسَاَلَنِیْ کَفِیْلًا.... فَقُلْتُ: کَفٰی بِاللّٰہِ کَفِیْلًا.... فَرَضِیَ بِکَ.... وَسَاَلَنِیْ شَھِیْدًا فَقُلْتُ: کَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا.... فَرَضِیَ بِکَ.... وَاِنِّیْ جَھَدْتُّ اَنْ اَجِدَ مَرْکَبًا اَبْعَثُ اِلَیْہِ الَّذِیْ لَہٗ.... فَلَمْ اَقْدِرْ.... وَاِنِّیْ اَسْتَوْدِعُکَھَا.''[1]

ترجمہ: ''اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میں نے فلاں آدمی سے ہزار دینار قرض کے طور پر لئے تھے۔ اس نے مجھ سے ضامن مانگا تو میں نے کہا: میرا ضامن اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ آپ کی ضمانت پر راضی ہو گیا۔ پھر اس نے گواہ کا مطالبہ کیا تو میں نے کہا: میرے لئے اللہ تعالیٰ ہی گواہ کے طور پر کافی ہے۔ وہ آپ کی گواہی پر راضی ہو گیا اور میں نے اب بہت کوشش کی کہ کوئی ایسی سواری ڈھونڈوں جس کے ذریعے اس کا قرض اس تک پہنچا سکوں، لیکن میں اس میں کامیاب نہ ہوا اور میں اس قرض کی حفاظت آپ کے ہی سپرد کرتا ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے وہ لکڑی سمندر میں پھینک دی یہاں تک کہ وہ پانی میں داخل ہو گئی۔ پھر وہ واپس لوٹ آیا اور وہ پھر کشتی کی تلاش میں رہا کہ اپنے شہر کی طرف نکل جائے۔ اُدھر وہ شخص جس نے قرض دیا تھا سمندر کی طرف یہ دیکھنے کے لئے نکلا کہ شاید کوئی کشتی اس کا مال لے کر آئی ہو، اچانک اس نے وہی لکڑی جس میں مال تھا دیکھی۔ اس نے اسے یہ سوچ کر لے لیا کہ گھر والوں کو ایندھن کے طور پر جلانے میں کام آئے گی۔ گھر جا کر اس نے جو اسے چیرا تو اس میں اپنا

---

[1] بخاری، الکفالۃ، الکفالۃ فی القرض: ۳۰۶/۱

مال اور خط پایا۔

پھر کچھ دنوں بعد قرض لینے والا شخص آگیا اور ہزار دینار لے کر اس کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''اللہ کی قسم! میں مسلسل کشتی کی تلاش میں رہا تا کہ تمہارا مال لے کر تمہارے پاس آؤں، مگر مجھے اب سے قبل کوئی کشتی نہ ملی۔''

اس نے کہا: ''کیا تم نے مجھے کچھ بھیجا تھا؟''

اُس نے جواب میں کہا: ''میں تمہیں بتلا رہا ہوں کہ میں نے اس سے پہلے کوئی سواری نہ پائی کہ اس میں آتا۔''

اس نے کہا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف سے اس مال کی ادائیگی کر دی ہے جو تم نے لکڑی میں بھیجا تھا۔ لہٰذا اپنے ہزار دینار لے کر کامیاب واپس لوٹ جاؤ۔''[1]

امام قشیری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: ''اہلِ معرفت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا مونس (غم خوار) نہیں بناتے، یعنی اپنے حالات کا ذکر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے نہیں کرتے۔ ہر حاجت، ہر ضرورت اللہ تعالیٰ ہی سے مانگتے ہیں۔ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ ذات ''اَلشَّهِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہمارے احوال سے واقف ہے۔''

آگے فرماتے ہیں:

''وَكَيْفَ لَا وَهُوَ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفٰى...... وَيَسْمَعُ النَّجْوٰى...... وَيَكْشِفُ الضَّرَّ وَالْبَلْوٰى...... وَيَجْزِلُ الْحُسْنٰى ...... وَيَصْرِفُ الرَّدٰى ...... وَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى.''[2]

تَرْجَمَہ: ''اور اس سے کوئی بات کیسے چھپ سکتی ہے؟ جب کہ وہ ہر پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے اور سرگوشی کو سنتا ہے اور ہر مصیبت اور بلا کو دور کرتا ہے اور نیک کاموں کا بدلہ دیتا ہے اور ہلاکت کو دفع کرتا ہے اور دنیا اور آخرت کی حکومت اسی کے قبضے میں ہے۔''

فوائد و نصائح

ملا علی قاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں:

''وَحَظُّكَ مِنْهُ أَنْ تُرَاقِبَه، حَتّٰى لَا يَرَاكَ حَيْثُ نَهَاكَ وَلَا يَفْقُدُكَ حَيْثُ أَمَرَكَ.''[3]

1 اور تیرا حصہ (یعنی ایمان و عمل کی تقویت کے لئے روحانی غذا کے لئے) اس اسمِ مبارک سے یہ ہے کہ تو اس بات کا خیال رکھ کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو اس جگہ میں نہ دیکھے جہاں سے اس نے منع کیا ہے اور وہاں سے غائب نہ پائے، جہاں موجود

[1] قصص الحديث: ۲۲۷

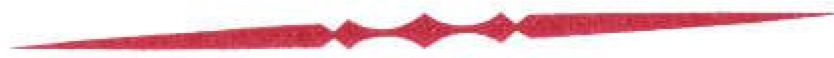
[2] مرقاة، شرح مشكاة كتاب اسماء الله تعالىٰ: ۹۰/۵

[3] مرقاة، شرح مشكاة كتاب اسماء الله تعالىٰ: ۹۰/۵

ہونے کا حکم دیا ہے یعنی جن گناہوں سے بچنے کا حکم دیا ہے اُن میں وہ ''اَلشَّهِيْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہمیں مشغول نہ پائے اور جن معروفات (نیکیوں) کا حکم دیا ہے ان پر عمل سے ہمیں غائب نہ پائے۔

۲ اور اس کے ''اَلشَّهِيْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہونے پر ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ تو اپنی حاجتوں کو اس کے غیر کی طرف نہ لے جائے اور کسی کو دھوکہ نہ دے۔

۳ جہاں بھی ہو یہ یقین رکھے کہ ''اَلشَّهِيْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' میرے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔ چناں چہ خیانت، جھوٹ، غیبت، چغل خوری، برا گمان کرنے سے بچے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ

(برحق و برقرار رہنے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ قَالَ الْقُشَيْرِيُّ -رَحِمَهُ اللّٰهُ-: ''اَلْحَقُّ'' مِنْ أَسْمَائِهٖ، وَهُوَ بِمَعْنَى الْمَوْجُوْدِ الْكَائِنِ.[1]

ترجمہ: '''' اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' اللہ ربّ العزت کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ذات جو اپنے وجودِ برحق کے ساتھ موجود ہے۔''

❷ قَالَ ابْنُ الْأَثِيْرِ -رَحِمَهُ اللّٰهُ-: ''اَلْحَقُّ'' هُوَ الْمَوْجُوْدُ حَقِيْقَةً. أَلْمُتَحَقِّقُ وُجُوْدُهٗ وَ إِلٰهِيَّتُهٗ.[2]

ترجمہ: '''' اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو حقیقۃً موجود ہو، اس کے وجود اور معبودیت کو دلائل سے ثابت کیا گیا ہو۔''

❸ '' اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جس کے وجود سے انکار کی گنجائش نہ ہو اور اس کا ثبوت اور اس کے وجود کا اعتراف لازمی ہو، صرف اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا وجود ہی اس بات کے لائق تر ہے کہ اس کا اعتراف کرنا نہایت ضروری ہے، اس ذاتِ حق جَلَّ جَلَالُہٗ کے وجود سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں، اس لئے کہ ایسی کوئی بات واضح دلائل سے ثابت نہیں ہوتی جو اللہ تعالیٰ کے وجود کو خلاف واقع ثابت کر سکے۔[3]

قرآنِ کریم '' اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی برحق اور سچی کتاب ہے

واقعہ نمبر (۱۲): ایک شخص نے یہ جانچنا چاہا کہ کون سا دین صحیح ہے، وہ عمدہ اور خوش خط کاتب بھی تھا، اس کے لئے

---

[1] التحبير في التذكير: ۸٦

[2] النهاية: ۱/٤۱۳، كلها عن النهج الأسمىٰ: ۲/۱۰، ۱۱

[3] قَالَ الْحَلِيْمِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: (اَلْحَقُّ) مَا لَا يَسَعُ إِنْكَارُهٗ، وَيَلْزَمُ ثُبُوْتُهٗ وَالْإِعْتِرَافُ بِهٖ، وَوُجُوْدُ الْبَارِيْ عَزَّ ذِكْرُهٗ أَوْلٰى مَا يَجِبُ الْإِعْتِرَافُ بِهٖ، وَلَا يَسَعُ جُحُوْدُهٗ إِذْ لَا مُثْبِتَ يَتَظَاهَرُ عَلَيْهِ مِنَ الدَّلَائِلِ الْبَيِّنَةِ الْبَاهِرَةِ، مَاتَظَاهَرَتْ عَلٰى وُجُوْدِ الْبَارِيْ -جَلَّ جَلَالُهٗ-. (الاسماء والصفات للبيهقي: ۱۲، ۱۳)

اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ تورات، انجیل اور قرآنِ کریم کی انتہائی خوب صورت کتابت کی، تاہم درمیان میں کمی بیشی بھی کر دی۔

پھر تورات کو لے کر علمائے یہود کی خدمت میں پیش کیا، انہوں نے اس کا مطالعہ کیا اور خوب صورت کتابت پر اسے انعام سے نوازا۔

انجیل کا نسخہ عیسائی پادریوں کے پاس لے کر گیا، انہوں نے اس کی محنت کو سراہتے ہوئے بڑی رقم دے کر اس خوش خط نسخے کو خریدا۔

اس کے بعد قرآنِ کریم کا نسخہ علمائے اسلام کی خدمت میں لایا، انہوں نے جب اس میں کمی بیشی دیکھی تو پکڑ کر اس کی ٹھکائی کر دی اور اسے حاکم کے پاس لے کر گئے، حاکم نے ''تحریفِ قرآن'' کے جرم میں اس کے قتل کا حکم دیا، تب اس نے اصل حقیقت بتائی اور کہا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' میں مسلمان ہوں لیکن میں یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ کون سا دین صحیح اور محفوظ ہے تو میرے اس تجربے سے ثابت ہو گیا کہ دینِ اسلام ہی ایک محفوظ دین ہے، (اور قرآن کریم ''اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی حق اور سچی کتاب ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب میں کوئی بھی تحریف نہیں کر سکتا)۔[1]

''اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا حق کسی اور کو دینا شرک ہے

عبادت کے معنی یہ ہیں کہ کسی ذات کی انتہائی عظمت و محبت کی بناء پر اس کے سامنے انتہائی عاجزی اور انکساری کا اظہار کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے تو یہی شرک کہلاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ شرک صرف اسی کو نہیں کہتے کہ بت پرستوں کی طرح کسی پتھر کی مورتی وغیرہ کو خدائی اختیارات کا مالک سمجھے، بل کہ کسی کی عظمت...... محبت...... اطاعت...... کو وہ درجہ دینا جو اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے یہ بھی شرکِ جلی میں داخل ہے، قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے شرک کا حال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾[2]

تَرجَمَہ: ''ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنا لیا ہے۔''

حضرت عدی بن حاتم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جو مسلمان ہونے سے پہلے نصرانی تھے انھوں نے اس آیت کے بارے میں رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے عرض کیا: ''ہم تو اپنے علماء کی عبادت نہیں کرتے تھے، پھر قرآن میں ان کو معبود بنانے کا الزام ہم پر کیسے لگایا گیا؟''

---

[1] فَلَمَّا أَرَادَ قَتْلَهُ أَشْهَرَ إِسْلَامَهُ، وَأَخْبَرَهُمْ بِقِصَّتِهِ وَأَنَّهُ امْتَحَنَ الْأَدْيَانَ فَعَرَفَ أَنَّ الْإِسْلَامَ دِيْنٌ حَقٌّ. (صفوة التفاسير للصابوني): ۲/۹۸، ۹۹ (کتابوں کی درس گاہ میں، حفاظتِ قرآن: ۱۹۲) [2] التوبة: ۳۱

آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا ایسا نہیں ہے کہ تمہارے علماء بہت سی ایسی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور تم اپنے علماء کے کہنے پر ان کو حرام ہی سمجھتے ہو اور بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے تمہارے علماء ان کو حلال کر دیتے ہیں تو تم ان کے کہنے کا اِتباع کر کے حلال کر لیتے ہو؟“

عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ”بے شک ایسا تو ہے۔“

اس پر آں حضرت ﷺ نے فرمایا: ”یہی تو ان کی عبادت ہے۔“[1]

اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کے حلال یا حرام قرار دینے کا حق صرف حق تعالیٰ کو ہے جو شخص اس میں کسی دوسرے کو شریک قرار دے اور اللہ تعالیٰ کے احکام حرام وحلال معلوم ہونے کے باوجود ان کے خلاف کسی دوسرے کے قول کو واجب الِاتباع سمجھے وہ گویا اس کی عبادت کرتا ہے اور شرک میں مبتلا ہے۔[2]

وہ مخصوص مدد ونصرت جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور غیر اللہ کے لئے شرک ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

1. اللہ تعالیٰ کے سوا کسی فرشتے یا پیغمبر یا ولی یا کسی اور انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرح قادرِ مطلق اور مختارِ کل سمجھ کر اس سے اپنی حاجت مانگنا، یہ تو ایسا کھلا ہوا کفر ہے کہ عام مشرکین بت پرست بھی اس کو کفر سمجھتے ہیں، اپنے بتوں، دیوتاؤں کو بالکل اللہ تعالیٰ کے مثل قادرِ مطلق اور مختارِ مطلق یہ کفار بھی نہیں مانتے۔

2. وہ استعانت جس کو کفار اختیار کرتے ہیں، قرآن مجید اس کو باطل وشرک قرار دیتا ہے۔ ﴿وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾[3] میں یہی مراد ہے کہ ایسی استعانت و امداد ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں چاہتے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق فرشتے، ولی یا دیوتا، کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ اگرچہ قادرِ مطلق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور کامل اختیارات اسی کے ہیں، لیکن اس نے اپنی قدرت واختیار کا کچھ حصّہ فلاں شخص (فلاں پیر، فلاں مجاور، فلاں عامل) کو بوجہ اس کے نیک اور مقرب ہونے کے سونپ دیا ہے اور اس دائرے میں وہ خود مختار ہے یہی وہ استعانت ہے جو مؤمن و کافر میں فرق اور اسلام و کفر میں امتیاز کرتی ہے، بت پرست مشرکین اس کے قائل اور اس پر عامل ہیں۔

اس معاملے میں دھوکہ یہاں سے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے فرشتوں کے ہاتھوں دنیوی نظام کے بہت سے کام جاری کرتے ہیں، دیکھنے والا اس مغالطے میں پڑ سکتا ہے کہ اس فرشتے کو اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار سپرد کر دیا ہے، یا انبیاء علیہم السلام کے ذریعے بہت سے ایسے کام وجود میں آتے ہیں جو عام انسانوں کی قدرت سے خارج ہیں، جن کو معجزات کہا جاتا ہے۔

اسی طرح اولیاء اللہ کے ذریعے بھی ایسے ہی بہت سے کام وجود میں آتے ہیں، جن کو کرامات کہا جاتا ہے، یہاں سرسری نظر والوں کو یہ مغالطہ لگ جاتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کاموں کی قدرت واختیار ان کے سپرد نہ کرتا تو ان کے ہاتھ

---

[1] التفسير المظهري: ١٩٥/٤، التوبة: ٣١ [2] معارف القرآن: ٩٨/١ [3] الفاتحة: ٤

سے یہ کیسے وجود میں آتے؟

اس سے وہ انبیاء و اولیاء کو ایک درجہ میں مختارِ کل ہونے کا عقیدہ بنا لیتے ہیں، حالاں کہ حقیقت یوں نہیں بل کہ معجزات اور کرامات براہِ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے، صرف اس کا ظہور پیغمبر یا ولی کے ہاتھوں پر ان کی عظمت ثابت کرنے کے لئے کیا جاتا ہے، پیغمبر اور ولی کو اس کے وجود میں لانے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا، قرآن مجید کی بے شمار آیات اس پر شاہد ہیں۔ مثلاً آیت:

﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾[1] میں رسول کریم ﷺ کے اس معجزے کا ذکر ہے جس میں آپ ﷺ نے دشمن کے لشکر کی طرف ایک مٹھی کنکریوں کی پھینکی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ سارے لشکر کی آنکھوں میں جالگیں، اس کے متعلق ارشاد ہے کہ یہ آپ ﷺ نے نہیں پھینکی بل کہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی، جس سے معلوم ہوا کہ معجزہ جو نبی کے واسطہ سے صادر ہوتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کو جب ان کی قوم نے کہا کہ اگر آپ سچے ہیں تو جس عذاب سے ہمیں ڈرا رہے ہیں وہ بلا لیجئے، تو انھوں نے فرمایا:

﴿قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴾[2]

یعنی معجزہ کے طور پر آسمانی عذاب نازل کرنا میرے قبضے میں نہیں، اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو یہ عذاب آجائے گا پھر تم اس سے بھاگ نہ سکو گے۔

سورۂ ابراہیم میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ایک جماعت کا یہ قول ذکر فرمایا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾[3]

یعنی کسی معجزہ کا صادر کرنا ہمارے ہاتھ میں نہیں، اللہ تعالیٰ کے اذن و مشیت (اجازت و ارادہ) کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا، اسی وجہ سے کوئی پیغمبر...... کوئی ولی ...... جب چاہے جو چاہے معجزہ یا کرامت دکھا دے یہ قطعاً کسی کے بس میں نہیں، رسول کریم ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام سے بہت سے معین معجزات کا مطالبہ مشرکین نے کیا، مگر جس کو اللہ تعالیٰ نے چاہا ظاہر کر دیا جس کو نہ چاہا نہیں ہوا۔ پورا قرآن کریم اس کی شہادتوں سے بھرا ہوا ہے۔

معلوم ہوا کہ عقیدہ تو یہی رکھنا ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے ہو رہا ہے اس کے ساتھ انبیاء و اولیاء کی عظمت و ضرورت کا بھی اعتراف ضروری ہے، اس کے بغیر رضائے الٰہی اور طاعتِ احکامِ خداوندی سے محروم رہے گا جس طرح کوئی شخص بلب اور پنکھے کی قدر نہ پہچانے اور ان کو ضائع کر دے تو روشنی اور ہوا سے محروم رہتا ہے۔[4]

---

[1] الانفال: ۱۷ [2] هود: ۳۳ [3] ابراهيم: ۱۱ [4] معارف القرآن: ۱/۱۰۰

''اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی حقانیت کی دلیل

انسان اور اس کے اندر چلنے والا آٹو میٹک (خود کار) نظام، انسان کے اردگرد کا ماحول و معاشرہ، زمین و آسمان اور غرض کائنات کا ذرہ ذرہ حق تعالیٰ شانہ کی حقانیت کی دلیل ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

تَأَمَّلْ سُطُوْرَ الْكَائِنَاتِ فَإِنَّهَا ۔۔۔ مِنَ الْمَلِكِ الْأَعْلٰى إِلَيْكَ رَسَائِلُ

وَقَدْ خَطَّ فِيْهَا لَوْ تَأَمَّلْتَ خَطَّهَا ۔۔۔ أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ[1]

کائنات کے رموز میں غور کر کہ یہ شہنشاہِ عالم (حق تعالیٰ) کی جانب سے پیغامات ہیں اگر تو ان پیغامات کی واضح تحریر پر غور کرے، تو تو یہ لکھا ہوا پائے گا کہ ''اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے ماسوا سب کچھ فانی اور دھوکہ ہے۔

قرآن کریم میں دس (۱۰) مرتبہ یہ اسم مبارک آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

۱. ﴿ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ﴾[2]

۲. ﴿وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾[3]

۳. ﴿فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ښ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ﴾[4]

حق یہ ہے کہ صرف ''اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہی سے دعائیں مانگی جائیں

مشرکین کو بھی اعتراف تھا کہ تمام کام اور یہ عظیم الشان کام اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا، اس لئے فرمایا کہ جب اصلی خالق و مالک اور تمام عالم کا مدبر اسی کو مانتے ہو، پھر اس کے سوا اور دوسروں کو معبود بنانے سے ڈرتے نہیں۔ معبود تو وہ ہی ہونا چاہئے جو ''خَالِقُ الْكُلِّ، مَالِكُ الْمُلْكِ، رَبِّ مُطْلَقٌ'' اور ''مُتَصَرِّفٌ عَلَى الْاِطْلَاقِ'' ہو، اس کا اقرار کر کے کہاں الٹے پاؤں واپس جارہے ہو، جب سچا وہ ہی ہے تو سچ کے بعد بجز جھوٹ کے اور کیا رہ گیا، سچ کو چھوڑ کر جھوٹے اوہام میں بھٹکنا عاقل کا کام نہیں ہوسکتا۔ تمام چیزوں کا مالک وہی ''اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف فرماتا ہے، اس کے حکم و تصرف سے کبھی رات لمبی ......، دن چھوٹا ...... اور کبھی اس کے برعکس دن لمبا اور رات چھوٹی ...... ہو جاتی ہے اور کبھی دونوں برابر ......، اسی طرح کبھی سردی ...... کبھی گرمی ......، کبھی بہار ...... اور کبھی خزاں ......، موسموں کا تغیر و تبدل بھی اسی کے حکم و ارادے سے ہوتا ہے۔

پھر اپنی حاجتیں، ضرورتیں اس کے در کو چھوڑ کر اسی کے بنائے ہوئے انسانوں کے پاس (جو منوں مٹی کے نیچے مدفون ہو چکے ہیں اور جو خود تمہاری دعائے مغفرت کے محتاج ہیں) کیوں لے کر جاتے ہیں، یہ سراسر باطل ہے، حق یہ

---

[1] اللہ اهل الثناء والمجد: ۱۳۸

[2] الانعام: ۶۲ [3] یونس: ۳۰ [4] یونس: ۳۲

ہے کہ ”اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ“ ہی کی عبادت کی جائے اور صرف اور صرف اسی سے دعائیں مانگی جائیں اور اللہ کے غیر سے نہ مانگی جائیں، اللہ کے سوا کسی سے اُمید نہ رکھی جائے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ بڑے سے بڑے بزرگ، ولی یا نبی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کا مکمل محتاج ہونا، بندہ ہونا، مخلوق ہونا ہر ایک پر واضح ہو جاتا ہے، اب وہ خود کفن نہیں پہن سکتا، خود بستر سے اُٹھ کر نہانے نہیں جا سکتا، خود اپنی جنازہ کی نماز کے لئے لوگوں کو دعوت نہیں دے سکتا، خود اپنی نماز جنازہ نہیں پڑھا سکتا، پھر قبر میں خود نہیں اُتر سکتا، ان تمام مراحل میں وہ دوسروں کا محتاج ہوتا ہے، کوئی اور اس کو کفن دیتا ہے، کوئی اور بستر سے اُٹھا کر چارپائی پر رکھتا ہے، پھر کندھا دے کر نمازِ جنازہ کے لئے لے جاتے ہیں۔ آج تک جو لوگ دعا کی درخواست کرنے اس کے پاس آتے تھے وہ سب اس کی مغفرت کے لئے دعا کرتے ہیں: ”اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا... اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ.“ کہ اے اللہ! ہمارے زندوں اور مُردوں کی مغفرت فرما اور اے اللہ اس میت کی مغفرت فرما، گویا خود وہ اب اپنے لئے اپنی مغفرت کے لئے بھی دعا نہیں کر سکتا، لوگ اس کے لئے دعا کرتے ہیں، خود قبر میں نہیں لیٹ سکتا، لوگ قبر میں اتارتے ہیں، ان باتوں کے ذریعے ہمیں سمجھایا جاتا ہے کہ دیکھو یہ مخلوق ہیں، یہ بندے ہیں، یہ خود فقیر اور محتاج ہیں۔

اب کتنا ظلم عظیم ہے کہ ایسے محتاج شخص کو جب قبر میں ڈال کر دفن کر دیا گیا تو اب اس سے مرادیں مانگنا، اس کی قبر پر دور سفر کر کے جانا، قبر پر راتوں کو قیام کرنا، اس پر چادریں چڑھانا، اس کے پتھر کو مبارک سمجھ کر ہاتھ پھیرنا، یہ سب ناجائز اور حرام ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کی شرک سے حفاظت فرمائے۔

”اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ“ سے تہجد کے وقت مانگنے کی دُعا

حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی حدیث میں ہے کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جب رات کو تہجد کی نماز پڑھنے اٹھتے تو ”اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کا واسطہ دے کر تہجد میں دعا اس طرح مانگتے تھے:

”اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ ..... وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَیِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ ..... وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ ..... وَوَعْدُکَ الْحَقُّ ..... وَقَوْلُکَ حَقٌّ ..... وَلِقَاؤُکَ حَقٌّ وَّالْجَنَّۃُ حَقٌّ ..... وَالنَّارُ حَقٌّ ..... وَالسَّاعَۃُ حَقٌّ وَّالنَّبِیُّوْنَ حَقٌّ ..... وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ.“[1]

تَرجَمَہ: ”اے اللہ! سب تعریفیں تیرے لئے ہیں، آسمانوں اور زمین اور جو ان میں ہے، تو ان سب کا نور ہے۔ ساری تعریفیں تیرے لئے ہیں، آسمانوں اور زمین اور جو مخلوق اس میں آباد ہے، تو ان سب کی ہستی برقرار رکھنے والا ہے۔ سب تعریفیں تیرے لئے ہیں، دراصل موجود تو ہی ہے، تیرا وعدہ ٹل نہیں سکتا، تیرا فرمان برحق ہے، تیری ملاقات ضرور ہونی

[1] بخاری، الدعوات، باب إذا انتبه من اللیل: ۲/۹۳۵

ہے، جنت واقعی موجود ہے اور دوزخ بھی واقعی موجود ہے، قیامت ضرور آنی ہے، تیرے جتنے نبی ہیں سب برحق ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق پیغمبر ہیں۔''

فوائد و نصائح

١ اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو نہ دے، یعنی عبادت اور دعا کے لائق صرف اور صرف ''اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہی کو مانے، کیوں کہ بندگی اور دعا کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

٢ ''اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی برحق کتاب قرآن کریم کو پڑھنے اور اس کو سمجھنے کا اہتمام کرے۔

٣ اس اسم مبارک کے تحت دی گئی دُعا کو اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے۔



الوکیل جل جلالہ

(کارساز، کام بنانے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلْوَكِيْلُ: وَهُوَ الْمُوَكَّلُ ..... وَالْمُفَوَّضُ إِلَيْهِ عِلْمًا ..... بِأَنَّ الْخَلْقَ وَالْأَمْرَ لَهٗ ..... لَا يَمْلِكُ أَحَدٌ مِّنْ دُوْنِهٖ شَيْئًا." [1]

امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"الوکیل جل جلالہ" وہ ذات ہے کہ اس بات کو جانتے ہوئے سب کام اسی کے سپرد کئے گئے ہوں کہ تمام مخلوقات اسی کی ہیں اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے۔ اس ذات کے علاوہ کوئی کسی چیز کا مالک نہیں ہے۔

وکیل لغت میں اس ذات کو کہا جاتا ہے جس کو کوئی کام سپرد کیا جائے۔ قرآنِ کریم میں ﴿فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا﴾ [2] کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے سب کاروبار، معاملات اور حالات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو۔ اسی کا نام اصطلاح میں توکل ہے۔

توکل یہ ہے کہ کسی نیک مقصد کے لئے انتہائی کوشش اور جہاد کرے پھر اس کے نتیجہ کے لئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے، اپنی کوشش پر نازاں اور مغرور نہ ہو۔ باقی اسبابِ مشروعہ کو چھوڑ کر خالی امیدیں باندھتے رہنا تو توکل نہیں تعطل (بے کار ہونا) ہے۔ [3]

❷ اللہ تعالیٰ "الوکیل جل جلالہ" ہے کہ جملہ امور میں درستگی و اصلاح اسی سے ملتی ہے اللہ تعالیٰ "الوکیل جل جلالہ" ہے کہ نظامِ عالم کا اعتماد اسی کی ذاتِ مقدس پر ہے۔ اللہ تعالیٰ "الوکیل جل جلالہ" ہے کہ عاجز نوازی، بندہ پروری اسی کی شان ہے۔ [4]

❸ ملا علی قاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "الوکیل جل جلالہ" وہ ذات ہے جو بندوں کے امور کی رکھوالی کرنے والا اور ان کے لائقِ مصلحت کاموں کا ذمہ دار ہو۔ [5]

---

[1] المنهاج ۲۰۸/۱ نقلا عن النهج الأسمىٰ: ۲۷/۲ [2] المزمّل: ۹

[3] تفسير عثماني: ۱٤۸، المائدة: ۲۳ [4] شرح اسماء حسنیٰ :۱۱۴ (منصور پوری)

[5] المرقاة، شرح مشكوة: ۹۱/۵

وکیل و کارساز ایک اور صرف ایک اکیلا اللہ تعالیٰ ہے، اس اسم مبارک کی یہ خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ ہم نے تورات میں بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا:

﴿اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا﴾[1]

ترجمہ: ''تم میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بناؤ۔''

یعنی یہاں تو ارشاد فرمایا کہ ''میرے سوا کسی کو وکیل نہ بناؤ'' اور سورۂ مزمل میں آیت نمبر ۹ میں ارشاد فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے ''...... اللہ ہی کو وکیل بناؤ......'' مطلب یہ کہ:

ایک طرف نہی ہے کہ ''میرے سوا کسی کو کارساز نہ بناؤ۔''

دوسری طرف اثباتاً حکم دیا گیا کہ ''مجھے ہی کارساز بناؤ۔''

جو سارے دل سے اس کا ہو رہا دوسری طرف دل نہیں لگا سکتا

سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا﴾[2]

ترجمہ: ''اور آپ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھیں، اور اللہ تعالیٰ کافی ہے کام بنانے والا۔''

یعنی جیسے اب تک معمول رہا ہے آئندہ بھی ہمیشہ ایک اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیے اور کافروں اور منافقوں کا کبھی کہا نہ مانئے یہ سب مل کر خواہ کتنا ہی بڑا جتھا (جماعت) بنالیں ...... سازشیں کریں ...... جھوٹے مطالبات منوانا چاہیں ...... عیارانہ مشورے دیں ...... اپنی طرف جھکانا چاہیں ...... آپ کسی کی کچھ پروا نہ کیجیے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا ڈر پاس نہ آنے دیجیے۔ اسی اکیلے پروردگار کی بات مانئے، اسی کے آگے جھکئے خواہ ساری مخلوق اکٹھی ہو کر آجائے، اس کے خلاف ہرگز کسی کی بات نہ سنئے، اللہ تعالیٰ سب احوال کا جاننے والا ہے۔

وہ جس وقت جو حکم دے گا نہایت حکمت اور خبرداری سے دے گا، اسی میں تمہاری بہتری ہوگی جب اس کے حکم پر چلتے رہو گے اور اسی پر بھروسہ رکھو گے تو وہ تمہارے سب کام اپنی قدرت سے بنا دے گا۔ اسی کی ذات بھروسہ کرنے کے لائق ہے۔

جو سارے دل سے اس کا ہو رہا دوسری طرف دل نہیں لگا سکتا، دوسرا دل ہو تو کسی دوسری طرف جائے لیکن:

﴿مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ﴾[3]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں رکھے۔''

---

[1] بنی اسرائیل: ۲ [2] الاحزاب: ۳ [3] الاحزاب: ٤

قرآن کریم میں چودہ مرتبہ یہ اسم مبارک آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

۱ ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾[۱]

۲ ﴿إِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ وَّكِيْلٌ﴾[۲]

۳ ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىْءٍ ؗ وَّاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ وَّكِيْلٌ﴾[۳]

سورۂ مزمل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا﴾[۴] "اُسی ذات کو اپنا کارساز بنا لیجئے" اس سورت میں جو احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے ہیں یہ ان میں پانچواں حکم ہے۔

امام یعقوب کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شروع سورت سے اس آیت تک مقاماتِ سلوک (اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے راستوں) کی طرف اشارہ ہے یعنی:

۱ رات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے خلوت (تنہائی)۔

۲ قرآنِ کریم کی تلاوت میں مشغول رہنا۔

۳ ذکر اللہ پر ہمیشگی اختیار کرنا۔

۴ اللہ تعالیٰ کے غیر سے اعراض و ترکِ تعلق کرنا۔

۵ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا۔[۵]

توکل کے حکم سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفت ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ بیان کرکے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ جو ذات پاک مشرق ومغرب یعنی سارے جہان کی پالنے والی اور ان کی تمام ضروریات ابتدا سے انتہا تک پورا کرنے کی کفیل ہے۔ توکل اور بھروسہ کرنے کے قابل صرف وہی ذات ہوسکتی ہے اور اس پر بھروسہ کرنے والا کبھی محروم نہیں رہ سکتا، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ......﴾[۶] یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل (بھروسہ) کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے (سب مہمات ومشکلات) کے لئے کافی ہوجاتا ہے۔

وکیل کی صفت ہمیں یہ بتلاتی ہے کہ کسی بات سے خوف نہیں کھانا چاہئے، اپنے سب کام "الوکیل جلّ جلالہٗ" کے حوالے کر دینے چاہئیں۔ اس لئے کہ وہ کارساز ہے اور اس بات کو وہ بار بار قرآن کریم میں سمجھاتا ہے۔

واقعہ نمبر (۱۳): سورۂ آلِ عمران میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اللہ تعالیٰ پر بے مثال بھروسہ بیان فرمایا گیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت نے ظاہری اسباب اور ظاہری نقشوں کے خلاف جب اللہ تعالیٰ کو کارساز اور وکیل بنا لیا تو کیسے اس پر بھروسہ کیا اور ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ کہہ کر جرأت اور مستعدی کا ثبوت دیا اور ڈر اور خوف

---

[۱] آلِ عمرٰن: ۱۷۳ [۲] هود: ۱۲ [۳] الزمر: ٦٢ [۴] المزمل: ۹

[۵] معارف القرآن: ۸/۵۹۵، المزمّل: ۹ [۶] الطلاق: ۳

سے نجات پائی۔ جس کا اظہار واقعہ ''حَمْرَاءُ الْأَسَد'' سے ہوتا ہے کہ:

ابوسفیان جب اُحد سے مکہ واپس گیا تو راستے میں خیال آیا کہ ہم نے بڑی غلطی کی، ہزیمت یافتہ اور زخم خوردہ مسلمانوں کو یوں ہی چھوڑ کر چلے آئے، مشورے ہونے لگے کہ پھر مدینہ واپس چل کر ان کا قصہ تمام کر دیں۔

آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو اعلان فرما دیا کہ جو لوگ کل ہمارے ساتھ لڑائی میں حاضر تھے آج دشمن کا تعاقب کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ مسلمان مجاہدین باوجود یہ کہ تازہ زخم کھائے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی پکار پر نکل پڑے، آپ ﷺ ان مجاہدین کی جمعیت لے کر مقام ''حَمْرَاءُ الْأَسَدْ'' تک (جو مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے) پہنچے۔ ابوسفیان کے دل میں یہ سن کر کہ مسلمان اس کے تعاقب میں چلے آ رہے ہیں سخت رعب و دہشت طاری ہو گئی، دوبارہ حملے کا ارادہ ختم کر کے مکہ کی طرف بھاگا۔

جنگِ اُحد ختم ہونے پر ابوسفیان نے اعلان کیا تھا کہ اگلے سال بدر میں پھر لڑائی ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے قبول کر لیا، جب اگلا سال آیا تو حضرت محمد ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ جہاد کے لئے چلو، اگر کوئی نہ جائے گا تب بھی اللہ تعالیٰ کا رسول تنہا جائے گا۔ ادھر سے ابوسفیان فوج لے کر مکہ سے نکلا۔ تھوڑی دور چل کر کمرِ ہمت ٹوٹ گئی، رعب چھا گیا، قحط سالی کا عذر کر کے چاہا کہ مکہ واپس جائے، مگر صورت ایسی ہو کہ الزام مسلمانوں پر پڑے۔

عبدالقیس کا ایک تجارتی قافلہ مدینہ آ رہا تھا۔ ابوسفیان نے ان لوگوں کو کچھ دے کر آمادہ کیا کہ وہ مدینے پہنچ کر ایسی خبریں شائع کریں جن کو سن کر مسلمان ہماری طرف سے مرعوب و خوف زدہ ہو جائیں، انہوں نے مدینے پہنچ کر کہنا شروع کیا کہ مکہ والوں نے بڑا بھاری لشکر اور سامان مسلمانوں کو ختم کرنے کی غرض سے تیار کیا ہے، یہ سن کر مسلمانوں کے دلوں میں خوف کی جگہ جوشِ ایمان بڑھ گیا، اور کفار کی جمعیت کا حال سن کر کہنے لگے:

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾[1] ساری دنیا کے مقابلے میں اکیلا اللہ تعالیٰ ہم کو کافی ہے۔

آخر مسلمان حسبِ وعدہ بدر پہنچے۔ وہاں بڑا بازار لگتا تھا، تین روز رہ کر تجارت کر کے خوب نفع کما کر مدینہ واپس آئے۔ اس غزوہ کو ''بدر صغریٰ'' بھی کہتے ہیں۔ اس وقت جن لوگوں نے رفاقت کی اور تیار ہوئے ان کو یہ بشارت ہے کہ اُحد میں زخم کھا کر اور نقصان اٹھا کر پھر ایسی جرأت کی، مسلمانوں کی اس جرأت و مستعدی کی خبر سن کر مشرکین راستہ سے لوٹ گئے۔ چناں چہ مکہ والوں نے اس مہم کا نام ''جَيْشُ السَّوِيْق'' رکھ دیا، یعنی وہ لشکر جو محض ستو پینے گیا تھا، پی کر واپس آ گیا۔[2]

---

[1] آل عمران: ۱۷۳

[2] ماخوذ از تفسیر عثمانی: ۹۳، حاشیہ: ۲

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر تیار ہو جانے والے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت کا اس جہاد کے سفر میں تمام راستہ یہی جملہ وِردِ زبان رہا اور اسی جملے کے جو فوائد و برکات قرآنِ کریم نے بیان فرمائے وہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مخصوص نہ تھے، بل کہ جو شخص بھی جذبۂ ایمانی (کامل یقین) کے ساتھ ان کا ورد کرے وہ یہ برکات حاصل کرے گا۔

اس آیت کو ایک ہزار مرتبہ جذبۂ ایمان و انقیاد کے ساتھ پڑھا جائے اور دعا مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتا۔ ہجومِ افکار و مصائب کے وقت اس کا پڑھنا مجرب ہے۔[1]

ترکِ اسباب کا نام توکل نہیں

دلیل اوّل: یہاں یہ بات خصوصیت سے قابل غور ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے زیادہ تو دنیا میں کسی کا توکل و اعتماد اللہ تعالیٰ پر نہیں ہو سکتا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ توکل یہ نہ تھی، کہ اسبابِ ظاہرہ کو چھوڑ کر بیٹھے رہتے اور کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے۔

وہ بیٹھے بٹھائے ہمیں غلبہ عطا فرما دے گا، نہیں بل کہ آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جمع کیا، زخم خوردہ لوگوں کے دلوں میں نئی روح پیدا فرمائی، جہاد کے لئے تیار کیا اور نکل کھڑے ہوئے، جتنے اسباب و ذرائع اپنے اختیار میں تھے وہ سب مہیا اور استعمال کرنے کے بعد فرمایا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے، یہی وہ صحیح توکل ہے جس کی تعلیم قرآن میں دی گئی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا اور کرایا۔

اسبابِ ظاہرہ دنیویہ بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہیں، ان کو ترک کر دینا اس کی ناشکری ہے، ترکِ اسباب کر کے توکل کرنا سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے، کوئی مغلوب الحال ہو تو وہ معذور سمجھا جا سکتا ہے، ورنہ صحیح بات یہی ہے کہ

ع برتوکل زانوئے اُشتر بہ بند

دلیل دوم: رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک واقعہ میں اسی آیت ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾[2] کے بارے میں واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے۔

وَاقِعَہ نمبر ⑭: حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخصوں کا مقدمہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا، یہ فیصلہ جس شخص کے خلاف تھا اس نے فیصلہ نہایت سکون سے سنا اور یہ کہتے ہوئے چلنے لگا: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کو میرے پاس لاؤ اور فرمایا:

"إِنَّ اللّٰهَ يَلُوْمُ عَلَى الْعَجْزِ وَلٰكِنْ عَلَيْكَ بِالْكَيْسِ فَإِذَا غَلَبَكَ أَمْرٌ فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ

[1] معارف القرآن: ۲/۲۴۴ [2] آل عمرٰن: ۱۷۳

الْوَكِيلُ''[1]
یعنی اللہ تعالیٰ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ تم کو چاہئے کہ تمام ذرائع اختیار کرو پھر عاجز ہو جاؤ تو اس وقت کہو ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾[2]

واقعہ نمبر ⑮: دلیل سوم: ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:

''أَعْقِلُهَا وَأَتَوَكَّلُ أَوْ أُطْلِقُهَا وَأَتَوَكَّلُ ......؟''

ترجمہ: ''میں اپنی اونٹنی کو باندھ دوں اور توکل کروں یا اُس کو کھلا چھوڑ دوں اور توکل کروں؟''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ'' اُس کو باندھو اور توکل کرو۔[3]

اسی طرح قرآن کریم میں سورۂ مریم کی آیت نمبر ۲۵ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو کھجور کھانے کا حکم دیا تو ساتھ ساتھ فرمایا: کھجور کے درخت کو ہلاؤ حالاں کہ بغیر درخت ہلائے بھی اللہ تعالیٰ کھجور عطا فرما سکتے تھے۔ معلوم ہوا کوشش کرنا رزق کے لئے، کاروبار کے لئے سبب کے طور پر ضروری ہے پھر اس کے ساتھ ساتھ توکل بھی کرے کہ مجھ سے جتنا ہوسکتا ہے میں کرتا ہوں تو ان شاء اللہ توکل کا بھرپور فائدہ اُٹھائے گا۔ حضرت مریم علیہا السلام کے اسی واقعہ کو کسی شاعر نے عربی میں یوں بیان کیا ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَوْحٰى لِمَرْيَمَ　　وَهُزِّيْ إِلَيْكِ الْجِذْعَ يُسَاقِطِ الرُّطَبَ
وَلَوْ شَآءَ أَحْنَى الْجِذْعَ مِنْ غَيْرِ هَذِهِ　　إِلَيْهَا وَلٰكِنْ كُلُّ شَيْءٍ لَهٗ سَبَبُ[4]

ترجمہ: ''ذرا غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے مریم کو فرمایا: درخت کو ہلاؤ تو کھجوریں گریں گی، حالاں کہ بغیر ہلائے بھی کھجوریں اللہ گرا سکتے تھے، لیکن ہر چیز کے ہونے لئے کوئی نہ کوئی ذریعہ اور سبب ضرور ہوتا ہے۔''

الوَكِيلُ جَلَّ جَلَالُہٗ ہی وکیل بھی ہیں اور کفیل بھی

عقیدۂ توکل کا ذہنوں میں پروان چڑھنا اور دلوں پر اثر انداز ہونا بہت ضروری ہے، اس کے نتیجے میں مؤمن اپنے تمام امور اور تمام حالات میں اللہ ربُّ العزت ہی کی ذاتِ عالی پر توکل کرنے والا ہوتا ہے، اپنے خالق پر اعتماد کرنے والا ہوتا ہے، کسی کا محتاج نہیں ہوتا اپنے ہی معبود پر بھروسہ کرتا ہے، بندہ کا کام فقط اسباب اختیار کرنا ہوتا ہے اور فیصلے تو اللہ ربُّ العزت ہی کی جانب سے ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ ہمارا وکیل بھی ہے اور کفیل بھی ہے کہ ہر مشکل گھڑی میں ہمارا کارساز بھی ہے۔

''الزهد'' میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک حدیثِ قدسی نقل فرمائی ہے کہ:

---
[1] ابو داؤد، القضاء، باب الرجل يحلف على حقه: ۱۵۵/۲　[2] معارف القرآن: ۲۴۳/۲
[3] الترمذي، ابواب صفة القيامة: ۷۸/۲　[4] روح المعاني: ۸۵/۱۶، مريم: ۲۵

”جو شخص مجھے چھوڑ کر مخلوق کا سہارا پکڑتا ہے میں اس پر آسمان وزمین کے (رزق کے) تمام ذریعوں کو بند کر دیتا ہوں، تو اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو نہیں دیتا، اور اگر وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دُعا کو قبول نہیں کرتا اور اگر مجھ سے معافی کا طلب گار ہوتا ہے تو میں اُسے معاف نہیں کرتا۔

اور میرے بندوں میں سے جو شخص مخلوق کو چھوڑ کر میرا سہارا پکڑتا ہے میں اس کے لئے آسمان اور زمین کے رزق کا ضامن ہو جاتا ہوں، تو جب وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے معافی کا طلب گار ہوتا ہے تو میں اُسے معاف کر دیتا ہوں۔“[1]

دنیا میں جتنے گناہ ہیں ان سب کی تین بنیادیں ہیں:

1. دل کا تعلق اللہ تعالیٰ کے غیر سے ہونا۔
2. غصہ کے تقاضوں کو پورا کرنا۔
3. قوت شہوت کا غلط استعمال کرنا۔

اللہ تعالیٰ کے غیر سے تعلق شرک تک پہنچانے والا ہے۔

غصہ کے تقاضوں کو پورا کرنا قتل تک پہنچا دیتا ہے۔

شہوانی قوت کی اطاعت کرنا زنا تک پہنچانے کا سبب ہے۔

صرف اور صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے سے توحید مضبوط ہوگی اور جتنی توحید مضبوط ہوگی اتنا ہی انسان فواحش اور ظلم کے گناہ سے بچے گا۔ اسمائے حسنیٰ کے ذریعہ دل کا تعلق اللہ تعالیٰ کے غیر سے ختم ہوگا۔

انسان کا ایمان جتنا مضبوط ہوتا جائے گا اتنا ہی وہ جنت کے قریب ہوتا جائے گا۔ کیوں کہ یہی مضبوط ایمان، انسان کی راہ نمائی جنت کی طرف کرتا ہے۔ چناں چہ قرآن کریم میں ارشاد ہے؛ جس کا ترجمہ یہ ہے:

”یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک کام کئے اُن کا ربّ اُن کو اُن کے ایمان کے سبب اُن کے مقصد تک پہنچا دے گا۔ نعمت کے باغوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔“[2]

ہر قسم کی پریشانی سے بچنے کا نسخہ توحید، توکل، اور اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد کرنا ہے۔

امام قرطبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”ہر مؤمن بندے پر واجب ہے کہ وہ اس بات کا یقین رکھے کہ اس کی ضرورت کی وہ تمام چیزیں جن کے بغیر اس کا گزران نہیں اس تک پہنچانے کے لئے اللہ ربُّ العزت اس کے کفیل بھی ہیں اور وکیل بھی۔ یا تو اللہ تعالیٰ بذاتِ خود اس کی ضرورت کو پورا فرما دیں گے جیسے شکم سیری اور سیرابی، کیوں کہ نفس کو اللہ

[1] الفوائد، لابن قیم الجوزی: ۵۷

[2] سورۃ یونس: ۹

ربُّ العزت ہی سیر فرماتے ہیں (ورنہ استسقاء کی بیماری والے کے پاس پانی موجود بھی ہو تب بھی وہ سیراب نہیں ہوتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کی سیرابی کا فیصلہ نہیں ہوا) یہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ بذاتِ خود دلوں میں نورِ ہدایت پیدا فرماتے ہیں۔''[1]

یا کسی سبب اور واسطے کے ذریعے ضرورت پوری فرما دیتے ہیں وہ واسطہ فرشتہ کی صورت میں ہو یا کسی اور صورت میں۔

یعنی مؤمن بندوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا لازم ہے۔ شیطان اور شیطان کے دوستوں کی شرارتیں تو جاری رہتی ہی ہیں، لیکن مسلمان کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی ان کا کارساز ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت نہ ہوتی تو اسلام پورے عالم میں کیسے پھیلتا۔ شیطان اور اس کے دوستوں نے کبھی بھی اسلام کی دشمنی میں کمی نہیں کی۔[2]

''وکیلِ مطلق وہ ہے کہ تمام معاملات اس کے اختیار میں ہوں اور وہ ان کو اچھے طریقہ سے پورا کر رہا ہو اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔''[3]

ہر کام میں مکمل تدبیر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا

اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کے یہ معنی نہیں کہ کسبِ معاش اور دفعِ بلا کے جو اسباب و آلات قدرتِ حق نے آپ کو عطا فرمائے ہیں ان کو چھوڑ کر ''الوَكِيلُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' پر بھروسہ کرو، بل کہ توکل کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے مقاصد کے لئے قوت و توانائی اور جو اسباب میسّر ہیں ان سب کو پورا استعمال کرو مگر اسبابِ مادّیہ میں غلو اور انہماک زیادہ نہ کرو، اعمالِ اختیاریہ کر لینے کے بعد نتیجہ کو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے سپرد کر کے بے فکر ہو جاؤ۔

توکل کا یہ مفہوم خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

'' أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللّٰهَ وَأَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ فَإِنَّ نَفْسًا لَّنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَوْفِيَ رِزْقَهَا. ''[4]

تَرْجَمَہ: ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اپنے مقاصد کی طلب میں اختصار سے کام لو۔ اس لئے کہ کوئی جان دار اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ اپنے مقدر میں لکھے ہوئے اللہ تعالیٰ کے رزق کو پورا حاصل نہیں کر لیتا۔''

---

[1] قَالَ الْقُرْطَبِيُّ: فَيَجِبُ عَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ أَنْ يَّعْلَمَ أَنَّ كُلَّ مَالَا بُدَّلَهٗ مِنْهُ، فَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ هُوَ الْوَكِيْلُ وَالْكَفِيْلُ الْمُتَوَكِّلُ بِإِيْصَالِهٖ إِلَى الْعَبْدِ، إِمَّا بِنَفْسِهٖ فَيَخْلُقُ لَهُ الشَّبْعَ وَالرِّيَّ، كَمَا يَخْلُقُ لَهُ الْهِدَايَةَ فِي الْقُلُوْبِ، أَوْ بِوَاسِطَةِ سَبَبِ مَلَكٍ أَوْ غَيْرِهٖ يُوَكِّلُهٗ بِهٖ. (المقصد الأسنٰى: ٤١٢)

[2] انوار البیان: ۱۹۹/۲

[3] ''وَالْوَكِيْلُ الْمُطْلَقُ هُوَ الَّذِيْ اَلْأُمُوْرُ مَوْكُوْلَةٌ إِلَيْهِ، وَهُوَ مَلِيٌّ بِالْقِيَامِ بِهَا، وَفِيٌّ بِإِتْمَامِهَا، وَذٰلِكَ هُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَقَطْ.''
(المقصد الاسنٰی: ۸۱ نقلاً عن النهج الأسمٰی ۳۰/۲، ۳۱)

[4] ابن ماجه، ابواب التجارات، الاقتصاد فی طلب المعیشة: ۱۵۵/۱

حضرت ابوذر غفاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ''ترکِ دنیا اس کا نام نہیں کہ تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیزوں کو حرام کرلو، یا جو مال تمہارے پاس ہو اُسے خواہ مخواہ اڑا دو، بل کہ ترکِ دنیا اس کا نام ہے کہ تمہارا اعتماد اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں جو چیز ہے اس پر زیادہ ہو بہ نسبت اس کے جو تمہارے ہاتھ میں ہے۔''[1]

سب تدبیریں کرنے کے بعد بھی جب کام کرنے کا عزم کرو تو اپنی عقل و رائے اور تدبیروں پر بھروسہ نہ کرو بل کہ بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر کرو، کیوں کہ یہ سب تدبیریں ''اَلوَکِیلُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے قبضۂ قدرت میں ہیں، انسان کیا اور اس کی رائے و تدبیر کیا، ہر انسان اپنی عمر کے ہزاروں واقعات میں ان چیزوں کی رسوائی کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ مولانا رومی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے خوب فرمایا ہے ؎

خویش را دیدیم و رسوائی خویش امتحانِ ما مکن اے شاہِ بیش

تَرجَمَہ: ''میں نے اپنے آپ کو اور اپنی رسوائی (عاجزی) کو دیکھ لیا، اے شہنشاہ! مزید میرا امتحان مت لے۔''
یعنی کئی مرتبہ اپنے غلط فیصلے کا احساس ہوگیا۔

اس آیت کریمہ: ﴿فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ﴾[2] ''پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔'' سے یہ واضح ہوتا ہے کہ توکل ترکِ اسباب اور ترکِ تدبیر کا نام نہیں بل کہ اسبابِ قریبہ کو چھوڑ کر توکل کرنا سنتِ انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اور تعلیم قرآن کے خلاف ہے، ہاں اسبابِ بعیدہ اور لمبی امیدوں میں پڑے رہنا یا صرف اسباب اور تدابیر ہی کو مؤثر سمجھ کر مسبّب الاسباب اور مدبر الامور سے غافل ہو جانا بے شک خلافِ توکل ہے۔[3]

بعض سلف صالحین نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ پورے قرآن کا، جب کہ آیت ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ پوری سورۂ فاتحہ کا خلاصہ ہے، کیوں کہ اس کے پہلے جملے میں شرک سے بری ہونے کا اعلان ہے اور دوسرے جملے میں اپنی قوت وقدرت سے بری ہونے کا اظہار ہے کہ بندہ عاجز بغیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے کچھ نہیں کر سکتا، جس کا نتیجہ اپنے سب کاموں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے۔[4]

1. علامہ ابن قیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''توکل نصف دین ہے اور باقی نصف، رجوع اِلی اللہ ہے، اس لئے کہ دین، استعانت یعنی اللہ تعالیٰ سے ہر معاملہ میں مدد چاہنے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا نام ہے اور استعانت ہی توکل ہے اور رجوع الی اللہ ہی عبادت ہے۔''

2. توکل یہ ہے کہ اسبابِ قریبہ اور اسباب اختیاریہ کو اپنانے کے بعد بندہ اپنے دل کو اپنے ربّ تعالیٰ کے سامنے ڈال دے، یعنی ربّ کی مرضی پر اپنے دل کو راضی کر لے، جیسا کہ میت غسل دینے والے کے سامنے بے حس و حرکت پڑی

---

[1] ترمذی، ابواب الزھد، باب الزھادۃ فی الدنیا: ۲/۵۹
[2] آل عمران: ۱۵۹ [3] معارف القرآن: ۲/۲۲۷، آل عمران: ۱۵۹ [4] معارف القرآن: ۱/۹۸

ہوتی ہے وہ جیسے چاہتا ہے اسے الٹتا، پلٹتا ہے،

۳ بعض مرتبہ آدمی (زبان سے تو) کہتا ہے کہ میں نے صرف اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کیا حالاں کہ (عمل کے اعتبار سے) وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے، اس لئے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہوتا۔

۴ تمام شکوک وشبہات کی نفی کر دینے اور اپنے تمام معاملات کو "مالک الملک" کے سپرد کر دینے کا نام توکل ہے۔

۵ توکل یہ ہے کہ جسمانی اعتبار سے سراپا عبدیت کا اظہار ہو اور دل کا تعلق ربوبیت سے ہو، بقدرِ کفایت چیز کے حصول سے اطمینان حاصل ہو جائے اور عطاء زیادہ ہو جائے تو شکر کرے اور اگر (اسباب اختیار کرنے کے بعد) کچھ بھی نہ ہو تو صبر کرے۔

۶ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسبابِ ظاہرہ کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے، بل کہ اسباب کے اختیار کر لینے کے بعد توکل صحیح ہوتا ہے ورنہ بلا اسباب کے توکل کرنا توکلِ فاسد ہے۔[1]

اسی توکل کو اختیار کرنے کی حدیث شریف میں تعلیم دی گئی ہے:

"عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ قَلْبَ ابْنِ آدَمَ بِكُلِّ وَادٍ شُعْبَةً، فَمَنِ اتَّبَعَ قَلْبَهُ الشُّعَبَ كُلَّهَا، لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ بِأَيِّ وَادٍ أَهْلَكَهُ، وَمَنْ تَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ كَفَاهُ التَّشَعُّبَ"[2]

ترجمہ: "حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انسان کے دل کے لئے ہر میدان میں ایک راہ ہے، پھر جس نے اپنے دل کو تمام راہوں کے پیچھے لگا دیا تو اللہ پاک اس کی پروانہ کرے گا کہ کون سے میدان میں اسے تباہ کرے اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے، اللہ پاک اسے تمام میدانوں میں کافی ہو جائے

[1] ۱ قَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ -رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى- اَلتَّوَكُّلُ نِصْفُ الدِّيْنِ، وَالنِّصْفُ الثَّانِيْ اَلْإِنَابَةُ، فَإِنَّ الدِّيْنَ إِسْتِعَانَةٌ وَعِبَادَةٌ، فَالتَّوَكُّلُ هُوَ الإِسْتِعَانَةُ وَالإِنَابَةُ هِيَ الْعِبَادَةُ.

۲ هُوَ إِنْطِرَاحُ الْقَلْبِ بَيْنَ يَدَيِ الرَّبِّ كَإِنْطِرَاحِ الْمَيِّتِ بَيْنَ يَدَيِ الْغَاسِلِ يُقَلِّبُهُ كَيْفَ يَشَاءُ.

۳ يَقُوْلُ بَعْضُ النَّاسِ: تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، وَهُوَ يَكْذِبُ عَلَى اللّٰهِ لَوْ تَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ رَضِيَ بِمَا يَفْعَلُ اللّٰهُ.

۴ اَلتَّوَكُّلُ هُوَ نَفْيُ الشُّكُوْكِ وَالتَّفْوِيْضُ إِلٰى مَالِكِ الْمُلُوْكِ.

۵ اَلتَّوَكُّلُ هُوَ طَرْحُ الْبَدَنِ فِي الْعُبُوْدِيَّةِ، وَتَعَلُّقُ الْقَلْبِ بِالرُّبُوْبِيَّةِ، وَالطُّمَانِيْنَةُ إِلَى الْكِفَايَةِ، فَإِنْ أُعْطِيَ شَكَرَ، وَ إِنْ مُنِعَ صَبَرَ.

۶ وَقَدْ أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّ التَّوَكُّلَ لَا يُنَافِي الْقِيَامَ بِالْأَسْبَابِ، فَلَا يَصِحُّ التَّوَكُّلُ إِلَّا مَعَ الْقِيَامِ بِهِ، وَ إِلَّا فَهُوَ بِطَالَةٌ وَتَوَكُّلٌ فَاسِدٌ. (اللّٰہ اھل الثناء والمجد: ۳۹۹)

[2] ابن ماجہ: الزھد، الیقین والتوکل: ۳۰۷

گا۔“

جب انسان کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے (مثلاً بیمار ہوگیا، بار بار معالج بدلے، اچھی طرح علاج بھی نہ کیا اور کسی نے کہہ دیا کہ تم پر کسی نے کچھ کروا دیا ہے فلاں عامل کو دکھا دو) یا اسے کسی چیز کی طلب ہوتی ہے تو اس کے خیالات چاروں طرف دوڑتے ہیں کہ فلاں نبی کو............ یا فلاں امام کو...... فلاں پیر کو...... یا فلاں شہید کو...... یا فلاں پری...... کو پکارا جائے۔ یا فلاں نجومی سے...... یا فلاں کاہن سے...... یا فلاں علمِ جفر...... جاننے والے سے پوچھا جائے، یا فلاں مولوی صاحب سے فال نکلوائی جائے۔ پھر جو کوئی ہر خیال کے پیچھے دوڑتا ہے، اللہ پاک اس سے اپنی قبولیت والی نگاہ پھیر لیتا ہے۔

اس کو اپنے مخلص بندوں میں شمار نہیں فرماتا اور اس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ کی تربیت و ہدایت کی راہ جاتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ ان خیالات کے پیچھے دوڑتا ہوا تباہ ہو جاتا ہے۔

”اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہ“ کوئی دہریہ بن جاتا ہے، کوئی ملحد، کوئی مشرک اور کوئی سب سے منکر ہو جاتا ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھتا ہے کسی خیال کے پیچھے نہیں دوڑتا، وہ اللہ عزوجل کا مقبول بندہ ہے۔ اس پر ہدایت کی راہیں کھل جاتی ہیں اور اس کے دل کو ایسا چین و آرام میسر ہوجاتا ہے کہ خیالات کے پیچھے دوڑنے والا خواہ مخواہ پیچ و تاب کھاتا رہتا ہے۔ اور توکل والے کو آرام مل جاتا ہے۔

اللہ پاک کو دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ سمجھو کہ بڑے کام تو خود کرتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے کام نوکروں سے کرواتے ہیں، اس لئے لوگوں کو چھوٹے چھوٹے کاموں میں نوکروں سے التجا کرنی پڑتی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کارخانہ ایسا نہیں ہے، وہ قادرِ مطلق تو پلک جھپکنے میں بے شمار چھوٹے بڑے کام ٹھیک فرما دیتا ہے۔ اس کی سلطنت میں کوئی شریک اور ساجھی نہیں، اس لئے چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی براہ راست اس سے مانگو، کیوں کہ اس کے سوا کوئی اور نہ چھوٹی چیز دے سکتا ہے اور نہ بڑی۔[1]

”اَلْوَكِيْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ ہمارا کارساز بھی ہے ذمہ دار بھی، نگہبان بھی اور نگرانِ قادر بھی، ہم اس کی ہر ادا پر خوش ہیں۔

ہم نے اپنے سارے کام اس ”اَلْوَكِيْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کے سپرد کر دیئے ہیں کہ وہی ہمارا کارساز و کفیل ہے، بل کہ ہم نے سپرد نہیں کیئے اس نے خود ذمہ داری اٹھا لی ہے، اگر ہم چاہیں بھی کہ اس کی وکالت و کفالت سے نکل جائیں تو نہیں نکل سکتے، کیوں کہ وہ ہمارا کارساز ہے وہ خود ہی ہمارا نگہبان بنا ہے تو ہمیں کسی اور سے منت سماجت کی کیا ضرورت؟

ہم اس کی نگرانی میں پیدا ہوئے، پلے بڑھے، جوان ہوئے، اور بڑی عمر کو پہنچے، تو اور کیا چاہئے؟ مرنا جینا جب اسی (کے حکم) سے ہے تو پھر کیا رہ گیا؟

---

[1] تقوية الايمان: ٦١، ٦٢

فرماتے ہیں ؎

میر بندوں سے کام کب نکلا — مانگنا ہے جو کچھ اللہ سے مانگ
آگے کسی کے کیا کریں دستِ طمع دراز — وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے

''الوکیل جل جلالہ'' صرف ہمارا تمہارا ہی نہیں ساری دنیا کا کارساز ہے، اسی کی کارسازی سے سبزہ سنگ لاخ زمین سے سر اٹھاتا ہے پھلتا پھولتا اور لہلہاتا ہے، اسی کی کارسازی سے دن اور رات آتے جاتے ہیں، موسم تبدیل ہوتے ہیں، سورج چاند اور ستارے طلوع وغروب ہوتے ہیں، وہی زمین وآسمان کو تھامے ہوئے ہے، وہی سیاروں کی رفتار کو کنٹرول کرتا ہے ورنہ کب کے ایک دوسرے سے ٹکرا جاتے۔

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ﴾[1]

''سورج اپنی راہ پر گامزن ہے یہ غالب وعلیم کا درست اندازہ ہے۔''

''الوکیل جل جلالہ'' سب کا نگہبان ہے۔ جب تک چاہتا ہے وہ اور اس کے مقرر کردہ فرشتے انسان کی حفاظت کرنے میں لگے رہتے ہیں اور جب وہ اپنی حفاظت کو اٹھا لیتا ہے تو پھر کسی صورت کہیں پناہ نہیں ملتی۔[2]

''الوکیل جل جلالہ'' سب کا ذمہ دار ہے ہر مخلوق کو اس کی ضروریات کے مطابق آلات واعضاءِ رزق دیئے ہیں اور جب چاہتا ہے ان پر مسلط ہو کر سب کچھ چھین لیتا ہے۔

قرآن مجید میں اہلِ ایمان کی صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں، توکل اہلِ ایمان کی بہت بڑی صفت ہے...... اور بہت بڑی منقبت ہے، اپنے سب کاموں میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا اور اسبابِ ظاہرہ مکمل اختیار کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ ہی پر نظر رکھنا اور یہ یقین کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والے ہیں، اور قاضی الحاجات ہیں، اور ہم اس کے ہر فیصلے پر راضی ہیں، یہ اہلِ ایمان کی عظیم صفت ہے۔[3]

دل کو غموم وہموم سے پاک کرنے کا نسخہ

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ سورۂ یوسف کی تفسیر میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

میں نے اپنی تمام عمر میں یہ تجربہ کیا ہے کہ انسان اپنے کسی کام میں جب غیر اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اور اعتماد کرتا ہے تو یہ اس کے لئے محنت ومشقت اور سختی کا سبب بن جاتا ہے اور جب حق تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اور مخلوق کی طرف نگاہ نہیں کرتا تو یہ کام ضرور بالضرور نہایت حسن اور خوبی کے ساتھ پورا ہو جاتا ہے۔

یہ تجربہ ابتدائے عمر سے لے کر آج تک (جب کہ میری عمر ۵۷ سال ہے) برابر کرتا رہا اور اب میرے دل میں یہ

---

[1] یٰس: ۳۸ [2] شرح اسماء الحسنٰی، (الازھری): ۵۱٤، تا ۵۱٦ [3] انوار البیان: ١٣٩/٤

بات راسخ ہے، کہ انسان کے لئے بجز اس کے چارہ نہیں ہے کہ اپنے ہر کام میں مکمل اسباب اختیار کر کے حق تعالیٰ کے فضل و کرم اور احسان پر نگاہ رکھے اور دوسری چیز پر ہرگز ہرگز بھروسہ اور اعتماد نہ کرے۔[۱]

حضرت شقیق بلخی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اپنے شیخ سے جو آٹھ باتیں سیکھی تھیں ان میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ ''الوکیلُ جلّ جلالہٗ'' پر جو بھی بھروسہ اور اعتماد کر لیتا ہے تو اس کا دل افکار سے اور غموں اور پریشانیوں سے نجات پا لیتا ہے، اور آنے والے اَن دیکھے حوادثات اور خواہشات سے بھی وہ پریشان نہیں ہوتا وہ نسخہ یہ ہے فرماتے ہیں:

''میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق کا اعتماد اور بھروسہ کسی خاص ایسی چیز پر ہے جو خود مخلوق ہے، کوئی اپنی جائداد پر بھروسہ کرتا ہے، کوئی اپنی تجارت پر اعتماد کرتا ہے، کوئی اپنی دست کاری پر نگاہ جمائے ہوئے ہے، کوئی اپنے بدن کی صحت اور قوت پر (کہ جب چاہے جس طرح چاہے کما لے گا) اور ساری مخلوق ایسی چیزوں پر اعتماد کئے ہوئے ہے جو ان کی طرح خود مخلوق ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾[۲]

''جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل (اور اعتماد) کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے۔''

اس لئے میں نے بس اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کر لیا۔[۳]

اس آیتِ شریفہ کی تفسیر میں مشہور تابعی حضرت ربیع بن خثیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

'' مِنْ كُلِّ مَاضَاقَ عَلَى النَّاسِ يَكْفِي اللّٰهُ بِهٖ ''[۴]

''ہر وہ چیز جو لوگوں کے لئے تنگی اور تکلیف کا سبب بنتی ہے اللہ تعالیٰ اس چیز کے مقابلہ میں کافی ہو جاتے ہیں۔''

اپنے کسی نیک عمل پر ناز نہیں کرنا چاہئے

ہمیں ہر حال میں اللہ سے مغفرت اور عمل پر قائم رہنے کی دُعا کرتے رہنا چاہئے۔ کیوں کہ حقیقت شناس مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ کتنا ہی بڑا نیک کام اور کتنی ہی جدوجہد اللہ کی راہ میں کر رہا ہو، اس کو یہ حق نہیں کہ اپنے عمل پر ناز و فخر کرے، اس لئے کہ درحقیقت اس کا عمل بھی اللہ تعالیٰ ہی کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے، اس کے بغیر کوئی نیک عمل ہو ہی نہیں سکتا، حدیث میں مذکور ہے:

''فَوَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا.''[۵]

---

[۱] تفسیر کبیر: ۱۱٦/۱۸، یوسف: ٤۲　[۲] الطّلاق: ۳

[۳] رسائل امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی، حاتم بن اصمّ کے بیان کردہ فوائد: ۲٦

[۴] شرح السنة: ۲۹۸/۱٤ بحوالہ رزق کی کنجیاں: ۳۴

[۵] بخاری، المغازی، غزوة الخندق: ۵۸۹/۲

تَرجَمۂ: ''اگر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو ہمیں نہ سیدھے راستہ کی ہدایت ملتی اور نہ ہم سے زکاۃ و نماز ادا ہوسکتی۔''

اس کے علاوہ جو نیک عمل کوئی انسان کرتا ہے وہ کتنا ہی درست کر کے کرے لیکن مالک الملک والملکوت کی شانِ جلالی کے مطابق کر لینا اس کے بس میں نہیں، اس لئے اس کے ادائے حق میں کوتاہی ناگزیر ہے، اس سے حالتِ عمل میں بھی استغفار کی ضرورت ہے۔

نیز یہ بھی کسی کو اطمینان نہیں ہوسکتا کہ جو نیک عمل وہ اس وقت کر رہا ہے آگے بھی اسے اس کی توفیق ہوگی، اس لئے موجودہ عمل میں کوتاہی پر ندامت اور آئندہ کے لئے اس پر قائم رہنے کی دعا مؤمن کا وظیفہ ہونا چاہئے۔[1]

توکل کا صحیح مفہوم

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

''چوں کہ توکل کا صحیح مفہوم سمجھنے میں لوگ عموماً غلطیاں کرتے ہیں اس لئے یہ سمجھ لیجئے کہ اس کی تین قسمیں ہیں:

١. انسان نظری طور سے تو اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کر رکھے، لیکن عملی طور پر اس کا دھیان اسباب ہی کی طرف لگا رہے اور ظاہری اسباب و وسائل ہی اس کی بیشتر توجہات کا مرکز بنے رہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے آپ اپنا مقدمہ کسی وکیل کے سپرد کر دیتے ہیں، اس پر آپ کو بھروسہ تو ہوتا ہے، لیکن معاملہ اس کے سپرد کر کے آپ بالکل فارغ نہیں ہو جاتے، بل کہ ہر وقت دھیان اور کوشش اس کی طرف لگی رہتی ہے۔

٢. آپ ظاہری اسباب کو اس لئے اختیار کریں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، اس کے بعد معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیں اور یہ بات ہر آن ذہن میں رکھیں کہ یہ ظاہری اسباب کوئی حقیقت نہیں رکھتے، کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، چناں چہ آپ کی بیشتر توجہات اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنے اور اسی کے سامنے اپنی حاجتیں بیان کرنے میں صرف ہوں۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بچے کو جب کبھی کوئی ضرورت پیش آتی ہے وہ بس اپنی ماں ہی کو پکارتا ہے، خود کچھ ہاتھ پاؤں مارے بھی تو اس پر مطمئن نہیں ہوتا، اس کی توجہ اسی کی طرف رہتی ہے کہ کسی طرح ماں متوجہ ہو جائے تو ہر مشکل کو حل کر دے گی۔

٣. اللہ تعالیٰ پر اس درجہ بھروسہ کیا جائے کہ ظاہری اسباب کی طرف مطلق نظر نہ ہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو پکارے بھی نہیں اور یہ سمجھے کہ وہ تو خود میرے دکھ درد کو جانتا ہے، خود ہی مداوا کرے گا۔

توکل کے ان تین درجات میں سے پہلا درجہ تو عامیانہ توکل ہے جو توکل کا بالکل ادنیٰ درجہ ہے اور تیسرا درجہ توکل

---

[1] معارف القرآن: ۲/۲۰۱

کی حقیقت کے اعتبار سے تو بہت اعلیٰ ہے مگر یہ انبیاء وصلحاء کے خاص احوال سے متعلق ہے، دائمی طرز کے لئے شریعت میں مطلوب نہیں ہے۔ شریعت میں مطلوب توکل کا دوسرا درجہ ہے، آں حضرت ﷺ نے سنت اسی کو قرار دیا ہے۔ کہ ظاہری اسباب کو معمولی طور سے اختیار کرو، اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کرو، لیکن بھروسہ ان ظاہری اسباب پر کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ ہی پر رکھو۔'' [۱]

بیماری اور تنگ دستی دور کرنے کے لئے بہترین نسخہ توکل ہے

وَاقِعَہ نمبر (۱۶) حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باہر نکلا اس طرح کہ میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھا آپ ﷺ کا گزر ایک ایسے شخص پر ہوا جو بہت شکستہ حال اور پریشان تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''تمہارا یہ حال کیسے ہوگیا؟''

اس شخص نے عرض کیا: ''بیماری اور تنگ دستی نے میرا یہ حال کر دیا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہیں چند کلمات بتلاتا ہوں وہ پڑھو گے تو تمہاری بیماری اور تنگ دستی جاتی رہے گی''، وہ کلمات یہ ہیں:

'' تَوَكَّلْتُ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ ..... اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا..... وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ ..... وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ ..... وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا. ''

تَرجَمَہ: ''میں نے توکل کیا اس ذات پر جو زندہ ہے جسے موت نہیں آتی۔ تمام تعریفیں اُس اللہ کے لئے جو نہیں رکھتا اولاد اور نہ کوئی اس کا ساجھی سلطنت میں اور نہ کوئی اس کا مددگار کمزوری میں اور اس کی بڑائی کر بڑا جان کر۔''

اس کے کچھ عرصہ بعد پھر آپ ﷺ اس طرف تشریف لے گئے پھر اس کو اچھے حال میں پایا، آپ ﷺ نے خوشی کا اظہار فرمایا، اس نے عرض کیا: ''جب سے آپ نے مجھے یہ کلمات بتلائے تھے میں پابندی سے ان کلمات کو پڑھتا ہوں۔'' [۲]

فوائد و نصائح

❶ بندہ کا اس اسم سے حصہ یہ ہے کہ وہ مکمل صحیح اسباب کو اپناتے ہوئے بھی اعتماد اور بھروسہ صرف اور صرف ''اَلْوَکِیْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' پر کرے۔

❷ وہ ذات وکیل مطلق ہے ہر کام کو اہتمام سے اپنی اپنی جگہ پورا فرما رہا ہے کسی بندے کو بے سروپا نہیں چھوڑتا، لہٰذا

---

[۱] مجالس مفتی اعظم: ص ۴۵۶، ص ۴۵۷

[۲] تفسیر ابن کثیر: ۸۰۲، الاسراء: ۱۱۱

بندہ کو بھی اسی سے التجا کرنی چاہئے، مایوسی، کم ہمتی کو اپنے قریب بھی نہیں بھٹکنے دینا چاہئے، ہر مصیبت اور ہر پریشانی میں، مصیبت اور پریشانی دور کرنے کے شرعی اسباب اختیار کرکے التجا دعا، صرف اور صرف اللہ ہی سے مانگنا چاہئے، کسی پیر، فقیر، کسی مزار، قبر، پر جا کر دعا نہیں مانگنی چاہئے۔

۳ جب تمام امور اسی کے سپرد ہیں تو بندہ غیر کی طرف توجہ کرکے "الوکیل جَلَّ جَلَالُہٗ" کی ذات سے اپنے ایمان اور یقین کو کمزور نہ کرے۔ جس کو اس اسم کی معرفت حاصل ہو جائے گی وہ دل کا ایک ذرّہ اور ایک گوشہ بھی اللہ کے سوا کسی طرف مائل نہیں کرے گا اس کو ایک عربی شاعر کہتا ہے: ؎

خُذُوْا عَنِّیْ فُؤَادِیْ وَفَتِّشُوْہُ کَمَا تُرِیْدُ فَوَاللّٰہِ فَلَنْ تُحِسُّوْا سِوَاہُ

"تم میرے دل کو دیکھ لو اس کا ایک ایک ذرہ اور قطرہ قطرہ کو اپنی لیباٹری میں چیک کرلو،
اللہ کی قسم! تم اس میں اللہ کے غیر کی بو نہ پاؤ گے۔"

جو شخص اس نام کو سمجھ لے گا وہ کبھی بھی ڈپریشن ...... ٹینشن ...... اُلجھن ...... کے مرض کا شکار نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ وہ تمام کاموں کو اللہ کے سپرد کرکے مطمئن ہو کر صحیح اسباب مکمل اختیار کرے گا۔

سونے سے پہلے اس دعا کا ترجمہ سمجھ کر مانگنا چاہئے۔

"اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ وَجْھِیَ اِلَیْکَ ..... وَفَوَّضْتُ اَمْرِیَ اِلَیْکَ ..... وَاَلْجَاْتُ ظَھْرِیَ اِلَیْکَ ...... رَغْبَۃً وَّرَھْبَۃً اِلَیْکَ ...... لَامَلْجَاَ وَلَا مَنْجَاَ مِنْکَ اِلَّآ اِلَیْکَ ...... اَللّٰھُمَّ اٰمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْٓ اَنْزَلْتَ ...... وَنَبِیِّکَ الَّذِیْٓ اَرْسَلْتَ ......"[1]

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! میں نے اپنی ہستی کو تیرے سپرد کر دیا ...... اور تیری طرف اپنا رخ کیا ...... اور اپنے سب اُمور تیرے حوالہ کر دیئے ...... تیرے جلال سے ڈرتے ہوئے ...... اور تیرے رحم و کرم کی طلب و اُمید کرتے ہوئے اور تجھ ہی کو اپنا پشت پناہ بنالیا ...... اے مولیٰ! تیرے سوا کوئی جائے پناہ اور بچاؤ کی جگہ نہیں ...... اے اللہ! میں ایمان لایا تیری مقدس کتاب پر جو تو نے نازل فرمائی ...... اور تیرے نبی پر جن کو تو نے پیغمبر بنا کر بھیجا۔"

---

[1] ترمذی، الدعوات، باب ما جآء فی الدعا اذا اوی الی فراشہ: ۲/۱۷۷

القَوِيُّ جل جلالہ المَتِيْن جل جلالہ

(بڑی طاقت وقوت والا، شدید قوت والا)

ان اسماء کے تحت چھ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

1. "اَلْقَوِيُّ هُوَ الْكَامِلُ الْقُدْرَةِ عَلَى الشَّيْءِ"[1]

امام زجاج رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "القوی جل جلالہ" وہ ذات ہے ...... جو تمام چیزوں پر پورے طور پر قدرت رکھتی ہے۔

"القوی جل جلالہ" وہ ذات ہے جس کو تمام چیزوں پر کامل ومکمل قدرت حاصل ہے، جیسے ایک عام محاورے میں یہ بات کہی جائے کہ "یہ شخص اس کام پر قادر ہے اور یہ چیز اس شخص کی ملکیت میں ہے" تو اس کا معنی یہ ہوا کہ وہ اس چیز میں حد کے اندر رہتے ہوئے تصرف کرسکتا ہے، اس کی خرید وفروخت کرسکتا ہے لیکن اگر قادر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ طاقت ور بھی ہو کہ اس سے کوئی یہ چیز چھین بھی نہیں سکتا، اور جس طرح استعمال کرنا چاہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا، تو یہ اس صفت کی مزید وضاحت ہوگی۔ اسی طرح اللہ جل جلالہ سب چیزوں پر قادر ہونے کے ساتھ ساتھ قوی بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اپنی اسی صفت مبارکہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾[2]

اللہ ربُّ العزت نے اپنی ذات کو قرآنِ کریم میں قوت کے ساتھ متصف فرمایا ہے چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾[3]

امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"أَيْ لَا يَغْلِبُهُ غَالِبٌ وَلَا يَفُوْتُهُ هَارِبٌ"

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کی ذات ایسی (قوی) ذات ہے کہ کوئی اس پر غلبہ پانا چاہے تو غلبہ نہیں پا سکتا اور کوئی (مجرم ظالم) اس کی پکڑ سے (بھاگ کر) بچنا چاہے تو اس کی پکڑ سے بچ (کر بھاگ) نہیں سکتا۔[4]

---

[1] النهج الاسمیٰ: ۳۷/۲ [2] الذٰریٰت: ۵۸ [3] الانفال: ۵۲ [4] تفسیر ابن کثیر: ۳۲۰/۲، الانفال: ۵۲

علامہ ابنِ قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنے قصیدۂ ''نونیة'' میں فرماتے ہیں:

وَهُوَ الْقَوِيُّ لَهُ الْقُوَّةُ جَمْعًا لَهُ إِلٰى رَبِّ ذِي الْأَكْوَانِ وَالْأَزْمَانِ[1]

''وہ ذات طاقت ور ہے، جتنی بھی طاقت اور قوت ہے اسی کی ہے۔ وہ عظیم رب ہے تمام کائنات اور زمانوں کا۔''

۲ إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ لَا يَغْلِبُهُ غَالِبٌ ......، وَلَا يَرُدُّ قَضَاءَهُ رَادٌّ ......، يَنْفُذُ أَمْرُهُ ...... وَيَمْضِي قَضَاءُهُ فِي خَلْقِهِ ......، شَدِيْدٌ عِقَابُهُ لِمَنْ كَفَرَ بِآيَاتِهِ ...... وَجَحَدَ حُجَجَهُ ......[2]

ترجمہ: علامہ ابن جریر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''اللہ ربّ العزت بہت قوت والے ہیں ان پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور نہ ہی ان کے فیصلے کو کوئی ٹال سکتا ہے، ان کا حکم اور فیصلہ ان کی مخلوق میں نافذ ہو کر رہتا ہے۔ اس کی آیات اور دلائل کو جھٹلانے والے کے لئے اس کا عذاب بہت سخت ہے۔''

۳ قَالَ ابْنُ قُتَيْبَةَ -رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى- (اَلْمَتِيْنُ): أَلشَّدِيْدُ الْقَوِيُّ.[3]

ترجمہ: ''المتین کے معنی ہیں وہ ذات جو انتہائی قوت والی ہو۔''

۴ اَلْمَتِيْنُ أَلشَّدِيْدُ الْقَوِيُّ الَّذِي لَا تَنْقَطِعُ قُوَّتُهُ، وَلَا تَلْحَقُهُ فِي أَفْعَالِهِ مَشَقَّةٌ، وَلَا يَمَسُّهُ لُغُوْبٌ.[4]

ترجمہ: ''امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''اَلْمَتِيْنُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو انتہائی قوت والی ہو، جس کی قوت اس سے کبھی جدا نہ ہوتی ہو اور اسے اپنے کسی بھی کام میں کبھی مشقت لاحق نہ ہوتی ہو اور نہ ہی تھکاوٹ پہنچتی ہو۔''

۵ وَفِي الْمَقْصَدِ: اَلْقُوَّةُ تَدُلُّ عَلَى الْقُدْرَةِ التَّامَّةِ ...... وَالْمَتَانَةُ تَدُلُّ عَلٰى شِدَّةِ الْقُوَّةِ لِلّٰهِ تَعَالٰى. فَمِنْ حَيْثُ اَنَّهُ بَالِغُ الْقُدْرَةِ تَامُّهَا: (قَوِيٌّ) ......، وَمِنْ حَيْثُ أَنَّهُ شَدِيْدُ الْقُوَّةِ: (مَتِيْنٌ).[5]

ترجمہ: ''المقصد الأسنٰی نامی کتاب میں ہے ''اَلْقَوِيُّ'' کا مطلب کامل قوت والا ہوتا ہے جب کہ ''اَلْمَتِيْنُ'' کا مطلب شدید قوت والا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہے لہٰذا اگر غور کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کامل اور مکمل قدرت والے ہیں تو اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ ''اَلْقَوِيُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہیں اور اگر اس بات کو دیکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ مضبوط قوت والے ہیں تو اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ ''اَلْمَتِيْنُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہیں۔''

۶ صاحبِ مرقاۃ نے ''اَلْقَوِيُّ'' کا معنی بہت ہی پیارا لکھا ہے:

''أَلْقُدْرَةُ التَّامَّةُ الْبَالِغَةُ السَّابِغَةُ الْوَاصِلَةُ إِلَى الْكَمَالِ ..... وَاللّٰهُ قَوِيٌّ بِهٰذَا الْمَعْنٰى ..... وَلَا قُوَّةَ لِغَيْرِهِ إِلَّا بِهِ''.[6]

[1] النونية: ۲/۲۱۸ [2] جامع البيان: ۱۰/۱۷، ۱۸ [3] غريب الحديث: ۴۲ [4] شان الدعاء: ۷۷
[5] المقصد الأسنٰى: ۸۱، ۸۲، نقلاً عن النهج الأسمٰى: ۲/۳۹ [6] المرقاة، شرح مشكوة: ۵/۹۱

تَرْجَمَہ: ''ایسی کامل ومکمل قوت والا، جس کی قوت وقدرت اپنے ارادہ کو پہنچ کر رہتی ہے اپنے مطلوب اور ہدف کو پا کر رہتی ہے، جس کی قوت نے سب چیزوں کا احاطہ کیا ہوا ہے، اس کی قوت میں کسی قسم کا نقص نہیں ہے اور کمال کے اعلیٰ درجہ تک پہنچی ہوئی ہے، قوت کے ان معانی کے ساتھ وہ قوی ہے اور ایسی قوت صرف اسی اکیلے اللہ تعالیٰ کے لئے ہے'' اس کا کوئی غیر اپنی ذات سے قوی نہیں، ہاں یہ کہ وہ ہی کسی کو کوئی قوت دے۔''

ان دونوں اسموں سے ایمانی ثمرات یہ ہیں کہ:

قوت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے...... کوئی بھی اس کے فیصلے کو ٹال نہیں سکتا...... اور نہ ہی اس کے حکم میں پس وپیش کرسکتا ہے...... اور اس کے حکم کے آگے کسی کا زور نہیں چلتا...... جسے چاہتا ہے عزت بخشتا ہے...... اور جسے چاہتا ہے ذلیل فرما دیتا ہے...... جس کی چاہے مدد فرماتا ہے...... اور جس سے چاہتا ہے اپنی مدد ہٹالیتا ہے۔

پس عزت والا وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ عزت عطا فرمائیں۔ اور ذلیل وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کریں، اور مدد اسی کی ہوئی جس کی اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے مدد کی اور بے یار ومددگار وہی ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنی مدد ونصرت اٹھالیں پس، تسبیح وتقدیس صرف اسی ذات کے لئے ہے جو انتہائی قوت والی ہے جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھلایا، اور اپنے بندہ (محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) کی مدد کی اور اپنے لشکر کو عزت سے نوازا اور اکیلے ہی تمام لشکر والوں کو ناکام ونامراد فرما دیا۔[1]

''اَلْقَوِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

١ ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾[2]

٢ ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ﴾[3]

٣ ﴿وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾[4]

''اَلْمَتِیْنُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' یہ اسم مبارک قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ آیا ہے۔

١ ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ﴾[5]

محمد الحمود النجدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

اللہ ربُّ العزت کی اطاعت کی قوت بندے کو حاصل نہیں ہوسکتی ہاں یہ کہ اللہ ربُّ العزت ہی کی جانب سے اسے

---

[1] مِنْ آثَارِ الإِيْمَانِ بِهٰذَيْنِ الإِسْمَيْنِ: أَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ تَعَالٰى جَمِيْعًا، وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، فَلَا رَادَّ لِقَضَائِهٖ، وَلَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ، وَلَا غَالِبَ لِأَمْرِهٖ، يُعِزُّ مَنْ يَّشَاءُ وَيُذِلُّ مَنْ يَّشَاءُ، يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاءُ، وَيَخْذُلُ مَنْ يَّشَاءُ، فَالْعَزِيْزُ مَنْ أَعَزَّهُ اللّٰهُ وَالذَّلِيْلُ مَنْ أَذَلَّهٗ، وَالْمَنْصُوْرُ مَنْ نَصَرَهٗ، وَالْمَخْذُوْلُ مَنْ خَذَلَهٗ، فَسُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقَوِيِّ الْعَزِيْزِ، صَدَقَ وَعْدَهٗ، وَنَصَرَ عَبْدَهٗ، وَأَعَزَّ جُنْدَهٗ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهٗ. (النهج الاسمىٰ: ٤٠/٢)

[2] الانفال: ٥٢ [3] هود: ٦٦ [4] الحج: ٤٠ [5] الذّٰريٰت: ٥٨

قوت اور توفیق عطا ہو جائے، اسی طرح گناہوں سے بچنے پر قدرت بندے کو حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اپنے نفس سے ''شرور'' کو دور کر سکتا ہے مگر یہ سب اللہ ربّ العزت کی جانب سے عطا کردہ توفیق کی بنیاد پر ہی ہو سکتا ہے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو (اس قول مبارک کے ذریعے جو عبداللہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا) خبردار اے عبداللہ بن قیس! کیا میں تمہیں ایسا کلمہ نہ سکھلاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے......؟

وہ کلمہ یہ ہے: ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' ہے۔[1]

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''علماء نے فرمایا: اس کلمے کا جنت کے خزانوں میں سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کلمہ سراپا بندگی ہے یعنی اپنی ذات کو سپردگی اور اطاعت کا پیکر بنا دینا، اپنے تمام کاموں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد اور حوالے کر کے اسی ''القَوِيُّ، المَتِيْنُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' پر پورا بھروسہ کرنا اور اس کلمہ میں اللہ ربّ العزت کی ذاتِ عالی پر یقین کرنے کا اعتراف ہے، اور اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ اللہ ربّ العزت کے علاوہ کوئی صانع (خالق) نہیں اور نہ ہی کوئی اس کے فیصلہ کو روکنے اور ٹالنے والا ہے۔ اس کلمہ کے ذریعہ یہ سمجھایا گیا ہے کہ بندہ سراپا فقیرانہ محتاج ہی ہے، اپنی زندگی کے بارے میں کسی قسم کے فیصلے کا مالک نہیں اور نہ ہی دوسروں کی زندگی کے فیصلوں کا مالک ہے، اللہ کی مدد کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا۔''

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اہلِ لغت کا قول نقل کرتے ہیں: ''لَا حَوْلَ'' کے اندر ''اَلْحَوْلُ'' کا مطلب ہے حرکت کرنا اور کسی کام کی راہ تلاش کرنا، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کوئی حرکت ......کوئی طاقت ......کوئی راہ ......اور کوئی چارہ ......نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ ربُّ العزت کی مشیت اور چاہت شاملِ حال نہ ہو۔

بعض حضرات نے اس کلمہ مبارکہ کا مطلب یہ بیان فرمایا: شر اور برائی کو دور کرنے کی کوئی طاقت نہیں اور نہ ہی خیر کو حاصل کرنے کی کوئی طاقت ہے مگر اللہ ربّ العزت کی جانب سے اور بعض نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے حفاظت کا فیصلہ ہو جائے اور اطاعت اور نیکی کرنے کی قوت نہیں ہو سکتی مگر یہ کہ اللہ ربُّ العزت ہی کی جانب سے مدد شاملِ حال ہو جائے، یہ قول حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی ہے جو تمام مخلوق کو رزق پہنچاتا ہے۔ وہی اَن تھک طاقتوں والا، اور وہی لامحدود قوتوں والا ہے۔[2]

---

[1] مسلم، الدعاء، استحباب الاكثار من قول: لا حول ......: ۲/۳٤٦

[2] لَا قُوَّةَ لِلْعَبْدِ عَلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى إِلَّا بِقُوَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَتَوْفِيْقِهٖ، وَلَا حَوْلَ لَهٗ عَلٰى إِجْتِنَابِ الْمَعَاصِيْ وَدَفْعِ شُرُوْرِ النَّفْسِ إِلَّا بِاللّٰهِ تَعَالٰى، وَقَدْ نَبَّهَ الشَّارِعُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّتَهٗ إِلٰى ذٰلِكَ بِقَوْلِهٖ لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ: "يَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ قَيْسٍ، اَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَةً هِيَ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ."

اسی بناء پر ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ قرار دیا ہے کہ اس میں ''حول'' اور ''قوة''، دونوں کی غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے یعنی نہ گناہوں سے بچنے کی طاقت نہ کوئی نیکی کرنے کی قوت انسان کے ہاتھ میں ہے سوائے اس بزرگ اور برتر اللہ تعالیٰ کی مدد کے۔ (اس کلمہ کو پڑھنے کی حدیث میں بہت فضیلت آئی ہے، ہر غم اور پریشانی کے وقت اس کو چالیس مرتبہ پڑھ لینا چاہئے)۔ اور اس کلمہ کے معانی کا استحضار رکھنا چاہئے۔

بعض لوگ اس دھوکہ میں رہتے ہیں کہ محض بزرگوں کی توجہ سے ہم نیک بن جائیں گے اور وہ بزرگوں پیروں و مشائخ کے مزاروں پر جا کر بھیک مانگتے رہتے ہیں یا زندہ بزرگوں کے پاس جا کر محض ان کی توجہ کے طالب ہوتے ہیں اس کلمہ ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' نے ان کے اس باطل عقیدہ کی جڑ کو سرے سے ہی کاٹ دیا کہ گناہوں سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، غیر اللہ میں سے کسی کو بھی یہ اختیار نہیں ہے، محض بزرگوں کی توجہ پر بھروسہ کرنے کے بجائے خود سے ہمت کر کے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہنا چاہئے۔ ان بزرگوں کو بھی نیکی کرنے کی جو طاقت، گناہوں سے بچنے کی جو ہمت ملی ہے وہ بھی اللہ ہی نے دی ہے، جب ان کو بھی اللہ ہی نے دی تو ہر انسان کو چاہئے کہ اللہ ہی سے مدد مانگے۔

حضور اکرم ﷺ اپنے چچا ابو طالب کو ہدایت نہ دے سکے آخر تک کوشش فرماتے رہے لیکن آخر میں جو چچا کے ایمان نہ لانے کی دلیل تھی وہ یہ کہ انھوں نے کہا:

''اَلسَّبَّةُ وَ الْعَارُ''[1]

ترجمہ: ''میں لوگوں کی گالیاں اور عار برداشت نہیں کرسکتا۔''

یقیناً عطا کرنے والی ذات تو ''القوی، المتین جل جلالہ'' ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنا چاہئے اور خود سے ہمت کرنی چاہئے۔

اسی لئے حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے کہا: ''حضرت! جو آپ کے سینے میں ہے وہ عطا فرما دیجئے'' تو جواب میں ارشاد فرمایا: ''میرے سینے میں تو بلغم ہے وہ دوں؟''

عارفین کا قول ہے:

قَالَ النَّوَوِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: قَالَ الْعُلَمَاءُ: سَبَبُ ذٰلِكَ أَنَّهَا كَلِمَةُ اسْتِسْلَامٍ وَ تَفْوِيْضٌ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى، وَ إِعْتِرَافٌ بِالإِذْعَانِ لَهُ، وَأَنَّهُ لَا صَانِعَ غَيْرُهُ، وَلَا رَادَّ لِأَمْرِهِ، وَأَنَّ الْعَبْدَ لَا يَمْلِكُ شَيْئًا مِّنَ الْأَمْرِ.

ثُمَّ قَالَ: قَالَ أَهْلُ اللُّغَةِ: ''اَلْحَوْلُ'' اَلْحَرَكَةُ وَالْحِيْلَةُ، أَيْ: لَا حَرَكَةَ وَلَا اسْتِطَاعَةَ وَلَا حِيْلَةَ إِلَّا بِمَشِيْئَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى.

وَقِيْلَ مَعْنَاهُ: لَاحَوْلَ فِيْ دَفْعِ شَرٍّ، وَلَا قُوَّةَ فِيْ تَحْصِيْلِ خَيْرٍ إِلَّا بِاللّٰهِ.

وَقِيْلَ: لَا حَوْلَ عَنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ إِلَّا بِعِصْمَتِهِ، وَلَا قُوَّةَ عَلٰى طَاعَتِهِ إِلَّا بِمَعُوْنَتِهِ، وَحُكِيَ هٰذَا عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكُلُّهُ مُتَقَارِبٌ. (شرح النووی علی صحیح مسلم: ۳۴۶/۲) [1] الخصائص الکبری باب رؤیا عبد المطلب: ۶۸/۱

"أَنْ لَّا تَطْلُبَ الْقُوَّةَ وَالْقُوْتَ إِلَّا مِنْ مَّوْلَاكَ"[1]

کہ تم قوت اور روزی اپنے مولیٰ کے سوا کسی سے طلب مت کرو۔

یعنی کتنے بھی اسباب گرے پڑے نظر آئیں مگر اسی ایک مالک "وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ" سے اپنا تعلق جوڑے رکھو، اسی سے مانگتے رہو، ایک بار نہیں بار بار اسی سے مانگتے رہو، اس کے علاوہ کوئی در ہی نہیں جہاں سے مانگا جا سکتا ہو، جہاں سے مسئلہ حل ہونے کی امید ہو، سب کے سب ضعیف (کمزور) ہیں، وہی ایک قوی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے مانگا اور مسئلہ حل نہیں بھی ہوا تو مانگنے کا ثواب الگ ملے گا، مسئلہ حل نہ ہونے کے باوجود دل کو تسلی الگ ملے گی اور اس دعا پر آخرت میں اجر و ثواب الگ ملے گا، اس دعا کی برکت سے آنے والی مصیبت ٹل سکتی ہے، لیکن مزاروں پر جا کر مانگنے سے یا زندہ روحانی علاج کے دعویٰ کرنے والوں سے ہدایت ...... یا قوت ...... یا شفا ...... کی بھیک مانگنے والوں کا مسئلہ حل ہوتا ہوا نظر بھی آیا تو اور کئی مسائل پیدا ہو جائیں گے جو پریشان کریں گے اور شرک کے گناہ کی وجہ سے آخرت تو بگڑی اور مسائل کا حل پا کر بھی دنیا مزید پریشان سے پریشان ہوگی؛ کیوں کہ جس کے پاس حقیقی قوت ہے اس کے دَر کو چھوڑ کر عاجز و مخلوق کے دَر پر اپنی ناک رگڑتا ہے۔

مصائب سے نجات اور مقاصد کے حصول کا مجرب نسخہ

حضرت مجدد الف ثانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا: "دینی اور دنیاوی ہر قسم کے مصائب اور مضرتوں سے بچنے اور منافع و مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اس کلمہ کی کثرت بہت مجرب عمل ہے اور اس کثرت کی مقدار حضرت مجدد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے یہ بتلائی ہے کہ روزانہ پانچ سو مرتبہ یہ کلمہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" پڑھا کرے اور سو سو مرتبہ درود شریف اس کے اول و آخر میں پڑھ کر اپنے مقصد کے لئے دعا کیا کرے۔"[2]

واقعہ نمبر ⑰: حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت عوف بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کو مصیبت سے نجات اور حصولِ مقصد کے لئے یہ تلقین فرمائی کہ کثرت کے ساتھ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" پڑھا کریں۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت عوف اشجعی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے لڑکے حضرت سالم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جب کافروں کی قید میں تھے تو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ان کو کہلوا دو کہ بکثرت "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" پڑھتا رہے۔

ایک دن اچانک بیٹھے بیٹھے ان کی بیڑیاں کھل گئیں اور یہ وہاں سے نکل بھاگے ان لوگوں کی ایک اونٹنی ہاتھ لگ گئی جس پر سوار ہو لئے، راستے میں ان کے اونٹوں کے ریوڑ ملے انہیں اپنے ساتھ ہنکا لائے وہ لوگ پیچھے دوڑے لیکن یہ کسی کے ہاتھ نہ لگے۔ سیدھے اپنے گھر آئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی، باپ نے آواز سن کر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم

---

[1] مرقاة شرح المشكاة: ٥/٨٦ [2] التفسير المظهري: ٩/٣٢٠، ٣٢١، الطلاق: ٦٥

یہ تو سالم ہے۔

ماں نے کہا: ''ہائے وہ کہاں وہ تو قید و بند کی مصیبتیں جھیل رہا ہوگا۔'' اب دونوں ماں باپ اور خادم دروازے کی طرف دوڑے دروازہ کھولا دیکھا تو ان کے لڑکے حضرت سالم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں اور تمام انگنائی (آنگن) اونٹوں سے بھری پڑی ہے، پوچھا کہ یہ اونٹ کیسے ہیں؟

انہوں نے واقعہ بیان کیا تو فرمایا: ''اچھا ٹھہرو میں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے ان کی بابت مسئلہ دریافت کر آؤں ......''

حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ''یہ سب تمہارا مال ہے جو چاہو کرو۔'' [1]

''المتین جل جلالہٗ'' اللہ تعالیٰ کا اسم اس لئے بھی ہے کہ وہ خود بخود قائم و دائم ہے، کسی دوسری طاقت کا محتاج نہیں۔

بے شک اللہ تعالیٰ ''المتین جل جلالہٗ'' ہے۔ ہر ایک استحکام و پائیداری اور شدت وقوت اس کے حکم سے ہے۔ [2]

اللہ تعالیٰ قوی ہے ...... اور تمام قوتیں اسی سے حاصل ہوتی ہیں ...... اللہ تعالیٰ قوی ہے ...... اسی نے جملہ مظاہر کو قوتِ ربانی سے ظہور بخشا ہے ...... اللہ تعالیٰ قوی ہے ...... اسی کا نام ضعیفوں کے لئے توانائی بخشنے والا ہے ...... دل کو قوتِ ایمان بخشتا ہے ...... روح کو قوتِ عرفان عطا کرتا ہے ......اس اسم سے تخلق کرنے والے کو جملہ قوت ہائے ظاہری و باطنی کی درخواست اسی سے کرنی چاہئے۔ [3]

اللہ تعالیٰ ''متین'' ہے اور متین کے معنی یہ ہیں کہ وہ ذات ایسی قوی ہے جسے اپنے افعال میں مشقت و کلفت اور تعب (تھکن) لاحق نہیں ہوتی۔ ''قوی'' اور ''متین'' میں تھوڑا سا فرق ہے۔ قدرت میں بالغ وتام کو قوی اور قدرت میں مضبوط و شدید کو متین کہتے ہیں۔ [4]

اس ''ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِینُ جل جلالہٗ'' نے کئی طرح کی قوتیں پیدا کی ہیں: بعض قوی ہیں مگر متین نہیں ...... اور بعض متین ہیں مگر قوی نہیں۔

ہوا، پانی اور آگ قوی تو ہیں مگر متین نہیں، جو شخص چاہے ہوا کو اِدھر سے اُدھر کر دے، قید کر دے، روک دے۔ کسی ڈبہ سے باہر خارج کر دے، کسی کمرے میں بند کر دے اور کسی مکان سے بالکل خارج کر دے۔ اس کی رفتار کو تیز کر دے یا دھیما کر دے، اسے سرد یا گرم کر دے۔ ہوا قوی تو ہے مگر مضبوط نہیں۔ قوی ایسی کہ تناور درختوں کو اکھاڑ کر پھینک دے۔ بجلی کے بڑے بڑے لوہے کے کھمبوں اور تاروں کو تہ و بالا کر دے، مکانوں کی چھتیں اڑا کر لے جائے، سمندروں میں طوفان برپا کر دے اور بستیوں کی بستیاں اجاڑ کر رکھ دے۔

وہ شخص دھوکہ میں مبتلا ہے جو مخلوق کی قوت کو دیکھ کر اس کو حقیقی قوت والا سمجھے، مخلوق کی ساری قوتیں،

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱۳۵۳، الطلاق: ۲
[2] شرح اسماء حُسنٰی: ۱۱۹، (منصور پوری)
[3] شرح اسماء حُسنٰی: ۱۱۸، (منصور پوری)
[4] شرح اسماء حُسنٰی: ۱۱۹ (منصور پوری)

سارے ایٹم بم، ہائیڈروجن بم اور ایک چھوٹا سا تنکا اس ''اَلْقَوِيُّ، الْمَتِيْنُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی نگاہ میں برابر ہے، وہ چاہے تو ابابیل کے منہ میں آئے ہوئے ننھے سے کنکر کو ایٹم بم کی قوت دے دے، اور وہ چاہے تو ایٹم بم کی قوت فیل کردے۔

جس کو بھی دنیا میں قوت ملی ہے اسی ''اَلْقَوِيُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے قوت دی ہے۔ حضرت داؤد عَلَيْهِ السَّلَام کے دست مبارک میں اس ''اَلْقَوِيُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے ایسی قوت رکھ دی تھی کہ لوہا ان کے ہاتھوں میں موم ہو جاتا تھا اور وہ بڑی آسانی سے زرہیں بنا لیتے تھے کہ لوہے سے کوئی چیز بنانے میں ان کو آگ کی ضرورت پڑتی تھی نہ کسی ہتھوڑے یا دوسرے آلات کی، جیسے کوئی اون سے سوئیٹر بن لیتا ہے، یا اس طرح جس طرح اونٹ اور بکری کے معدہ میں کانٹے پانی ہو جاتے ہیں اور بگلے کی چونچ میں مچھلی کے کانٹے اور سخت ترین ہڈیاں نرم ہو جاتی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ﴾[1]

تَرجَمۂ: ''اور نرم کر دیا ہم نے اس کے لئے لوہا۔''

یعنی لوہے کو آگ میں تپائے اور ہتھوڑی سے کوٹے بغیر اسے موم، گوندھے ہوئے آٹے اور گیلی مٹی کی طرح بنا دیا جس طرح چاہے موڑ لیتے، اور جو چاہتے بنا لیتے۔

''اَلْقَوِيُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' سے مانگنے کے نبوی الفاظ

حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ان الفاظ کے ساتھ دعا فرمایا کرتے تھے:

''اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ضَعِيْفٌ فَقَوِّ فِيْ رِضَاكَ ضُعْفِيْ ..... وَخُذْ اِلَى الْخَيْرِ بِنَاصِيَتِيْ ..... وَاجْعَلِ الْاِسْلَامَ مُنْتَهٰى رِضَائِيْ ..... اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ضَعِيْفٌ فَقَوِّنِيْ وَاِنِّيْ ذَلِيْلٌ ..... فَاَعِزَّنِيْ ..... وَاِنِّيْ فَقِيْرٌ فَارْزُقْنِيْ.''[2]

تَرجَمۂ: ''یا اللہ! میں کمزور ہوں، اپنی مرضیات میں میرا ضعف اپنی قوت سے بدل دے اور مجھے پیشانی سے پکڑ کر خیر کی طرف لے جا اور اسلام کو میری پسند کا منتہیٰ (مقصد) بنا دے، اے اللہ! میں کمزور ہوں مجھے طاقت ور بنا دے، میں ذلیل ہوں مجھے عزت دے اور میں محتاج ہوں مجھے رزق عطا کر دے۔''

اس اسم مبارک سے اس طرح دعا مانگی جاتی ہے ''يَا ذَا الْقُوَّةِ الْمَتِيْنِ''

حضرت عامر بن عبداللہ تمیمی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی جو ایک بڑے تابعی ہیں وہ ان الفاظ سے ''اَلْمَتِيْنُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' سے دعا مانگا کرتے تھے۔

''اِلٰهِيْ لَقَدْ خَلَقْتَنِيْ بِاَمْرِكَ ..... وَاَقَمْتَنِيْ فِيْ بَلَايَا هٰذِهِ الدُّنْيَا بِمَشِيْئَتِكَ ..... ثُمَّ قُلْتَ لِيْ: اِسْتَمْسِكْ فَكَيْفَ اَسْتَمْسِكُ اِنْ لَّمْ تُمْسِكْنِيْ بِلُطْفِكَ يَاقَوِيُّ يَامَتِيْنُ.''

[1] سبا: ١٠ [2] مجمع الزوائد، باب الأدعية المأثورة عن رسول الله ﷺ: ١٠/٢١٣، رقم: ١٧٤٢٤

ترجمہ: ”اے اللہ! تو نے اپنی قدرت سے مجھے پیدا کیا اور اپنی مرضی سے دنیا کی مصیبتوں میں رکھا اور پھر حکم دیا کہ میری مرضی پر جمے رہو۔ اے قوی و متین ذات میں تیرے فضل و کرم کے بغیر کیسے تیری مرضی پر جم سکتا ہوں۔“ [1]

مقرب ترین فرشتہ اور معظم ترین پیغمبر بھی ”القَوِیُّ جلّ جلالہٗ“ کے حکم کے تابع ہیں

واقعہ نمبر ⑱: اللہ ربُّ العزت ”القَوِیُّ جلّ جلالہٗ“ ہیں، اللہ ربُّ العزت ہی کے حکم سے فرشتے حرکت کرتے ہیں، بڑے سے بڑے فرشتے باوجود بڑی بڑی صفات اور قوت حاصل ہونے کے ایک پر مارنے کی جرأت نہیں کر سکتے، کتنا ہی بڑا پیغمبر ہو یا فرشتہ ہو وہ بھی عبدِ مامور ہے خود سے کچھ نہیں کر سکتا۔

ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام کئی روز تک نہ آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان تھے۔ کفار نے کہنا شروع کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے رب نے خفا ہو کر چھوڑ دیا ہے۔ اس طعن سے آپ اور زیادہ دل گیر ہوئے۔ آخر جبرئیل تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے روز تک نہ آنے کا سبب پوچھا اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مَا یَمْنَعُکَ أَنْ تَزُوْرَنَا أَکْثَرَ مِمَّا تَزُوْرُنَا“ [2] (جتنا تم آتے ہو اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟)

تو جبرئیل علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ﴾ [3]

ہمارا چڑھنا اترنا سب اس کے حکم و اذن کے تابع ہے۔

(یعنی میں فقط اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے آتا ہوں) وہ جس وقت اپنی حکمتِ کاملہ سے مناسب جانے ہم کو نیچے اترنے کا حکم دے۔ کیوں کہ ہر زمانہ (ماضی، مستقبل، حال) اور ہر مکان (آسمان زمین اور ان کے درمیان) کا علم اسی کو ہے اور وہی ہر چیز کا مالک و قابض ہے۔ وہ ہی جانتا ہے کہ فرشتہ کو پیغمبر کے پاس کس وقت بھیجنا چاہئے۔

مقرب ترین فرشتہ اور معظم ترین پیغمبر کو بھی یہ اختیار نہیں کہ جب چاہے کہیں چلا جائے یا کسی کو اپنے پاس بلا لے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر کام برمحل اور بروقت ہے۔ بھول چوک یا نسیان و غفلت کی اس کی بارگاہ میں رسائی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کا جلد یا بدیر آنا بھی اس کی حکمت و مصلحت کے تابع ہے۔ [4]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ﴾ [5]

ترجمہ: ”آپ کہہ دیجئے! تمہاری جان، موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر متعین کر دیا گیا ہے، پھر تم سب اپنے

---

[1] تابعین کے واقعات: ۴۸/۱ [2] مسند احمد: ۲۳۱/۱، رقم: ۲۰٤٤ [3] مریم: ٦٤ [4] تفسیر عثمانی: ٤١٤ [5] السجدۃ: ۱۱

پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

یعنی سابقہ تم کو اللہ تعالیٰ ہی سے آکر پڑے گا اور یہ موت کا فرشتہ تم پر متعین کر دیا گیا ہے، موت کا فرشتہ اپنی مرضی کا مالک نہیں۔ محض ایک درمیانی واسطہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کا مقرر کیا ہوا ہے۔

اس میں ان مشرک جاہل قوموں کا رد آ گیا جن کے ہاں موت کا دیوتا ایک مستقل و متصرف حاکم ہے۔ ایک حدیث میں مَلَكُ الْمَوْتِ خود رسول اللہ ﷺ سے کہتے ہیں:

"وَاللّٰهِ يَا مُحَمَّدُ! لَوْ أَنِّي أَرَدْتُّ أَنْ أَقْبِضَ رُوْحَ بَعُوضَةٍ ......، مَا قَدَرْتُ عَلٰى ذٰلِكَ ......

حَتّٰى يَكُوْنَ اللّٰهُ هُوَ الْاٰمِرُ بِقَبْضِهَا"[1]

تَرجَمۂ: "قسم ہے اللہ تعالیٰ کی اگر میں ایک مچھر کی جان بھی اپنے ارادے سے لینا چاہوں تو نہیں لے سکتا جب تک اللہ تعالیٰ ہی کے ہاں سے اس کا حکم نہ ہو۔"

"القَوِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی قوت کن لوگوں کے ساتھ ہے

اللہ تعالیٰ قوی ہے، زور آور ہے، سورۂ مجادلہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾[2]

"اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ بے شک میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے یقیناً اللہ تعالیٰ زور آور اور غالب ہے۔"

یعنی لکھنے والا، سب پر غالب اور نہایت زور آور ہے، تو پھر اور کون ہے جو اس فیصلے میں تبدیلی کر سکے......؟

مطلب یہ ہوا کہ یہ فیصلہ قدر محکم اور امر مبرم ہے یعنی اٹل اور ناقابل تغیر۔

اس لئے وہ جس کو چاہے غالب کر دے اس نے اپنے حکمِ ازلی میں یہ بات لکھ دی ہے کہ انبیاء اور رسول (عزت والے) ہیں تو ان کے متبعین بھی (عزت والے) ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جو اپنے نبی کی اِتباع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکموں پر چلیں گے اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ان سے بچتے رہیں گے، دین کو دنیا میں پھیلانے کی فکر میں رہیں گے اور جہاد کرتے رہیں گے تو وہ "القَوِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی قوت کو ساتھ پائیں گے، "القَوِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" اپنی قوت سے ان کو غالب کر دے گا اور سارا کا سارا باطل اپنے تمام اسباب کے ساتھ ضعیف و کمزور ہو جائے گا، صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ دین کی دعوت لے کر اٹھے تو سب پر غالب آکر رہے جو طاقت ان سے ٹکرائی پاش پاش ہو گئی۔

خلیفۂ اول صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مقابلے پر اندرونی فتنے اور بغاوتیں کھڑی ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب پر غالب فرمایا۔

---

[1] تفسیر ابن كثير: ١٠٤٥، السجدة: ١١ [2] المجادلة: ٢١

اوّل: حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلے پر دنیا کی سب سے بڑی طاقتیں قیصر وکسریٰ کی آگئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نام ونشان مٹا دیا اور پھر ان کے بعد کے خلفاء اور مسلمانوں میں جب تک ان احکامات کی پابندی رہی کہ مسلمانوں نے غیروں کے ساتھ خلط ملط اور گہری دوستی کے تعلقات قائم نہیں کئے وہ ہمیشہ مظفر ومنصور (کامیاب) نظر آئے۔[1]

اسی طرح جو اس ''القوی جل جلالہ'' کے دین پھیلانے والے بندوں کے مقابلے میں آئے گا اور دعوت کا انکار کرے گا یا ان کو تکلیف پہنچائے گا تو وہ ''القوی جل جلالہ'' خود ہی اپنی قوت کا اظہار فرمائیں گے اور اُن کے دشمن کو نیست ونابود فرما دیں گے۔

دوم: جن لوگوں نے اپنے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اور ان کے ماننے والوں کو قتل کیا تو وہ کیسے کیسے عذابات میں گرفتار کر کے رسوا کئے گئے اس سے تاریخ لبریز ہے، حضرت یحییٰ، زکریا وشعیب علیہم الصلاۃ والسلام کے قاتلوں پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا جنھوں نے ان کو ذلیل وخوار کر کے قتل کیا۔

سوم: نمرود کو اللہ تعالیٰ نے کیسے عذاب میں پکڑا۔

چہارم: عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے دشمنوں پر اللہ تعالیٰ نے رومیوں کو مسلط کر دیا، جنھوں نے ان کو ذلیل وخوار کیا اور پھر قیامت سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ ان کو دشمنوں پر غالب فرمائیں گے۔

پنجم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں ہی کے ہاتھوں زیر کیا، ان کے سرکش سردار مارے گئے، کچھ قید کر کے لائے گئے، باقی ماندہ فتحِ مکہ میں گرفتار کر کے لائے گئے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر دیا۔ آپ کا کلمہ دنیا میں بلند ہوا اور وہی سب ادیان پر غالب آیا۔ پورے جزیرۃ العرب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں اسلام کی حکومت قائم ہوگئی۔[2]

مادّی فتح اور ظاہری عزت و رِفعت بھی آخر کار انہی کو حاصل ہوتی ہے جو حق کی دعوت لے کر اٹھتے ہیں اور اس ''القوی جل جلالہ'' کی معیت کو اپنے ساتھ لینے کی فکر کرتے ہیں جن صفات کو اپنانے سے اس ''القوی جل جلالہ'' کی معیت ساتھ ہوتی ہے ان صفات کو اپناتے ہیں۔

یاد رکھنے کی بات ہے کہ سچائی کے دشمن کبھی معزز نہیں رہ سکتے، ان کا علو اور عروج محض ہنڈیا کا جھاگ اور سوڈے کا ابال ہوتا ہے۔ انجامِ کار مؤمنین دُعاۃ (دین کی دعوت دینے والوں) کے مقابلے میں ان کو پست اور ذلیل ہونا پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے اپنے داعیوں کا انتقام لئے بغیر نہیں چھوڑتا۔

جو لوگ اس ''القوی جل جلالہ'' کی طرف دعوت دیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنے میں اپنے

---

[1] معارف القرآن: ۱۸۰/۳ [2] معارف القرآن: ۶۰۹/۷

دن ورات کھپائیں ان کو کفار کی کثرت اور مسلمانوں کی قلتِ عَدد اور عُدد (گنتی اور سامان) سے مایوس نہیں ہونا چاہئے بل کہ یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اس ''القَوِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے جیسے انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اور صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو غالب فرمایا، اسی طرح ہمیں بھی غالب فرمائے گا یا اہلِ باطل کو ہدایت دے گا یا ان کو نیست و نابود کر دے گا۔

علامہ طیبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ اس بات کو جان لو کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں اس کے کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فیصلے کو نافذ فرمانے میں کسی لشکر یا فوج کے محتاج نہیں، نہ وہ کسی کی مدد طلب کرتے ہیں۔ اگر وہ ارادہ فرمائیں کسی بندے یا قوم کو ہلاک کرنے کا تو ان کے اسبابِ حفاظت بھی ان کے لئے اسبابِ ہلاکت بن جاتے ہیں۔ شیخ ابوعلی الدقائق رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

''خَفْ مَنْ لَّا يَحْتَاجُ إِلٰى عَوْنٍ عَلَيْكَ، بَلْ لَّوْ شَآءَ إِتْلَافَكَ أَخْرَجَكَ عَلٰى نَفْسِكَ، حَتّٰى يَكُوْنَ هَلَاكُكَ عَلٰى يَدِكَ'' كَمَا قَالَ الشَّاعِرُ:

إِلٰى حَتْفِي مَشٰى قَدَمِيَّ أَرٰى قَدَمِيَّ أَرَاقَ دَمِيَ[1]

تَرْجَمَہ: ''اس ذات کو ناراض کرنے سے ڈرو کہ جو اگر تمہارے خلاف فیصلہ کرنا چاہے تو کسی کے مشورے یا مدد کا محتاج نہیں بل کہ وہ ایسا قوی ہے کہ تمہارے اسبابِ حفاظت ہی کو تمہارے لئے اسبابِ ہلاکت بنا دے، اگر تمہاری ہلاکت کا فیصلہ فرمالے تو تمہارے ہاتھوں ہی تمہیں ہلاک کر دے۔''

یعنی تمہاری ہی کلہاڑی تمہارے پاؤں پر پڑ جائے گی۔

جیسے شاعر کہتا ہے:

''میری موت ہی کی طرف میرے قدم بڑھے اور میرے قدموں ہی نے میرا خون کیا ہے۔''

''المَتِيْنُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے مخلوق کو بھی مختلف قوتیں دی ہیں

''المَتِيْنُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے کسی کو ایسی قوتِ حافظہ عطا کی ہے کہ وہ جو پڑھ لیتا ہے یا سن لیتا ہے عمر بھر کے لئے اس کی قوتِ حافظہ میں ضبط ہو جاتا ہے۔ کسی کو سونگھنے کی طاقت ایسی عطا کی ہے کہ وہ بہت دور پڑی ہوئی چیز کی خوشبو کو بھی محسوس کر لیتا ہے۔ جیسے چیونٹیاں اور مکوڑے وغیرہ، کتے کو ایسی قوت دی ہے کہ وہ مختلف خوشبوؤں کا ریکارڈ اپنے دماغ میں محفوظ رکھ سکتا ہے اور اگر کبھی کسی راہ پر چلا ہو تو برسوں کے بعد بھی سونگھ سونگھ کر اس راہ پر اپنی منزل پر پہنچ سکتا ہے۔

شروع زمانہ میں اسلامی حکومتوں نے تو باقاعدہ کبوتروں سے نامہ رسانی کا کام لیا ہے اور کبوتروں کے لئے ایک باقاعدہ محکمہ تھا۔ جنگوں میں تو خاص طور سے کبوتروں سے کام لیا جاتا تھا۔ یہ اور دوسرے پرندے اور شہد کی مکھیاں وغیرہ کھلی

---

[1] طیبی شرح مشکوٰۃ: ۴۸/۵

فضا میں کیسے امتیاز کر لیتے ہیں، اس ''المَتِیْنُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے معمولی معمولی کیڑے، مکوڑوں کو بھی بڑی بڑی قوتیں عطا کی ہیں کہ بڑے سے بڑے انسان کو بے تاب کر دیتے ہیں اور قوت سے ہم کنار کر دیتے ہیں۔

اس قصہ سے ''المَتِیْنُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' پر اعتماد سیکھنا چاہئے

وَاقِعَہْ نَمْبَر (۱۹): ہندوستان کے بادشاہ عالمگیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے زمانے میں کسی ریاست کا ایک راجہ تھا، اس کا انتقال ہوگیا اس کے لڑکے کے جو چچا وغیرہ تھے وہ اس کی ریاست پر قبضہ کرنا چاہتے تھے اور اس کو محروم کرنا چاہتے تھے، وزیروں نے اس کے باپ کا نمک کھایا تھا، اس کو سکھایا کہ بیٹا دہلی چلو، ہم عالمگیر سے سفارش کر دیں گے۔ تم بچے ہو بادشاہ رحم کر دے گا اور تمہیں تمہارے باپ کی گدی دے دے گا اور دو وزیر اس کو راستہ بھر پڑھاتے رہے کہ بادشاہ یہ پوچھے تو یہ کہنا اور یہ پوچھے تو یہ کہنا۔ پھر جب دہلی کا قلعہ قریب آیا تو لڑکے نے کہا: آپ لوگوں نے جو پڑھایا ہے اگر بادشاہ نے اس کے علاوہ کوئی دوسرا سوال کر لیا تو کیا جواب دوں گا؟

تب دونوں وزیر ہنسے اور کہا: یہ لڑکا بہت چالاک ہے یہ خود ہی جواب دے دے گا۔ اس کی رہبری کی ضرورت نہیں۔ عالمگیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی حوض پر نہا رہے تھے کہ یہ لڑکا پہنچا اور اس نے سلام کیا اور کہا: حضور! میں کچھ درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ درخواست سن کر عالمگیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس کے دونوں ہاتھوں کو پکڑا اور کہا: میں تجھ کو اس پانی میں ڈبو دوں؟

لڑکا زور سے قہقہہ لگا کر ہنسا تب عالمگیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے کہا: ایسے پاگل کو کیا ریاست ملے گی۔ تجھ کو تو کہنا چاہئے تھا کہ ہمیں نہ ڈبوئیے، لیکن تو موقعِ خوف پر ہنس رہا ہے یہ تو پاگلوں کا کام ہے، تو کیا ریاست سنبھالے گا۔ اس نے کہا: حضور پہلے آپ مجھ سے سوال تو کر لیں کہ میں کیوں ہنس رہا ہوں۔ پھر جو آپ کا فیصلہ ہو وہ کریں، فرمایا: اچھا بتاؤ کیوں ہنسے؟

اس نے کہا: حضور! آپ بادشاہ ہیں، بادشاہوں کا اقبال بہت بڑا ہوتا ہے۔ اگر میری انگلی آپ کے ہاتھ میں ہوتی تو میں نہیں ڈوب سکتا تھا چہ جائے کہ میرے دونوں بازو آپ کے دونوں ہاتھوں میں ہیں۔ میں کیسے ڈوب سکوں گا۔ ہم ہر خوف، ہر پریشانی میں سوچیں کہ ہم ''المَتِیْنُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی نگرانی میں ہیں، ہم کیسے ہلاک ہو سکتے ہیں۔

مخلص و مؤمن بندوں کو چاہئے کہ وہ ''المَتِیْنُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' پر اعتماد رکھیں اور کامل بھروسہ اسی کی ذات پر رکھیں۔[1]

---

[1] ماخوذ از استغفار کے ثمرات: مولانا حکیم اختر صاحب: ۲۲، ۲۳

فوائد و نصائح

۱ جو بندہ اللہ کی قوت و مضبوطی کو پہچان لیتا ہے تو وہ اپنی طاقت پر فخر کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ جس کے دل میں یہ بات اتر جائے کہ لوہا اس ذات کے حکم سے موم بنتا ہے تو ساری دنیا کا لوہا اور ساری دنیا کا اسلحہ اللہ تعالیٰ کی طاقت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا، تو وہ شخص کسی کی طاقت سے متاثر، مرعوب اور خوف زدہ نہیں ہوگا۔

۲ جب بندہ یہ یقین پیدا کرے کہ طاقت وقوت والا صرف وہی اللہ ہے تو وہ یہ بھی سمجھے گا کہ عبادت، نیکی، شرک سے دوری بھی اسی ذات کی وجہ سے ہے۔ نفس اور شیطان کے شر سے بھی بچنے کی طاقت اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔

۳ وہ ذات اتنی بڑی طاقت وقوت والی ذات ہے کہ ساری دنیا کی طاقت اس کے سامنے مچھر کے پر کی حیثیت نہیں رکھتی، ساری دنیا کا علم چڑیا کی چونچ میں سمانے والے پانی کے برابر نہیں۔



اَلْوَلِیُّ جل جلالہ

(سرپرست و مددگار)

اس اسم کے تحت پانچ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ اَلْوَلِیُّ: النَّاصِرُ ﴿اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ﴾[1]

وَهُوَ تَعَالٰی وَلِیُّهُمْ بِأَنْ یَّتَوَلّٰی نَصْرَهُمْ وَ إِرْشَادَهُمْ ......، كَمَا يَتَوَلّٰى ذٰلِكَ مِنَ الصَّبِيِّ...... وَلِيُّهٗ، وَهُوَ يَتَوَلّٰى يَوْمَ الْحِسَابِ ثَوَابَهُمْ وَجَزَاءَهُمْ.[2]

امام زجاج رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

اَلْوَلِیُّ کے معنیٰ ''الناصر''، یعنی مددگار کے ہیں، اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو ایمان لائے اور انہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال کر لاتا ہے۔

یعنی اللہ ربُّ العزت ہی مؤمنین کے ولی (دوست) ہیں اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مؤمنین کی مدد، ان کی خیر خواہی، ان کی بھلائی، اور ان کی ساری ضرورتوں کے پورا کرنے کی ذمہ داری خود قبول فرمالی ہے، جیسا کہ ایک ننھے بچے کی بعض ظاہری ضرورتوں کی ذمہ داری عارضی وقت کے لئے اس کا سرپرست قبول کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن اپنے بندوں کی جزا و سزا کے متولی و مددگار رہوں گے۔''

ولی کا ترجمہ کسی ایک لفظ سے مشکل ہے۔ رفیق، دوست، پشت پناہ، سرپرست، مددگار، محبت کرنے والا...... سب کے مفہوم اس میں شامل ہیں۔ یعنی ولی ایسے دوست کو کہتے ہیں جس سے دلی محبت اور خصوصی تعلق ہو۔

❷ ''مُحِبُّهُمْ وَمُتَوَلِّيْ اُمُوْرِهِمْ'' بندوں سے محبت کرنے والا اور ان کے امور کا نگراں۔

❸ ''نَصِيْرُهُمْ وَظَهِيْرُهُمْ يَتَوَلَّاهُمْ بِعَوْنِهٖ'' بندوں کا مددگار اور ان کو اپنی پناہ اور مدد میں لینے والا۔

❹ ''اَلْوَلِيُّ الْمُتَكَفِّلُ بِالْمَصَالِحِ'' بندوں کی بھلائی چاہنے والا...... اہلِ ایمان کے بگڑے کام بنانے والا...... آڑے وقت ان کے کام آنے والا...... صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے نہ کہ کوئی بندہ...... یا کوئی دیوی...... دیوتا...... نہ

[1] البقرة: ۲۵۷   [2] تفسير الاسماء: ۵۵، نقلاً عن النهج الاسمٰى: ۲/۴۶

سیارے ستارے...... اور نہ ہی کوئی پیر فقیر۔[1]

۵ ملا علی قاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"اَلْمُحِبُّ لِأَوْلِيَائِهٖ...... اَلنَّاصِرُ لَهُمْ عَلٰى أَعْدَائِهِمْ...... مِنْ أَنْفُسِهِمْ...... وَأَهْوِيَتِهِمْ...... وَمَا يَدْعُوْهُمْ إِلٰى غَيْرِ لِقَائِهٖ"[2]

ترجمہ: "ولی وہ ذات ہے جو اپنے دوستوں سے محبت کرے اور دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کرے، (وہ دشمن) چاہے نفس کی شکل میں ہو یا (ناجائز) خواہشاتِ نفسانی کی شکل میں ہو یا وہ دشمن ہو جو آخرت کی تیاری کرنے میں مانع بنے۔"

امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا: "اَلْوَلِيُّ" اس مددگار کو کہتے ہیں جو شفقت اور محبت کرنے والا بھی ہو[3] مددگار تو بہت ہوتے ہیں، ایسا مددگار جو ہر قسم کی ...... ہر وقت ...... ہر جگہ ...... ہر موقع پر...... انفرادی، اجتماعی مدد کرے، اور اس مدد کے ساتھ محبت و شفقت بھی ہو وہ ذات اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی ہے جس کا ایک مبارک نام "اَلْوَلِيُّ" ہے۔

ابن جریر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ تمہاری ضروریات کی کفایت فرمانے والے ہیں، تمہارے لئے یہ بات کافی ہے کہ اللہ ربّ العزت تمہارے ربّ ہیں ...... تمہارے دوست ہیں ...... تم سے قریب ہیں...... تمہارے معاملات سے بھی قریب ہیں ...... اور تمہارے تمام حالات سے بھی باخبر ہیں ......تمہاری نگرانی فرماتے ہیں ...... دشمنوں سے تمہاری حفاظت فرماتے ہیں ...... کہ کہیں تمہارے دشمن تمہیں دین سے دور نہ کردیں یا تمہیں نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی اتباع سے روک نہ دیں۔"

اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

"یقیناً میرا کارساز اللہ تعالیٰ ہے جس نے مجھ پر یہ کتاب نازل کی ہے اور وہ صالحین کی کارسازی کرتا ہی رہتا ہے۔[4]

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ مشرکین سے جو کہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں فرما دیجیے! "بے شک میرا دوست ...... میرا مددگار...... میرا معاون ...... اور تم سے میری حفاظت کرنے والا ...... میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے مجھ پر کتاب نازل فرمائی اور وہ ہر اس بندے/ بندی کا دوست ہے جس کی زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکامات اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے طریقوں کے موافق ہو۔"[5]

---

[1] تفسیر ماجدی: ۱/۱۰۸، البقرة: ۲۵۷ [2] مرقاة شرح المشكاة: ۵/۹۲ [3] تفسیر قرطبی: ۷/۲۴۵، الاعراف: ۱۹۶ [4] الاعراف: ۱۹۶

[5] وَقَالَ ابْنُ جَرِيْرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ (النساء: ۱۳۲) وَكَفَاكُمْ وَحَسْبُكُمْ بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ وَلِيًّا يَّلِيْكُمْ وَيَلِيْ أُمُوْرَكُمْ بِالْحِيَاطَةِ لَكُمْ، وَالْحِرَاسَةِ مِنْ أَنْ يَّسْتَفِزَّكُمْ أَعْدَاؤُكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ، أَوْ يَصُدُّوْكُمْ عَنِ اتِّبَاعِ نَبِيِّكُمْ.
(جامع البیان: ۵/۷۵)

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾[1]

أَيْ هُوَ وَلِيُّهُمْ بِسَبَبِ أَعْمَالِهِمُ الصَّالِحَةِ الَّتِيْ قَدَّمُوْهَا وَ تَقَرَّبُوْا بِهَا إِلٰى رَبِّهِمْ.[2]

ترجمہ: ''ان لوگوں کے واسطے سلامتی کا گھر ہے ان کے پروردگار کے پاس اور وہی ان کا دوست ہے بسبب اس کے کہ جو کچھ وہ (نیک اعمال) کرتے رہے ہیں۔''

یعنی اللہ ربُّ العزت ان کے دوست ہیں، ان کے کارساز ہیں ان کے نیک اعمال کی وجہ سے جنہیں وہ آگے بھیج چکے ہیں اور ان اعمال کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر چکے ہیں۔

سورۂ انعام کی یہ آیت نمبر ۱۲۷ بڑی عجیب آیت ہے جو بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان مبارک تعلق کی وضاحت کرتی ہے۔

وَالْوَلِيُّ مَعْنَاهُ الْقَرِيْبُ فَقَوْلُهٗ ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ يَدُلُّ عَلٰى قُرْبِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَقَوْلُهٗ ﴿هُوَ وَلِيُّهُمْ﴾ يَدُلُّ عَلٰى قُرْبِ اللّٰهِ مِنْهُمْ وَلَا نَرٰى فِي الْعَقْلِ دَرَجَةً لِّلْعَبْدِ أَعْلٰى مِنْ هٰذِهِ الدَّرَجَةِ.[3]

اللہ تعالیٰ کا اپنے صالح بندوں کے ساتھ جو یہ علاقۂ قرب و ولایت ہے یہ ان بندوں کے حسنِ عمل کا نتیجہ ہے ﴿وَهُوَ وَلِيُّهُمْ﴾ ولی کے معنی قریب کے ہیں اور مفسرینِ کرام نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے نیک اعمال کرنے والے بندوں کا انتہائی شرف و اعزاز ظاہر ہو رہا ہے کہ اللہ اُن سے نزدیک اور وہ اللہ سے نزدیک، یعنی اللہ تعالیٰ تو سب بندوں سے نزدیک و قریب ہے یہاں قرب بمعنی خصوصی تعلق بندوں کا اللہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے انعام ہے۔ ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ سے بندوں کی قربت کا ترجمان ہے اور ﴿وَلِيُّهُمْ﴾ بندوں سے اللہ تعالیٰ کی قربت کا مظہر۔

﴿بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اس میں گویا یہ بتا دیا کہ یہ مرتبہ اور اعزاز کہ آخرت میں ان کے لئے سلامتی کا گھر...... اور اللہ تعالیٰ ان کا دوست اور کارساز بنا...... یہ ان کے نیک عملوں کی وجہ سے ہے ترکِ اعمال سے اس کے حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں۔

یہ اسم مبارک قرآن پاک میں کئی جگہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

وَقَالَ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿إِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ﴾ (الاعراف: ۱۹۶) يَقُوْلُ تَعَالٰى ذِكْرُهٗ لِنَبِيِّهٖ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''قُلْ يَا مُحَمَّدُ لِلْمُشْرِكِيْنَ مِنْ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ: إِنَّ وَلِيِّيْ وَنَصِيْرِيْ وَمُعِيْنِيْ وَظَهِيْرِيْ عَلَيْكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتَابَ عَلَيَّ بِالْحَقِّ، وَهُوَ يَتَوَلّٰى مَنْ صَلَحَ عَمَلُهٗ بِطَاعَتِهٖ مِنْ خَلْقِهٖ.'' (النهج الاسمٰى: ۴۵/۲)

[1] الانعام: ۱۲۷ [2] النهج الاسمٰى: ۵۲/۲ [3] تفسير ماجدى: ۱۰۰/۲

❶ ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾[1]

❷ ﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ﴾[2]

❸ ﴿وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ﴾[3]

ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے ساتھ ''الْوَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی مدد

واقعہ نمبر (۲۰): اللہ تعالیٰ جس کا ولی ہوا سے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کا یہ معجزہ تو مشہور ہے کہ نمرود نے آپ کو آگ میں ڈال کر جلانا چاہا، لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وہ آگ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ایسا ہی نمونہ امتِ محمد یہ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ کے ایک بزرگ حضرت ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے لئے ظاہر فرمایا، جس وقت یمن کے جھوٹے نبوت کا دعویٰ کرنے والے اسود عنسی نے انہیں بلا کر اپنی نبوت کا اقرار کروانا چاہا، لیکن انہوں نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد کسی کو نبی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر اسود عنسی نے لکڑیاں جمع کر کے ایک زبردست آگ دہکائی اور حضرت ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو اس میں ڈال دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آگ کو ان کے حق میں بے ضرر بنا دیا، اور یہ اس سے صحیح سالم نکل آئے۔ لوگوں نے اسود عنسی کو مشورہ دیا کہ اب آپ ان کو مزید نہ چھیڑیں، البتہ اگر یہ آپ کے ملک میں رہے تو لوگوں میں آپ کے خلاف فساد مچائیں گے، اس لئے یہاں سے جلاوطن کر دیں چناں چہ اسود عنسی نے حضرت ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو جلاوطن کر دیا۔

یمن سے جلاوطن ہو کر انہوں نے مدینہ طیبہ کا رخ کیا، جب یہ مدینہ طیبہ پہنچے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات ہو چکی تھی اور حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ خلیفہ بن گئے تھے۔ مسجدِ نبوی کے قریب پہنچ کر انہوں نے اپنی اونٹنی کو باندھا اور ایک ستون کی آڑ میں نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے انہیں دیکھا تو پوچھا: ''کہاں سے آئے ہو؟''

انہوں نے جواب دیا: ''یمن سے''

(چوں کہ اس واقعہ کی شہرت مدینہ تک پہنچ چکی تھی کہ اسود عنسی نے ایک مسلمان کو آگ میں ڈالا تھا مگر وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محفوظ رہا) اس لئے حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان سے پوچھا:

''ہمارے اس دوست کا کیا قصہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کے دشمن (اسود عنسی) نے آگ میں ڈالا مگر اسے نقصان نہیں پہنچا؟''

ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے جواب دیا۔ ''وہ واقعہ عبداللہ بن ثوب کے ساتھ پیش آیا۔''[4]

---

[1] البقرۃ: ۲۵۷ [2] الشوریٰ: ۹ [3] الشوریٰ: ۲۸ [4] عبداللہ بن ثوب ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ہی کا نام تھا۔

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: ''قسم کھا کر بتاؤ وہ شخص تم ہی تو نہیں ہو؟''

''ہاں وہ میں ہی ہوں'' ابو مسلم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے جواب دیا۔

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہ سن کر ابو مسلم خولانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی پیشانی کو بوسہ دیا اور انہیں حضرت ابوبکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس لے گئے اور فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے امتِ محمدیہ کے ایسے شخص کو دیکھنے سے پہلے موت نہیں دی جس کے ساتھ بالکل ابراہیم خلیل اللہ عَلَیْہِ السَّلَامُ جیسا معاملہ ہوا۔''

یہ ابو مسلم خولانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی حضرت معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے عہدِ خلافت تک زندہ رہے۔ حضرت معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ان کا بڑا احترام فرماتے تھے، یہ حضرت معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو نرم وگرم نصیحتیں فرماتے رہتے تھے اور وہ ان کی بڑی قدر وانہماک کے ساتھ سنتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے زمانے میں سرکاری ملازمین کو دو یا تین مہینے تک تنخواہیں نہیں ملیں، اسی دوران حضرت معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ایک دن خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت ابو مسلم خولانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے دورانِ خطبہ ہی کہا:

''اے معاویہ! یہ مال نہ تمہارا ہے نہ تمہارے باپ کا، نہ تمہاری ماں کا۔''

حضرت معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے لوگوں کو ٹھہرنے کا اشارہ کیا، اندر تشریف لے جا کر غسل فرمایا اور تھوڑی دیر بعد آ کر کہا: ''لوگو! ابو مسلم نے کہا ہے کہ یہ مال نہ میرا ہے، نہ میرے باپ کا اور نہ میری ماں کا، ابو مسلم نے سچ کہا اور میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ غصہ شیطانی اثر سے ہوتا ہے، اور شیطان آگ سے پیدا ہوا اور پانی آگ بجھاتا ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہئے کہ غسل کر لے۔ اب تم لوگ اپنی اپنی تنخواہیں وصول کر لو، اللہ تعالیٰ برکت دے۔[1]

دعاؤں کو قبول کروانے کے لئے تین تدابیر

❶ پہلی تدبیر یہ ہے کہ ہم شرک سے بچیں اور لوگوں کو بچانے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ کے غیر سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ بھی نہ ہونے کا یقین دل و دماغ میں بٹھائیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے امید نہ رکھیں، اور کسی سے خوف نہ کھائیں۔

❷ چھوٹے بڑے ہر گناہ سے بچیں، گناہ کرتے ہوئے بندہ، بندی کبھی اللہ تعالیٰ کا دوست نہیں بن سکتا، حدیث میں آتا ہے ''إِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ''[2] گناہوں کو چھوڑ دو تم سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے، جو جتنا گناہوں سے بچے گا اتنا ہی وہ اس حدیث کے موافق عبادت گزار بن جائے گا، گناہ سے بچنے والے کی دعا بہت جلد قبول

---

[1] حلية الاولياء: ۱۵۲/۲، رقم: ۱۷۷٦ [2] مسند احمد: ۳۱۰/۲، رقم: ۸۰۳٤

ہوتی ہے، جو اَلْوَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ کو اپنا کارساز بنانا چاہے اور اس کی بات نہ مانے اس کی غلامی میں داخل نہ ہو تو کیسے وہ اپنا کارساز اللہ تعالیٰ کو بنا سکتا ہے۔ جب ہم غلام ہیں، عبد ہیں تو غلام کو اپنے مالک کی چاہت کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا چاہئے۔

جو غلام اپنی آنکھوں کی حفاظت نہ کر سکے، اپنی زبان کو غیبت وفضول گوئی سے نہ بچا سکے، جو باندی اپنے آپ کو بے پردگی سے نہ بچا سکے، وہ اپنے آپ کو بندہ اور بندی کی فہرست میں کیسے شامل کر سکتا ہے۔

۳ کسی پر ظلم کرنے سے بچے، کسی کو نہ ستائے، کسی کا دل نہ دکھائے، کسی کی آہ نہ لے، کسی کو کسی قسم کی بھی اذیت نہ دے، ہماری شریعت میں شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ کسی کو تکلیف دینا ہے۔[۱]

جو "اَلْوَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" نبیوں اور ولیوں کی مدد کرتا رہا وہ اب بھی صالحین بندوں کی مدد اور کام بنانے پر اسی قدرت اور وعدوں کے ساتھ موجود ہے۔ ہم اسی کو کارساز اور ہمدم اور دم ساز سمجھیں۔ ساری حاجات اسی "اَلْوَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے سامنے پیش کریں۔

"اَلْوَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" جب کسی کی مدد کا فیصلہ فرما لے تو خواہ کسی کے اپنے ہی اقرباء رشتہ دار یا جاہ ومنصب والے اس کو ہلاک یا رسوا کرنے کا ارادہ کریں اور ہلاکت اور رسوائی کے سارے اسباب بھی اپنا لیں تب بھی وہ "اَلْوَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" اس کو عزت حفاظت اور نیک نامی کا تاج پہنا دیتا ہے۔

اس لئے ہمیں کبھی کسی مخلوق سے ڈرنا، گھبرانا نہیں چاہئے۔ اپنا ولی اسی "وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ" کو بنانا چاہئے جس کا وہ ولی ہو اس کو مخلوق کی دھمکیوں سے پریشانی لاحق نہیں ہوتی وہ یقین رکھتا ہے کہ یہ دھمکیاں اصل "مَالِكُ الْمُلْكِ" اور میرے ولی کی مرضی کے بغیر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں، لہٰذا کوئی انسان ......، جن، جادوگر......، شیطان کا کوئی چیلہ ......، ہمارا بال بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر بیکا نہیں کر سکتے۔ لیکن ہمیں بھی چاہئے کہ اس "اَلْوَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی مدد ساتھ لینے کے لئے ان صفات سے متصف ہوں، جن پر اس کی مدد کے وعدے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾[۲]

تَرجَمہ: "وہ اس لئے کہ ایمان والوں کا کارساز خود اللہ تعالیٰ ہے۔"

یعنی مسلمان ہمیشہ کامیاب رہتا ہے، اگر دنیا میں مسلمانوں کو وقتی ناکامی بھی ہو جائے تو انجام کار کامیابی ہوگی اور آخرت کی فلاح تو ظاہر ہی ہے، لہٰذا مسلمان ہمیشہ کامیاب رہتا ہے۔[۳]

---

[۱] حقوق العباد کے متعلق ان کتابوں کا مطالعہ ضرور کریں: ① "کسی کو تکلیف نہ دیجئے" ② "مظلوم کی آہ" (مکتبہ بیت العلم ٹرسٹ اردو بازار کراچی) یہ دونوں کتابیں ان شاء اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم کرنے یا کسی کو تکلیف دینے سے بچانے میں مددگار ثابت ہوں گی۔

[۲] محمد: ۱۱ [۳] معارف القرآن: ۲۹/۸

چناں چہ جنگ اُحد میں کافروں کے نعروں کے جواب میں مسلمانوں نے جو نعرے بلند کئے، مثلاً کافروں کا یہ نعرہ ''اُعْلُ هُبُلْ اُعْلُ هُبُلْ'' (ہبل بت کی جے ہبل بت زندہ باد) کے جواب میں مسلمانوں نے:

''اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ'' کا نعرہ بلند کیا۔ اسی طرح ''لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ'' کے جواب میں مسلمانوں کا نعرہ تھا۔

''اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ''...... اللہ ہمارا مددگار ہے تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے۔[1]

پریشانیوں، ...... بے چینیوں......، اُلجھن ...... اور ٹینشن ...... کے وقت سورۂ آل عمران کی آیت ﴿ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾[2] ''مومنوں کا ولی اور سہارا اللہ ہی ہے'' کا مراقبہ دل کی ڈھارس اور تسلی کا سبب بنتا ہے، اور ویسے بھی وقتاً فوقتاً تنہائی میں بیٹھ کر اس آیت کو اور سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۷ کو ترجمہ کے دھیان کے ساتھ آہستہ آہستہ بار بار پڑھیں دل کو عجیب سکون ملے گا۔

اسی طرح دعائے قنوت کا یہ جملہ ''تَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ.'' بہت سکون کا ذریعہ ہے۔ یعنی ''اے اللہ! جن لوگوں کا تو سہارا اور ولی بنا ہے اس میں مجھے بھی شامل فرمادے یہ دعا قبول ہوگی تو بیڑہ پار ہے، جس کا سہارا اور کارساز اللہ بن جائے اُس کی طرف کوئی میلی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔''

فوائد و نصائح

۱ شیخ محمد الحمود النجدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ ربّ العزت کے بندوں میں جو صفتِ ولایت پر قائم ہیں ان کی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور ان کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے محبت رکھتے ہیں اور ان لوگوں سے بھی محبت رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے محبت رکھتے ہیں اور ان لوگوں سے بغض رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے بغض ونفرت رکھتے ہیں اور ان لوگوں سے دوستی اور تعلق رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے تعلق اور محبت رکھتے ہیں اور ان لوگوں سے دشمنی رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے دشمنی رکھتے ہیں۔ اللہ ربّ العزت کی اطاعت گزاری میں لگے رہتے ہیں اور نافرمانی سے بچتے ہیں۔[3]

۲ اس اسم سے تعلق قائم کرنے والوں کو لازم ہے کہ ہر آن، ہر گھڑی اور ہر لمحہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے زیرِ سرپرستی

---

[1] بخاري، المغازي، باب غزوة أحد: ۵۷۹/۲ [2] آل عمرٰن: ۶۸

[3] وَمِنْ صِفَةِ الْوَلِيِّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ: أَنَّهٗ يُحِبُّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى وَرَسُوْلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيُحِبُّ مَنْ يُّحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، وَيُبْغِضُ مَنْ يُّبْغِضُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، وَيُوَالِيْ مَنْ وَالَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، وَيُعَادِيْ مَنْ يُّعَادِي اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، يَعْمَلُ بِطَاعَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَيَنْتَهِيْ عَنْ مَعْصِيَتِهٖ. (النهج الاسمٰى: ۵۳/۲)

سمجھیں ہر خوشی، غمی میں اس بات کا خیال رکھے کہ اللہ میرے مددگار ہیں، اللہ مجھ سے محبت رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا کارساز سمجھیں اور اللہ تعالیٰ ہی کی محبت کو کامل صداقت کے ساتھ دل میں قائم کریں۔ اسے چھوڑ کر اِدھر اُدھر نہ بھٹکیں۔ سینہ میں دل ایک ہی ہوتا ہے۔ اس کو ایک ہی کی نذر کر دیں جو "اَلْوَاحِدُ الصَّمَدُ" ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

۳ جس کو اس نام کی معرفت حاصل ہوگئی وہ کبھی بھی قرآن کریم اور احادیث کا علم رکھنے والے حفاظ اور علماء کرام کی غیبت نہیں کرے گا۔ جن لوگوں نے اللہ کے کلام کو اپنے سینہ میں محفوظ کیا اس کو دنیا میں پھیلانے کی کوشش کی اگر نفس و شیطان نے ان پر حملہ کیا پھر بھی ہمارے لئے غیبت کرنے کا جواز نہیں ہے اس لئے کہ اللہ ہمارا ولی ہے اور جو ولی کے دین کی حفاظت اور اشاعت کرنے والے ہیں ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اُن سے محبت رکھیں۔

اسلام پر ثابت قدمی کی دعا

اس اسم کے متعلق یہ دعا یاد رکھنی چاہئے:

"يَا وَلِيَّ الْإِسْلَامِ وَاَهْلِهٖ ثَبِّتْنِيْ بِهٖ حَتّٰى اَلْقَاكَ." [1]

تَرجَمہ: "اے مالک اسلام کے اور اسلام والوں کے مجھے اسلام پر قائم رکھ، یہاں تک کہ میں تیرے سامنے حاضر ہو جاؤں۔"

---

[1] المعجم الأوسط للطبرانی، من اسمه احمد: ۱۹۷/۱، رقم: ٦٦١

اَلْحَمِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ

(لائقِ حمد وستائش)

اس اسم کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ اَلْحَمِيْدُ: اَلَّذِىْ اسْتَوْجَبَ عَلَيْكُمْ أَيُّهَا الْخَلْقُ الْحَمْدَ بِصَنَائِعِهِ الْحَمِيْدَةِ إِلَيْكُمْ، وَالآئِهِ الْجَمِيْلَةِ لَدَيْكُمْ، فَاسْتَدِيْمُوا ذٰلِكَ أَيُّهَا النَّاسُ بِإِتِّقَائِهِ، وَالْمُسَارَعَةَ إِلٰى طَاعَتِهِ فِيْمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ وَيَنْهَاكُمْ عَنْهُ۔[1]

"اَلْحَمِيْدُ سے مراد وہ ذات ہے کہ جس نے مخلوق پر اپنی تعریف کو واجب قرار دیا ہے۔ اس وجہ سے کہ اس نے اپنی مخلوق پر خوب خوب انعامات کر رکھے ہیں اور احسان کا معاملہ فرمایا ہے۔ تو اس کی نافرمانی سے بچتے ہوئے اس کی تعریف میں مستقل لگے رہو اور اس کی فرماں برداری کی جانب دوڑ کر چلو یعنی جس کا حکم دیا گیا ہے اس کے پورا کرنے کی فکر کرو اور جس چیز سے منع کیا گیا ہے اس سے رک جاؤ۔"

❷ اَلْحَمِيْدُ هُوَ الْمُسْتَحِقُّ لِأَنْ يُّحْمَدَ، لِاَنَّهٗ -جَلَّ ثَنَاؤُهٗ- بَدَأَ فَأَوْجَدَ، ثُمَّ جَمَعَ بَيْنَ النِّعْمَتَيْنِ الْجَلِيْلَتَيْنِ: اَلْحَيَاةِ وَالْعَقْلِ، وَوَالٰى بَيْنَ مَنْحِهِ، وَتَابَعَ آلَاءَهٗ وَمِنَنَهٗ، حَتّٰى فَاتَتِ الْعَدَّ، وَ إِنِ اسْتُفْرِغَ فِيْهَا الْجُهْدُ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَسْتَحِقُّ الْحَمْدَ سِوَاهُ؟ بَلْ لَّهُ الْحَمْدُ كُلُّهٗ لَا لِغَيْرِهِ كَمَا أَنَّ الْمَنَّ مِنْهُ لَا مِنْ غَيْرِهِ۔[2]

"امام حلیمی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: "اَلْحَمِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" وہ ذات ہے جو تعریف کی مستحق ہے۔ اسی نے ساری انسانیت کو وجود بخشا پھر دو عظیم نعمتیں عطا فرمائیں۔ (۱) زندگی (۲) عقل ...... اور اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بل کہ اس کی عطایا پے در پے جاری ہیں، اس کے احسانات و انعامات مسلسل جاری ہیں اور اس قدر ہیں کہ ان کا شمار کرنا ممکن نہیں، اگر کوئی ان نعمتوں کو شمار کرنے کے لئے اپنی ذاتی جدوجہد کو بروئے کار لاتے ہوئے بھی پوری کوشش کر لے تب بھی وہ ان نعمتوں کو شمار ہی نہیں کر سکتا۔

[1] جامع البیان: ۲۰۵/۵

[2] الاسماء للبیہقی: ۵۹، وکذا فی الکتاب الأسنیٰ: ۲۹۴

جو ربّ العزت ایسی کریم ذات ہو کہ جس کی نعمتوں کو گنا ہی نہ جا سکتا ہو، ہر گھڑی ہر ہر انسان پر سینکڑوں نہیں، ہزاروں نہیں بل کہ لاکھوں کروڑں نعمتوں کی بارشیں برسا رہی ہو، اس کے سوا تعریف کا اور کون مستحق ہو سکتا ہے؟

لہٰذا تمام کی تمام تعریفیں صرف اللہ کے لئے ہیں، اللہ تعالیٰ کے غیر کے لئے نہیں، جس طرح کہ تمام احسانات اللہ ربُّ العزت کی طرف سے ہیں غیر کی طرف سے کوئی ایک احسان بھی نہیں ہے۔"

۳ وَهُوَ (الْحَمِيْدُ) أَيْ: أَلْمَحْمُوْدُ فِيْ جَمِيْعِ أَفْعَالِهٖ وَأَقْوَالِهٖ......،وَشَرْعِهٖ وَقَدَرِهٖ......، لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ...... وَلَا رَبَّ سِوَاهُ.[۱]

"امام ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اَلْحَمِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کا معنی یہ ہے کہ اللہ ربّ العزت اپنے تمام کاموں میں اور تمام باتوں میں اور اپنی شریعت اور تقدیر میں لائقِ تعریف وحمد ہیں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی کوئی پروردگار ہے۔"

یعنی ہر ہر کام اس کا قابلِ تعریف ہے...... اس کا ہر ہر قول لائق ستائش ہے...... اللہ کی طرف سے دیا ہوا ہر ہر حکم حکمتوں پر مبنی ہے...... اللہ کا ہر ہر فیصلہ اٹل اور انصاف والا ہے...... ہر ہر مخلوق کو اس نے ٹھیک ٹھیک اندازہ سے پیدا کیا ...... اور مقررہ وقت پر اس کو اپنے فیصلہ کے موافق موت دی، یہ سب امور قابل تعریف ہیں۔

۴ "اَلْحَمِیْدُ فِيْ ذَاتِهٖ وَأَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَأَفْعَالِهٖ، فَلَهُ مِنَ الْأَسْمَآءِ أَحْسَنُهَا، وَمِنَ الصِّفَاتِ أَكْمَلُهَا وَأَحْسَنُهَا، فَإِنَّ أَفْعَالَهُ تَعَالٰى دَآئِرَةٌ بَيْنَ الْفَضْلِ وَالْعَدْلِ."[۲]

"امام سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ اللہ ربّ العزت اپنی ذات، اپنے اسماء، اپنی صفات اور اپنے تمام افعال میں لائقِ حمد وتعریف ہیں، اللہ ربّ العزت کے اسمائے مبارکہ سب ناموں سے اچھے ہیں اور اسی طرح "اَلْحَمِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی صفات سب کی سب کامل اور خوب تر ہیں، اللہ ربّ العزت کے تمام کام احسان اور انصاف پر مبنی ہیں۔"

علامہ ابن قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی "قصیدہ نونیہ" میں فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ "اَلْحَمِیْدُ" ہیں یعنی تمام تعریفیں اسی کی طرف رجوع ہو کر جاتی ہیں، اس لئے کہ جتنے بھی محامد ومحاسن بیان ہونے والے ہیں یا جو گزشتہ زمانوں میں بیان ہو چکے، یہ تمام محامد ومحاسن وجود کائنات کو بھر دیں حتیٰ کہ ان کا شمار واندازہ بھی ممکن نہ رہے تب بھی اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ان تمام تعریفات کے اہل ہیں اور ان ہی کے لائق یہ تعریفات ہیں، پاک ہے وہ ذات اور اسی کے لئے تمام تعریفات ہیں کیوں کہ تمام تعریفات احسان کرنے والے کے لئے ہوا کرتی ہیں۔"[۳]

[۱] تفسیر ابن کثیر: ۳۲۱/۱، البقرۃ: ۲۶۷ [۲] تیسر الکریم: ۶۹۹/۵، البقرۃ: ۲۶۷

[۳] قَالَ ابن القیم رحمه الله فی نونیته:

وَهُوَ الْحَمِيْدُ فَكُلُّ حَمْدٍ وَاقِعٍ أَوْ كَانَ مَفْرُوْضًا مَدَى الْأَزْمَانِ

پس ''الحمید جل جلالہ'' وہ ذات ہے جس کی ایسی صفات اور اسباب حمد ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ محمود ہے اور اگر کوئی اس کی تعریف نہ بھی کرے تو بھی وہ اپنی ذات میں حمید ہے اور محمود وہ ذات ہے جس کے ساتھ تعریف کرنے والوں کی تعریف کا تعلق ہو اور یہی فرق مجید اور ممجد، کبیر اور مکبّر، عظیم اور معظم میں ہے۔'' [۱]

قرآنِ کریم میں کئی جگہوں پر یہ اسم مبارک آیا ہے ان میں سے تین یہ ہیں:

۱ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ [۲]

۲ ﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾ [۳]

۳ ﴿وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ [۴]

الحمید جل جلالہ کے بہترین بندے اس کی حمد و ثناء کرنے والے ہیں

واقعہ نمبر (۲۱): حضرت عبداللہ بن ابی ہذیل کہتے ہیں:

بخت نصر نے دو شیر بھوکے رکھے، پھر انہیں ایک کنوئیں میں ڈالا، اور پھر حضرت دانیال علیہ السلام کو لایا، انہیں ان کے پاس پھینک دیا، اللہ کی قدرت وہ دونوں شیر ذرّہ برابر ہیجان میں نہیں آئے حالاں کہ بھوکا ہونے کی وجہ سے انہیں غیظ وغضب کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی بوٹی بوٹی نوچ لینی چاہئے تھی۔ مگر جتنی دیر اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی دانیال وہاں ٹھہرے۔

پھر انسانوں کی طرح انہیں کھانے پینے کی اشتہاء ہوئی تو اللہ نے ارمیا [۵] نبی کو وحی کی حالاں کہ وہ وہاں سے بہت دور شام کے علاقہ میں تھے، کہ دانیال کے لئے کھانا، پینا تیار کرو۔ ارمیا نے عرض کیا:

''میرے پروردگار! میں شام کی سرزمین مقدس میں ہوں، دانیال سرزمین بابل میں ہیں، جو کہ عراق میں ہے، وہاں

مَلَأَ الْوُجُوْدَ جَمِيْعَهٗ وَنَظِيْرَهٗ مِنْ غَيْرِ مَا عَدٍّ وَلَا حُسْبَانِ
هُوَ أَهْلُهٗ سُبْحَانَهٗ وَبِحَمْدِهٖ كُلُّ الْمَحَامِدِ وَصْفُ ذِي الْإِحْسَانِ

(النونية: ۲/۲۱۵)

[۱] "فَالْحَمِيْدُ الَّذِيْ لَهُ مِنَ الصِّفَاتِ وَأَسْبَابِ الْحَمْدِ مَا يَقْتَضِيْ أَنْ يَّكُوْنَ مَحْمُوْدًا، وَإِنْ لَّمْ يَحْمَدْهُ غَيْرُهٗ فَهُوَ حَمِيْدٌ فِيْ نَفْسِهٖ وَالْمَحْمُوْدُ مَنْ تَعَلَّقَ بِهٖ حَمْدُ الْحَامِدِيْنَ، وَهٰكَذَا الْمَجِيْدُ وَالْمُمَجَّدُ وَالْكَبِيْرُ وَالْمُكَبَّرُ وَالْعَظِيْمُ وَالْمُعَظَّمُ" (النهج الأسمىٰ: ۲/۶۳)

[۲] البقرة: ۲۶۷ [۳] هود: ۷۳ [۴] ابراهيم: ۸

[۵] ارمیاء بنی اسرائیل کے چار بڑے انبیاء میں سے ایک ہیں، انہوں نے یہودا کی مملکت کے خاتمے سے پہلے نبوت کا اعلان کیا تھا اور اس وقت کے بادشاہوں کی ستم رانیوں کو برداشت کرتے رہے تھے۔

رسائی کیسے ہو؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ہمارے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جو کچھ کہا ہے اسے تیار کریں، سواری کا بندوبست ہم خود کریں گے، جو تجھے اور تیار کھانے کو اٹھا لے جائے گی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سواری کا انتظام کر دیا۔ اب وہ کنوئیں کے کنارے کہ جہاں اللہ کے نبی قید تھے، پہنچتے ہیں۔ کنارے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور پکارتے ہیں اور مندرجہ ذیل مکالمہ ہوتا ہے:

دانیال: ''کون ہو؟''

ارمیا: ''میں ارمیا نبی ہوں۔''

دانیال: ''کس لئے تشریف لائے؟''

ارمیا: ''مجھے رب کائنات نے آپ کے لئے بھیجا ہے۔''

دانیال: ''کیا رب ذوالجلال نے میرا ذکر کیا ہے؟''

ارمیا: ''ہاں۔''

(یہ سن کر) دانیال اس طرح اللہ تعالیٰ کی تعریفات کے نغمات بلند کرنے لگے۔[1]

۱ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَا يَنْسٰى مَنْ ذَكَرَهٗ.''

''تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لئے ہیں جو اس کو یاد کرتا ہے وہ اسے نہیں بھولتا۔''

۲ ''وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَا يُخَيِّبُ مَنْ رَّجَاهُ.''

''تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لئے ہیں جو اس کے ساتھ امیدیں وابستہ کرتا ہے وہ اسے نامراد و ناکام نہیں کرتا۔

۳ ''وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ مَنْ تَوَكَّلَ عَلَيْهِ كَفَاهُ.''

''تمام تعریفات اس ذات کے لئے ہیں جو اس پر توکل کرتا ہے تو وہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔''

۴ ''وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ مَنْ وَثَقَ بِهٖ لَمْ يَكِلْهُ اِلٰى غَيْرِهٖ.''

''تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لئے ہیں کہ جو اس پر اعتماد کرتا ہے تو وہ اسے اپنے غیر کے سپرد نہیں کرتا۔''

۵ ''وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ يَجْزِيْ بِالْاِحْسَانِ اِحْسَانًا وَّبِالسَّيِّاٰتِ غُفْرَانًا.''

''تمام تعریفیں اس اللہ کریم کے لئے ہیں جو احسان کا بدلہ احسان سے دیتا ہے اور گناہوں کے بدلہ میں مغفرت عطا کرتا ہے۔''

۶ ''وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ يَجْزِىْ بِالصَّبْرِ نَجَاةً.''

''تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لئے ہیں جو صبر کے بدلہ میں نجات دیتا ہے۔''

[1] یہاں سے ''نو'' ''کلمات حمد'' ذکر کئے جاتے ہیں جس کو نمبروار بیان کیا گیا ہے۔

۷ ”وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ يَكْشِفُ ضُرَّنَا بَعْدَ كَرْبِنَا.“
”تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لئے ہیں جو ہماری پریشانی کے بعد تکلیف کو دور کرتا ہے۔“

۸ ”وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هُوَ ثِقَتُنَا حِيْنَ تَسُوْءُ ظُنُوْنُنَا بِاَعْمَالِنَا.“
”تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لئے ہیں کہ جب ہماری بداعمالیوں کے ساتھ بدگمانیاں بڑھ جاتی ہیں تو ہمارا اس وقت سہارا ہے۔“

۹ ”وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هُوَ رَجَاءُ نَا حِيْنَ تَنْقَطِعُ الْحِيَلُ مِنَّا.“
”اور تمام تعریفات اس اللہ کے لئے ہیں جو ہماری آرزوؤں کا مرکز ہے اور ڈھارس اور تسلی کا سبب ہے اس وقت کہ جب ہماری حیلہ سازیوں کے تمام ظاہری اسباب ختم ہو جاتے ہیں۔“ [۱]

اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے

حضرت مطرف بن عبداللہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کہتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت عمران بن حصین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے مجھے ارشاد فرمایا: ”آج میں تم سے ایسی حدیث بیان کرتا ہوں تا کہ آج کے بعد اللہ تعالیٰ تم کو اس حدیث کی وجہ سے نفع دیں:“

اِعْلَمْ أَنَّ خَيْرَ عِبَادِاللّٰهِ -تَبَارَكَ وَتَعَالٰى- يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْحَمَّادُوْنَ. [۲]

تَرْجَمَۃ: جان لو! کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے وہ ہوں گے کہ جو بہت زیادہ اللہ ربُّ العزت کی حمد و ثناء بیان کرنے والے ہیں، یعنی جو اللہ تعالیٰ کی تعریف سے ہر وقت رطب اللسان رہیں۔

حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اللہ تعالیٰ کے انعامات پر حمد بیان کرنے والے بندوں کی فضیلت میں ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ بندے پر جب بھی کوئی انعام فرمائیں تو بندہ ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ“ کہے مگر بندے کو اس نعمت کے ملنے پر حمد و شکر کی توفیق ہونا اس نعمت سے زیادہ بہتر ہے جو اس کو حاصل ہوئی ہے۔“ [۳]

یعنی اللہ تعالیٰ کا دل میں یہ ڈالنا کہ وہ انسان اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے یہ بذاتِ خود بہت بڑی نعمت ہے اس نعمت سے جو ملی ہے، اس لئے بھی کہ یہ نعمت تو کبھی نہ کبھی فنا ہو جائے گی، لیکن ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ“ کہنے کا ثواب ہمیشہ رہے گا۔

قرآن مجید میں اس اسم مبارک کو دیگر اسمائے حسنیٰ کے ساتھ ملا کر ذکر کیا گیا ہے، مثلاً **حمید** کو کہیں **مجید** کے ساتھ، اور کہیں **غنی** کے ساتھ کہیں **عزیز** اور **ولی** کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس طرح دو اسم مبارک کو ملانے سے معنی میں مزید مراد کی وضاحت ہو جاتی ہے، غور سے پڑھنے والے کو معرفتِ الٰہی میں ترقی محسوس ہوتی ہے، ایمان اور توحید میں

---

[۱] البداية والنهاية: ٣٣/٢ ذكر دانيال عليه السلام   [۲] النهج الأسمىٰ: ٦٠/٢

[۳] وَقَالَ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فِيْ فَضْلِ الْحَمْدِ عَلَى النِّعَمِ: مَا أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلٰى عَبْدٍ نِعْمَةً فَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، إِلَّا كَانَ الَّذِيْ أَعْطَاهُ أَفْضَلَ مِمَّا أَخَذَ. (ابن ماجه، الادب، باب فضل الحامدين، رقم: ٣٨٠٥)

زیادتی ہوتی ہے، تلاوت کے دوران معنی کا خیال رکھنے سے لذتِ مناجات کا لطف دوبالا محسوس ہوتا ہے۔ چناں چہ آیت کریمہ ﴿اَنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ﴾[1] کا معنی یہ ہوگا ''بے شک اللہ بے پروا اور خوبیوں والا ہے۔''

دوسری آیت: ﴿اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ﴾[2] کا معنی ''بے شک اللہ حمد وثنا کے لائق اور بڑی شان والا ہے۔''

تیسری آیت: ﴿الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ﴾[3] کا معنی ''تمام تر تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جو مؤمنین کی سرپرستی و نگرانی فرماتا ہے ان کی مدد اور ان کے حال کی رعایت فرماتے ہوئے ان سے محبت بھی فرماتا ہے اور انہیں اکرام و انعام سے بھی نوازتا ہے۔

چوتھی آیت: ﴿الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ﴾[4] کا معنی یہ ہوگا کہ تمام ستائش اللہ ربّ العزت ہی کے لئے ہے۔ اس کے غلبہ، قوت ودبدبہ پر اور جو اس نے اپنے بندوں کو اپنے کرم سے اعزاز وشرف سے نوازا ہے پھر اپنے لشکر اور جماعت کی مدد وتائید فرمائی۔

اسی کے بارے میں علامہ ابوعبداللہ ابن قیم الجوزی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ ربّ العزت کی صفات میں بعض وہ صفات بھی ہیں جو اکیلی اور الگ ذکر کی جاتی ہیں اور بعض صفات ایسی ہیں جو دوسری صفات کے ساتھ ملائی جاتی ہیں۔ اس وقت ایک اور معنی سمجھ میں آتا ہے جیسے: ''اَلْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ'' ''اَلْعَفُوُّ الْقَدِیْرُ'' ''اَلْحَمِیْدُ الْمَجِیْدُ'' اسی طرح اور بھی بہت سی صفات قرآن مجید میں ملا کر ذکر کی گئی ہیں۔[5]

حمد کا حقیقی مستحق صرف اَلْحَمِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ ہی ہے

ہم جس کی بھی تعریف کرتے ہیں دو وجوہ سے کیا کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ایسی خوبی اور کمال رکھتا ہو جو اس تک ہی محدود ہو اور ہمیں اس کے فضل وکمال کا کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو۔

دوسرے یہ کہ وہ ہمارا محسن ہو اور ہم اعترافِ نعمت کے جذبے سے سرشار ہو کر اس کی خوبیاں بیان کریں۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف ان دونوں حیثیتوں سے ہے۔

یہ ہماری قدر شناسی کا تقاضہ بھی ہے اور احسان شناسی کا بھی کہ ہم اس کی تعریف میں رَطب اللّسان ہوں اور بات صرف اتنی نہیں کہ تعریف اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے لئے ہے بل کہ صحیح یہ ہے کہ تعریف صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ یہ بات کہہ کر ایک بڑی حقیقت سے پردہ اُٹھایا گیا ہے اور وہ حقیقت ایسی ہے کہ جس کی پہلی ہی ضرب سے مخلوق پرستی کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

دنیا میں جہاں، جس چیز، جس شکل میں بھی کوئی حسن کوئی خوبی، کوئی کمال ہے اس کا سرچشمہ ''اَلْحَمِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہی

---

[1] البقرة: ٢٦٧ [2] هود: ٧٣ [3] الشورىٰ: ٢٨ [4] البروج: ٨ [5] النهج الاسمىٰ: ٢/ ٦١، ٦٢

کی ذات ہے۔ کسی انسان، ...... کسی فرشتے، ...... کسی دیوتا، ...... کسی ستارے، ...... غرض کسی مخلوق کا کمال بھی ذاتی نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ بس اگر کوئی ذات ایسی ہے کہ ہم اس کے گرویدہ ...... احسان مند ...... شکر گزار ...... نیاز مند بنیں تو وہ خالقِ کمال ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوگا دنیا میں جہاں کہیں کسی چیز کی تعریف کی جاتی ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے کیوں کہ اس جہانِ رنگ و بو میں جہاں ہزاروں حسین مناظر اور لاکھوں دل کش نظارے اور کروڑوں نفع بخش چیزیں انسان کے دامنِ دل کو ہر وقت اپنی طرف کھینچتی رہتی ہیں اور اپنی تعریف پر مجبور کرتی ہیں۔ اگر ذرا نظر کو گہرا کیا جائے تو ان سب چیزوں کے پردے میں ایک ہی دستِ قدرت کارفرما نظر آتا ہے اور دنیا میں جہاں کہیں کسی چیز کی تعریف کی جاتی ہے اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں جیسے کسی نقش و نگار یا تصویر کی یا کسی صنعت کی تعریف کی جائے کہ یہ سب تعریفیں درحقیقت نقاش اور مصور کی یا صناع کی ہوتی ہیں۔

حمد را با تو نسبتے است دُرست   بردرِ ہر کہ رَفت بر درِ تست[1]

حمد وستائش کا پیارا جملہ

ماہنامہ البلاغ[2] کا ابتدائی جملہ ہمیں بہت ہی پسند ہے، کیا پیارا جملہ ہے، آپ بھی اس کو یاد کر لیجئے اور خط و کتابت کے شروع میں مناسب سمجھیں تو اس کو لکھ لیا کریں۔

”حمد وستائش اس ذات کے لئے ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام اس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔“

”الحمید جل جلالہٗ“ کی تعریف بیان کرنا ہی دراصل دعا مانگنا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی خوب تعریف بیان کی جائے، اس کی خوب حمد و ثناء کی جائے جہاں بیٹھے وہاں اللہ تعالیٰ کی تعریف، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر و استحضار کر کے بیان کرے۔

انسان دو اجزاء سے مرکب ہے۔ ایک بدن دوسرے روح اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قدر و قیمت کے اعتبار سے روح اصل، اعلیٰ اور افضل ہے، بدن محض اس کے تابع اور ادنیٰ درجہ رکھتا ہے، اس ادنیٰ جز کے متعلق بدنِ انسان کی تحقیق کرنے والے اطباء اور اہلِ تشریح نے بتلایا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے تقریباً پانچ ہزار مصالح اور منافع رکھے ہیں۔ اس کے بدن میں تین سو سے زیادہ جوڑ ہیں۔ ہر ایک جوڑ کو اللہ تعالیٰ ہی کی قدرتِ کاملہ نے ایسا مستحکم بنایا ہے کہ ہر وقت کی حرکت کے باوجود نہ وہ گھستا ہے، نہ اس کی مرمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ عادۃً انسان کی عمر ساٹھ ستر سال ہوتی ہے، پوری عمر اس

---

[1] معارف القرآن: ۸۰/۱   [2] جو کہ دارالعلوم کراچی سے شائع ہوتا ہے

کے یہ نرم و نازک اعضاء اور ان کے سب جوڑ اکثر اوقات اس طرح حرکت میں رہتے ہیں کہ فولاد بھی ہوتا تو گھس جاتا، مگر حق تعالیٰ نے فرمایا: ﴿نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ﴾[1]

ترجمہ: ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا اور ہم نے ہی اس کے جوڑ بند مضبوط کیے۔

اسی قدرتی مضبوطی کا نتیجہ ہے کہ عام عادت کے مطابق یہ نرم و نازک جوڑ ستّر برس اور اس سے بھی زیادہ عرصہ تک کام دیتے ہیں۔ انسانی اعضاء میں سے صرف ایک آنکھ ہی کو لے لیجئے۔ اس میں جو اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کے مظاہر موجود ہیں، انسان کو عمر بھر خرچ کر کے بھی ان کا پورا ادراک آسان نہیں۔

پھر اس آنکھ کے صرف ایک مرتبہ کے عمل کو دیکھ کر یہ حساب لگائیے کہ اس ایک منٹ کے عمل میں حق تعالیٰ کی کتنی نعمتیں کام کر رہی ہیں تو حیرت ہوتی ہے، کیوں کہ آنکھ اٹھی اور اس نے کسی چیز کو دیکھا، اس میں جس طرح آنکھ کی اندرونی طاقتوں نے عمل کیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بیرونی مخلوقات کا بھی اس میں بڑا حصہ ہے، اگر آفتاب کی روشنی نہ ہو تو آنکھ کے اندر کی روشنی کام نہیں دے سکتی، پھر آفتاب کے لئے بھی ایک فضاء کی ضرورت ہوتی ہے، انسان کے دیکھنے اور آنکھ کو کام میں لانے کے لئے غذا، ہوا وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ نظر اٹھ کر جو کچھ دیکھتی ہے اس میں پورے عالم کی طاقتیں کام کرتی ہیں۔ یہ ایک مرتبہ کا عمل ہوا، پھر آنکھ دن میں کتنی مرتبہ دیکھتی اور سال میں کتنی مرتبہ، عمر میں کتنی مرتبہ یہ ایسا سلسلہ ہے جس کے اعداد و شمار انسانی طاقت سے خارج ہیں۔

اسی طرح کان، زبان، ہاتھ، پاؤں کے جتنے کام ہیں ان سب میں پورے عالم کی قوتیں شامل ہو کر کام پورا ہوتا ہے، یہ تو وہ نعمت ہے جو ہر زندہ انسان کو میسر ہے۔ اس میں بادشاہ و فقیر، امیر و غریب کا کوئی امتیاز نہیں، اور اللہ جل شانہ کی بڑی بڑی نعمتیں سب ایسی ہی وقفِ عام ہیں کہ ہر فرد انسانی ان سے نفع اٹھاتا ہے، آسمان، زمین ان دونوں میں اور ان کے درمیان پیدا ہونے والی تمام کائنات، چاند، سورج، اور سیارے، ہوا، فضاء کا نفع ہر جاندار کو پہنچ رہا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتیں جو انسانوں میں بتقاضائے حکمت کم و بیش عطا ہوتی ہیں، مال اور دولت، عزت و جاہ، راحت اور آرام سب اسی قسم میں داخل ہیں، اگرچہ یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ عام نعمتیں جو تمام انسانوں میں مساوی اور برابر طور پر مشترک ہیں جیسے آسمان، زمین اور ان کی تمام مخلوقات یہ نعمتیں بہ نسبتِ اُن خاص نعمتوں یعنی مال، دولت وغیرہ کے زیادہ اہم اور اَشرف ہیں، مگر بھولا بھالا انسان تمام افرادِ انسان میں عام ہونے کی بناء پر کبھی ان عظیم الشان نعمتوں کی طرف توجہ بھی نہیں کرتا ہے کہ یہ کوئی نعمت ہے، صرف گرد و پیش کی معمولی چیزیں کھانے پینے، رہنے سہنے، کی خصوصی چیزوں ہی پر اس کی نظر رک جاتی ہے۔

بہر حال یہ ایک سرسری نمونہ ہے، ان نعمتوں کا جو ہر انسان پر ہر وقت مبذول ہیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا ہی چاہئے

---

[1] الدهر: ۲۸

کہ انسان اپنی مقدور بھران احسانات و انعامات کرنے والے کی حمد و ثناء کرے، اور کرتا رہے، اسی تقاضائے فطرت کی تلقین کے لئے قرآن کی سب سے پہلی سورت کا سب سے پہلا کلمہ "اَلْحَمْدُ" لایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کو عبادت میں بڑا درجہ دیا گیا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو کوئی نعمت عطا فرمائیں اور وہ اس پر "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" کہے تو ایسا ہوگیا کہ گویا جو کچھ اس نے لیا ہے اس سے افضل چیز دے دی۔[1]

ایک دوسری حدیث میں ہے: "اگر ساری دنیا کی نعمتیں کسی ایک شخص کو حاصل ہو جائیں اور وہ اس پر "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" کہہ لے تو یہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" ان ساری دنیا کی نعمتوں سے افضل ہے۔"[2]

امام قرطبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" زبان سے کہنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کی ایک نعمت ہے اور یہ نعمت ساری دنیا کی نعمتوں سے افضل ہے۔[3] اور حدیث صحیح میں ہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" سے میزانِ عمل کا آدھا پلہ بھر جاتا ہے۔[4] حمد کی حقیقت حضرت شقیق بن ابراہیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی چیز عطا فرمائے تو:

1. اوّل اس کے دینے والے کو پہچانو۔
2. پھر جو کچھ اس نے دیا ہے اس پر راضی ہو جاؤ۔
3. پھر جب تک تمہارے جسم میں اس کی عطا کی ہوئی قوت و طاقت موجود ہے اس کی نافرمانی کے قریب نہ جاؤ۔[5]

الحمید جل جلالہ کی حمد و ثناء کے فضائل

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تعریف کی ترغیب میں قرآن کریم کی تقریباً تیس آیات ہیں اور احادیث میں بھی کثرت سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے والوں کے فضائل خاص طور سے ذکر کئے گئے ہیں:

1. ایک حدیث میں آیا ہے: "جنت کی طرف سب سے پہلے وہ لوگ بلائے جائیں گے جو ہر حال میں راحت ہو یا تکلیف اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے والے ہوں۔"[6]
2. ایک حدیث میں وارد ہے: "حمد شکر کی ...... اصل اور بنیاد ہے، جس نے اللہ تعالیٰ کی حمد نہیں کی، اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔"[7]
3. ایک حدیث میں ہے: "اگر دنیا ساری کی ساری میری امت میں سے کسی کے ہاتھ میں ہو اور وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہے تو یہ کہنا ان سب سے افضل ہے۔"[8]

---

[1] ابن ماجه، باب فضل الحامدين: ۲۷۰، رقم: ۳۸۰۵ [2] الجامع الصغير، حرف اللام: ۲/۴۵۳ رقم: ۷۳۹۸

[3] قرطبى: ۱/۱۲۳، الفاتحة: ۱ [4] ترمذى، الدعوات، باب فى فضل الوضوء ...... رقم: ۳۵۱۷ [5] تفسير قرطبى: ۱/۱۲۵، الفاتحة: ۱

[6] شعب الايمان: ۶/۲۱۶، رقم: ۴۰۶۳ [7] شعب الايمان: ۶/۲۱۶، رقم: ۴۰۸۵ [8] قرطبى: ۱/۱۲۳

❹ ایک حدیث میں آیا ہے: جب حق تعالیٰ شانہ کوئی نعمت کسی بندے کو عطا فرماتے ہیں اور وہ اس نعمت پر (اللہ تعالیٰ کی) حمد کرتا ہے تو وہ حمد بڑھ جاتی ہے خواہ نعمت کتنی ہی بڑی ہو۔[1]

ایک صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی معیت میں نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے آہستہ سے ...... ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ'' کہا۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے دریافت فرمایا کہ یہ دعا کس نے پڑھی؟

وہ صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس سے ڈرے کہ شاید کوئی نامناسب بات ہوگئی ہو۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ''کچھ مضائقہ نہیں ہے، اس نے بُری بات نہیں کہی۔'' تب ان صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا: ''یہ دعا میں نے پڑھی تھی۔''

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ''میں نے تیرہ (13) فرشتوں کو دیکھا ہے کہ ہر ایک ان میں سے اس کی کوشش کرتا تھا کہ اس کلمہ کو سب سے پہلے وہ لے جائے۔''[2]

❺ یہ حدیث تو مشہور ہے کہ: ''جو (اہم اور ضروری) کام اللہ تعالیٰ کی تعریف کے بغیر شروع کیا جائے گا اس میں برکت نہیں ہوگی۔''[3]

(اسی وجہ سے عام طور پر ہر کتاب اللہ تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ شروع کی جاتی ہے)۔

❻ ایک حدیث میں آیا ہے: ''جب کسی کا بچہ مرجاتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے فرماتے ہیں: میرے بندے کے بچے کی روح نکال لی؟''

وہ عرض کرتے ہیں کہ ''نکال لی''۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: ''اس کے دل کے ٹکڑے کو لے لیا؟''

وہ عرض کرتے ہیں: ''بے شک لے لیا''۔ ارشاد ہوتا ہے: ''پھر میرے بندے نے کیا کہا؟''

عرض کرتے ہیں: ''تیری حمد کی اور ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھا۔''

ارشاد ہوتا ہے:

''اِبْنُوْا لِعَبْدِیْ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَسَمُّوْہُ بَیْتَ الْحَمْدِ'' کہ (اچھا اس کے بدلے میں) جنت میں ایک گھر اس کے لئے بنا دو اور اس کا نام ''بَیْتُ الْحَمْدِ'' (تعریف کا گھر) رکھو۔''[4]

اللہ تعالیٰ کس بندے سے بے حد راضی ہوتے ہیں؟

❼ ایک حدیث میں آیا ہے: ''حق تعالیٰ شانہ اس سے بے حد راضی ہوتے ہیں کہ بندہ کوئی لقمہ کھائے یا پانی کا گھونٹ پیئے اور اس پر ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' کہے۔''[5]

---

[1] ابن ماجه، الادب، باب فضل الحامدين: ٢٦٩ [2] ابن ماجه، الادب، باب فضل الحامدين: ٢٦٩

[3] ابن ماجه، النكاح، باب خطبة النكاح: ١٣٦ [4] مسند احمد: ٥٦٩/٥، رقم: ١٩٢٢٦

[5] مسلم، الذکر، بَابُ استحبابِ حَمدِ اللّٰہ تعالٰی بعد الأکلِ والشُّرب: ٣٥٢/٢

اس لئے ہمیں ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف سکھائی گئی۔ صبح اٹھنے کے بعد جو دعا ہے وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" سے شروع ہوتی ہے۔ کھانے کے بعد کی جو دعا ہے وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" سے شروع ہوتی ہے۔ لباس پہننے کی دعا بھی "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" سے ہی شروع ہوتی ہے۔

۱۰ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَآ اُوَارِیْ بِہٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِہٖ فِیْ حَیَاتِیْ." [۱]

تَرجَمَہ: "تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے کپڑے پہنائے۔ ان کپڑوں سے میں اپنا ستر چھپاتا ہوں اور اپنی زندگی میں ان سے زینت حاصل کرتا ہوں۔"

"حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا روایت کرتی ہیں: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جب کسی پسندیدہ چیز کو دیکھتے تو فرماتے:

۱۱ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصّٰلِحٰتُ."

تَرجَمَہ: "تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جن کے فضل سے تمام نیک کام انجام پاتے ہیں۔"

اور جب کسی ناگوار چیز کو دیکھتے تو فرماتے:

۱۲ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ" [۲]

تَرجَمَہ: "تمام تعریفیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔"

حضرت ابنِ عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کلمہ شکر ہے اور جو بندہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: "شَکَرَنِیْ عَبْدِیْ" میرے بندے نے میرا شکر ادا کیا۔

اسی وجہ سے حمد کو افضل الدعا فرمایا گیا ہے۔

"سب سے افضل ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے اور سب سے افضل دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہے۔" [۳]

کہتے ہیں حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَامُ کا تکیہ کلام تھا بِسْمِ اللّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ آپ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کیا کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نوح عَلَیْہِ السَّلَامُ کو ﴿عَبْدًا شَکُوْرًا﴾ کے اعزاز سے نوازا۔

"حمد" دعا کی قبولیت کے لئے بہترین وسیلہ ہے

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ جو شکر و تعریف کا جامع کلمہ ہے اور ان معجزانہ اور بلیغ کلمات میں سے ہے جن کا کسی اور زبان میں صحیح ترجمہ بے حد مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

حمد ہی وہ بہترین وسیلہ ہے جس کے ذریعہ ایک وفادار بندہ اپنی دعا و مناجات کا آغاز اور قیام و سجود (نماز) کا افتتاح

---

[۱] ترمذی، ابواب الدعوات: ۱۹۶/۲ [۲] ابن ماجہ، الادب، باب فضل الحامدین: ۲۷۰

[۳] ترمذی، ابواب الدعوات، باب ماجاء ان دعوۃ المسلم مستجابۃ: ۱۷٤/۲

کر سکتا ہے۔

پھر نمازی یہ محسوس کرتا ہے کہ جس رب تعالیٰ کی وہ حمد و ثناء بیان کر رہا ہے اور جس کی عبادت میں مشغول ہے، وہ صرف کسی قبیلہ اور قوم، کسی خاندان اور برادری، اور کسی مُلک و وطن کے رب نہیں، بل کہ "رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ" ہے۔

سورۂ فاتحہ کی ابتداء "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" سے ہوئی ہے، اسی طرح سورۂ انعام، سورۂ کہف، سورۂ سبا، سورۂ فاطر کی ابتداء بھی "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" سے ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ہم بندوں سے اپنی ذات کی تعریف مختلف انداز سے اور مختلف عنوانات سے کروائی۔ مختلف جگہوں پر، مختلف نعمتوں کی یاد دہانی کرواتے ہوئے اپنی تعریف کرنے کا طریقہ سکھایا کہ بندہ جتنی تعریف کرے گا اتنی ہی اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی اور محبت سے اطاعت اور اطاعت سے معرفت پیدا ہوگی۔ جنت والوں کے بارے میں قرآنِ کریم نے بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے۔ چناں چہ فرمایا:

﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۗ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ﴾[1]

تَرجَمَہ: "اور کہیں گے اللہ تعالیٰ کا (لاکھ لاکھ) احسان ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا اور اگر اللہ تعالیٰ ہم کو نہ پہنچاتا تو ہماری کبھی (یہاں تک) رسائی نہ ہوتی۔"[2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

۱۳ "اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَالَّذِیْ تَقُوْلُ وَخَیْرًا مِّمَّا نَقُوْلُ."[3]

تَرجَمَہ: "اے اللہ! تیری تعریف ایسی ہے جیسی خود تو نے فرمائی اور اس سے بہتر ہے جو ہم تیری تعریف کریں۔"

۱۴ "اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ شُكْرًا وَّلَكَ الْمَنُّ فَضْلًا."[4]

"اے اللہ! تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں شکر کے ساتھ اور تیرے ہی لئے احسان ہے فضل کے ساتھ۔"

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کے لئے بستر پر تشریف لاتے تب بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء فرماتے ہوئے یہ دعا پڑھتے:

۱۵ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَفَانِیْ وَاٰوَانِیْ اَطْعَمَنِیْ وَسَقَانِیْ وَالَّذِیْ مَنَّ عَلَیَّ فَاَفْضَلَ..... وَالَّذِیْ اَعْطَانِیْ فَاَجْزَلَ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ. اَللّٰهُمَّ رَبَّ كُلِّ شَیْءٍ وَّمَلِیْكَهٗ وَاِلٰهَ كُلِّ شَیْءٍ..... اَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ."[5]

---

[1] الاعراف: ۴۳ [2] بیان القرآن: ۳۲۳ [3] ترمذی، ابواب الدعوات: ۱۹۲/۲
[4] کنزالعمال، کتاب الاذکار: ۸۰/۲، رقم: ۳۶۵۰ [5] ابوداود، الادب، باب ما یقول عند النوم: ۳۳۳/۲، رقم: ۵۰۵۸

ترجمہ: ”تمام تعریفیں اُس اللہ کے لئے ہیں جو میرے لئے کافی ہے، جس نے مجھے ٹھکانا دیا۔ مجھے کھلایا اور پلایا، جس نے میرے اوپر بہترین فضل فرمایا اور جس نے مجھے خوب دیا۔ ہر حال میں تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ اے اللہ! ہر چیز کے رب اور مالک اور ہر چیز کے مولیٰ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں جہنم سے۔“

اور (سنتوں اور نفلوں میں) یا اگر تنہا بغیر جماعت کے فرض پڑھ رہے ہوں تو قومہ میں (رکوع سے سیدھے کھڑے ہوکر) یہ بھی کہیں:

رکوع سے اٹھ کر الحمید جل جلالہٗ کی تعریف کرنا

ہم سب کو چاہئے کہ رکوع سے اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی تعریف ان مسنون دعاؤں کے ذریعہ کریں:

⑯ ”رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ.“[1]

ترجمہ: ”اے ہمارے پروردگار (میں تیری تعریف کرتا ہوں) اور تیرے ہی لئے بہت زیادہ، پاکیزہ، برکت والی تعریفیں ہیں۔“

یا یہ دعا پڑھیں:

⑰ ”رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ...... مِلْأَ السَّمٰوٰتِ ...... وَمِلْأَ الْأَرْضِ ...... وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ ...... اَهْلُ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ ...... اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ ...... وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ ...... اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ ...... وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ ...... وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ.“[2]

ترجمہ: ”اے ہمارے ربّ! تیرے ہی لئے ہے تعریف آسمانوں کو بھرنے کے بقدر اور زمین کو بھر دینے کے بقدر اور اس کے بعد ہر اس چیز کے بھر دینے کے بقدر جو تو چاہے۔ اے حمد وثناء اور عظمت و بزرگی کے مالک! جو کسی بندے نے (تیری شان میں) کہا (تو) اس سے زیادہ کا مستحق (ہے) اور ہم سب تو تیرے ہی بندے ہیں۔

جو تو عطا فرمائے اس کو کوئی منع کرنے والا نہیں اور جو تو منع کر دے اس کا کوئی دینے والا نہیں اور تیرے (قہر و غضب) سے کسی دولت مند کو اس کی دولت بچا نہیں سکتی۔“

حمد وثناء کی دو مختصر، عمدہ اور نفیس دعائیں

سنن ابن ماجہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بارے میں ایک نہایت ہی عمدہ، نفیس اور مختصر دعا موجود ہے، جس کے بارے میں آتا ہے کہ اس دعا کو سن کر دو فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتے ہیں: ”ہم اس کا اجر کیسے لکھیں گے؟“

[1] سنن نسائی، الافتتاح، باب ما یقول المأموم: ١٦٢/١

[2] مسلم، الصلاۃ، ما یقول اذا رفع رأسه من الرکوع، رقم: ٤٧٧

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ”جس طرح میرے بندے نے کہا ہے ویسا ہی لکھو، البتہ اس کا اجر وثواب میں خود اپنے بندے کو اس وقت عطا کروں گا جب وہ میرے سامنے حاضر ہوگا۔“ دعا یہ ہے:

۱۸ ”یَا رَبِّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَلِعَظِیْمِ سُلْطَانِكَ.“[۱]

ترجمہ: ”اے میرے رب! تیرے ہی لئے تعریف ہے جو تیری ذات کی بزرگی اور تیری عظمت کی شان کے مناسب ہو۔“

۱۹ ”اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهٗ..... وَلَكَ الْمُلْكُ كُلُّهٗ..... بِيَدِكَ الْخَيْرُ كُلُّهٗ..... اِلَيْكَ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ..... عَلَانِيَتُهٗ وَسِرُّهٗ..... فَاَهْلٌ اَنْ تُحْمَدَ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ. اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ جَمِيْعَ مَا مَضٰى مِنْ ذُنُوْبِىْ..... وَاعْصِمْنِىْ فِيْمَا بَقِىَ مِنْ عُمْرِىْ..... وَارْزُقْنِىْ عَمَلًا زَاكِيًا تَرْضٰى بِهٖ عَنِّىْ.“[۲]

ترجمہ: ”اے اللہ! تمام تعریفیں آپ ہی کے لئے ہیں اور ساری بادشاہت آپ ہی کے لئے ہے، سارا خیر آپ ہی کے ہاتھ میں ہے، سارے معاملات آپ ہی کی طرف لوٹتے ہیں، ظاہر بھی، پوشیدہ بھی، پس آپ ہی کی ذات حمد وثنا کے لائق ہے۔ بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں، اے اللہ! میرے پچھلے سارے گناہ معاف فرما دیجئے اور میری باقی عمر میں میری حفاظت فرما اور ایسا پاکیزہ عمل نصیب فرما جس سے آپ راضی ہو جائیں۔“

اس دعا کے بارے میں سیّدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: وہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک آواز سنی کہ کوئی یہ دعا پڑھ رہا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ فرشتہ تھا، جو تمہارے پاس اپنے پروردگار کی حمد سکھانے آیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں ان کا کوئی انسان احاطہ نہیں کرسکتا، ہر انسان پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ہزاروں نعمتیں متوجہ ہیں، لہٰذا ہر انسان کو اپنی مقدور بھر ان احسانات و انعامات دینے والے کی حمد وثنا کرتے رہنا چاہئے اور بار بار ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ“ کہتے رہنا چاہئے۔

سورۂ روم کی دو آیتیں جن میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کو بیان فرمایا گیا ہے ان کے صبح و شام پڑھنے کی فضیلت وارد ہوئی ہے:

﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝۱۷ وَلَهُ الْحَمْدُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝۱۸﴾[۳]

ترجمہ: ”پس اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھا کرو جب کہ تم شام کرو اور جب صبح کرو۔ تمام تعریفوں کے لائق آسمان وزمین میں صرف وہی ہے، تیسرے پہر کو اور ظہر کے وقت بھی (اُس کی پاکیزگی بیان کرو)۔“

[۱] ابن ماجہ، الادب، باب فضل الحامدین: ۲۶۹ [۲] مسند احمد، حذیفۃ بن الیمان: ۵/۳۹۶، رقم: ۲۲۸۴۶ [۳] الروم: ۱۷، ۱۸

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: یعنی جنت چاہتے ہو تو اللہ پاک کی یاد کرو جو دل، زبان اور اعضاء و جوارح سب سے ہوتی ہے۔ نماز میں تینوں قسم کی یاد جمع کر دی گئی اور اوقات فرض نماز کے یہ ہی ہیں جو آیت میں بیان ہوئے، یعنی صبح و شام (جس میں مغرب و عشاء شامل ہیں) دن کے پچھلے وقت (عصر) اور دو پہر ڈھلنے کے بعد (ظہر) کی نمازیں ہیں[1] ان اوقات میں حق تعالیٰ کی رحمت یا قدرت و عظمت کے آثار بہت زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ آفتاب عالم اجسام میں سب سے بڑا روشن کرہ ہے جس کے بلاواسطہ یا بالواسطہ فیض و تاثیر سے عالم اسباب میں شاید ہی کوئی مادی مخلوق مستثنیٰ ہو۔ (جیسا کہ ارض النجوم کے مصنف نے بہت شرح و بسط سے اس کو ثابت کیا ہے) اسی بناء پر سیارہ پرستوں نے اسے اپنا معبودِ اکبر قرار دیا تھا۔

جس کی طرف حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَامُ کے قول: ﴿هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ﴾[2] میں اشارہ ہے۔ اس کے عجز و بے چارگی اور آفتاب پرستوں کی اس کے فیض سے محرومی کا کھلا ہوا مظاہرہ بھی ان ہی پانچ اوقات میں ہوتا ہے۔ صبح کو جب تک طلوع نہیں ہوا اور دو پہر ڈھلنے پر جب کہ اس کے عروج میں کمی آنی شروع ہوئی اور عصر کے وقت جب کہ اس کی حرارت اور روشنی میں نمایاں طور پر ضعف آ گیا اور غروب کے بعد جب اس کی نورانی شعاؤں کے اتصال سے اس کے پجاری محروم ہو گئے، پھر عشاء کے وقت جب شفق بھی غائب ہوگئی اور روشنی کے ادنیٰ ترین آثار بھی افق پر باقی نہ رہے۔ ان اوقات میں موحدین کو حکم ہوا کہ خدائے اکبر کی عبادت کریں اور شروعِ صلوٰۃ ہی میں "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہہ کر اس موحدِ اعظم (ابراہیم خلیل اللہ عَلَیْہِ السَّلَامُ) کی اقتداء کرتے رہیں جس نے ﴿هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ﴾ کے بعد فرمایا تھا:

﴿اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾[3]

شاید آیت ہذا میں ﴿وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾[4] فرما کر یہ ہی یاد دلایا ہے کہ تسبیح و تنزیہ اور یاد کرنے کے لائق وہی ذات ہو سکتی ہے جس کی خوبی آسمان و زمین کی کل کائنات زبانِ حال و قال سے بیان کر رہی ہے۔ کوئی مجبور و عاجز مخلوق اس کا استحقاق نہیں رکھتی خواہ وہ دیکھنے میں کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔[5]

انسان اپنے آپ کو تعریف کے قابل اس طرح نہ سمجھے کہ کسی نے مذمت بیان کی تو ناراض ہو جائے بل کہ یہ سوچے کہ تعریف کے قابل تو صرف وہ ہی ذات ہے۔ اپنے کسی عمل پر ناز نہ ہو بل کہ خوف ہو کہ پتہ نہیں کہ قبول بھی ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح کوئی تعریف کرے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھے اور اگر کوئی برائی کرے تو اپنے اعمال کی طرف متوجہ ہو جائے کہ ضرور مجھ سے کوئی گناہ ہو گیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں سے محبت ختم کر دی۔

---

[1] تُمْسُوْنَ میں مغرب وعشاء تُصْبِحُوْنَ میں فجر، عَشِيًّا میں عصر تُظْهِرُوْنَ میں ظہر۔

[2] الانعام: ۷۸ [3] الانعام: ۷۹ [4] الروم: ۱۷ [5] تفسیر عثمانی: ۵۴۰

بے چینی دور کرنے کا بہترین نسخہ

موجودہ نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا ہے وہ اس طرح کہ ایک شخص کی تنخواہ بیس یوم میں ختم ہو جاتی ہے وہ ہر ملنے والے سے یہ کہتا پھرے کہ دس دن بڑے مشکل گزرتے ہیں،......قرضوں کا بوجھ الگ ہے،......مہنگائی الگ ہے تو اگلے ماہ ہوسکتا ہے ۱۹ دن میں تنخواہ ختم ہو جائے اور اس سے اگلے ماہ شاید اٹھارہ دن میں ختم ہو جائے۔

اس کے بجائے وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرے اس کا شکر ادا کرے کہ اللہ کا بہت شکر ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ بیس دن بہت اچھی طرح گزر جاتے ہیں اللہ کی تعریف ہے کہ اس نے مجھے روزگار عطا فرمایا اللہ کی تعریف ہے کہ بیس دن تک تو قرضہ نہیں لینا پڑتا...... ان شاء اللہ تعالیٰ اس تعریف وشکر کرنے پر اگلے ماہ تنخواہ ۲۲ دن چلے گی اور اس سے اگلے ماہ ۲۴/ ۲۶/ ۲۸/ ۳۰ یا تو تنخواہ میں اضافہ ہو جائے یا کوئی اور ذریعہ۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت جتنی بڑھتی رہے گی اتنا ہی مسلمان کا دل اللہ تعالیٰ کے غیر سے خالی ہوتا جائے گا اور اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی شکایت لوگوں سے کرنا چھوڑ دے گا، اور اس کا دل صاف وشفاف ہوگا، اور اس کا دل اقرار واعتراف کرے گا کہ اس ''الحمید جل جلالہ'' ذات کی تعریف کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔ جتنے لوگوں نے بھی آج تک اس کی ثناء وتعریف بیان کی ہے وہ ذات ان تعریف بیان کرنے والوں کی تعریف سے بہت بالاتر ہے (یعنی وہ ذات ان کی تعریف کی محتاج نہ تھی)، اسی کو فرمایا:

''آپ کی تعریف بیان کرنے والے آپ کی تعریف کا حق ادا نہ کر سکے اگرچہ انہوں نے بہت کوششیں کیں۔ اس لئے کہ آپ ان کی تعریفوں سے بہت ہی اونچے ہیں۔''

آپ ہی کے لئے تعریف ہے ایسی تعریف جس کی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہاء اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ جانتا ہے کہ اس کی تعریف کیسے کی جائے۔[1]

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھ کر الحمید جل جلالہ کی تعریف کیجیے

عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ: سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ مِائَةَ مَرَّةٍ، وَإِذَا أَمْسٰى كَذٰلِكَ، لَمْ يُوَافِ أَحَدٌ مِنَ الْخَلَائِقِ بِمِثْلِ مَا وَافٰى."[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے صبح اور شام ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ'' سو مرتبہ پڑھا تو کوئی شخص قیامت کے دن اس سے افضل عمل لے کر نہیں آئے گا سوائے اس

[1] مدارج السالكين: ٢/٢٦٣
[2] ابوداؤد، كتاب الأدب، باب ما يقول اذا اصبح: ٢/٣٣٨

شخص کے جو اس کے برابر یا اس سے زیادہ پڑھے۔'' [1] ابوداؤد کی روایت میں یہ فضیلت "سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ" کے بارے میں آئی ہے۔

واقعہ نمبر (۲۲): ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہوائی تخت پر تشریف لے جا رہے تھے پرندے آپ پر سایہ کئے ہوئے تھے اور جن و انس وغیرہ لشکر بھی قطار میں ادب سے کھڑے تھے، ایک عابد پر گزر ہوا جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس عظیم الشان لشکر کی تعریف کی آپ نے ارشاد فرمایا: ''مؤمن کے اعمال نامہ میں ایک تسبیح سلیمان بن داؤد کے سارے ملک سے اچھی ہے'' کہ یہ بادشاہت ختم ہو جائے گی اور تسبیح باقی رہنے والی چیز ہے۔ [2]

فوائد و نصائح

❶ اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے: وہ اپنے عقائد و اخلاق اور اعمال و اقوال و عبادات سب کو قابل تعریف بنائے تا کہ کچھ حصہ صفت حمید کا اسے بھی نصیب ہو۔

❷ بندہ کو چاہئے تنگی و آسانی میں خوشی و غمی میں غرض ہر حالت میں اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف کرے کیوں کہ'' الحمید جلّ جلالہٗ'' کے سوا کوئی تعریف کے لائق نہیں۔

❸ اسم مبارک'' الحمید جلّ جلالہٗ'' کے تحت جتنی بھی دعائیں مذکور ہیں ہمیں زبانی یاد کر لینی چاہئیں اور ان کو ہمیشہ پڑھتے رہنا چاہئے۔ تقریباً اس اسم کے تحت (۱۹) حمد کے کلمات مذکور ہوئے ہیں ان سب کو یاد کر لیں یہ نہ ہو سکے تو کم از کم دعا نمبر (۱۷) ضرور یاد کر لیں جو نماز میں رکوع کے بعد قومہ میں پڑھی جاتی ہے اس کے تین فائدے ہیں:

(الف) اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تعریف بھی ہوتی ہے۔

(ب) قومہ جو واجبات میں سے ہے صحیح طرح ادا ہو جاتا ہے۔

(ج) اطمینان والی نماز کی سعادت ملتی ہے۔

---

[1] مسلم، باب فضل التهليل والتسبيح والدعاء: ٣٤٤/٢

[2] فضائل اعمال، فضائل ذکر، فصل دوم: ۱۷۳۔

المحصي جل جلالہ

(اپنے علم اور شمار میں سب کچھ رکھنے والا)

اس اسم کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ اَلْمُحْصِيْ "هُوَ الَّذِيْ أَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ بِعِلْمِهٖ فَلَا يَفُوْتُهٗ مِنْهَا دَقِيْقٌ وَلَا يُعْجِزُهٗ جَلِيْلٌ."[1]

"المحصی" وہ ذات ہے جس نے اپنے علم کے مطابق ہر چیز کا احصاء (شمار) کیا ہوا ہے، چھوٹی سے چھوٹی چیز اُس کے علم سے چھوٹ نہیں سکتی اور بڑی سے بڑی چیز اُسے علم میں لانے سے عاجز نہیں کر سکتی۔

❷ اَلْمُحْصِيْ "اَلْعَالِمُ الَّذِيْ يُحْصِي الْمَعْلُوْمَاتِ."[2]

"المحصی" علم رکھنے والی وہ ذات ہے جو تمام معلومات کا احاطہ کرتی ہے۔

❸ اَلْمُحْصِيْ "هُوَ الَّذِيْ بِالظَّاهِرِ بَصِيْرٌ وَبِالسَّرَآئِرِ خَبِيْرٌ."[3]

"المحصی" وہ ذات ہے جو تمام ظاہری چیزوں کو دیکھنے والی ہے اور تمام مخفی اشیاء پر بھی خبردار (واقف) ہے۔

❹ اَلْمُحْصِيْ "هُوَ الَّذِيْ بِالظَّاهِرِ رَاقِبُ أَنْفَاسِكَ، وَبِالْبَاطِنِ رَاعِيْ حَوَاسِكَ."[4]

"المحصی" وہ ذات ہے جو ظاہر میں آپ کے سانسوں کی نگہبانی اور باطن میں آپ کے حواس کی حفاظت فرماتا ہے۔

سورۃ الجن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

﴿وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا﴾[5]

تَرجَمہ: "اور اس کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات خاص ہے جس کے علم میں ہر چیز کے اعداد و شمار ہیں۔ پہاڑوں کے اندر جتنے ذرے ہیں ان کا بھی عدد معلوم ہے اور ساری دنیا کے دریاؤں میں جتنے قطرے ہیں ان کا شمار بھی اس کے علم میں ہے۔ بارش کے قطروں اور تمام دنیا کے درختوں کے پتوں کے اعداد و شمار کا بھی اسی کو علم ہے۔

---

[1] شان الدعاء: ۷۹ [2] شرح الطیبی، باب اسماء اللّٰہ: ۵/۵۰

[3] شرح الاسماء الحسنی للرازی: ۳۰۴ [4] شرح الاسماء الحسنٰی للرازی: ۳۰۴ [5] الجن: ۲۸

واقعہ نمبر (۲۳): حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دیہاتی کے پاس سے گزرے وہ اپنی نماز میں دعا مانگ رہا تھا اور کہہ رہا تھا:

''اے وہ ذات! جس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں ...... اور کسی کا خیال و گمان اس تک نہیں پہنچ سکتا ...... نہ اوصاف بیان کرنے والے اس کے اوصاف بیان کر سکتے ہیں ...... نہ حوادثِ زمانہ اس پر اثر انداز ہو سکتے ہیں ...... نہ اسے گردش زمانہ سے کوئی اندیشہ ہے، جو پہاڑوں کے وزن ...... اور سمندروں کے پیمانے ...... اور بارش کے قطروں کی تعداد ...... اور درختوں کے پتوں کی تعداد ...... کو جانتا ہے، اور ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جن پر رات کی تاریکی چھاتی ہے ...... اور جن پر دن روشنی ڈالتا ہے، ...... اور نہ اس سے ایک آسمان دوسرے آسمان کو چھپا سکتا ہے ...... اور نہ زمین دوسری زمین کو، ...... اور نہ سمندر اس چیز کو چھپا سکتا ہے ...... جو اس کہ تہہ میں ہیں اور نہ کوئی پہاڑ ان چیزوں کو چھپا سکتا ہے ...... جو اس کی سخت چٹانوں میں ہیں ...... تو میری عمر کے آخری حصے کو سب سے بہترین حصہ بنا دے ...... اور میرے آخری عمل کو سب سے بہترین عمل بنا دے ...... اور میرا بہترین دن وہ بنا جس دن میری تجھ سے ملاقات ہو۔''[1]

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے ذمہ لگایا کہ جب یہ دیہاتی نماز سے فارغ ہوجائے تو اسے میرے پاس لے آنا، چناں چہ وہ نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کان سے کچھ سونا ہدیہ آیا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سونا اُسے ہدیہ میں دیا۔ اور پھر فرمایا:

''میں نے تمہیں سونا اس وجہ سے ہدیہ کیا ہے کہ تم نے عمدہ طریقہ سے اللہ تعالیٰ کی ثناء بیان کی ہے۔''

اس دیہاتی نے ایسے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جو کہ اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک المحصی کی جامع تشریح کرتے ہیں۔

اسی طرح بندوں کے اعمالِ خیر وشر کا بھی پورا حساب اور گنتی اس کے پاس محفوظ ہے، اس کا علم ان سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

﴿وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا﴾[2]

ترجمہ: ''اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے لکھ کر۔''

---

[1] ''يَا مَنْ لَّا تَرَاهُ الْعُيُوْنُ وَلَا تُخَالِطُهُ الظُّنُوْنُ وَلَا يَصِفُهُ الْوَاصِفُوْنَ وَلَا تُغَيِّرُهُ الْحَوَادِثُ وَلَا يَخْشَى الدَّوَائِرَ يَعْلَمُ مَثَاقِيْلَ الْجِبَالِ وَمَكَايِيْلَ الْبِحَارِ وَعَدَدَ قَطْرِ الْأَمْطَارِ وَعَدَدَ وَرَقِ الْأَشْجَارِ وَعَدَدَ مَا أَظْلَمَ عَلَيْهِ اللَّيْلُ وَأَشْرَقَ عَلَيْهِ النَّهَارُ وَلَا تُوَارِيْ مِنْهُ سَمَاءٌ سَمَاءً وَّلَا أَرْضٌ أَرْضًا وَّلَا بَحْرٌ مَّا فِيْ قَعْرِهِ وَلَا جَبَلٌ مَّا فِيْ وَعْرِهِ اِجْعَلْ خَيْرَ عُمْرِيْ اٰخِرَهُ وَخَيْرَ عَمَلِيْ خَوَاتِيْمَهُ وَخَيْرَ أَيَّامِيْ يَوْمَ أَلْقَاكَ فِيْهِ.'' (المعجم الاوسط، من اسمه يعقوب: ٦/٤٧٣، رقم: ٩٤٤٨)

[2] نبا: ٢٩

یعنی ہم نے (ان کے اعمال میں سے) ہر چیز کو (ان کے اعمال نامہ میں) لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے۔[1]

جس کو یہ یقین ہو جائے کہ میری نگرانی کی جا رہی ہے، میرے ہر عمل کو محفوظ کیا جا رہا ہے، میری زبان سے نکلنے والے ہر بول کو ریکارڈ کیا جا رہا ہے تو وہ شخص اپنے ہر عمل کا محاسبہ کرتا رہے گا، جہاں غلطی نظر آئی وہاں توبہ استغفار کرے گا، اس لئے کہ جب یہ بات دل کی گہرائیوں میں اتر جائے کہ اللہ جل جلالہٗ کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ ہر چیز کا شمار کرنے والا ہے، میرے ہر حال سے باخبر ہے تو انسان ہر وقت اپنے آپ کو آزمائش میں سمجھے گا۔

المحصی جل جلالہٗ کا نظامِ شماریات کیسا عجیب وغریب ہے، آپ کو دنیا کے کسی کونے میں کوئی پانچ سو (۵۰۰) سال کا بوڑھا نہیں ملے گا کہ فرشتے بھول گئے ہوں اور کہیں کسی کونے میں ایک شخص رہ گیا ہو، نہیں بل کہ دنیا میں ہر آنے والا شخص جتنے سانس لے کر آتا ہے اُس سے ایک سانس نہ کم نہ زیادہ، یہ تو صرف المحصی جل جلالہٗ کے شماریات کا نظام ہے۔

المحصی جل جلالہٗ کی پکڑ کا خوف

واقعہ نمبر ۲۴: امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ہارون الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانے میں پورے عالمِ اسلام کے قاضی القضاۃ تھے، ایک بار ان کے پاس خلیفہ ہارون الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ اور ایک نصرانی کا مقدمہ آیا، امام صاحب نے فیصلہ نصرانی کے حق میں کیا، اس طرح کے درخشاں واقعات تاریخِ اسلام کے ورق ورق پر بکھرے پڑے ہیں، لوگ اس کو ''دورِ ملوکیت'' کہتے ہیں، وہ کس قدر مبارک ''دورِ ملوکیت'' تھا کہ ایک طاقت ور بادشاہ اور خلیفہ اپنی رعایا میں سے ایک غیر مسلم کے ساتھ عدالت کے کٹہرے میں فریق بن کر حاضر ہو، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو فرمانے لگے:

''اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں نے اپنے زمانۂ قضاء میں مقدمات کے فیصلے میں کسی بھی فریق کی جانب داری نہیں کی، حتیٰ کہ دل میں کسی ایک فریق کی طرف میلان بھی نہیں ہوا، سوائے نصرانی اور ہارون الرشید کے مقدمے کے کہ اس میں دل کا رجحان اور تمنا یہ تھی کہ حق ہارون الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو اور فیصلہ حق کے مطابق اسی کے حق میں ہو، لیکن فیصلہ دلائل سننے کے بعد ہارون الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلاف کیا۔''

یہ فرما کر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ رونے لگے اور اس قدر روئے کہ دل بھر آیا۔[2]

فائدہ: اس سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے بلند مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مقدمہ میں دل کا رجحان طبعی طور پر ایک فریق کی طرف تھا اور فیصلہ بھی اس کے خلاف ہوا، لیکن اس طبعی رجحان پر بھی انہیں خوف رہا کہ

[1] معارف القرآن: ۶۵۲/۸، النباء: ۲۹

[2] الدر المختار: ۳۱۳/۴، والقضاء فی الاسلام لعارف النکدی: ۲۵

کہیں پکڑ نہ ہو جائے، "اَللّٰهُ اَكْبَرُ!" زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے!! [۱]

فوائد و نصائح

❶ جس کو اس اسم کی معرفت حاصل ہوگئی، وہ اپنی زبان اور ہاتھ اور وقت کے استعمال میں بہت محتاط رہے گا کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ ہر چیز کے شمار کرنے والے ہر زبان کا بول اور ہاتھ کا استعمال، اور جو عمر کے قیمتی سانس مجھے ملے ہیں وہ سب شمار ہوں گے۔

❷ اس لئے زبان سے غیبت نہ ہو بغیر تحقیق کہ کسی پر الزام نہ لگایا جائے، ایک کی بات سن کر دوسرے کے خلاف بدگمانی نہ اختیار کی جائے۔ ایک شخص رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے پاس آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے وصیت فرما دیجئے آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے چند وصیتیں فرمائیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ "اپنی زبان کو سوائے خیر کے ہر قسم کی بات سے محفوظ رکھو، اس سے تم شیطان پر قابو پالو گے۔" [۲]

اسی طرح وقت کی حفاظت کی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک موقع عطا فرمایا ہے کوئی وقت اس کی یاد کے بغیر نہ گزر جائے۔

❸ کوئی برا خیال دل میں آئے تو فوراً سوچے کہ اگر میں یہ برائی کروں گا، کسی کو تکلیف دوں گا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں تو شمار میں یہ بات آجائے گی اور پھر وہاں روزِ قیامت جواب دینا ہوگا۔

---

[۱] کتابوں کی درسگاہ میں: ۵۷

[۲] مجمع الزوائد، الوصایا، باب وصية رسول الله صلى الله عليه وسلم: ۲۷۹/٤، رقم: ۷۱۱۱

اَلْمُبْدِئُ جَلَّ جَلَالُہٗ، اَلْمُعِيْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(پہلی بار پیدا کرنے والا) (دوبارہ زندہ کرنے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ (اَلْمُبْدِئُ) اَلْمُظْهِرُ لِلشَّيْءِ مِنَ الْعَدَمِ إِلَى الْوُجُوْدِ.[1]

شیخ ابوالقاسم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''اَلْمُبْدِئُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو کسی چیز کو عدم سے وجود کی طرف ظاہر کرتی ہے۔

❷ (اَلْمُعِيْدُ) اَلَّذِيْ يُعِيْدُ الْخَلْقَ بَعْدَ الْحَيَاةِ إِلَى الْمَمَاتِ فِي الدُّنْيَا وَبَعْدَ الْمَمَاتِ إِلَى الْحَيَاةِ فِي الْأُخْرىٰ.[2]

ملا علی قاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''اَلْمُعِيْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو دنیا میں مخلوقات کا حیات سے موت کی طرف اعادہ کرتی ہے اور آخرت میں حیات کی طرف اعادہ کرے گی۔

❸ وَهُوَ الْمُعِيْدُ لِلْمُحْدَثَاتِ بَعْدَ إِنْعِدَامِ جَوَاهِرِهَا وَأَعْرَاضِهَا.[3]

علامہ طیبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''اَلْمُعِيْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو تمام مخلوقات کو باوجود اس کے کہ ان کے جوہر اور عرض بھی ختم ہو چکے ہوں گے دوبارہ پیدا کر دیں گے۔

إِبْدَاء (پہلی مرتبہ وجود میں لانا) اور اِعَادَہ (دوبارہ وجود میں لانا) یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں، ہر انسان خواہ مسلم ہو یا کافر یہ بات مانتا ہے کہ وہ عدم سے وجود میں آیا ہے، یعنی وہ پہلے کچھ نہ تھا اور اب وہ ایک چلتا پھرتا انسان ہے اور یہ بات بھی مانتا ہے کہ ایک نہ ایک دن اُسے ختم ہونا ہے، اس دنیا میں ہمیشہ کے لئے نہیں رہنا۔

اسی طرح اُسے یہ بھی ماننا ہوگا کہ ایک دن مرنے کے بعد بھی دوبارہ زندہ کیا جائے گا، جس ذات نے اسے عدم سے وجود بخشا اور کچھ مدت بعد اس وجود کو وہ ذات ختم کر دے گی، بالکل اسی طرح ایک دن (روزِ قیامت) اُسے دوبارہ زندہ کیا جائے گا، تاکہ اُسے اس دنیا میں کئے ہوئے عمل کا بدلہ مل سکے، اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والے ہیں اور یہ دنیا

[1] شرح الطیبی: باب اسماء اللّٰہ تعالیٰ: ۵۰/۵ [2] مرقاۃ شرح مشکوۃ: ۹۳/۵ [3] ایضًا

دارالعمل (عمل کرنے کی جگہ) ہے دارالجزاء (بدلہ دینے کی جگہ) نہیں، جزاء کے لئے اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ فرمائیں گے۔ اگر دنیا میں اچھا عمل کیا ہوگا تو اُس کا اچھا بدلہ ملے گا اور اگر اچھے اعمال نہیں کئے ہوں گے برے اعمال کئے ہوں گے تو ان کی سزا ملے گی۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ ایمان دار اور بے ایمان برابر ہو جائیں۔ مسلمان اور کافر برابر ہو جائیں۔ اچھے اعمال کرنے والے اور برے اعمال کرنے والے برابر ہو جائیں، بل کہ ہر شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ اُس کے اعمال کے مطابق معاملہ فرمائیں گے اور اس سزا و جزا کے لئے ایک دن کا ہونا ضروری تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ فرمائیں گے، تا کہ ہر انسان کو اُس کے کئے کا بدلہ مل سکے۔

انسان خود سوچے کہ جب وہ کچھ نہیں تھا تو اس ''اَلْمُبْدِئُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے اُسے پیدا کیا، وجود بخشا، بڑا کیا اور ایک دن وہ ذات اس انسان کو ضرور موت دے گی۔ اُس ذات کے لئے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا﴾[۱]

تَرْجَمَہ: ''کبھی گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں جب کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا''

یعنی انسان پر زمانے میں ایک وقت ایسا بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی قابل تذکرہ نہ تھا۔

مطلب یہ کہ انسان نہ تھا بل کہ نطفہ تھا اور اس سے قبل غذا اور اس سے پہلے عناصر کا جزء تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک ایسے امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اگر اس میں ذرا بھی شعور ہو اور کچھ بھی غور کرے تو اس کو اپنی حقیقت کے انکشاف کے ساتھ ساتھ اپنے پیدا کرنے والے اور بنانے والے کے وجود، علم اور قدرت پر مکمل ایمان و یقین کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔

اگر ایک ستّر (۷۰) برس کا انسان اس کا مراقبہ کرے اور اس پر غور کرے کہ اب سے اکہتر (۷۱) برس پہلے اس کا کہیں نام و نشان نہیں تھا اور نہ اس کا کسی عنوان سے کوئی ذکر کرسکتا تھا۔

اس وقت کیا چیز اُس کی ایجاد و تخلیق کی داعی ہوئی اور کس محیر العقول قدرت نے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ذرّات کو اس کے وجود میں سمو کر اس کو ایک ہی ہوشیار...... دانا...... سمیع و بصیر...... انسان بنا دیا؟

یقیناً وہی ''اَلْمُبْدِئُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی ذات ہے جس نے اسے عدم سے وجود بخشا پھر ایک دن موت دینے کے بعد اسی انسان کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا، وہ ذات جس طرح ''اَلْمُبْدِئُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہے اسی طرح ''اَلْمُعِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' بھی ہے، وہ ذات دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح پہلی مرتبہ پیدا کیا اس وقت تو اس انسان کا کوئی نمونہ بھی نہ تھا۔ بغیر کسی نمونے کے پیدا کر کے بڑا کر دیا پھر اس انسان میں مختلف قسم کے مراتب بھی قائم کر دیئے۔ کسی کو

---

[۱] الدھر: ۱

امیر بنا دیا کسی کو غریب...... کسی کو حاکم اور کسی کو ماتحت۔

ہر امیر سے فرمایا کہ غریبوں کا خیال رکھے اپنے مال میں سے اُن کا حق بھی ادا کرے۔ بالکل اسی طرح ہر حاکم کے لئے بھی قانون بنایا کہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ رعایت والا معاملہ رکھے، نرمی اور سہولت والا برتاؤ کرے، جتنے کام کا بوجھ وہ برداشت کر سکتے ہیں اُتنا ہی بوجھ اُن پر رکھیں، زیادہ نہ رکھیں ورنہ ایک دن حساب ضرور ہونا ہے اُس دن ''المُعِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ فرمائیں گے اور انصاف کا ترازو قائم فرمائیں گے۔

چوں کہ اللہ تعالیٰ منصف اور عادل ذات ہیں تو انسانوں کو بھی عدل کا حکم دیا، اسی عدل و انصاف کے بدلے کے لئے قیامت قائم کی جائے گی۔

''المُعِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی نشانیاں

واقعہ نمبر ۲۵: قرآن مجید کے دوسرے پارے میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۴۳ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴾

ترجمہ: ''کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا مر جاؤ پھر انہیں زندہ کر دیا، بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل والا ہے، لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔''

علامہ ابن کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اس آیت کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

''یہ ایک قوم تھی اور ایک شہر میں رہتی تھی۔ بنی اسرائیل کے زمانے میں، ان کے وطن کی ہوا ان کے ناموافق ہوگئی اور ان کو سخت وباء سے دوچار ہونا پڑا۔ موت کے ڈر سے یہ لوگ اپنی بستی سے نکل کھڑے ہوئے۔ کسی صحراء کی طرف بھاگنے لگے، ایک وادی میں پہنچ گئے، جس میں ایک چٹیل میدان تھا، اُس میدان کے دونوں کنارے ان سے بھر گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف دو فرشتے بھیجے، ایک فرشتہ وادی کی نچلی طرف اور دوسرا فرشتہ اوپر کی طرف کھڑا ہوگیا۔ دونوں نے ایک چیخ ماری، ان کی چیخ سے سب لوگ یک لخت مر گئے، کافی عرصہ ان کی موت کو گزر گیا، ان کی اس جگہ پر دیواریں اور قبریں بن گئیں، ان کی لاشیں فناء ہوگئیں۔ ایک زمانے کے بعد بنی اسرائیل کے ایک نبی کا وہاں سے گزر ہوا، جن کا نام حضرت حزقیل عَلَیْہِ السَّلَامُ بتایا گیا ہے۔

اُس نبی نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اِن لوگوں کو اُس کے سامنے زندہ کر دے اللہ تعالیٰ نے اُس نبی کی دعا کو قبول

فرمایا اور ان سے فرمایا کہ یہ کہئے:

"أَيَّتُهَا الْعِظَامُ الْبَالِيَةُ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكِ أَنْ تَجْتَمِعِي."

تَرجَمَہ: "اے پرانی ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ ہر جوڑ کی ہڈی اپنی جگہ جمع ہو جائے۔"

پس ہر جسم کی ہڈیاں آپس میں جمع ہونے لگیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے پیغمبر! یوں کہہ:

"أَيَّتُهَا الْعِظَامُ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكِ أَنْ تَكْتَسِي لَحْمًا وَّعَصَبًا وَجِلْدًا."

تَرجَمَہ: "اے ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم فرماتے ہیں کہ اپنا گوشت پہن لو اور پٹھے اور کھال درست کر لو۔"

وہ نبی دیکھ رہے تھے اور ہڈیاں گوشت پہن رہی تھیں۔ پھر حکم ہوا کہ اے پیغمبر! یوں کہہ:

"أَيَّتُهَا الْأَرْوَاحُ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكِ أَنْ تَرْجِعَ كُلُّ رُوْحٍ إِلَى الْجَسَدِ الَّذِيْ كَانَتْ تَعْمُرُهُ."

تَرجَمَہ: "اے ارواح! تمہیں اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ اپنے ان بدنوں میں لوٹ آؤ جن کی تعمیر و حیات تم سے وابستہ تھی۔"

پس یہ کہنا ہی تھا کہ وہ سب کے سب زندہ ہوکر کھڑے ہوگئے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک لمبی مدت تک موت دینے کے بعد زندہ فرما دیا تھا۔

اُن سب کی زبان پر یہ کلمہ تھا:

"سُبْحَانَكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ."

تَرجَمَہ: "اے اللہ! آپ ہر عیب اور کمی سے پاک ہیں آپ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔"[1]

منکرینِ قیامت پر حجت

یہ واقعہ دنیا کے فلاسفروں اور عقلاء کے لئے دعوتِ فکر اور منکرینِ قیامت پر دلیل قطعی ہونے کے ساتھ ساتھ اس ہدایت پر مشتمل ہے کہ موت کے خوف سے بھاگنا خواہ وہ جہاد سے بھاگنے کی صورت میں ہو یا کسی وباء، طاعون، مرض وغیرہ سے، اللہ تعالیٰ اور اس کی تقدیر پر ایمان رکھنے والوں کے لئے بالکل مناسب نہیں، جس کا یہ ایمان ہو کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے، اس سے ایک سیکنڈ نہ پہلے آسکتی ہے اور نہ ایک سیکنڈ مؤخر ہوسکتی ہے، اس لئے یہ حرکت (بھاگنا) فضول بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بھی۔

"المُعِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" تمام انسانوں کو دوبارہ پیدا فرمائیں گے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ

---

[1] تفسير ابن كثير: ۱۹۹، البقرة: ۲۴۳

ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهُ ﴾[1]

ترجمہ: ”جیسے کہ ہم نے اوّل مرتبہ پیدائش کی تھی اسی طرح دوبارہ کریں گے۔“

علامہ ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”هٰذَا كَائِنٌ لَا مَحَالَةَ يَوْمَ يُعِيْدُ اللّٰهُ الْخَلَائِقَ خَلْقًا جَدِيْدًا كَمَا بَدَأَهُمْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى إِعَادَتِهِمْ.“

ترجمہ: ”یہ ضرور بہ ضرور ہوگا کہ ایک دن اللہ تعالیٰ مخلوقات کو دوبارہ پیدا فرمائیں گے جیسا کہ پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ مخلوقات کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہیں۔“

اور یہ مخلوقات کو دوبارہ پیدا کرنا ضرور بہ ضرور ہوگا، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں سے ایک وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کو تبدیل یا اُس کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ إِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴾

ترجمہ: ”ہم اسے ضرور کرکے ہی رہیں گے۔“[2]

اسی آیت کے تحت امام بخاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

خَطَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ”إِنَّكُمْ مَّحْشُوْرُوْنَ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عُرَاةً غُرْلًا كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ.“[3]

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے خطبہ دیا اور فرمایا: ”بے شک تم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف جمع کئے جاؤ گے ننگے بدن اور بغیر ختنہ کئے ہوئے“ (جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے) ”جیسے ہم نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے، ہم اُسے ضرور کرکے رہیں گے۔“

”اَلْمُعِيْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ تمام مخلوقات کو دوبارہ پیدا کرنے کا وعدہ فرما رہے ہیں کہ مخلوقات کا اعادہ (دوبارہ پیدا کرنا) ہمارے ذمہ وعدہ ہے اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں فرماتے، لہٰذا مؤمن کے لئے واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ”اَلْمُبْدِئُ“ اور ”اَلْمُعِيْدُ“ تسلیم کرے، حشرِ اجساد پر ایمان رکھے اور سمجھ لے کہ اس بارے میں جس قدر شکوک و شبہات اور اعتراضات ہیں وہ سب انسانی علم و قدرت پر وارد ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علمِ کامل اور قدرتِ تامہ ایسے اعتراضات کا محل نہیں بن سکتی، وہ ذات تمام عیوب سے پاک ہے۔

[1] الانبیاء: ۱۰٤ [2] تفسیر ابن کثیر: ۸۸٤، الانبیاء: ۱۰٤ [3] بخاری، التفسیر، الانبیاء: ۲/۶۹۳

فوائد و نصائح

❶ اس دونوں اسموں سے تعلق پیدا کرنے والے کو ضروری ہے کہ دنیاوی زندگی کی قدر کرے اور آخرت کی ہمیشہ کی زندگی کے لئے سرمایہ جمع کرے۔[1]

❷ موجودہ زندگی کے ہر ہر لمحے کو غنیمت سمجھے اور قیمتی بنانے کی کوشش کرے کہ یہ زندگی دوبارہ لوٹ کر نہیں آئے گی۔

❸ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت یہ دعا مانگے کہ جب یہ اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جائے تو اس حال میں لوٹے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو۔ دنیا میں کسی کو اس کی ذات سے معمولی سی تکلیف بھی نہ پہنچے کیوں کہ جس کو ہم سے کوئی تکلیف پہنچی وہ بھی تو اسی اللہ جل جلالہ کی مخلوق ہے جب ''المعید جل جلالہ'' دوبارہ وجود میں تمام انسانوں کو لائیں گے تو اس وقت شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔



[1] شرح اسماء حُسنیٰ: ۲۱۷ (منصور پوری)

اَلْمُحْیِیُ جَلَّ جَلَالُہٗ، اَلْمُمِیْتُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(زندگی دینے والا)　　(موت دینے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلْمُحْیِیْ: هُوَ الَّذِيْ يُحْيِي النُّطْفَةَ الْمَيِّتَةَ فَيُخْرِجُ مِنْهَا النَّسَمَةَ الْحَيَّةَ وَيُحْيِي الْأَجْسَامَ الْبَالِيَةَ بِإِعَادَةِ الْأَرْوَاحِ إِلَيْهَا عِنْدَ الْبَعْثِ." [1]

ترجمہ: "اَلْمُحْیِیُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو مردہ نطفے کو زندہ کرتا ہے، پھر اس میں سے زندہ جان نکالتا ہے اور بوسیدہ جسموں کو ان کی ارواح دوبارہ لوٹا کر قیامت کے دن زندہ کرے گا۔"

❷ "اَلْمُمِيْتُ: هُوَ الَّذِيْ يُمِيْتُ الْأَحْيَاءَ وَيُوْهِنُ بِالْمَوْتِ قُوَّةَ الْأَصِحَّاءِ الْأَقْوِيَاءِ." [2]

ترجمہ: "اَلْمُمِیْتُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو زندوں کو موت دیتا ہے اور موت کے ذریعے تندرست اور طاقتوروں کی قوت کو کمزور کرتا ہے۔"

❸ "اَلْمُحْيِيْ، اَلْمُمِيْتُ: أَيْ بِيَدِهِ الْخَلْقُ وَ إِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ، وَلَا يَحْيَى أَحَدٌ وَلَا يَمُوْتُ أَحَدٌ إِلَّا بِمَشِيَّتِهِ وَقَدَرِهِ. وَلَا يُزَادُ فِيْ عُمُرِ أَحَدٍ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا بِقَضَائِهِ وَقَدَرِهِ" [3]

ترجمہ: علامہ ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "یعنی اسی کے ہاتھ میں پیدا کرنا ہے، اسی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے، کوئی زندہ نہیں رہتا اور نہ کوئی مرتا ہے مگر اُسی کے ارادے اور مقرر کرنے سے، کسی کی عمر نہیں بڑھائی جاتی اور نہ کم کی جاتی ہے مگر اسی کے فیصلے اور مقرر کرنے سے۔"

جسے اَلْمُحْیِیُ جَلَّ جَلَالُہٗ زندہ رکھے

واقعہ نمبر (۲۶): حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو اللہ تعالیٰ نے تمام تر فرعونی تدابیر کے سامنے زندہ رکھ کر دکھا دیا کہ موت کے ظاہری نقشوں میں زندگی عطا فرمانا اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ ہی کی صفت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

[1] شان الدعاء: ۷۹　[2] شان الدعا: ۸۰　[3] تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۳۰، آل عمرٰن: ۱۵۶

﴿اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ۝ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِى الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّىْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ ۝﴾[1]

ترجمہ: ''جب حکم بھیجا ہم نے تیری ماں کو جو آگے سناتے ہیں کہ ڈال اس کو صندوق میں پھر اس کو ڈال دے دریا میں پھر دریا اس کو لے ڈالے کنارے پر اٹھا لے اس کو ایک دشمن میرا اور اس کا اور ڈال دی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے اور تاکہ پرورش پائے تو میری آنکھ کے سامنے۔''

فائدہ: یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (جو اس وقت نوزائدہ بچے تھے) صندوق میں رکھ کر صندوق کو دریا میں چھوڑ دے، دریا کو ہمارا حکم ہے کہ اسے بحفاظت تمام ایک خاص کنارہ پر لگائے گا جہاں سے اس کو وہ شخص اٹھالے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور بچے کا بھی، واقعہ یہ ہے کہ فرعون اس سال نجومیوں کے کہنے سے بنی اسرائیل کے بچوں کو چن چن کر قتل کر رہا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو خوف ہوا کہ فرعون کے سپاہی خبر پائیں گے تو بچے کو مار ڈالیں گے اور والدین کو بھی ستائیں گے کہ ظاہر کیوں نہیں کیا۔ اس وقت حق تعالیٰ کی طرف سے یہ تدبیر الہام ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے صندوق نہر میں ڈال دیا۔

دریا کی ایک شاخ فرعون کے باغ میں گزرتی تھی اس میں سے ہو کر صندوق کنارے جا لگا۔ فرعون کی بیوی حضرت آسیہ نے (جو نہایت پاک باز اسرائیلی خاتون تھیں) بچے کو اٹھا کر فرعون کے سامنے پیش کیا کہ آؤ ہم تم اسے بیٹا بنا لیں۔ فرعون کو بھی دیکھ کر محبت آئی۔ گو اس نے بیٹا بنانے سے انکار کیا (جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے) مگر آسیہ کی خاطر بیٹوں کی طرح پرورش کی اور اس طرح حق تعالیٰ کی عجیب وغریب قدرت کا ظہور ہوا۔

یعنی ہم نے اپنی طرف سے اس وقت مخلوق کے دلوں میں تیری محبت ڈال دی کہ جو دیکھے محبت اور پیار کرے یا اپنی ایک خاص محبت تجھ پر ڈال دی کہ تو اللہ تعالیٰ کا محبوب بن گیا، پھر جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرے بندے بھی کرنے لگتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں تیری محبت ڈال دینا اس غرض سے تھا کہ ہماری نگرانی وحفاظت میں تیری پرورش کی جائے ایسے سخت دشمن کے گھر میں تربیت پاتے ہوئے بھی کوئی تیرا بال بیکا نہ کر سکے۔[2]

المُحیی، المُمِیتُ جلّ جلالہٗ پر صحابۂ کرام کا ایمان

واقعہ نمبر (۴۷): حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''الاصابہ'' میں حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں رومیوں سے جنگ کے دوران آپ چند مسلمانوں کے ساتھ گرفتار ہوئے، شاہ روم نے ان سے کہا: ''آپ نصرانی بن جائیں تو میں آپ کو اپنی حکومت

[1] طٰہٰ: ۳۸، ۳۹
[2] تفسیر عثمانی: ۴۱۹، طٰہٰ: ۳۸، ۳۹

میں شریک کرلوں گا'' لیکن حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے نصرانیت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا:

''لَوْ أَعْطَيْتَنِيْ مَا تَمْلِكُ وَجَمِيْعَ مَا مَلَكَتْهُ الْعَرَبُ عَلٰى أَنْ أَرْجِعَ عَنْ دِيْنِ مُحَمَّدٍ طَرْفَةَ عَيْنٍ مَا فَعَلْتُ''

تَرجَمَہ: ''اگر تو صرف اپنی حکومت ہی نہیں بل کہ سارے عرب کی حکومت بھی مجھے دے دے کہ میں پلک جھپکنے کے برابر محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) کے دین کو چھوڑ دوں۔ تو میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔''

جس کی وجہ سے شاہِ روم نے انہیں تختہ دار پر باندھ کر حکم دیا کہ ان پر تیر برسائے جائیں، لیکن جب دیکھا کہ آپ کے چہرے پر کسی قسم کے خوف کے آثار نہیں ہیں تو وہاں سے انہیں اتارا اور حکم دیا کہ دیگ میں پانی گرم کر کے کھولتے ہوئے پانی میں انہیں ڈال دیا جائے، اس میں ڈالنے کے لئے جب انہیں دیگ کے قریب لے جایا گیا تو رونے لگے، شاہِ روم نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمانے لگے:

''تَمَنَّيْتُ أَنَّ لِيْ مِائَةَ نَفْسٍ تُلْقٰى هٰكَذَا فِى اللّٰهِ''

''رو اس لئے رہا ہوں کہ میری تمنا ہے کہ میری سو جانیں ہوں اور ہر جان قربانی کا اس طرح نذرانہ پیش کر کے اپنے رب تعالیٰ کے حضور حاضر ہو۔'' شاہِ روم کو بڑی حیرت ہوئی، کہنے لگا: تم میرے سر کو بوسہ دے دو، میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ فرمانے لگے: ''صرف مجھے نہیں، میرے ساتھیوں کو بھی''

شاہِ روم نے کہا: ٹھیک ہے، چناں چہ حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس کے سر کو بوسہ دیا اور شاہِ روم نے حسب وعدہ تمام مسلمان قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آکر حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے سر کو بوسہ دیا۔[1]

زندگی اور موت اَلْمُحْيِیْ، اَلْمُمِیْتُ جَلَّ جَلَالُہٗ کے ہاتھ میں ہے

وَاقِعَہ نمبر ۲۸: چوتھی صدی ہجری میں منصور نامی ایک شخص اندلس کا حکمران گزرا ہے، اس نے کسی جرم میں ایک آدمی کو گرفتار کرلیا، مجرم کی والدہ نے بیٹے کی رہائی کے لئے رحم کی اپیل کی جس سے منصور مزید بگڑ گیا اور قلم ہاتھ میں لے کر لکھنا چاہا...... يُصْلَبُ...... ''اسے پھانسی دی جائے۔'' لیکن لکھا...... يُطْلَقُ...... ''اسے رہا کیا جائے۔''

وزیر نے رقعہ لے کر اس کی رہائی کا حکم جاری کیا، منصور نے پوچھا: کیا لکھا؟

کہنے لگا: ''فلاں کی رہائی کے لئے لکھا۔'' منصور بھڑک اٹھا...... مَنْ أَمَرَ بِهٰذَا......؟ ''رہائی کا کس نے کہا ہے؟''

وزیر موصوف نے اس کو پرچی تھمادی جس پر ''اسے رہا کیا جائے۔'' لکھا تھا۔

کہنے لگا:...... وَاللّٰهِ أَخْطَأْتُ لَيُصْلَبَنَّ...... ''اللہ کی قسم! یہ غلطی سے لکھ دیا ہے، اس کو پھانسی دینی ہے'' اور سابقہ

---

[1] الاصابة فى تمييز الصحابة: ٢/٢٩٦، ٢٩٧، رقم الترجمة: ٤٦٢٢

حکم مٹا کر لکھنا چاہا...... **يُصْلَبُ**...... ”اسے پھانسی دی جائے۔“ لیکن لکھا...... **يُطْلَقُ**...... ”اسے رہا کیا جائے۔“

وزیر نے حکم کے مطابق رہائی کا حکم دیا، منصور نے پوچھا: ”کیا لکھا؟“

کہنے لگا: ”فلاں کی رہائی کے لئے لکھا“ منصور آگ بگولا ہوا، اسے پھانسی دینی ہے پھانسی،...... **مَنْ أَمَرَ بِهٰذَا**......؟ ”رہائی کا کس نے کہا ہے؟“

وزیر نے پھر اسی کا لکھا ہوا رقعہ سامنے کیا جس میں رہائی کے لئے لکھا تھا، کہنے لگا: ”یہ غلطی ہوگئی ہے۔“ لیکن تیسری بار بھی اسی طرح ہوا، منصور کے قلم سے پھانسی کے بجائے اس کے لئے آزادی کا پروانہ جاری ہوا، جب تین بار اس طرح ہوا تو تقدیر کے قاضی کے سامنے منصور کو بھی سر تسلیم خم کرنا پڑا، کہنے لگا:

”نَعَمْ! يُطْلَقُ عَلٰى رَغْمِيْ، فَمَنْ أَرَادَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ إِطْلَاقَهٗ لَا أَقْدِرُ أَنَا عَلٰى مَنْعِهٖ“

”اسے میرے نہ چاہنے کے باوجود رہا کر دیا جائے“ اللہ تعالیٰ جس کو رہا کرنا چاہے، میں اسے نہیں روک سکتا ہوں۔“ جسے ”المحیی و الممیت“ رکھے اس کو کون فنا کرسکتا ہے![1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو سمجھانے کے لئے یہی توحید کی دلیل سمجھائی کہ زندہ کرنے والا اور موت دینے والا وہی اللہ تعالیٰ ہے جو میرا رب ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کے سامنے آئے تو سجدہ نہ کیا، نمرود نے دریافت کیا تو فرمایا: ”میں اپنے رب تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتا۔“ نمرود نے کہا: ”رب تو میں ہی ہوں۔“

ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: ”میں حاکم کو رب نہیں کہتا، رب تعالیٰ وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔“ قرآنِ کریم نے سورۂ بقرہ میں اس کو ذکر فرمایا:

﴿إِذْ قَالَ إِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ﴾[2]

ترجمہ: ”جب کہا ابراہیم نے میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔“

نمرود نے دو قیدی منگوا کر بے قصور قیدی کو مار ڈالا اور قصور وار کو چھوڑ دیا اور کہا: دیکھا میں جس کو چاہوں مارتا ہوں جسے چاہوں نہیں مارتا، اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آفتاب کی دلیل پیش فرما کر اس مغرور احمق کو لاجواب کیا اور اس کو ہدایت نہ ہوئی۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”فَهٰذَا جَعَلَ نَفْسَهٗ نِدًّا لِلّٰهِ تَعَالٰى يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ بِزَعْمِهٖ كَمَا يُحْيِي اللّٰهُ وَيُمِيْتُ“

ترجمہ: ”نمرود نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اسی طرح اپنے باطل گمان کے موافق کہہ رہا ہے کہ میں بھی جس کو چاہوں مارنے کا حکم کردوں اور جس کو چاہوں آزاد کر کے

---

[1] جذوة المقتبس في ذكر ولاة الأندلس: ١٨
[2] البقرة: ٢٥٨

زندہ کر دوں۔“

آگے فرماتے ہیں: ”جس طرح بعض مشرکین کی جماعتیں زندگی اور موت دینے میں کواکب اور ستاروں کو ”محیی“ اور ”ممیت“ سمجھتی ہیں۔ یہ سب شرک ہے۔ وہ ان ستاروں کو (نعوذ باللہ) اربابِ مدبرہ سمجھتے ہیں کہ یہ کواکب اس عالم کے لئے مدبر ہیں زندگی اور موت دینے میں وہ اس طرح حق تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔“ [1]

علامہ ابن قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”شرک کرنے والے لوگ مختلف وادیوں میں پریشان پھرتے رہتے ہیں۔“

”مِنهُمْ مَنْ يَزْعَمُ أَنَّ مَعْبُودَهُ الْأَدْنٰى يُقَرِّبُهُ إِلَى الْمَعْبُودِ الَّذِي هُوَ فَوْقَهُ وَالْفَوْقَانِيُّ يُقَرِّبُهُ إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ، حَتّٰى تُقَرِّبَهُ تِلْكَ الْاٰلِهَةُ إِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهُ، فَتَارَةً تَكْثُرُ الْاٰلِهَةُ وَالْوَسَائِطُ وَتَارَةً تَقِلُّ“ [2]

تَرجَمہ: ”ان میں سے بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کا چھوٹا معبود قریب کر دیتا ہے اس معبود سے جو اس کے اوپر ہے اور پھر اوپر والا معبود اس سے قریب کرتا ہے جو اس سے اوپر ہے، یہاں تک کہ وہ تمام معبود اللہ تعالیٰ تک بندے کو پہنچا دیتے ہیں، تو کبھی تو یہ مشرکین کی جماعت اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے بیچ میں بہت سے خداؤں کو واسطے بنا دیتے ہیں اور کبھی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے بیچ میں واسطے کم کر دیتے ہیں۔“

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کی شرک سے حفاظت فرمائے۔ آمین

موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے

واقِعَہ نمبر (۲۹): کوفہ میں ایک مرتبہ طاعون کی وبا پھوٹ پڑی قاضی شریح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا ایک دوست اس وبا سے بچنے کی خاطر نجف چلا گیا۔

قاضی شریح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس کی طرف ایک خط لکھا:

”اَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ الْمَوْضِعَ الَّذِي تَرَكْتَهُ لَا يُقَرِّبُ حِمَامَكَ، وَلَا يَسْلُبُ مِنْكَ أَيَّامَكَ، وَ إِنَّ الْمَوْضِعَ الَّذِي صِرْتَ إِلَيْهِ فِي قَبْضَةِ مَنْ لَا يُعْجِزُهُ طَلَبٌ، وَلَا يَفُوتُهُ هَرَبٌ، وَ إِنَّا وَ إِيَّاكَ لَعَلٰى بِسَاطِ مَلِكٍ وَّاحِدٍ، وَ إِنَّ النَّجَفَ مِنْ ذِي قُدْرَةٍ لَقَرِيْبٌ“ [3]

تَرجَمہ: ”جس جگہ کو تم چھوڑ کر گئے ہو اس نے تیری موت کو قریب نہیں کر دینا تھا اور نہ تیری باقی زندگی کے دن چھین لینے تھے، جتنے سانس اس دنیا میں تم اپنی زندگی کے لائے ہو اتنے سانس پورے کر کے ہی تم کو جانا ہے اور جس جگہ تم نے جا کر پڑاؤ کیا ہے وہ جگہ بھی اس ذات کے قبضے میں ہے جسے کوئی طلب عاجز نہیں کر سکتی اور نہ ہی بھاگنے والا اس کے دائرہ اختیار سے باہر نکل سکتا ہے۔“

[1] الملل والنحل للشهرستاني: ۹۵/۲ [2] الداء والدواء، دمشق: ۲۳۳ [3] صُوَرٌ مِّنْ حَيَاةِ التابعين: ۵۰/۲، ۵۱

یاد رکھو! ہم اور آپ ایک ہی بادشاہ کے دستر خوان پر بیٹھے ہیں۔ بلا شبہ نجف قدرت والے اللہ رب العزت جل جلالہ کے بہت قریب ہے۔''

فائدہ: مارنا اور زندہ رکھنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ بہتیرے آدمی عمر بھر سفر کرتے اور لڑائیوں میں جاتے ہیں، مگر موت گھر میں بستر پر ہی آتی ہے اور کتنے ہی آدمی گھر کے کونے میں پڑے رہنے کے عادی ہوتے ہیں، لیکن اخیر میں اللہ تعالیٰ کوئی سبب کھڑا کر دیتے ہیں کہ وہ باہر نکلیں اور وہیں مریں یا مارے جائیں۔ بندہ کی روک تھام سے یہ چیزیں ٹلنے اور بدلنے والی نہیں۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات، موت سے ڈرنے والوں کے لئے ایک سبق

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات کے وقت فرمایا: ''میرے بدن پر ایک بالشت جگہ تلوار یا نیزہ کے زخم سے خالی نہیں، مگر آج میں ایک اونٹ کی طرح (گھر میں) مر رہا ہوں۔

''فَلَا نَامَتْ أَعْيُنُ الْجُبَنَاءِ'' (خدا کرے یہ دیکھ کر نامردوں کی آنکھیں کھلیں)۔''[1]

حضرت قتیبہ باہلی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ''المحیی، الممیت جل جلالہ'' پر یقین

واقعہ نمبر (۳۰): حضرت قتیبہ باہلی رحمہ اللہ تعالیٰ دین کو پھیلاتے ہوئے ترک سے نکلے اور چین جانے کا ارادہ کیا تو ان کے کسی ساتھی نے مشورہ دیا:

''لَقَدْ أَوْغَلْتَ فِيْ بِلَادِ التُّرْكِ يَاقُتَيْبَةُ! وَالْحَوَادِثُ بَيْنَ أَجْنِحَةِ الدَّهْرِ تُقْبِلُ وَتُدْبِرُ''

ترجمہ: ''تم بہت پھر چکے اے قتیبہ! ترک کے ملک میں اسلام پھیل چکا، اب ہر طرف سازشیں ہو رہی ہیں تم اب آگے مت جاؤ، اب بیٹھ کر کہیں کام کر لو۔''

تو عجیب جواب دیا، اللہ کرے یہ جواب مسلمانوں کے دل میں اتر جائے اور دین پھیلانے کا جذبہ اسی طرح ہمیں بھی بے چین کر دے تاکہ دنیا بھر میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو بلند کرنے کے لئے ہم بھی نکلیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی اشاعتِ دین کے لئے قبول فرمالے۔ (آمین)

تو حضرت قتیبہ نے جواب دیا:

''بِثِقَتِيْ بِنَصْرِاللّٰهِ تَوَغَّلْتُ، وَإِذَا انْقَضَتِ الْمُدَّةُ لَمْ تَنْفَعِ الْعُدَّةُ''[2]

---

[1] ابن كثير: ۱/۴۰۱، البقرة: ۲۴۵

[2] مدرسة الدعاة: ۱۱۲

تَرجَمَہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کے بھروسہ پر اور اس کی مدد پر یقین رکھتے ہوئے میں دین پھیلانے کے لئے نکلتا ہوں اور موت اور زندگی اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی مدت پوری ہوجاتی ہے تو کوئی سبب وسیلہ انسان کو موت سے نہیں بچا سکتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے موت کا جو وقت مقرر ہے وہ نہیں آیا تو کوئی بھی ہمیں موت نہیں دے سکتا، اَلْمُحْیِیْ اور اَلْمُمِیْتُ صرف اور صرف اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ ہے۔

اَلْمُحْیِیْ اور اَلْمُمِیْتُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی نشانی

واقعہ نمبر (۳۱): ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾[۱]

تَرجَمَہ: ”اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟“ جنابِ باری تعالیٰ نے فرمایا: ”کیا تمہیں ایمان نہیں؟“ جواب دیا: ”ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی ......“ فرمایا: ”چار پرندے لو، پھر اُن کو ہلالو اپنے ساتھ، پھر ان کے ٹکڑے کر ڈالو، پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو، پھر انہیں پکارو، تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمتوں والا ہے۔“

حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام حسبِ ارشادِ الٰہی چار جانور لائے ایک مور، ......ایک مرغ، ......ایک کوا، ......ایک کبوتر، ...... چاروں کو اپنے ساتھ مانوس کیا تاکہ پہچان رہے اور بلانے سے آنے لگیں، پھر چاروں کو ذبح کیا پھر ایک پہاڑ پر چاروں کے سر رکھے، دوسرے پہاڑ پر سب کے پر رکھے، تیسرے پر سب کے دھڑ رکھے، چوتھے پر پاؤں رکھے، پھر بیچ میں کھڑے ہوکر ایک کو پکارا اس کا سر اٹھ کر ہوا میں کھڑا ہوا پھر دھڑ ملا پھر پر لگے پھر پاؤں، وہ دوڑتا چلا آیا پھر اسی طرح چاروں آگئے۔[۲]

دواؤں کو زندگی اور موت کا ذریعہ بنانے والا کون؟

واقعہ نمبر (۳۲): حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک مرتبہ شام کے ایک قلعے کا محاصرہ کیا ہوا تھا، قلعہ کے لوگ محاصرہ سے تنگ آگئے تھے، وہ چاہتے تھے کہ صلح ہوجائے، لہٰذا ان لوگوں نے قلعے کے سردار کو حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس صلح کی بات چیت کے لئے بھیجا، چناں چہ ان کا سردار حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خدمت میں آیا، حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی شیشی ہے، حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس سے پوچھا: ”اس شیشی میں کیا ہے اور کیوں لے کر آئے ہو؟“

[۱] البقرة: ۲٦۰ [۲] تفسیر عثمانی: ۵۵ حاشیہ نمبر:٦

اس نے جواب دیا: ’’اس شیشی میں زہر بھرا ہوا ہے اور یہ سوچ کر آیا ہوں کہ اگر آپ سے صلح کی بات چیت کامیاب ہوگئی تو ٹھیک اور اگر بات چیت ناکام ہوگئی اور صلح نہ ہوسکی تو ناکامی کا منہ لے کر اپنی قوم کے پاس واپس نہیں جاؤں گا بلکہ یہ زہر پی کر خودکشی کرلوں گا۔‘‘

تمام صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کا اصل کام تو لوگوں کو دین کی دعوت دینا ہوتا تھا، اس لئے حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے سوچا کہ اس کو اس وقت دین کی دعوت دینے کا اچھا موقع ہے۔ چناں چہ انہوں نے اس سردار سے پوچھا: ’’کیا تمہیں اس زہر پر اتنا بھروسہ ہے کہ جیسے ہی تم یہ زہر پیو گے تو فوراً موت واقع ہو جائے گی؟‘‘

اس سردار نے جواب دیا: ’’ہاں، مجھے اس پر بھروسہ ہے، اس لئے کہ یہ ایسا سخت زہر ہے کہ اس کے بارے میں معالجین کا کہنا ہے کہ آج تک کوئی شخص اس زہر کا ذائقہ نہیں بتا سکا، کیوں کہ جیسے ہی کوئی شخص یہ زہر کھاتا ہے تو فوراً اس کی موت واقع ہو جاتی ہے، اس کو اتنی مہلت نہیں ملتی کہ وہ اس کا ذائقہ بتا سکے، اس وجہ سے مجھے یقین ہے کہ اگر میں اس کو پی لوں گا تو فوراً مر جاؤں گا۔‘‘

حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس سردار سے فرمایا: یہ زہر کی شیشی جس پر تمہیں اتنا یقین ہے ذرا مجھے دو۔ اس نے وہ شیشی آپ کو دے دی، آپ نے وہ شیشی اپنے ہاتھ میں لی اور پھر فرمایا: اس کائنات کی کسی چیز میں کوئی تاثیر نہیں، جب تک اللہ تعالیٰ اس کے اندر اثر نہ پیدا فرما دیں، میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اور یہ دعا پڑھ کر،

’’بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ‘‘

تَرْجَمَہ: ’’اس اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جس کے نام کے ساتھ کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی، نہ آسمان میں اور نہ زمین میں، وہی سننے اور جاننے والا ہے۔‘‘

اس زہر کو پیتا ہوں، آپ دیکھنا کہ مجھے موت آتی ہے یا نہیں؟۔

اس سردار نے کہا: جناب! یہ آپ اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں، یہ زہر تو اتنا سخت ہے کہ اگر انسان تھوڑا سا بھی منہ میں ڈال لے تو ختم ہو جاتا ہے اور آپ نے پوری شیشی پینے کا ارادہ کرلیا۔ حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: ان شاء اللہ مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ چناں چہ دعا پڑھ کر زہر کی پوری شیشی پی گئے۔

اللہ تعالیٰ کو اپنی قدرت کا کرشمہ دکھانا تھا۔ اس سردار نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پوری شیشی پی گئے لیکن ان پر موت کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے، وہ سردار یہ کرشمہ دیکھ کر مسلمان ہوگیا۔ چوں کہ حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا یقین اللہ تعالیٰ پر پختہ تھا کہ وہی ذات محیی اور ممیت ہے اور بذاتِ خود اس زہر میں موت اور حیات دینے کی طاقت نہیں۔ اس لئے انہوں نے بغیر کسی تأمل کے زہر پی لیا۔[1]

---

[1] الاصابة فی تمییز الصحابة: ٤١٤/١

موت وحیات کا مالک

وَاقِعَہ نَمبر (۳۳): موت وحیات اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ جب موت دینے کا ارادہ کرلے تو حیات کے جتنے بھی اسباب ہوں وہ ان ہی اسباب کو موت کا ذریعہ بنا دیتے ہیں۔

گوکرت (جگہ کا نام) کے قریب قومی شاہراہ پر کوئٹہ سے صادق آباد جانے والی مسافر کوچ کی چھت پر سوار چار مسافروں کو زہریلے سانپ نے ڈس لیا، جس کے باعث وہ موقع پر ہی ہلاک ہوگئے۔ تفصیلات کے مطابق مسافروں سے بھری ہوئی ایک کوچ کوئٹہ سے صادق آباد جارہی تھی، گوکرت کے قریب کوئٹہ سبی قومی شاہراہ پر ایک شاہین زہریلے سانپ کو اپنے پنجوں میں دبائے فضا میں اڑ رہا تھا کہ اچانک سانپ بس کی چھت پر آگرا اور یکے بعد دیگرے چھت پر سوار چار مسافروں کو ڈس لیا۔ مسافروں کی چیخ و پکار سن کر ڈرائیور نے گاڑی روکی جس کے بعد مسافروں نے سانپ کو ہلاک کردیا۔[1]

آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا

وَاقِعَہ نَمبر (۳۴): ماڑی پور روڈ کراچی پر مسافر بس سے ڈاکوؤں سے لٹنے کے خوف سے فرار ہونے والے شخص کو دوسری بس نے کچل دیا۔

یہ ۴۵ سالہ شخص بس میں ڈاکوؤں کی لوٹ مار کے دوران اپنی حفاظت کی غرض سے چلتی بس سے کود پڑا اچانک پیچھے سے آنے والی بس سے کچلا گیا اور اس طرح موت کے شکنجے میں جا پھنسا۔[2]

ایک معتمد شخص نے یہ عجیب واقعہ سنایا:

کراچی قائد آباد کے قریب ایک تین منزلہ عمارت کے بیرونی حصہ پر کام کرنے والا مزدور عمارت کی آخری منزل سے اچانک گرا، لیکن نیچے ریت کا ڈھیر موجود ہونے کی وجہ سے بچ گیا۔ محلے کے لوگوں نے اس مزدور سے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں دوبارہ زندگی دی ہے اسی خوشی میں مٹھائی کھلاؤ۔

مزدور جب مٹھائی لینے کے لئے روڈ پار کرنے لگا تو ایک بس کے ٹکر مارنے سے وہیں پر گر پڑا اور اس دنیا سے چل بسا۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ کے واقعات قرآنِ کریم میں بیان فرماتے ہیں، یہ واقعات ہمارے لئے عبرت ہیں کہ ہم اپنا یقینِ کامل پیدا کریں کہ زندگی اور موت صرف اور صرف اسی "مُحْیِی اور مُمِیت جَلَّ جَلَالُہٗ" کے ہاتھ میں ہے جب تک وہ "اَلْمُحْیِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ" زندہ رکھنے کا فیصلہ کرلے تو وہ زندہ رہے گا اور جب وہ "اَلْمُمِیْتُ جَلَّ جَلَالُہٗ" موت دینے کا

---

[1] بشکریہ ماہنامہ الفاروق		[2] بشکریہ روزنامہ اسلام

فیصلہ کرلے تو موت آجائے گی۔

ایک چھوٹے سے کنکر میں موت کی تاثیر رکھنے والا

واقعہ نمبر ۳۵: سورۂ بروج کے شانِ نزول کے بارے میں ترمذی شریف میں ایک واقعہ مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: ملکِ یمن کا ایک کافر بادشاہ تھا جس کا نام یوسف ذونواس تھا، اس کا زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے ستر سال پہلے کا تھا، اس کے پاس ایک کاہن تھا یا ساحر تھا، جب ساحر (جادوگر) کی موت کا وقت قریب ہوا تو اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ ایک ہوشیار، ہونہار لڑکا مجھے دیا جائے تو میں اس کو اپنا علم سکھا دوں تاکہ میرے بعد یہ علم مٹ نہ جائے۔ چناں چہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا، جو روزانہ ساحر کے پاس جاکر اس کا علم سیکھتا تھا۔ راستہ میں ایک عیسائی راہب رہتا تھا جو اس وقت کے اعتبار سے دینِ حق پر تھا۔ لڑکا اس کے پاس بھی آنے جانے لگا اور خفیہ طور سے راہب کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا اور اس کے فیضِ صحبت سے ولایت وکرامت کے درجہ کو پہنچا۔ ایک روز لڑکے نے دیکھا کہ کسی بڑے جانور (شیر وغیرہ) نے راستہ روک رکھا ہے جس کی وجہ سے مخلوق پریشان ہے۔ اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعا کی:

اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مارا جائے۔ یہ کہہ کر پتھر پھینکا جس سے اس جانور کا کام تمام ہوگیا۔ لوگوں میں شور ہوا کہ اس لڑکے کو عجیب علم آتا ہے کسی اندھے نے سن کر درخواست کی کہ میری آنکھیں اچھی کردو۔ لڑکے نے کہا: اچھی کرنے والا میں نہیں وہ "اَللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ" ہے۔ اگر تو اس پر ایمان لے آئے تو میں دعا کروں، امید ہے وہ تجھ کو بینا کردے گا، چناں چہ ایسا ہی ہوا۔

شدہ شدہ یہ خبریں بادشاہ کو پہنچیں، اس نے برہم ہوکر لڑکے کو مع راہب اور اندھے کے طلب کرلیا اور کچھ بحث و گفتگو کے بعد راہب اور اندھے کو قتل کردیا اور لڑکے کی نسبت حکم دیا کہ اونچے پہاڑ سے گراکر ہلاک کردیا جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ جو لوگ اس کو لے گئے تھے، سب پہاڑ سے گر کر ہلاک ہوگئے اور لڑکا صحیح وسالم چلا آیا۔ پھر بادشاہ نے دریا میں غرق کرنے کا حکم دیا، وہاں بھی یہی صورت پیش آئی کہ لڑکا صاف بچ کر نکل آیا اور جو اسے لے گئے تھے وہ سب دریا میں ڈوب گئے۔

آخر لڑکے نے بادشاہ سے کہا: "میں خود اپنے مرنے کی ترکیب بتلاتا ہوں۔ آپ سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کریں ان کے سامنے مجھ کو سولی پر لٹکائیں اور یہ لفظ کہہ کر مجھے تیر ماریں: "بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ" (اس اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے) چناں چہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور لڑکا اپنے رب کے نام پر قربان ہوگیا۔"[1]

---

[1] ترمذی، التفسیر: ۲/۱۷۱، ۱۷۲

یہ عجیب واقعہ دیکھ کر یک لخت لوگوں کی زبان سے ایک نعرہ بلند ہوا: "آمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ" (ہم سب لڑکے کے رب پر ایمان لائے) لوگوں نے بادشاہ سے کہا: لیجئے جس چیز کی روک تھام کر رہے تھے وہی پیش آئی پہلے تو کوئی اکا دکا مسلمان ہوتا تھا اب خلقِ کثیر نے اسلام قبول کر لیا۔ بادشاہ نے غصہ میں آکر بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں اور ان کو خوب آگ سے بھروا کر اعلان کیا: جو شخص اسلام سے نہ پھریگا اس کو ان خندقوں میں جھونک دیا جائے گا۔ آخر لوگ آگ میں ڈالے جارہے تھے، لیکن وہ اسلام سے نہیں ہٹتے تھے۔ ایک مسلمان عورت لائی گئی جس کے پاس دودھ پیتا بچہ تھا شاید بچہ کی وجہ سے آگ میں گرنے سے گھبرائی مگر بچے نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آواز دی:

"اُمَّاہُ اِصْبِرِیْ فَاِنَّكِ عَلَی الْحَقِّ"[۱]

تَرْجَمَۃ: "اماں جان! صبر کر یقیناً تو حق پر ہے۔"

فَائِدَہ: معلوم ہوا کہ زندہ رکھنا اور موت دینا صرف اُسی "اَلْمُحْيِيْ اور اَلْمُمِيْتُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہی کا کام ہے، بندہ اُس کی مرضی کے بغیر کچھ بھی نہیں کرسکتا، لہٰذا اُسی "اَلْمُحْيِيْ و اَلْمُمِيْتُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہی کی اطاعت اور فرمان برداری کرنی چاہئے۔

موت سے کوئی نہیں بچ سکتا

وَاقِعَہ نَمْبَر (۳۶): موت کا علاج بڑے بڑے سائنسدان اور فلسفی نہیں کرسکے۔ کہتے ہیں کہ افلاطون نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ موت کا علاج کرسکتا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس کو موت کا آخری وقت اور آخری لمحہ بتا دیا جائے۔ اس کی دعا قبول ہوگئی اور اس نے موت سے بچنے کا علاج اس طرح ڈھونڈا کہ طے شدہ وقت پر موت سے بچنے کے لئے اپنی شکل کی اٹھارہ مورتیاں بنائیں۔ ان تمام کو سلیقے سے کرسیوں پر رکھا، اور ایک کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب ملک الموت آئے تو وہ دیکھ کر حیران ہوگا کہ یہاں تو بہت سے افلاطون موجود ہیں میں کس کی روح قبض کروں۔

فرشتے کو اسی الجھن میں دیر ہو جائے گی اور موت کا آخری مقررہ لمحہ گزر جائے گا۔ اس طرح وہ مرنے سے بچ جائے گا۔ چناں چہ وقت مقررہ پر موت کا فرشتہ آیا اور دیکھ کر بولا: "اے افلاطون! تو نے بڑا ہی کمال کر دکھایا ہے لیکن پھر بھی ایک فرق رہ گیا ہے۔" اس پر افلاطون بول پڑا: "وہ کون سا ہے؟"

فرشتے نے کہا: "یہی فرق ہے کہ تو ناطق (بولنے والا) اور دیگر ناطق نہیں ہیں۔" اس طرح یہ مدعی بھی اپنے دعویٰ میں ناکام رہا۔

خلاصہ یہ کہ موت سے کسی کو مفر نہیں، لہٰذا ہر شخص کو اپنے انجام کی فکر کرنا چاہئے۔

؎ موت کو سمجھا ہے غافل اختتامِ زندگی ‌‌ ‌ ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

[۱] تفسیر ابن کثیر: ۱٤۲٤، البروج: ۱ تا ۱۰

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر سونے کے لئے تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے:

"اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰى"

ترجمہ: "اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں اور جیتا ہوں۔"

اور جب سوکر اٹھتے تو یوں فرماتے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ."[1]

ترجمہ: "تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہمیں سلانے کے بعد جگایا اور اسی کی طرف (قیامت کے دن) زندہ ہوکر جانا ہے۔"

فوائد ونصائح

1. بندہ کا ان دونوں اسموں میں سے حصہ یہ ہے کہ اپنی زندگی اور موت کو اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں سمجھے۔ بیماری، پریشانی میں شرکیہ تعویذ گنڈے، ...... کاہنوں نجومیوں سے خبریں معلوم کروانا ...... وغیرہ امور سے بچیئے، اس لئے کہ کوئی جن، ...... کالا علم، ...... جادو، ...... یہ مقررہ وقت سے پہلے مار نہیں سکتے، اور مقررہ وقت کے آنے پر شرکیہ تعویذ یا مزارات پر جاکر چادریں چڑھانا، یا غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا، یا پیر فقیر کے نام کی نیاز کرنا، وغیرہ زندگی میں اضافہ نہیں کر سکتے، پھر کتنی کم قسمتی کی بات ہوئی کہ زندگی کے اخیر لمحات میں غلط قسم کے عاملین، پروفیسر، جاہل پیر، اور مزارات پر جاکر شرک میں مبتلا ہوکر ان سے شفا اور زندگی کی بھیک مانگی جائے۔
2. اس عارضی زندگی کو اللہ جل جلالہ کی رضا کی طلب میں خرچ کرکے آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کو سنوارے۔
3. اللہ تعالیٰ سے موت بھی ایسے مانگے کہ ایمان پر خاتمہ نصیب ہو اور جب دنیا سے رخصت ہو تو ایمان کے ساتھ اور اعمال واخلاق میں ترقی کے ساتھ دوسروں کے لئے بہترین نمونہ بن کر دنیا سے رخصت ہو۔

---

[1] بخاری، الدعوات، باب وضع الید تحت الخد الیمنٰی: ۹۳۴/۲

الحیّ جلّ جلالہٗ، القیوم جلّ جلالہٗ

(ہمیشہ زندہ رہنے والا) (سب کو قائم رکھنے والا)

"الحیّ جلّ جلالہٗ" کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ "(اَلْحَيُّ) فَإِنَّهُ يَعْنِي الَّذِي لَهُ الْحَيَاةُ الدَّائِمَةُ، وَالْبَقَاءُ الَّذِي لَا أَوَّلَ لَهُ يُحَدُّ، وَلَا آخِرَ لَهُ يُؤْمَدُ إِذْ كَانَ كُلُّ مَا سِوَاهُ فَإِنَّهُ وَ إِنْ كَانَ حَيًّا فَلِحَيَاتِهِ أَوَّلٌ مَحْدُوْدٌ، وَآخِرٌ مَامُوْدٌ، يَنْقَطِعُ بِانْقِطَاعِ أَمَدِهَا، وَيَنْقَضِي بِانْقِضَاءِ غَايَتِهَا"

ترجمہ: "امام طبری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الحیّ جلّ جلالہٗ" رب تعالیٰ کا اسم مبارک ہے اور یہ اس ذات پر بولا جاتا ہے جس کا وجود اور جس کی حیات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہو اور اسے ایسی بقا حاصل ہو جس کی ابتداء کی کوئی حد ہی نہ ہو اور نہ ہی اس کی حیات کی کوئی انتہاء ہو، جب کہ اس کے سوا عالم میں جو کوئی بھی زندگی کی حامل ذات ہے اس کی ابتداء کی بھی حد ہے اور انتہاء بھی مقرر ہے، جب مدتِ حیات پوری ہو جائے گی تو وجود بھی ساتھ چھوڑ دے گا اور مدت کے ختم ہونے پر زندگی بھی ختم ہو جائے گی۔"

۲ "امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الحیّ" اللہ ربّ العزت کی صفت ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جو ہمیشہ سے موجود ہو اور ہمیشہ سے زندہ ہو زندگی اسے عدم کے بعد نہ ملی ہو (بل کہ ہمیشہ سے موجود ہو) اور نہ ہی زندگی کے بعد اس پر موت آ سکتی ہو (بل کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہی رہے) جب کہ باقی تمام زندوں پر زندگی کی ابتداء سے پہلے عدم طاری ہوتا ہے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہوتا بل کہ زندگی کے بعد موت کا آنا لازمی ہوتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾[1] "ہر چیز ختم ہوگی سوائے اُس کی ذات کے"[2]

[1] القصص: ۸۸

[2] "(اَلْحَيُّ) مِنْ صِفَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى: هُوَ الَّذِي لَمْ يَزَلْ مَوْجُوْدًا وَبِالْحَيَاةِ مَوْصُوْفًا، لَمْ تَحْدُثْ لَهُ الْحَيَاةُ بَعْدَ مَوْتٍ، وَلَا يَعْتَرِضُهُ الْمَوْتُ بَعْدَ الْحَيَاةِ، وَسَائِرُ الْأَحْيَاءِ يَعْتَوِرُهُمُ الْمَوْتُ أَوِ الْعَدَمُ فِيْ أَحَدِ طَرَفَيِ الْحَيَاةِ أَوْ فِيهِمَا مَعًا ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ (القصص: ۸۸، النهج الأسمیٰ: ۲/۶۹)

۳ "اَلْحَيُّ: أَيِ الْحَيُّ فِيْ نَفْسِهِ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ أَبَدًا"[۱]

ترجمہ: "علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اَلْحَيُّ" کا معنی یہ ہے کہ "الحی جل جلالہٗ" وہ ذات ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہیں آئے گی وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا، اسے موت اور فنا نہیں۔"

"القیوم جل جلالہٗ" کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ قَالَ الْبَيْهَقِيُّ -رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی-: "(اَلْقَيُّوْمُ) هُوَ الْقَائِمُ الدَّائِمُ بِلَا زَوَالٍ."[۲]

ترجمہ: "قیوم وہ ذات ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور کبھی بھی اس پر فنا طاری نہیں ہوسکتا۔"

۲ "هُوَ الْمُدَبِّرُ وَالْمُتَوَلِّيْ بِجَمِيْعِ مَا يَجْرِيْ فِي الْعَالَمِ. وَهُوَ عَلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى مِنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ."[۳]

ترجمہ: "بعض حضرات نے فرمایا: "قیوم کے معنی یہ ہیں کہ جو عالم میں جاری تمام امور کا منتظم و نگراں ہو۔"

اور اس معنی کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ یہ صفت صفاتِ افعال میں سے ہے۔"

۳ "(اَلْقَيُّوْمُ) مِنْ قَامَ، أَيِ الْقَائِمُ بِتَدْبِيْرِ مَا خَلَقَ."[۴]

ترجمہ: "امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ "القیوم" کے معنی یہ بیان فرماتے ہیں: "القیوم" "قَامَ" سے ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ذات جو اپنی تمام مخلوق کے نظم و نسق کو چلانے والی ہے۔"

۴ "امام سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الحی القیوم جل جلالہٗ" ان دونوں اسماء کے معنی یہ ہیں:

مکمل طور پر حیات رکھنے والا اور بذاتِ خود قائم (اپنے قیام میں کسی کا بھی محتاج نہیں جب کہ باقی سب کے سب، ادنیٰ سے ادنیٰ تر وجود میں اس کے محتاج) آسمان و زمین والوں کو وجود بخشنے والا، ان کے رزق حتیٰ کہ تمام ضروریات کا انتظام کرنے والا۔ اس معنی کے اعتبار سے "الحی" تمام تر صفاتِ ذاتیہ کو جامع ہے اور "القیوم" تمام تر صفاتِ افعال کو یہ اسم مبارک شامل ہے۔"[۵]

لفظ حَيٌّ کے معنی اردو زبان میں ہیں "زندہ" یہ لفظ اسمائے الٰہیہ میں سے ہے، مراد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ اور باقی رہنے والا ہے، اور وہ موت سے بالاتر ہے۔[۶]

---

[۱] تفسیر ابن کثیر: ۳۰۸/۱، البقرۃ: ۲۵۵　[۲] النھج الاسمٰی: ۷۵/۲　[۳] النھج الاسمٰی: ۷۵/۲　[۴] النھج الاسمٰی: ۷۶/۲

[۵] قَالَ السَّعْدِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی: "(اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ) كَامِلُ الْحَيَاةِ، وَالْقَائِمُ بِنَفْسِهِ، اَلْقَيُّوْمُ لِأَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ، اَلْقَائِمُ بِتَدْبِيْرِهِمْ وَأَرْزَاقِهِمْ وَجَمِيْعِ أَحْوَالِهِمْ، فَالْحَيُّ: اَلْجَامِعُ لِصِفَاتِ الذَّاتِ، وَالْقَيُّوْمُ: اَلْجَامِعُ لِصِفَاتِ الْأَفْعَالِ" (تیسیر الکریم الرحمن: ۳۰۳/۵)

[۶] معارف القرآن: ۶۱۵/۱

اللہ تعالیٰ کو کسی وقت کسی سے بھی کسی قسم کا خطرہ نہیں

جو زندہ ہو اور موت سے بالاتر ہو اور نافرمانوں کو ان کے گناہوں پر پکڑے، اسے اس کا خدشہ تو ہوتا نہیں کہ پلٹ کر وہ اس ذات کا کچھ بگاڑ سکیں گے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، سورۃ الشمس (پ۳۰) کی آخری آیت ﴿وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا﴾ ''اور وہ نہیں ڈرتا پیچھا کرنے سے۔'' کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں:

''حق تعالیٰ کے عذاب اور (نافرمانی کی بناء پر) کسی قوم کو تباہ کر دینے کے معاملے کو دنیا کے معاملات کی طرح نہ سمجھو کہ اس میں بڑے سے بڑا بادشاہ صاحبِ قوت وشوکت بھی جب کوئی قوم کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جس میں پوری قوم کی ہلاکت ہے تو خود بھی یہ خطرہ رہتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ان کے بقایا یا ان کے حامی لوگ ہم سے انتقام لیں اور بغاوت کرنے لگیں، غرض دنیا میں دوسروں کو مارنے والا خود بھی بے خطر نہیں رہتا، جو دوسروں پر حملہ کرتا ہے، اس کو اپنے پر حملے کا خطرہ بھی لازماً برداشت کرنا پڑتا ہے، بجز حق تعالیٰ شانہ کے کہ اس کو کسی وقت کسی سے کوئی خطرہ نہیں۔''[1]

یہ اسماء مبارکہ قرآن کریم میں کئی مقامات پر آئے ہیں جن میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ﴾[2]

❷ ﴿الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝﴾[3]

❸ ﴿وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا﴾[4]

پریشانی اور مشکل مراحل کی دعا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی پریشانی، غم اور مشکل اوقات میں اکثر ''يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ.''[5] کہہ کر الحاح وزاری سے دعا مانگا کرتے تھے۔

''کہ اے وہ ذات جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی اور جو خود بھی اپنی جامع صفات کے ساتھ قائم و دائم ہے اور اسی کے حکم سے سارا نظام بھی قائم ہے، میں تیری رحمت کا فریادی ہوں، تو ہی مشکل حل فرما اور پریشانی دُور فرما۔''

اس میں بھی غور طلب بات یہ ہے کہ شدید مشکل میں ''يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ'' کی صفت کا تذکرہ کر کے دعا مانگی کہ اے وہ ذات جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، اور وہ ذات جو تغیر اور زوال سے پاک ہے، اور کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا،

[1] معارف القرآن: ۸/ ۷۵۳ [2] البقرة: ۲۵۵ [3] ال عمرٰن: ۲،۱
[4] طٰهٰ: ۱۱۱ [5] ترمذي، ابواب الدعوات: ۱۹۲/۲

اور اے وہ ذات جو حیاتِ ذاتیہ کی مالک ہے، اس نے حیات (معاذ اللہ) کسی سے مستعار نہیں لی، نہ کبھی عدم اس کے سابق حال ہوا، نہ کبھی موت اس کے لاحقِ حال ہوگی، بل کہ کل کائنات کی حیات و بقاء اور زوال و موت اس کے قبضہ میں ہے پس ایسی عظمت والی اے "حَيّ وَ قَيُّوْم" ذات! ہماری مدد فرما دشمن کے مقابلے میں بھی، نفس اور شیطان کے مقابلے میں بھی۔

ایسی ذات نے جو "الحی القیوم" ہے، جان داروں کو حیات بخشی اپنی خاص قدرتِ قاہرہ سے، ساری کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا غلام ہے۔ خود وہ کسی کا بھی محتاج نہیں، جس سے چاہے جو کام لے، ہر ایک کی زندگی ...... عدم سے وجود ...... بقاء ...... استعمال ...... نفع ونقصان ...... تاثیر اور زوال ...... اور موت اُسی کے امرِ کُنْ کی محتاج ہے۔ ایک پانی ہی کا عنصر لیجئے، اس سے ہر جان دار کو زندگی اور بقاء بخشی ہے۔ خود حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

﴿ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾[1]

ترجمہ: "اور بنائی ہم نے پانی سے ہر ایک چیز جس میں جان ہے، پھر کیا یقین نہیں کرتے۔"

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں: "مُراد یہ ہے کہ ہر جان دار کی تخلیق میں پانی کا دخل ضرور ہے اور جان دار اور ذی روح، اہلِ تحقیق کے نزدیک صرف انسان اور حیوانات ہی نہیں بل کہ نباتات و جمادات میں (بھی) روح اور حیات محققین کے نزدیک ثابت ہے، ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں، تحقیق یہی ہے کہ پہاڑوں اور پتھروں میں بھی حیات وشعور بقدر ان کی حیثیت کے موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ پانی کو ان سب چیزوں کی تخلیق اور ایجاد اور ارتقاء میں بڑا دخل ہے۔"[2]

خلاصہ یہ ہے: "وہ ذات "الحی جل جلالہ" اپنی قدرت سے جس شئے کو بھرپور زندگی، یا زندگی کی کچھ رمق دیدے، وہ زندگی کی حامل کہلاتی ہے۔ یہ الگ معاملہ ہے کہ انسانی آنکھ کو مکمل طور پر جس کی زندگی کا ادراک نہ ہو، وہ انسانوں یا حیوانات اور پرندوں اور حشرات الارض کی طرح باقاعدہ ذی روح اور جان دار نہیں کہلاتیں، نیز سب سے زیادہ کامل و مکمل حیات انسان کو عطاء فرمائی، جس میں یہ صلاحیت بھی رکھ دی کہ وہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت ایک خاص حد تک حاصل کر سکے اور یہ معرفت ہی بناءِ تکلیفِ احکام شرعیہ ہے۔ (یعنی اللہ کی یہ پہچان جو انسان کے حصہ میں آئی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ احکامِ شرعیہ کا مکلّف ہے اور دوسرے موجودات، جمادات، نباتات، حیوانات نہ اس طرح کے جان دار ہیں نہ ہی احکام کے مکلّف ہیں)۔"

"الحی القیوم جل جلالہ" ذات نے ہی جس کو چاہا، جس درجہ کا چاہا شعور وحس اور حیات دی ہے۔ اور اسی حیات کا حکم واپس لے لینے کا نام فناء اور موت کا طاری ہو جانا ہے، اور پھر اس زندہ اور قائم کے حکم سے دوسرے عالم میں

[1] الانبیآء: ۳۰　　[2] معارف القرآن: ٦/ ١٨٢

منتقل کیا جانا اور اُسی کے سامنے حاضر ہونا اور ساری زندگی کے اعمال کا جواب وحساب دینا، ضرور واقع ہوگا۔ وہی زندہ اور قائم ہے، جو ہم سے بھی پہلے خود ہماری ہی ضروریات اور مصالح کو جانتا ہے، ہمارے نفع ونقصان کی چیزوں سے پورا باخبر ہے۔

﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ......﴾[1]

ترجمہ: ''بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا۔''

﴿وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ﴾[2]

ترجمہ: ''اور ہم نہیں ہیں خلق (مخلوقات) سے بے خبر۔''

جب ہم نہ تھے اور کچھ بھی نہ تھا وہ جب بھی تھا اور جب کچھ بھی نہ ہوگا تب بھی وہ ہوگا۔ اُسی ''الحَيُّ القَيُّوم جَلَّ جَلَالُہٗ'' سے جو سارے عالموں کا رب ہے محبت کرنی ہے، وہی نفع رسانی کے ظاہری نقشوں میں حیات ڈالتا ہے، تب ہی وہ ہمیں فائدہ دے رہی ہیں۔ جو اس کے غیر سے محبت کرے گا اس کے غیر کے لئے استعمال ہوگا تو وہ ''الحَيُّ القَيُّوم جَلَّ جَلَالُہٗ'' اس بات کا محتاج نہیں کہ پہلے اسباب غائب کرے، پھر ہمیں تنبیہ کرے بل کہ وہ ''الحَيُّ القَيُّوم جَلَّ جَلَالُہٗ'' جو سب چیزوں سے فائدہ نکالنے پر قادر ہے۔

ان اسباب سے نفع کا حکم واپس لے لے گا وہ چیزیں جوں کی توں موجود ہوتے ہوئے مثلِ مردہ کے ہوں گی، کچھ کام نہ دیں گی، کیوں کہ وہ ''الحَيُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ان سے نفع نکلنے کا حکم ختم کردے گا۔ نفع کے خزانے بند کردے گا، ساری کائنات اس نافرمان انسان کے لئے مُردہ جسم کی طرح ہوجائے گی، کہ اپنی ذات سے موجود مگر بے روح کے جسم کی طرح فائدہ پہنچانے سے عاری ہوگی۔

ان دو اسماء کی مثال آسمانوں پر دو چمکتے میناروں کی طرح ہے

اور علامہ ابن قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی قصیدۂ نونیہ میں فرماتے ہیں:[3]

---

[1] الملك: ١٤ [2] المؤمنون: ١٧

[3]

هٰذَا وَمِنْ أَوْصَافِهِ الْقَيُّوْمُ وَالْـ ... قَيُّوْمُ فِيْ أَوْصَافِهِ أَمْرَانِ

إِحْدَاهُمَا الْقَيُّوْمُ قَامَ بِنَفْسِهِ ... وَالْكَوْنُ قَامَ بِهِ هُمَا الْأَمْرَانِ

فَالْأَوَّلُ اسْتِغْنَاءُهُ عَنْ غَيْرِهِ ... وَالْفَقْرُ مِنْ كُلٍّ إِلَيْهِ الثَّانِيْ

وَالْوَصْفُ بِالْقَيُّوْمِ ذُوْشَانٍ عَظِيْمٍ ... هٰكَذَا مَوْصُوْفُهُ أَيْضًا عَظِيْمُ الشَّانِ

وَالْحَيُّ يَتْلُوْهُ فَأَوْصَافُ الْكَمَالِ ... هُمَا لِأُفُقِ سَمَائِهَا قُطْبَانِ

''اللہ ربّ العزت کی صفات میں سے ''القیوم جل جلالہٗ'' بھی ہے اور صفت قیومیت دو طرح سے ہے۔ ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں بذاتِ خود قائم ہیں۔ اور دوم یہ کہ ساری کی ساری کائنات بھی اللہ ربّ العزت کے قائم فرمانے کی وجہ سے موجود ہے اور یہ دونوں باتیں الگ الگ معنی رکھتی ہیں۔

پہلی بات کہ اللہ تعالیٰ بذات خود قائم ہیں یعنی وہ کسی بھی امر میں غیر کے محتاج نہیں بل کہ وہ ہر اعتبار سے مستغنی ہیں، اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر موجود شے، ہر ہر قدم پر اللہ ربّ العزت کی محتاج ہے۔ یہ اسم مبارک ''القیوم جل جلالہٗ'' بڑی شان والا ہے اور جس ذات کا یہ نام ہے اس کی شان کا تو کہنا ہی کیا! اور صفتِ مبارکہ ''الحیّ'' تو ''القیوم'' کے ساتھ ہی ہوتی ہے اور یہ تمام اسماء آسمان پر چمکتے تاروں کی طرح ہیں جن میں ان دو اسماء کی مثال دو میناروں کی سی ہے جو اس آسمان کے کناروں پر نصب ہیں، پس ''الحیّ'' اور ''القیوم'' ایسے دو اسماء ہیں جو جدا نہیں ہوتے اور عموماً ایک ساتھ ہی بیان کئے جاتے ہیں۔''

لفظِ قیوم قیام سے نکلا ہے، قیام کے معنی ہے کھڑا ہونا، قائم کھڑا ہونے والے کو کہتے ہیں۔ قیوم اور قیام مبالغے کے صیغے کہلاتے ہیں، ان کے معنی ہیں وہ جو خود قائم رہ کر دوسروں کو قائم رکھتا اور سنبھالتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ﴾[1]

لفظِ قیوم نے جب یہ بتلایا کہ اللہ جل شانہٗ سارے آسمانوں، زمینوں اور ان میں سمانے والی تمام کائنات کو تھامے اور سنبھالے ہوئے ہیں، اور ساری کائنات اسی کے سہارے قائم ہے، تو ایک انسان کا خیال اپنی عادت وفطرت کے مطابق اس طرف جانا ممکن ہے کہ جو ذات پاک اتنا بڑا کام کر رہی ہے اس کو کسی وقت تھکن بھی ہوتی ہوگی، کچھ وقت آرام اور نیند کے لئے بھی ہونا چاہئے، اس دوسرے جملے میں محدود علم وبصیرت اور محدود قدرت رکھنے والے انسان کو اس پر متنبہ کر دیا کہ اللہ جل شانہٗ کو اپنے اوپر یا دوسری مخلوقات پر قیاس نہ کرے، اپنے جیسا نہ سمجھے، وہ مثل ومثال سے بالاتر ہے، اس کی قدرتِ کاملہ کے سامنے یہ سارے کام نہ کچھ مشکل ہیں، نہ اس کے لئے تھکن کا سبب ہیں، اور اس کی ذات پاک تمام تاثرات ...... اور تھکان وتعب ...... اور اونگھ اور نیند ...... سے بالاتر ہے۔[2]

سورۂ اٰلِ عمران کی پہلی آیت ﴿الٓمّٓ ① اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ②﴾ میں توحید کی عقلی دلیل مذکور ہے، کہ اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ اُن کے سوا کوئی معبود بنانے کے قابل نہیں، لفظ ﴿الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ﴾ سے توحید کی عقلی دلیل بیان

فَالْحَيُّ وَالْقَيُّوْمُ لَنْ تَتَخَلَّفَ الْـ ... أَوْصَافُ أَصْلًا عَنْهُمَا بِبَيَانِ

(النونية: ٢/٢٣٦)

[1] البقرة: ٢٥٥ [2] معارف القرآن: ١/٦١٣، البقرة: ٢٥٥

کی گئی ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ عبادت نام ہے اپنے آپ کو کسی کے سامنے انتہائی عاجز و ذلیل کر کے پیش کرنے کا، اور اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جس کی عبادت کی جائے وہ عزت و جبروت کے انتہائی مقام کا مالک اور ہر اعتبار سے کامل ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ جو چیز خود اپنے وجود کو قائم نہ رکھ سکے، اپنے وجود اور اس کی بقاء میں دوسرے کی محتاج ہو، اس کا عزت و جبروت میں کیا مقام ہوسکتا ہے؟

اس لئے بالکل واضح ہو گیا کہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں، نہ خود اپنے وجود کی مالک ہیں اور نہ ہی اپنے وجود کو قائم رکھ سکتی ہیں، وہ خواہ پتھر کے تراشیدہ بت ہوں ...... یا پانی اور درخت ہوں ...... یا فرشتے اور پیغمبر ہوں ...... ان میں کوئی بھی لائق عبادت نہیں، لائقِ عبادت وہی ذات ہوسکتی ہے جو ہمیشہ سے زندہ و موجود ہے اور ہمیشہ زندہ و قائم رہے گی، اور وہ صرف اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ کی ذات ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

عیسائی حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو اللہ یا ابن اللہ یا تین میں سے (یعنی تین خداؤں میں سے) ایک مانتے ہیں، گویا اس سورت مبارکہ میں ان کو کہا جا رہا ہے کہ جب عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے، اور ان کا زمانۂ ولادت بھی کائنات پیدا کئے جانے سے بہت عرصہ بعد کا ہے تو پھر وہ اللہ یا اللہ کا بیٹا کس طرح ہوسکتے ہیں؟ اگر تمہارا عقیدہ صحیح ہوتا تو انہیں مخلوق کے بجائے اِلٰہ کی صفات کا حامل اور قدیم ہونا چاہئے تھا، نیز ان پر موت بھی نہیں آنی چاہئے، لیکن ایک وقت آئے گا کہ انہیں بھی موت آجائے گی، اور عیسائیوں کے بقول موت ان پر آچکی ہے جب کہ اللہ تو ایسی ذات ہے جس پر موت آہی نہیں سکتی۔

اسمِ اعظم

''اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے صفاتی ناموں میں ''اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا مجموعہ بہت سے حضرات کے نزدیک اسم اعظم ہے، حضرت علی مرتضیٰ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: غزوہ بدر میں میں نے ایک وقت یہ چاہا کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو دیکھوں کہ آپ کیا کر رہے ہیں، پہنچا تو دیکھا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سجدہ میں پڑے ہوئے بار بار **''یَا حَيُّ یَا قَیُّوْمُ، یَا حَيُّ یَا قَیُّوْمُ''** کہہ رہے ہیں۔[1]

''اَلْقَيُّوْمُ'' حق تعالیٰ کی خاص صفت ہے جس میں کوئی مخلوق شریک نہیں ہوسکتی، کیوں کہ جو چیزیں خود اپنے وجود و بقاء میں کسی دوسرے کی محتاج ہوں وہ کسی دوسری چیز کو کیا سنبھال سکتی ہیں؟

اس لئے کسی انسان کو قیوم کہنا جائز نہیں، جو لوگ عبدالقیوم کے نام کو بگاڑ کر صرف قیوم بولتے ہیں گناہ گار ہوتے ہیں۔ (اور جن کے سامنے یوں کہا جا رہا ہو اور وہ روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں تو یوں سننے والے بھی گناہ گار ہوتے ہیں)۔

---

[1] مستدرك للحاكم، كتاب الصلاة، باب التأمين: ۳۳۱/۱، رقم: ۸۱۲

اسمِ مبارک ''القیّوم جلّ جلالہٗ'' سے حاصل ہونے والے ایمانی ثمرات

ان کو پڑھنے سے پہلے دعا کر لیجئے: ''اے اللہ! یہ ایمانی ثمرات ہم سب کو نصیب فرما۔''

❶ ''اللہ ربّ العزت نے اپنی صفت ''القیّوم'' بیان فرمائی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے: اللہ جلّ جلالہٗ'' اپنے موجود ہونے اور ہمیشہ رہنے میں کبھی بھی غیر کا محتاج نہیں، وہ دوسروں کو تو کھلاتا ہے لیکن خود نہیں کھاتا، وہ غیر کا یا اپنی مخلوق کا کیسے محتاج ہوسکتا ہے حالاں کہ ساری کی ساری مخلوق اسی کے حکم سے قائم ہے، اسی ''الحیّ القیّوم'' نے انہیں وجود بخشا ہوا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ہی کا وجود ''ذاتی'' ہے۔''[1]

❷ ''یقیناً جو شخص اپنے رب کی اس صفت ''القیّوم'' کو پہچان لیتا ہے، وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتا ہے اور اس کا دل مخلوق سے بالکل ہی ہٹ کر خالق ہی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اس لئے کہ دیگر ساری مخلوق اسی کی طرف محتاج ہے حتیٰ کہ اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے میں مرنے کے بعد زندہ ہونے میں اپنے دین و دنیا میں تمام چیزوں میں یہ سب اپنے پیدا کرنے والے کے محتاج ہیں لہٰذا مخلوق سے امید باندھنے کی کسی قسم کی توقع رکھنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔''[2]

❸ ''اللہ ربّ العزت کی ذات ''قیوم'' ہے ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی اس کی ''قیومیت'' کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اسے نیند نہیں آتی، نیند تو کجا اسے اونگھ بھی نہیں آتی۔ نیند یا اونگھ آنا تو مخلوق کی خاصیت ہے وہ اس سے بری ہے۔''[3]

❹ ''اس اسم مبارک ''القیّوم جلّ جلالہٗ'' کو قرآن مجید میں تین مقامات پر ''الحیّ'' کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا گیا ہے، ان دونوں اسماء کو ملا دینے سے یہ اسماء، تمام صفاتِ کمال کے جامع بن گئے ہیں اور دونوں اسماء کا ملا دیا جانا اس بات کو مستلزم ہے کہ تمام صفاتِ باری تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم و دائم ہیں، اور ان میں کمی یا فنا کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں اسی لئے تو آیۃ الکرسی قرآن مجید کی بڑی آیات میں سے ہے کیوں کہ اس میں ان دونوں صفات کا ذکر ہے۔''[4]

حدیث شریف میں ارشاد مبارک ہے:

---

[1] ''وَصْفُ اللّٰهِ تَعَالٰى ذِكْرَهٗ بِأَنَّهٗ قَيُّوْمٌ بِنَفْسِهٖ، لَا يَحْتَاجُ فِيْ قِيَامِهٖ وَدَوَامِهٖ إِلٰى أَحَدٍ، يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ، وَكَيْفَ يَحْتَاجُ إِلٰى غَيْرِهٖ أَوْ أَحَدٍ مِّنْ خَلْقِهٖ، وَهُمْ أَنْفُسُهُمْ لَا قِيَامَ لَهُمْ إِلَّا بِإِقَامَةِ الْحَيِّ الْقَيُّوْمِ لَهُمْ؟ فَقِيَامُهٗ تَعَالٰى بِذَاتِهٖ وَلَيْسَ ذٰلِكَ إِلَّا لَهٗ تَعَالٰى.''

[2] ''وَلَا شَكَّ أَنَّ مَنْ عَرَفَ هٰذِهِ الصِّفَةَ فِيْ رَبِّهٖ تَوَكَّلَ عَلَيْهِ، وَانْقَطَعَ قَلْبُهٗ عَنِ الْخَلْقِ إِلَيْهِ، وَذٰلِكَ أَنَّهُمْ مُحْتَاجُوْنَ مُفْتَقِرُوْنَ مِثْلَهٗ إِلٰى خَالِقِهِمْ فِيْ قِيَامِهِمْ وَقُعُوْدِهِمْ، وَحَيَاتِهِمْ وَبَعْدَ مَمَاتِهِمْ، فِيْ دِيْنِهِمْ وَدُنْيَاهُمْ، فَكَيْفَ يَرْجُوْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ؟''

[3] ''وَمِنْ كَمَالِ قَيُّوْمِيَّتِهٖ تَعَالٰى أَنَّهٗ لَا يَنَامُ، إِذْ هُوَ مُخْتَصٌّ بِعَدَمِ السِّنَةِ وَالنَّوْمِ دُوْنَ خَلْقِهٖ فَإِنَّهُمْ يَنَامُوْنَ''

[4] ''إِقْتَرَنَ هٰذَا الْإِسْمُ بِالْحَيِّ فِيْ ثَلَاثَةِ مَوَاضِعَ كَمَا سَبَقَ، وَ إِقْتِرَانُهٗ بِالْحَيِّ يَسْتَلْزِمُ صِفَاتِ الْكَمَالِ، وَيَدُلُّ عَلٰى بَقَائِهَا وَدَوَامِهَا، وَانْتِفَاءُ النَّقْصِ وَالْعَدَمِ عَنْهَا أَزَلًا وَأَبَدًا، وَلِهٰذَا كَانَ قَوْلُهٗ'' ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ (النہج الاسمیٰ: ۲/۷۷، البقرۃ: ۲۵۵)

"عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ -رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ- قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا أَبَا الْمُنْذِرِ أَتَدْرِيْ أَيُّ اٰيَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ مَعَكَ أَعْظَمُ؟" قَالَ قُلْتُ: "اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ" قَالَ: "يَا أَبَا الْمُنْذِرِ أَتَدْرِيْ أَيُّ اٰيَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ مَعَكَ أَعْظَمُ؟" قَالَ قُلْتُ ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ قَالَ: فَضَرَبَ عَلٰى صَدْرِيْ وَقَالَ: "لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ اَبَا الْمُنْذِرِ"[۱]

ترجمہ: "حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابومنذر! "کتاب اللہ" کی کون سی آیت عظمت میں سب سے بڑھ کر ہے؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پھر) فرمایا: اے ابوالمنذر! کتاب اللہ کی کون سی آیت عظمت میں سب سے بڑھ کر ہے؟ میں نے کہا: ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر دست مبارک مارا اور فرمایا: اے ابومنذر! تجھے تیرا علم مبارک ہو۔"

"بہت سی احادیث مبارکہ ان دونوں اسماء کی عظمت پر شاہد ہیں اور ان دونوں اسماء کو ملا کر دعا کرنا بھی احادیث سے ثابت ہے حتیٰ کہ بعض علماء نے ان دونوں اسماء کو اسم اعظم قرار دیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا، اس نے یہ دعا مانگی (جسے حاشیہ میں نمایاں کیا گیا ہے):

اے اللہ! میں تجھ سے ان کلمات کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ تمام تعریفیں صرف تیرے ہی لئے ہیں ...... معبود تیرے سوا کوئی نہیں ...... پس تو ہے تیرا کوئی شریک نہیں ...... تو بڑا مہربان بڑا دینے والا ہے ...... آسمانوں اور زمین کا کسی نمونے کے بغیر بنانے والا ہے ...... اے بزرگی اور بخشش والے ...... اے سدا زندہ رہنے والے ...... اور سب کی ہستی قائم رکھنے والے ......، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے ساتھ دعا کی ہے کہ اس کے واسطے سے جب بھی دعا کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں اور جب بھی سوال کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرماتے ہیں۔"[۲]

اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[۱] مسلم فضائل القرآن، باب فضل سورة الكهف و آية الكرسي: ۲۷۱/۱، رقم: ۲۵۸

[۲] "جَاءَ فِي السُّنَّةِ الْمُطَهَّرَةِ مَا يَدُلُّ عَلٰى عَظَمَةِ هٰذَيْنِ الإِسْمَيْنِ، وَالدُّعَاءِ بِهِمَا مُجْتَمِعَيْنِ، حَتّٰى قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ إِنَّهُمَا الإِسْمُ الْأَعْظَمُ لِلرَّبِّ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى، كَمَا فِيْ حَدِيْثِ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ وَرَجُلٌ يُصَلِّيْ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْمَنَّانُ، بَدِيْعُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَالإِكْرَامِ، يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "دَعَا اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ، الَّذِيْ إِذَا دُعِيَ بِهٖ أَجَابَ، وَ إِذَا سُئِلَ بِهٖ أَعْطٰى" (ابوداؤد: كتاب الصلوٰة، باب الدعاء: ۲۱۰/۱، النهج الاسمٰى: ۷۸/۲)

''جس شخص نے تین مرتبہ یہ کلمات پڑھے اس کی مغفرت کر دی جائے گی اگرچہ وہ میدان جہاد سے بھاگا ہو۔''
کلمات یہ ہیں:

''اَسْتَغْفِرُاللہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّاھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ۔'' [1]

ترجمہ: ''میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ ہیں، قائم رہنے والے ہیں، اور ان ہی کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔''

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اپنے بستر پر آکر یہ کلمات تین مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دیں گے، اگرچہ وہ گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں یا ریت کے ذرات کے برابر ہوں یا درخت کے پتوں کے برابر ہوں۔'' (وہ کلمات اوپر مذکور ہیں) [2]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ارشاد فرمایا: میری نصیحت غور سے سنو۔ تم صبح و شام کہا کرو:

''اے ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والے، اے زمین و آسمان اور تمام مخلوق کو قائم رکھنے والے! میں آپ کی رحمت کا واسطہ دے کر فریاد کرتا ہوں، کہ میرے سارے کام درست فرما دیجئے اور مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی میرے نفس کے حوالہ نہ فرمایئے۔'' (عربی میں دعا نیچے حاشیہ میں خط کشیدہ کی گئی ہے) [3]

فوائد و نصائح

بندے کا ان اسماء مبارکہ سے حصہ یہ ہے:

1. اپنی زندگی ''الحی القیوم جل جلالہٗ'' کی اطاعت میں گزارے اور یہ یقین پیدا کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ہمیشہ زندہ رہنے والا نہیں سب کو ایک دن ختم ہونا ہے۔
2. گناہ گار گناہ سے بچنے میں مشقت اُٹھا کر اگر ایک جان قربان کرتا ہے تو وہ ''الحی القیوم جل جلالہٗ'' اپنے نام پر

---

[1] ابوداؤد، الوتر، باب فی الاستغفار، رقم: ۱۵۱۷

[2] ''مَنْ قَالَ حِیْنَ یَأْوِیْ اِلٰی فِرَاشِہٖ: ''أَسْتَغْفِرُاللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَأَتُوْبُ اِلَیْہِ'' ثَلَاثَ مَرَّاتٍ غَفَرَاللّٰہُ لَہٗ ذُنُوْبَہٗ وَ اِنْ کَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ، وَ اِنْ کَانَتْ مِثْلَ رَمْلِ عَالِجٍ، وَ اِنْ کَانَتْ مِثْلَ عَدَدِ وَرَقِ الشَّجَرِ.'' (مسند احمد: ۱۰/۳، رقم: ۱۰۶۹۰)

[3] ''عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِفَاطِمَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا: مَا یَمْنَعُکِ أَنْ تَسْمَعِیْ مَا أُوْصِیْکِ بِہٖ أَنْ تَقُوْلِیْ إِذَا أَصْبَحْتِ وَ إِذَا أَمْسَیْتِ: ''یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ أَسْتَغِیْثُ، أَصْلِحْ لِیْ شَأْنِیْ کُلَّہٗ وَلَا تَکِلْنِیْ إِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ.'' (مستدرک للحاکم، کتاب الدعاء والتکبیر: ۷۳۹/۱)

مر مٹنے والوں کو اس کے بدلے سو جان عطاء کرتا ہے۔ اگر اس "الحیّ القیوم جلّ جلالہٗ" کے لئے عمل کیا جائے، دل کا ارمان گھونٹا جائے، تو وہ ذات اس عمل کو اور اس کے اجر کو بھی قائم رکھے گی۔ کیوں کہ وہ خود "الحیّ القیوم" ہے تو خاص اس کی ذات کے لئے، اسی کی بتائی ہوئی شرائط کے ساتھ جو عمل کیا جائے گا اور عمل باقی رکھنے کی شرائط پر بھی عمل کیا جائے گا تو وہ عمل بھی باقی رہے گا۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے یہ ایک دعا ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور مانگا کرتے تھے، ہمیں بھی چاہئے کہ اس دعا کو پابندی سے مانگا کریں:

"اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَنْ تُضِلَّنِيْ، اَنْتَ الْحَيُّ الَّذِيْ لَايَمُوْتُ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ يَمُوْتُوْنَ."[1]

ترجمہ: "اے اللہ! میں نے تیرے سامنے اپنی گردن جھکا دی، میں نے تجھ کو دل سے مانا، صرف تیری ہی ذات پر میں نے بھروسہ کیا، صرف تیری ہی طرف متوجہ ہوا اور جس سے جھگڑا کیا تیری ہی مدد سے کیا۔

اے اللہ! میں تیری عزت و غلبہ کی پناہ لیتا ہوں اس بات سے کہ تو مجھے سیدھی راہ سے بھٹکا دے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ایسا زندہ ہے کہ تجھ پر کبھی موت نہیں آسکتی، جب کہ سارے کے سارے جن وانس مرجائیں گے۔"

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا وظیفہ

۳ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو شخص چالیس مرتبہ ہر دن فجر کی سنتوں اور فرض کے درمیان

"يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ."

ترجمہ: "اے ہمیشہ زندہ رہنے والے! اے ہمیشہ قائم رہنے والے! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری رحمت کے ذریعہ سے مدد چاہتا ہوں۔"

پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل کو زندہ فرمائیں گے اور وہ دل مردہ ہونے سے بچا رہے گا۔[2]

۴ جب اس کے دِل و دماغ میں یہ بات واضح طور پر آگئی کہ ہر چیز کو زندگی دینے والا اور قائم رکھنے والا "الحیّ القیوم جلّ جلالہٗ" ہی ہے تو مخلوق سے امیدوں کو ختم کر دے۔ اس لئے کہ ہماری ہر ضرورت ہر مصلحت اور ہمارے نفع و نقصان سے اللہ تعالیٰ پورے پورے باخبر ہیں، اپنی ضرورتیں اور حاجتیں صرف اور صرف "الحیّ القیوم جلّ جلالہٗ" کی بارگاہ میں پیش کرنی چاہئے۔

۵ صرف اسی ذات کی اتباع کو لازم پکڑے اور اللہ کے غیر کی ماننے میں آخرت کا نقصان سمجھے۔

[1] مسلم، الذكر، باب في الادعية: ٣٤٩/٢ [2] منهج الامام لابن قيم: ٣٩٩

❻ اسی کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے۔ ''الحیّ القیّوم جلّ جلالہٗ'' کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے اپنی ضرورتیں اور حاجتیں مانگے۔

امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تعَالیٰ کیا خوب انداز میں اپنی حاجت ''الحیّ القیّوم جلّ جلالہٗ'' کے سامنے پیش کر رہے ہیں:

یَا مَنْ تُحَلُّ بِذِكْرِهٖ عُقَدُ النَّوَائِبِ وَالشَّدَائِدِ
اے وہ ذات جس کے مبارک نام کی برکت سے مشکلات و مصائب سے نجات حاصل کی جاتی ہے

یَامَنْ إِلَيْهِ الْمُشْتَكٰی وَإِلَيْهِ أَمْرُ الخَلْقِ عَائِد
اے وہ ذات جو ہم سب کی فریاد رس ہے جس کی طرف کل مخلوق کے امور لوٹتے ہیں

يَاحَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا صَمَدُ تَنَزَّهَ عَنْ مُضَادِدِ
اے ہمیشہ زندہ رہنے والے، اے مخلوق کو سنبھالنے والے اے اضداد سے پاک بے نیاز ذات

أَنْتَ الرَّقِيْبُ عَلَى الْعِبَا دِ وَأَنْتَ فِى الْمَلَكُوْتِ وَاحِد
آپ ہی بندوں کے نگران ہیں اور آپ ہی اپنی بادشاہی میں یکتا ہیں

أَنْتَ الْعَلِيْمُ بِمَا بَلَيْـ تَ بِهٖ وَأَنْتَ عَلَيْهِ شَاهِد
آپ خوب جانتے ہیں ان چیزوں کو جس کو آپ نے بوسیدہ کر دیا اور آپ اس پر نگران ہیں

أَنْتَ المُعِزُّ لِمَنْ اَطَا عَكَ وَالْمُذِلُّ لِكُلِّ جَاحِد
آپ ہی فرماں برداروں کو عزت بخشتے ہیں اور آپ ہی منکرین کو ذلیل فرماتے ہیں

أَنْتَ الْمُنَزَّهُ يَا بَدِيْعَ الخَلْقِ عَنْ وَلَدٍ وَوَالِد
اے مخلوق کو ابتداءً پیدا کرنے والے آپ کی ذات والد و ولد کے عیب سے پاک ہے

إِنِّىْ دَعَوْتُكَ وَالْهُمُوْمُ جُيُوْشُهَا قَلْبِى تُطَارِد
میں نے آپ کو پکارا ہے ایسی حالت میں کہ غموں کے لشکر نے میرے قلب پر حملہ کر دیا ہے

(دیوان الامام الشافعی، یوم الدعاء: ۱۲۰)

الواجد جل جلالہ

(ہر چیز کو پانے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ ''اَلْوَاجِدُ بِالْجِيْمِ أَيِ الَّذِيْ يَجِدُ كُلَّ مَا يُرِيْدُهُ وَيَطْلُبُهُ وَلَا يَفُوْتُهُ شَيْءٌ.''

ترجمہ: ''ملا علی قاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: ''الواجد'' ''جیم کے ساتھ'' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ذات جس شئے کا بھی ارادہ اور طلب کرے، اُسے فوراً پالے اور کوئی چیز اُس ذات کی دست رس میں آئے بغیر رہ نہ سکے۔''

❷ ''وَقِيْلَ مَعْنَاهُ الْغَنِيُّ مَاخُوْذٌ مِّنَ الْوُجْدِ قَالَ تَعَالٰى: ﴿اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ﴾''[1]

ترجمہ: ''ملا علی قاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ''الواجد''، ''الغنی'' کے معنی میں ہے اور یہ ماخوذ ہے ''وُجد'' سے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان (طلاق والی) عورتوں کو رکھو۔''

عربی زبان میں واجد غنی کو کہتے ہیں، اس لئے کہ وہ سب کچھ پاتا ہے مگر پانے کا مفہوم انسانوں کے اعتبار سے ایسا ہے کہ پہلے نہ تھا پھر پالیا یا گمشدہ چیز کو پالیا۔ مگر ذاتِ باری تعالیٰ کو جو واجِد کہا جاتا ہے وہ اس اعتبار سے نہیں کہا جاتا۔ ذاتِ باری تعالیٰ چوں کہ نفع ونقصان سے بالاتر ہے لہٰذا وہ ہمیشہ واجد ہی رہتا ہے۔ انسان وحیوان اور اس کی دیگر مخلوقات کبھی واجد اور کبھی غیر واجد بنتی رہتی ہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ اس لئے واجد ہے کہ جملہ موجودات پر اسے احاطہ حاصل ہے۔ وہ ذات واجد ہے اور جملہ مطلوبات و کمالاتِ ذاتیہ کا وجود اسے ہمیشہ سے حاصل ہے۔ اسم ''الواجد'' ''وُجد'' سے بھی بن سکتا ہے وُجد کے معنی تونگری وغنا ہیں۔

[1] الطّلاق: ٦، مرقاة شرح مشكوٰة: ٥/٩٥

[2] شرح اسماء الحسنٰی لِلأزهری: ٤٨٩

یہ اسم ''وجود'' سے بھی بن سکتا ہے، وجود کے معنیٰ ''ہستی'' کے ہیں۔[1]

وہ ذات ''الواجِدُ جلّ جلالہٗ'' ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اب وجود باری تعالیٰ پر چند دلائل پیشِ خدمت ہیں:

''الواجِدُ جلّ جلالہٗ'' کے وجود پر دلائل

۱ ''جسم انسانی کا عصبی نظام''

یوں تو کائنات کا ایک ایک ذرّہ اللہ تعالیٰ کی موجودگی کی گواہی دے رہا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے وجود کی سب سے بڑی نشانی اور سب سے بڑی دلیل تو خود انسان ہے۔ اسی لئے قرآن میں کہا گیا: ﴿وَفِيٓ أَنفُسِكُمۡۚ أَفَلَا تُبۡصِرُونَ﴾[2]

انسان کے عصبی نظام پر غور کیجئے کہ کس قدر دقیق اور مربوط ہے۔ جدید تحقیق بتلاتی ہے کہ انسان کے اندرونی مواصلاتی نظام کا مرکز اس کا بھیجا ہے، ہر بھیجے میں تقریباً ایک ہزار ملین عصبی خانے ہیں۔ ہر خانے سے بہت باریک تار نکل کر تمام جسم کے اندر پھیلے ہوئے ہیں، ان تاروں پر خبر وصول کرنے اور دوسرے اعضاء کو حکم بھیجنے کا ایک نظام تقریباً ۷۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جاری رہتا ہے، ان ہی اعصاب کے ذریعے ہم چکھتے ہیں ...... سنتے ہیں ...... دیکھتے ہیں ...... محسوس کرتے ہیں ...... اور سارا عمل کرتے ہیں ...... زبان میں تین ہزار ذائقے کے خانے ہیں، جن میں ہر ایک علیحدہ عصبی تار کے ذریعہ دماغ سے جڑا ہوا ہے۔ کان میں ایک لاکھ کی تعداد میں سماعتی خانے ہیں، ان خانوں سے ایک نہایت پیچیدہ عمل کے ذریعہ ہمارا دماغ سنتا ہے۔

ہر آنکھ میں ۱۳۰ ملین خانے ہوتے ہیں جو تصویری مجموعے دماغ کو بھیجتے ہیں۔ تمام جلد میں بھی حسیاتی ریشوں کا ایک جال بچھا ہوا ہے، اگر ایک گرم چیز جلد کے سامنے لائی جائے تو تقریباً تین ہزار گرم خانے اس کو محسوس کر کے فوراً دماغ کو اس کی خبر دیتے ہیں، اسی طرح جلد میں دو لاکھ پچاس ہزار خانے ایسے ہیں جو سرد چیزوں کو محسوس کرتے ہیں۔

کہاں تک بتایا جائے سوچنے کی بات یہ ہے کہ اتنا منظّم اور مربوط نظام کیا خود بخود اتفاقاً وجود میں آ گیا ہے؟

انسان کا خلیاتی اور اعصابی نظام چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ نہیں ایسا ہرگز نہیں بل کہ یہ تو کسی بہت ہی باریک بین اور لطیف وخبیر صناع کی کاری گری ہے۔

۲ کائناتی نظام

سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ کائنات پانچ سو ملین (ایک ملین دس لاکھ کے برابر) کہکشاؤں پر مشتمل ہے اور ہر کہکشاں میں ایک لاکھ ملین یا اس سے کم وبیش ستارے پائے جاتے ہیں اور یہ ساری کہکشائیں مسلسل گردش کر رہی ہیں، چاند مسلسل

---

[1] شرح اسماء حُسنیٰ: ۲۱۸ (منصور پوری) [2] الذٰریٰت: ۲۱

گھوم رہا ہے، زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے، سورج چھ لاکھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گردش کر رہا ہے، پھر سیاروں میں سے کسی کے بھاگنے کی رفتار آٹھ میل فی سیکنڈ ہے، کسی کی ۳۳ میل فی سیکنڈ، کسی کی ۸۴ میل فی سیکنڈ۔

اگر یہ سیارے آپس میں ٹکرا جائیں تو تمام نظامِ عالم زیر و زبر ہو جائے، اگر ان سیاروں کی رفتار میں فرق آجائے تو ہمارے دن اور رات اور موسم تک بدل جائیں۔

ہم اپنی آنکھوں سے شب و روز دیکھتے ہیں کہ ایک ایک شہر میں ہر روز گاڑیوں کے ٹکرانے سے سینکڑوں جانیں ضائع ہو جاتی ہیں، اس لئے نہیں کہ ان کے ڈرائیور نہیں ہوتے، بل کہ صرف اس لئے کہ ڈرائیوروں سے لمحہ بھر کی غفلت ہو جاتی ہے، اگر ایک ڈرائیور کی لمحہ بھر کی غفلت کی وجہ سے گاڑی ایکسیڈنٹ کا شکار ہو سکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ کائنات میں رہنے کے باوجود آج تک لاکھوں کروڑوں سیارات کے مسلسل حرکت میں رہنے کے باوجود آج تک کوئی ایکسیڈنٹ نہیں ہوا، کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا! کیا یہ سب کچھ اتفاق کا نتیجہ ہے؟

نہیں، بل کہ یہ اس لئے ہے کہ اس وسیع نظام کو ایک "حَيٌّ وَ قَیُّوْم جَلَّ جَلَالُهُ" ذات سنبھالے ہوئے ہے۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۚ إِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾[1]

تَرْجَمَہ: "یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ موجودہ حالت کو چھوڑ نہ دیں اور اگر وہ موجودہ حالت کو چھوڑ بھی دیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی ان کو تھام بھی نہیں سکتا، بے شک وہ حلیم وغفور ہے۔"

یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت کے ساتھ اس کی کمالِ مہربانی بھی ہے، کہ وہ آسمان و زمین کو تھامے ہوئے اور انہیں اپنی جگہ سے ہلنے اور ڈولنے نہیں دیتا ورنہ پلک جھپکنے میں دنیا کا نظام تباہ ہو جائے کیوں کہ اگر وہ انہیں تھامے نہ رکھے، اور انہیں اپنی جگہ سے پھیر دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں جو ان کو تھام لے۔

۳ امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا مناظرہ

وَاقِعَہ نمبر ۳۷: دہریوں کی ایک جماعت نے امام صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو گھیرے میں لے لیا اور آپ کو قتل کرنا چاہا۔ آپ نے فرمایا: پہلے اس مسئلہ میں مجھ سے بحث کر لو اس کے بعد تمہیں اختیار ہے، انہوں نے اس بات کو منظور کر لیا۔ چناں چہ مناظرہ کی تاریخ اور وقت طے ہو گیا، مگر ہوا یوں کہ آپ مجلسِ مناظرہ میں دیر سے پہنچے، انہوں نے اس پر بڑا شور و غوغا کیا۔

[1] فاطر: ٤١

آپ نے فرمایا: پہلے میری بات سن لو شاید آپ مجھے اس تاخیر میں معذور سمجھیں۔

انہوں نے کہا: اچھا بتائیے۔

آپ نے فرمایا: ’’آج تو عجیب وغریب صورت دیکھنے میں آئی، جب میں دریا کے کنارے پہنچا تو وہاں دور تک کشتی کا نام ونشان نہ تھا، حیران تھا کہ کس طرح دریا عبور کروں گا، اس اثناء میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک درخت خود کٹ گیا اور اس کے تختے بن گئے، پھر بغیر کسی کاریگر اور بغیر کیلوں کے ان تختوں نے جڑنا شروع کر دیا یہاں تک کہ کشتی تیار ہوگئی، پھر وہ بغیر کسی ملاح کے پانی کے دوش پر اٹھکیلیاں کرتی میرے پاس آگئی، میں سوار ہوگیا تو وہ چلنے لگی یہاں تک کہ ساحل پر آ لگی۔‘‘

دہریوں نے یہ واقعہ سنا تو اپنی بے ہنگم آوازوں سے آسمان سر پر اٹھا لیا کہنے لگے: ’’ایسا بھی بھلا کہیں ہوسکتا ہے کہ بغیر کاٹنے کے درخت کٹ جائے اور بغیر کاریگر کے کشتی تیار ہو جائے اور بغیر ملاح کے کشتی چلنے لگے۔‘‘

امام صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا: ’’بدبختو! اگر ایک درخت بغیر کاٹنے والے کے نہیں کٹ سکتا،

تختے بغیر جوڑنے والے کے نہیں جڑ سکتے،

کشتی بغیر کاریگر کے تیار نہیں ہوسکتی،

ایک کشتی تیار ہو کر بھی بغیر ملاح کے نہیں چل سکتی،

تو کیا کائنات کا یہ سارا نظام، یہ شجر و حجر، یہ نہریں اور دریا، یہ شمس وقمر، یہ گل وگلزار، یہ حیوان اور انسان یہ ستاروں کے جھرمٹ اور کہکشاں یہ سب کچھ خود از خود وجود میں آگیا اور اتنا بڑا کارخانۂ عالم خود بخود چل رہا ہے اسے کوئی چلانے والا نہیں ......؟‘‘ ان دہریوں کی سمجھ میں بات آگئی اور انہوں نے تائب ہو کر ایمان قبول کر لیا۔[1]

❷ ایک دیہاتی کا حیران کن جواب

وَاقِعَۃ نمبر (۳۸): امام ابنِ کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے لکھا ہے کہ ایک ان پڑھ بدو سے ایک عقل کے مارے ہوئے نے جب اللہ تعالیٰ کے وجود کی دلیل مانگی تو اس نے مظاہرِ فطرت سے استدلال کرتے ہوئے کہا:

’’يَا سُبْحَانَ اللّٰهِ! إِنَّ الْبَعْرَ لَيَدُلُّ عَلَى الْبَعِيْرِ وَإِنَّ أَثَرَ الْأَقْدَامِ لَتَدُلُّ عَلَى الْمَسِيْرِ فَسَمَاءٌ ذَاتُ أَبْرَاجٍ وَأَرْضٌ ذَاتُ فِجَاجٍ وَالْبِحَارُ ذَاتُ أَمْوَاجٍ؟ أَلَا يَدُلُّ ذٰلِكَ عَلَى وُجُوْدِ اللَّطِيْفِ الْخَبِيْرِ‘‘[2]

تَرجَمَہ: ’’سبحان اللہ! حیرت ہے کہ اونٹ کی مینگنی تو اونٹ کے وجود پر دلالت کرتی ہے اور قدموں کے نشان تو زمین پر

---

[1] حیات امام ابو حنیفہ: ١٣٦- الله ...... اهل الثناء والمجد: ٥٣٤

[2] تفسير ابن كثير: ٩٠/١، سورة البقرة: ٢٢

دیکھ کر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کوئی یہاں سے گزرا ہے، پھر یہ برجوں والا آسمان، یہ گھاٹیوں والی زمین، یہ موجیں مارتے ہوئے سمندر، ایک صانع، ایک ماہر کاری گر جو باریک بیں اور خبر دار ہے (جو بڑے علم والا اور قدرت والا ہے) کے وجود پر دلالت نہیں کر سکتے؟''

⑤ شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی بصیرت

شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ؎

برگ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ہر ورقے دفتریست از معرفت کردگار

تَرجَمَۃ: سرسبز درختوں میں غور و فکر کیا جائے تو ان کا ایک ایک پتہ مالکِ حقیقی کی معرفت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

آپ خود ہی غور فرمائیں: ...... درختوں میں قد و قامت کی بلندی ...... پھیلاؤ کی موزونیت ...... شاخوں کی ترتیب ...... پتوں کی سبزی ......، پتوں پر خوب صورت کڑھائی ...... مختلف رنگوں کی آمیزش ......، پھر پتوں کی موزنیت کے ساتھ خوب صورتی سے کٹنگ ......، پھر مختلف پتوں کی مختلف تاثیر ......، کسی کو پانی میں پکایا جائے تو چائے بنا دے ......، کسی کو پانی میں اُبالا جائے تو وہ جسم کی صفائی کے لئے استعمال ہو ......، نیم کے پتے کی الگ تاثیر ......، پان کی الگ تاثیر ......، الگ ذائقہ ......، الگ خوشبو ......، پودینے کے الگ فوائد وغیرہ ......، پھولوں کی رنگا رنگی ...... مختلف پھولوں کی مختلف خوشبو ......، کانٹوں سے ان کی حفاظت اور سائے کا سکڑنا اور پھیلنا ...... کسی دستِ صناع کا غماز نہیں ......؟

⑥ امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی باریک بینی

امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بھی ایک سبز درخت کی عجوبہ کاریوں میں غور و فکر کیا اور خالق و مالک کو پہچان لیا، فرماتے ہیں:

میں نے توت کے درخت کو دیکھا، ایک ہی درخت ہے، جڑیں اور تنا ایک ہے، موسم اور ہوا ایک ہے، زمین ایک ہے، پانی ایک ہے، شاخیں ایک ہیں اور پتے بھی ایک قسم کے ہیں، پتوں کی رنگت ایک ہے، شکل و صورت ایک ہے، ذائقہ سب کا ایک ہے، سب کا مادہ ایک ہے۔ اسے گائے بھی کھاتی ہے، بکریاں بھی کھاتی ہیں، ہرن بھی اسے چرتے ہیں، پرند اور کیڑے بھی اسے کھاتے ہیں۔

مگر جب اسے ریشم کا کیڑا کھاتا ہے تو اس سے ریشم نکلتا ہے۔

اور جب شہد کی مکھی کھاتی ہے تو شہد بنتا ہے۔

ہرن کھاتا ہے تو مشک پیدا ہوتا ہے۔

اور گائے بکریاں کھاتی ہیں تو مینگنیاں دیتی ہیں، تو کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ ایک پتے میں یہ مختلف قسم کی

خاصیتیں، مختلف ثمرات اور نتائج پیدا کرنے والا کوئی ہے؟ یہ وہی ذات ہے جس کو ہم اللہ تعالیٰ مانتے ہیں۔ یہ سب اسی کی کرشمہ سازی اور عجوبہ کاریاں ہیں۔[۱]

اَللّٰہُ الوَاحِدُ

فَيَا عَجَبِیْ كَيْفَ يُعْصَى الْإِلٰهُ	أَمْ كَيْفَ يَجْحَدُهُ الْجَاحِدُ
سمجھ میں نہیں آتا کہ حق تعالیٰ کی نافرمانی کیسے کی جاتی ہے؟	یا منکر اس کی ذات کا انکار کیونکر کرسکتا ہے؟
وَلِلّٰهِ فِیْ كُلِّ تَحْرِيْكَةٍ	وَتَسْكِيْنَةٍ اَبَدًا شَاهِدُ
حالاں کہ ہر متحرک کی حرکت میں اور	ہر ساکن کے سکون میں وجود حق کی شہادت موجود ہے
وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ آيَةٌ	تَدُلُّ عَلٰى أَنَّهُ وَاحِدُ
اور ہر چیز میں اس کی ایسی نشانی موجود ہے	جو اس کی یکتائی پر دلالت کر رہی ہے

تشریح: توحید تمام انبیاء کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی تعلیمات کا خلاصہ اور آسمانی کتابوں کا بنیادی عقیدہ رہا ہے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ"، میں نفی اور اثبات کے ساتھ، اسی عقیدہ کا اقرار کروایا جاتا ہے، جس کو پڑھنے والا مؤمن، موحد اور نہ پڑھنے والا کافر، مشرک کہلاتا ہے، یہ وہ عقیدہ ہے جس کو قرآن کریم اور احادیث نبویہ نے مختلف دلائل اور مختلف شواہد سے جگہ جگہ ثابت کیا ہے، اور بے یقینی کو شرک سے تعبیر کیا ہے، قرآن کریم نے ایک جگہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے اِلٰہ نہ ہونے پر، ہر کس و ناکس کو سمجھ میں آنے والی، جامع دلیل دیتے ہوئے فرمایا: ﴿لَوْكَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾[۲] آج تک عالم کے نظام میں فرق نہ آنا، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ کائنات کا نظام ایک "الواحِدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" چلا رہا ہے۔

امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مذکورہ اشعار میں توحید کے عظیم الشان و اہم عقیدہ کو سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں: آسمان وزمین کی ایک ایک چیز، سوچنے والے کے سامنے؛ اللہ تعالیٰ کی توحید کو بیان کرتی ہے۔

اردو کا ایک شاعر کہتا ہے: ؎

انجم و شمس و قمر کافی تھے ابراہیم کو	ہسٹری کی کیا ضرورت دین کی تعلیم کو

ماننے والے کے لئے دلیلیں ہزار ہیں اور نہ ماننے والا پھر بھی دور کی گمراہی میں مبتلا رہتا ہے۔[۳]

۷ امام احمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی دلیل

امام احمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا:

میں نے ایک روز بڑے غور وفکر سے دیکھا، میرے سامنے ایک محل ہے، مضبوط قلعہ ہے، جو چاروں طرف سے بند

---

[۱] اللّٰه ...... اهل الثناء والمجد: ٥٣٤ [۲] الانبياء: ٢٢ [۳] شرح ديوان الامام الشافعي: ١٣٧

ہے، جس کی دیواریں بڑی مضبوط ہیں، اس میں کوئی روشن دان نہیں، کوئی کھڑکی نہیں، کوئی دروازہ نہیں، رسد اور خوراک کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہوا کے آنے جانے کا بھی کوئی ذریعہ نہیں، محل کو باہر سے سفیدی کر دی گئی ہے، چاندی کی طرح چمک رہا ہے اور اندر سے رنگ کر دیا گیا ہے، سونے کی طرح دمک رہا ہے، اوپر نیچے، دائیں بائیں ہر طرف سے بند ہے۔ اچانک اس کی دیوار گر پڑتی ہے اور اس بند محل سے ایک جان دار آنکھوں والا، کانوں والا بولتا چالتا ہوا، خوب صورت شکل والا، پیاری بولی بولنے والا، چلتا پھرتا چوزہ نکل آتا ہے اور اسی لمحے وہ اپنے دشمن کو بھی پہچانتا ہے اور اپنے مہربان کو بھی پہچانتا ہے وہ دانہ چگنا بھی جان لیتا ہے اور پانی چوسنا بھی جان لیتا ہے۔

بتاؤ! اس محفوظ مکان میں اور بند محل میں اسے پیدا کرنے والا، اس کی ہڈیاں، اس کا جسم، اس کا گوشت، اس کی چونچ، اس کی ٹانگیں، اس کو بلی سے بچنے اور ماں کے دامن میں پناہ لینے کا شعور دینے والا کوئی ہے کہ نہیں؟

یقیناً ہے اور وہ ایسی ذات ہے جس کی قدرت غیر محدود ہے۔ جس کا ایک نام "الْوَاجِدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے۔[1]

⑧ وجود باری تعالیٰ برحق ہے، اس کا عجیب ایمانی واقعہ

واقعہ نمبر (۳۹): "الْوَاجِدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے وجود سے کسی شخص کو انکار نہیں، لیکن ہر زمانے میں کچھ لوگ ایسی ذہنیت کے مالک رہے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کیا۔

اور عقیدۂ آخرت کا انکار کر بیٹھے۔ ایسا ہی ایک واقعہ حضرت مفتی عتیق الرحمٰن شہید رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے دوست کے ساتھ پیش آیا۔ جس کو انہوں نے روزنامہ اسلام کے کالم میں اس طرح تحریر کیا ہے:

"شمیم واسطی مرحوم میرے بہت اچھے دوست تھے۔ ان کی زندگی میں عجیب انقلاب رونما ہوا تھا، ایک ایسا شخص جو مسجد و مدرسہ اور مولوی و ملا کے نام سے الرجک تھا، بل کہ نفرت کی حد تک بغض رکھتا تھا اچانک تبدیل ہوا۔ گھنی لمبی ڈاڑھی اور زلفوں کے ساتھ سر پر ٹوپی اور مسجد و مدرسہ کا شیدائی بل کہ "مسجد کا کھونٹا" بن گیا تھا۔ اس خوش گوار تبدیلی سے اپنے اور پرائے، سب حیران ہو کر رہ گئے۔

واسطی صاحب سے میری شناسائی اس تبدیلی کے بعد ہی ہوئی تھی۔ میں ان دنوں ٹنڈو آدم میں رہائش پذیر تھا اور وہ حیدر آباد کے تبلیغی مرکز میں مقیم تھے۔ ایک تبلیغی اجتماع میں شرکت کے لئے وہ مجھے لینے کے لئے آئے ہوئے تھے اور بذریعہ کار ہمیں حیدر آباد پہنچنا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹہ کے سفر کی رفاقت کے دوران قرآنی تاثیر کا یہ واقعہ خود ان کی زبانی مجھے سننے کا موقع میسر آگیا۔ میں نے واسطی صاحب سے کہا: آپ کی زندگی میں "اسلامی انقلاب" کس طرح رونما ہوا؟ وہ کہنے لگے: "میں کمیونسٹ خیالات کا حامل تھا، مذہبی خیالات سے بیزار اور اللہ و رسول اور قیامت کے عقیدہ سے نفرت تھی۔ ہمارا

[1] اللّٰہ ...... اهل الثناء والمجد: ٥٣٥

ایمان پیسہ تھا، کیوں کہ کمیونسٹوں کا کلمہ ”لَا اِلٰهَ وَالْحَيَاةُ مَادَّةٌ“ ہے۔ یعنی کائنات میں اللہ کا کوئی وجود نہیں اور زندگی کا انحصار مادی وسائل پر ہے۔“ پاکستان میں کمیونسٹ مفادات کی نگرانی میرے سپرد تھی اور سوویت یونین کی طرف سے ”سرخوں“ کے نام لفافوں کی ترسیل میرے ہی توسط سے سرانجام پاتی تھی اور کمیونزم کی نشر و اشاعت کے لئے ہم نے پاکستان کسان پارٹی تشکیل دی ہوئی تھی جس کا بانی و چیئرمین میں تھا۔

جب صدر ضیاء الحق مرحوم نے مارشل لاء نافذ کیا تو سرخوں اور کامریڈوں کی شامت آگئی، چھاپے اور گرفتاریاں شروع ہوگئیں، مجھے[1] بھی گرفتار کرلیا گیا۔ میں بہت خوف زدہ تھا اور ایجنسیوں کے طرزِ عمل اور دھمکیوں سے اس خوف میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ مجھے ذہنی اذیت پہنچائی جاتی اور ”سرخ استعمار“ کے مستقبل کے عزائم کے بارے میں پوچھا جاتا، مختلف حربے استعمال کرنے کے باوجود وہ لوگ مجھ سے ”کچھ“ اگلوانے میں ناکام رہے۔ مجھے ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی کہ نہ جانے اب کیا ہوگا، مجھے اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا اور روز مرہ کے تشدد نے مجھے اندر سے بالکل توڑ کر رکھ دیا تھا اور میں بڑی حد تک اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔ وہ لوگ بھی تشدد سے تنگ آچکے تھے۔

ایک دن کیا ہوا کہ فوج کی تحقیقاتی ٹیم اپنے سوالات کے تیر و نشتر سے مجھے چھلنی کر رہی تھی اور میں بھی اپنے لبوں پر مہرِ سکوت لگائے نہایت ناگواری مگر پوری کامیابی کے ساتھ ان کے سوالات کو ٹال رہا تھا کہ تحقیقاتی ٹیم کا ایک افسر تیزی سے اٹھا اور اس نے مجھے اٹھا کر قریب بچھی ہوئی لوہے کی چارپائی پر پوری قوت سے پٹخ دیا اور دھاڑتے ہوئے کہنے لگا: ”تمہارے عدم تعاون کا یہی طرز رہا تو ہم تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔“ وہ فوراً ہی کمرے کے اندر گیا اور کپڑے کی ایک چادر لاکر میری ٹانگوں پر لپیٹ کر اسے زور زور سے کسنے اور بل دینے لگا۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا اور زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے خدا یاد آنے لگا، میں نے دل ہی دل میں کہا: ”اے خدا! اگر تو واقعی موجود ہے تو اپنی قدرت دکھا کر مجھے بچالے“ میرے دل میں یہ خیال آنا ہی تھا کہ ٹانگوں سے لپٹی ہوئی چادر کے چیتھڑے اڑ گئے اور میرے پاؤں آزاد ہوگئے۔

یہ کہتے ہوئے وہ تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوئے، اپنی پرنم آنکھیں دستی رومال سے پونچھیں اور پھر رندھی ہوئی آواز میں گویا ہوئے ”مفتی صاحب! میں اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتا تھا، اللہ تعالیٰ کا باغی تھا، اس لئے یہ سمجھا کہ کپڑا بوسیدہ ہوگا فوجی جوان کا زور برداشت نہ کر سکا اور پھٹ گیا۔ شاید وہ فوجی بھی یہی سمجھا۔ وہ پھر اندر گیا اور سوت کا بٹا ہوا ایک موٹا رَسا لا کر پھر میری ٹانگوں میں بل دینے لگا مگر وہ مضبوط رسہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔

اب تک ایک کمیونسٹ اور مسلمان دونوں یہی سمجھ رہے تھے کہ بوسیدگی کی وجہ سے کپڑا اور رسہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ پھر وہ اندر گیا اور شاید فوجی گاڑیوں کو کھینچنے کے لئے استعمال ہونے والی لوہے کی موٹی زنجیر لاکر میری ٹانگوں کو پوری قوت

[1] مراد شمیم واسطی مرحوم ہیں۔

سے باندھنے لگا۔ جب وہ زنجیر بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوکر زمین پر آ رہی تو وہ انتہائی مایوسی کے عالم میں ہانپتا ہوا ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ ٹیم کے باقی ممبران بھی یہ منظر دیکھ رہے تھے اور میں دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر حیرت واستعجاب میں مبتلا تھا اور میری زبان پر بے اختیار کلمہ شہادت جاری ہو چکا تھا۔

یہاں پہنچ کر واسطی صاحب پھر ایک لمحہ کو رکے، ہم دونوں آب دیدہ نگاہوں سے تھوڑی دیر تک ایک دوسرے کو تکتے رہے، مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتے ہیں، مگر الفاظ ان کا ساتھ نہیں دے رہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کپکپاتے ہونٹوں سے وہ پھر گویا ہوئے، کہنے لگے: ''اللہ تعالیٰ کی مدد دیکھ کر میرا نظریہ شکست کھا چکا تھا، میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ اللہ موجود ہے اور پوری کائنات پر اس کی گرفت مضبوط ہے، اس کے حکم کے بغیر پتہ بھی نہیں ہلتا، تب ہی تو کپڑا، رسہ اور پھر مضبوط زنجیر کی کڑیاں اس کے حکم سے ٹوٹ کر بکھر چکی تھیں، مجھ جیسے باغی اور مجرم کے دل میں پیدا ہونے والے جذبات وخیالات کو وہ جانتا ہے اور ایسا بردبار اور تحمل والا ہے اور گناہ گاروں سے بھی محبت کرنے والا ہے کہ میری خفیہ درخواست پر بھی اس نے فوراً مدد فرمائی اور مجھے ان کے مظالم سے نجات عطا فرما کر ایمان کی دولت سے نوازا۔ میرے دل کی دنیا ہی بدل چکی تھی اور میں چارپائی پر پڑے پڑے اندر ہی اندر اپنے رب سے صلح کر چکا تھا، تحقیقاتی ٹیم کے تمام ممبر پریشان دکھائی دے رہے تھے، تھوڑی دیر تک وہ سر جوڑ کر کچھ مشورہ کرتے رہے اور پھر مجھے ایک کمرے میں دھکیل کر خاموشی سے سر جھکائے ہوئے اٹھ کر چلے گئے، میرے جسم کا ہر رونگٹا امتنان وتشکر کے جذبات سے لبریز تھا اور ندامت کے آنسو میری آنکھوں سے بہہ رہے تھے اور میری زبان پر بے اختیار یہ جملہ جاری ہو چکا تھا۔

''اللہ تو ہے، اللہ تو ہے۔''

کبھی میں اس جملے کی رٹ لگاتا اور کبھی کلمہ طیبہ اور شہادت کا ورد شروع کر دیتا۔

اس موقعہ پر مجھے مسجد کے اندر میاں جی سے بچپن میں کلمہ ونماز یاد کرنے کی اہمیت کا احساس ہوا اور جن لوگوں کو ہم بے چارے ''موذن یا امام'' سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اسلام کے ان خاموش سپاہیوں کی بے لوث خدمت پر بے اختیار سلام پیش کرنے کو جی چاہنے لگا۔ میں کھڑکی کے سامنے آکر کھڑا ہوا اور ڈیوٹی پر موجود فوجی کی نظر التفات کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے متوجہ ہونے پر میں نے درخواست کی کہ مجھے جائے نماز، لوٹا اور ترجمہ والا قرآن چاہئے وہ میرے مطالبے پر حیران تو ہوا، مگر اس نے جلد ہی میری مطلوبہ چیزیں مہیا کر دیں اور میں وضو کر کے اپنے رب کے حضور سر بسجود ہوگیا۔''

انہوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: ''ہوش سنبھالنے کے بعد پہلی مرتبہ ایمانی جذبہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشانی جھکائی تھی، میں اس کا مزہ اور لطف بیان کرنے سے قاصر ہوں، نہ جانے کب تک سجدوں پر سجدے کرتا رہا اور ندامت کے آنسو بہاتا رہا۔ نماز سے فارغ ہوکر میں نے تلاوتِ کلام پاک شروع کر دی، اب میرا یہ معمول بن چکا تھا،

دن بھر تلاوت اور نماز میں مشغول رہتا تھا، اب فوجی بھی میرا احترام کرنے لگے تھے اور تحقیقاتی مراحل بھی انتہائی مختصر اور رسمی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔

مگر چند ہی روز میں تحقیقاتی ٹیم کے ارکان تبدیل کر دیئے گئے اور تشدد و اذیت کا سلسلہ پھر شروع ہوگیا۔ کسی سے گفتگو ملاقات کی اجازت نہیں تھی۔ میرے دل میں سوالات کا ایک طوفان برپا رہتا تھا، مگر کوئی جواب دینے والا نہیں تھا، میں بچپن میں سنا کرتا تھا کہ تلاوت قرآن کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی سے باتیں کرتا ہے، لہٰذا میں نے اللہ تعالیٰ ہی سے اپنے سوالات کے جوابات لینے کا فیصلہ کرلیا۔ واقعی قرآن کریم کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے میرا رابطہ استوار ہوگیا، میرے دل میں جو بھی سوال پیدا ہوتا تلاوت کے دوران کوئی نہ کوئی ایسی آیت سامنے آجاتی جو میرے لئے تسلی اور اطمینان کا باعث بن جاتی۔''

میں نے کہا: ''واسطی صاحب ایک دو سوالات بتائیں، جن کا جواب آپ کو قرآن کریم سے ملا ہو۔''

کہنے لگے: ''ایک دن مجھے یہ بات شدت سے پریشان کر رہی تھی کہ میری پارٹی میرے لئے کیا کر رہی ہے، میری رہائی کے لئے ان کی کوئی کوشش میرے سامنے نہیں آئی تھی۔ میں جب تلاوت کلام پاک کے لئے بیٹھا تو قرآن کریم کی اس آیت نے میری پریشانی حل کر دی ﴿كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾[1] (ہر پارٹی کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی پر خوش ہے) میں سمجھ گیا کہ وہ اپنے آپ میں مگن ہیں اور انہیں میری کوئی فکر نہیں ہے۔ پھر مجھے یہ خیال ستانے لگا کہ معلوم نہیں میرے رشتہ دار کیا کر رہے ہیں۔

شاید ان ہی کی کوششوں سے مجھے رہائی مل جائے۔ دوران تلاوت ایک آیت سامنے آئی: ﴿يَوْمَ يَفِرُّ ٱلْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝٣٤ وَأُمِّهِۦ وَأَبِيهِ ۝٣٥ وَصَـٰحِبَتِهِۦ وَبَنِيهِ ۝٣٦﴾[2] جس کا مفہوم یہ تھا: ''جس دن آدمی اپنے بھائی، ماں، باپ، اولاد اور بیوی سے بھاگے گا، ہر ایک کے اپنے مسائل اسے دوسرے سے لاتعلق کر دیں گے۔'' میں سمجھ گیا کہ جب قیامت جیسے ہول ناک دن میں کوئی کام نہیں آئے گا تو دنیا میں ان سے کیا توقع رکھی جا سکتی ہے۔ اس سے یہ واضح ہوگیا کہ عزیز و اقارب اور رشتہ دار بھی کام نہیں آئیں گے۔ اس طرح بچپن کی سنی ہوئی بات عملی طور پر میرے سامنے آگئی اور قرآنِ کریم پر اعتقاد روز بروز بڑھنے لگا۔ پھر تو معمول بن گیا جیسے ہی کوئی پریشانی یا گھبراہٹ ستاتی میں تلاوت شروع کر دیتا۔ قرآنِ کریم مجھے تسلی بھی دیتا اور رہنمائی بھی کرتا۔

میں نے پوچھا: اس زمانہ میں کون سا ترجمہ و تفسیر آپ کے مطالعہ میں تھا، کہنے لگے: ''یہ بھی عجیب بات ہے کہ ایک قیدی کی ہدایت کا ذریعہ وہ ترجمہ بنا جو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے ایک پابندِ سلاسل قیدی کے قلم سے لکھا گیا تھا، یعنی تفسیر عثمانی جس کا ترجمہ اور سورۃ النساء تک تفسیر اسیر مالٹا شیخ الہند مولانا محمود حسن نے برصغیر کی آزادی کی

---

[1] المؤمنون: ٥٣ [2] عبس: ٣٤ تا ٣٦

تحریک چلانے کی پاداش میں کالے پانی کی سزا کے دوران تحریر کیا تھا، اور بعد میں حضرت کے نامور شاگرد اور قیام پاکستان کے صفِ اوّل کے قائد مولانا شبیر احمد عثمانی نے مکمل فرمایا تھا۔

تفسیر عثمانی میری محسن اور جیل کی تنہائیوں میں میری ساتھی رہی ہے، اس لئے میں اس کا مطالعہ بڑی پابندی سے کرتا ہوں اور اسے حرزِ جاں بنا کر رکھتا ہوں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کر لیا تھا کہ رہائی کی صورت میں پوری زندگی خدمتِ قرآن میں گزار دوں گا، چناں چہ چند ماہ کے اندر اندر ہی فوجی حکام نے مجھے بری کر دیا اور رہائی ملتے ہی میں نے اپنے محلے کی مسجد میں بچوں کو تعلیم قرآن دینی شروع کر دی اور اسی اثناء میں تبلیغ والوں سے رابطہ ہو گیا اور اس طرح دعوت وتبلیغ کی عالمی محنت سے منسلک ہو کر دین اسلام اور قرآنی تعلیمات کی نشر واشاعت کو اپنا مقصد بنا کر زندگی گزار رہا ہوں۔

بعد میں ایک موقع پر میرا حیدرآباد کے سول اسپتال میں کسی مریض کی عیادت کے لئے جانا ہوا تو وارڈ کے اندر ایک بستر پر واسطی صاحب کو لیٹے ہوئے پایا، مرض نے انہیں بہت کمزور اور نحیف کر دیا تھا، ہڈیوں کا ڈھانچہ نظر آ رہے تھے، میں نے قریب جا کر خیریت دریافت کی کہنے لگے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! میرے اللہ نے جس حال میں رکھا ہے اسی میں خوش ہوں۔'' توبہ نے ان کے گناہ یقیناً معاف کرا دیئے ہوں گے اور یہ بیماری ان کے لئے رفعِ درجات کا باعث ہوگی، کچھ عرصہ بعد اخبار کے ذریعے ان کے انتقال کی خبر پڑھی، وہ بندۂ خدا اپنے رب سے جا ملا۔'' (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) [1]

فوائد ونصائح

بندہ کا اس اسم سے حصہ یہ ہے:

1. باری تعالیٰ کی رضا کے لئے ہر وقت کوشاں رہے۔
2. معمولی نیکی مثلاً راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کو بھی نہ چھوڑے کہ آخرت میں انشاء اللہ ''اَلْوَاجِدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے ہاں اس کا اجر پائے گا۔
3. روزِ جزا ہر عمل کو نیک ہو یا بد، چھوٹا ہو یا بڑا ''اَلْوَاجِدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے ہاں پائے گا کیوں کہ وہ ہر چیز کو پانے والا ہے، اس لئے اپنے کسی بھی عمل کو اللہ کے سوا کسی اور کے لئے نہ کرے ورنہ آخرت میں کچھ نہ ملے گا۔

[1] بشکریہ روز نامہ اسلام

المَاجِدُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(بزرگی اور بڑائی والا)

اس اسم کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

"اَلْمَاجِدُ فِي اللُّغَةِ: كَثِيْرُ الشَّرَفِ" [۱]

ترجمہ: "لغت میں ماجد انتہائی بزرگی وعظمت کو کہتے ہیں۔"

"المَاجِدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" اور "المَجِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" دونوں "مَجد" سے ہیں۔ مجید میں مبالغہ ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہے:

"سُبْحَانَ الَّذِيْ تَعَطَّفَ الْعِزَّ وَقَالَ بِهٖ سُبْحَانَ الَّذِیْ لَبِسَ الْمَجْدَ وَتَكَرَّمَ بِهٖ سُبْحَانَ الَّذِيْ لَا يَنْبَغِي التَّسْبِيْحُ إِلَّا لَهٗ سُبْحَانَ ذِی الْفَضْلِ وَالنِّعَمِ سُبْحَانَ ذِی الْمَجْدِ وَالْكَرَمِ سُبْحَانَ ذِی الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ." [۲]

ترجمہ: "پاک ہے وہ ذات ...... عزت جس کی چادر ہے اور عزت اس کا فرمان ہے، پاک ہے وہ ذات ...... بزرگی جس کا لباس ہے۔ پاکی ہے، پاک ہے وہ ذات کہ پاکیزگی صرف اسی کے لئے ہے، فضل اور نعمتیں عطا کرنے والی ذات وہی ہے۔ پاکی ہے، شرف اور کرم والی ذات ہے، پاک ہے وہ ذات جو بڑے جلال واکرام والی ہے۔"

مجید کا لفظ قرآن کریم میں چار جگہ آیا ہے۔ جن میں سے دو مقامات مندرجہ ذیل ہیں:

۱ ﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿١٥﴾﴾ [۳]

۲ ﴿إِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾ [۴]

﴿حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾ أي: مَحْمُوْدٌ مَاجِدٌ. [۵]

ابوعبیدہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا: حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ یعنی وہ ذات جس کی تعریف کی گئی اور بزرگی والا ہے۔

---

[۱] النهج الاسمٰى: ۴۳۱/۱ [۲] ترمذي، الدعوات، باب ماجاء ما يقول إذا قام من الليل الى الصلٰوة: ۱۷۹/۲

[۳] البروج: ۱۴، ۱۵ [۴] هود: ۷۳ [۵] النهج الأسمٰى: ۴۳۲/۱

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی کئی آیات مبارکہ میں اپنی بزرگی، بڑائی اور شان بیان کی ہے، بل کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی بڑائی، بزرگی اور تعظیم سے بھرا ہوا ہے اور اسی طرح احادیث مبارکہ بھی، قرآن مجید کی اکثر آیات اور سورتیں اللہ تعالیٰ کی بزرگی و تعظیم پر مشتمل ہیں۔ جیسے کہ آیۃ الکرسی، سورۃ البقرۃ میں اور سورۃ الفاتحۃ اور سورۃ الاخلاص۔

اور سب سے بڑی چیز جس کے ذریعے سے بندہ اپنے رب کی تعظیم اور بزرگی بیان کرتا ہے وہ ہے قرآن مجید کی تلاوت دن میں اور رات میں (جب موقع ملے حافظ قرآن کو روزانہ تین پارے اور غیر حافظ کو ایک پارہ کم از کم تلاوت کرنا چاہئے) اللہ تعالیٰ کی بزرگی وثناء کماحقہ کوئی بھی بھرپور طریقے سے نہیں کرسکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف قرآن مجید میں کی ہے۔“ [۱]

فوائد ونصائح

بندہ کا حصہ اس اسم سے یہ ہے:

۱ ہر وقت ”الْمَاجِدُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی بزرگی اور بڑائی بیان کرے۔

۲ باقی ہر شئے کی بڑائی کو دل سے نکال دے اور جب کوئی چیز بڑائی والی لگے تو بھی یہ سوچے کہ اس کو یہ مرتبہ بھی تو ”الْمَاجِدُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ نے ہی دیا ہے۔

۳ اپنے آپ کو سب سے کم تر سمجھے، قرآن مجید کی تلاوت کثرت سے کرے نمازیں نہ چھوڑے، شرک و بدعت سے دور رہے۔

---

[۱] ”مَجَّدَ اللّٰهُ تَعَالٰی نَفْسَهٗ فِيْ كِتَابِهِ الْعَزِيْزِ فِيْ اٰيَاتٍ كَثِيْرَةٍ بَلِ الْقُرْآنُ مَلِيْءٌ بِتَمْجِيْدِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَتَعْظِيْمِهٖ وَكَذَا حَدِيْثُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَعْظَمُ اٰيَاتِ الْقُرْاٰنِ وَسُوَرِهٖ هِيَ الَّتِيْ اِحْتَوَتْ عَلٰى ذَالِكَ كَاٰيَةِ الْكُرْسِيِّ فِى الْبَقَرَةِ وَسُوْرَةِ الْفَاتِحَةِ وَالْإِخْلَاصِ.

وَمِنْ أَعْظَمِ مَا يُعَظِّمُ بِهِ الْعَبْدُ رَبَّهٗ وَيُمَجِّدُهٗ هُوَ تِلَاوَةُ كِتَابِهٖ آنَاءَ اللَّيْلِ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ فَإِنَّهٗ لَا أَحَدٌ يُحْصِي الثَّنَاءَ عَلَيْهِ وَالتَّمْجِيْدَ لَهٗ هُوَ كَمَا أَثْنٰى عَلٰى نَفْسِهٖ.“ (النہج الأسمٰی: ۱/۴۳۴)

الواحِدُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(اکیلا، تن تنہا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "(اَلْوَاحِدُ) هُوَ الْفَرْدُ الَّذِي لَمْ يَزَلْ وَحْدَهُ، وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ اٰخَرُ"[1]

"امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "الواحِدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو ایک ہے اور ہمیشہ سے تنہا ہے اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں۔"

❷ "امام سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "الواحِدُ الاَحَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو اپنے تمام کمالات میں یکتا ہے، ان کمالات میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں، بندوں پر واجب ہے کہ اسے تمام کمالات میں منفرد مانیں، نیز عقیدۃً قولاً اور عملاً اسے ایک ہی سمجھیں، اور اس کی ذات کے حق میں کمالِ مطلق کا اعتراف کریں کہ وہ ذات ہر کمال کی جامع ہے، وحدانیت میں اسے منفرد تسلیم کریں اور ہر قسم کی عبادت اسی کے لئے خالص کریں۔"[2]

یہ اسم مبارک قرآن مجید میں کئی مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾[3]

❷ ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ﴾[4]

❸ ﴿يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾[5]

اسی توحید کی دعوت کی خاطر انبیاء عَلَيْهِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو بھیجا گیا، ان پر کتابیں نازل کی گئیں اور اسی توحید کے فرق کی

---

[1] النهج الأسمٰى: ۸۷/۲

[2] "اَلْوَاحِدُ الْأَحَدُ"، وَهُوَ الَّذِي تَوَحَّدَ بِجَمِيعِ الْكَمَالَاتِ، بِحَيْثُ لَا يُشَارِكُهُ فِيهَا مُشَارِكٌ، وَيَجِبُ عَلَى الْعَبِيدِ تَوْحِيدُهُ عَقْدًا وَقَوْلًا وَعَمَلًا، بِأَنْ يَعْتَرِفُوْا بِكَمَالِهِ الْمُطْلَقِ، وَتَفَرُّدِهِ بِالْوَحْدَانِيَّةِ وَيُفْرِدُوْهُ بِأَنْوَاعِ الْعِبَادَةِ." (تيسير الكريم الرحمن: ۲۹۸/۵، بحواله النهج الأسمٰى: ۸۹/۲)

[3] البقرة: ۱۶۳ [4] النساء: ۱۷۱ [5] يوسف: ۳۹

بنیاد پر لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہوئے، مؤمنین اور نیک بخت، کفار اور بد بخت، کلمہ طیبہ کا بھی یہی مفہوم ہے: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، جس کی جانب تمام انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے اپنی قوموں کو دعوت دی۔

(آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی حیات طیبہ کا مقصد بھی توحید باری تعالیٰ کی جانب دعوت کو عام کرنا تھا آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنے صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو بھی اسی کی تعلیم و تلقین فرمائی)۔

چناں چہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنے قاصد حضرت معاذ بن جبل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اہلِ یمن کی جانب روانہ فرمایا اور ان کو سب سے پہلے توحید باری تعالیٰ کی دعوت دینے کا حکم فرمایا، جیسا کہ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی حدیث ہے کہ جب نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت معاذ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو یمن والوں کی جانب بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو ان سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا: ''تم ایسی قوم کی طرف جا رہے ہو جو اہلِ کتاب میں سے ہیں، لہٰذا سب سے پہلی دعوت یہ ہونی چاہئے کہ تم انہیں اللہ ربّ العزت کی توحید کی جانب بلاؤ، پس جب وہ توحید باری تعالیٰ کو جان جائیں تو انہیں یہ بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔''[1]

(اس حدیث سے توحید باری تعالیٰ کی اہمیت ثابت ہوتی ہے کہ یہ تمام نیک اعمال کے لئے اساس و بنیاد ہے، بلا توحید کوئی عمل عنداللہ مقبول نہیں اور شرک ''اَکْبَرُ الْکَبَائِر'' میں سے ہے)۔

''اللہ تعالیٰ ہی ''اَلْوَاحِدُ'' اور ''اَلْاَحَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہیں اس کو چھوڑ کر اپنی عبادت کا رخ کسی غیر کی جانب موڑ دینا قطعاً ناجائز ہے۔ وہی معبود برحق ہے، اس کے علاوہ جس کسی کی بھی عبادت کی جاتی ہے وہ باطل اور دھوکہ ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے بندوں کو یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے آقا اور مولی کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کی جانب توجہ کریں، خواہ نماز ہو یا دعا ہو، قربانی ہو یا نذر ہو، توکل ہو یا امید وخوف ہو، خشوع ہو یا خضوع، تمام چیزوں کو اپنے رب تعالیٰ ہی کے لئے خالص کریں، اور اسی کی جانب متوجہ رہیں، بل کہ ایسے رہیں جیسا کہ ہمارے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ یہ کہیں، جس کا ترجمہ یہ ہے:

---

[1] وَهٰذَا التَّوْحِيْدُ هُوَ الَّذِيْ مِنْ أَجْلِهٖ أُرْسِلَتِ الرُّسُلُ وَأُنْزِلَتِ الْكُتُبُ، وَبِهِ افْتَرَقَ النَّاسُ إِلٰى مُؤْمِنِيْنَ وَكُفَّارٍ، وَسُعَدَاءَ وَأَشْقِيَاءَ، وَهُوَ مَعْنٰى قَوْلِ: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، الَّذِيْ دَعَتِ الرُّسُلُ أَقْوَامَهَا إِلَيْهِ.

وَقَدْ أَمَرَ الرَّسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُوْلَهٗ إِلٰى أَهْلِ الْيَمَنِ أَنْ يَّبْدَأَ أَوَّلًا بِدَعْوَتِهِمْ إِلٰى تَوْحِيْدِ اللّٰهِ تَعَالٰى، كَمَا فِيْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: "لَمَّا بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَاذًا إِلٰى نَحْوِ أَهْلِ الْيَمَنِ قَالَ لَهٗ: إِنَّكَ تَقْدَمُ عَلٰى قَوْمٍ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوْهُمْ إِلٰى أَنْ يُّوَحِّدُوا اللّٰهَ تَعَالٰى، فَإِذَا عَرَفُوْا ذٰلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ. (البخاری، التوحید، ماجاء فی دعاء النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ...... رقم: ۷۳۷۲، النهج الأسمٰى: ۹۱/۲)

''آپ فرما دیجئے کہ یقیناً میری نماز اور میری ساری عبادات اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے، جو سارے جہانوں کا مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے، اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔'' [1]

حدیث قدسی میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالاں کہ اسے اس کا کوئی حق نہیں تھا، اس نے مجھے گالی بھی دی حالاں کہ اسے اس کا بھی کوئی حق نہیں تھا، اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے ''مجھے دوبارہ کوئی نہیں پیدا کرے گا جیسا کہ پہلی مرتبہ مجھے پیدا کیا گیا۔'' حالاں کہ میرے لئے دوسری مرتبہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ مشکل نہیں۔ (پہلی، دوسری، بل کہ ہر مرتبہ پیدا کرنا اسی طرح آسان ہے جیسا کہ پہلی مرتبہ) اس کے علاوہ ابن آدم کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے: ''اللہ کا بیٹا ہے۔'' حالاں کہ میں ایک ہوں، بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا ہے اور نہ میں کسی سے پیدا ہوا ہوں اور نہ ہی میری برابری کرنے والا کوئی ہے۔'' [2]

اس اسم مبارک سے ایمانی اثرات یہ حاصل ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود ہیں ''الواحد'' اور ''الاحد جل جلالہ'' وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کی ذات، صفات اور اس کے کاموں میں کوئی اس کا شریک نہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ سورۂ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۱ میں ارشاد فرماتے ہیں: ''نہیں اس جیسا کوئی اور وہ سننے والا ہے اور دیکھنے والا ہے۔'' ایسے ہی سورۂ مریم کی آیت نمبر ۶۵ میں ہے: ''کیا تیرے علم میں اس کا ہم نام ہم پلہ کوئی اور بھی ہے......؟'' ایسے ہی سورۃ اخلاص کی آیت نمبر ۴ میں ارشاد فرمایا: ''نہیں اس کے جوڑ کا کوئی......۔''

ہمارے رب بزرگ و برتر کو اس کی مخلوقات کے ساتھ تشبیہ دینا ہرگز جائز نہیں، اس لئے کہ اس نے خود اپنی تعریف بتائی ہے کہ وہ کسی بھی چیز کے مشابہ نہیں۔ جو کچھ بھی کسی انسان کے ذہن میں آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ برتر ہیں۔ تو وہ ایسا ''الواحد جل جلالہ'' ہے جس کا کوئی شریک اور نظیر نہیں (نہ ذات میں، نہ اس کی صفات میں اور نہ اس کے افعال میں) اور نہ ہی اس کا کوئی مشابہ یا مثل ہے۔ [3]

---

[1] اَللّٰهُ تَعَالٰى هُوَ الْوَاحِدُ الْأَحَدُ الَّذِيْ لَا يَجُوْزُ أَنْ تُصْرَفَ الْعِبَادَةُ لِغَيْرِهِ فَهُوَ الْمَعْبُوْدُ بِحَقٍّ وَغَيْرُهُ يُعْبَدُ بِالْبَاطِلِ، فَلَا يَجُوْزُ لِعَبِيْدِهِ أَنْ يَتَوَجَّهُوْا لِغَيْرِ سَيِّدِهِمْ بِعِبَادَةٍ مِنَ الْعِبَادَاتِ، صَلَاةً كَانَتْ أَوْ دُعَاءً أَوْ ذَبْحًا أَوْ نَذْرًا أَوْ تَوَكُّلًا أَوْ رَجَاءً أَوْ خَوْفًا أَوْ خُشُوْعًا أَوْ خُضُوْعًا، بَلْ يَكُوْنُوْا كَمَا أُمِرَ نَبِيُّنَا أَنْ يَقُوْلَ: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾﴾ (الانعام: ۱۶۲، ۱۶۳، النهج الأسمٰى: ۹۲/۲)

[2] بخاري، تفسير قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، رقم: ۴۹۸۴

[3] مِنْ آثَارِ الإِيْمَانِ بِهٰذَا الإِسْمِ: اَللّٰهُ جَلَّ ثَنَاؤُهُ هُوَ الإِلٰهُ ''الْوَاحِدُ الْأَحَدُ'' الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، فِيْ ذَاتِهٖ وَلَا فِيْ صِفَاتِهٖ وَلَا أَفْعَالِهٖ كَمَا قَالَ سُبْحَانَهٗ:

ہر نبی نے اپنی قوم کو اَلْوَاحِدُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی توحید کا پیغام دیا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ﴾[1]

تَرجَمَہ: ”اور کہا ہے اللہ تعالیٰ نے مت پکڑو معبود دو، وہ معبود ایک ہی ہے سو مجھ سے ڈرو۔“

یعنی جب تمام آسمانی و زمینی مخلوق ایک اللہ تعالیٰ کے سامنے بے اختیار سر بسجود اور عاجز و مقہور ہے، پھر عبادت میں کوئی دوسرا شریک کہاں سے آگیا، جو سارے جہاں کا مالک و مطاع ہے، تنہا اُسی کی عبادت ہونی چاہئے اور اسی سے ڈرنا چاہئے۔[2]

جب کائنات کا خالق ایک ہے، اور وہی بلا شرکت غیر کے تمام کائنات کا نظم و نسق چلا رہا ہے تو معبود بھی صرف وہی ہے جو اکیلا ہے، دو یا دو سے زیادہ نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرما چکا ہے کہ دو معبود نہ بناؤ، معبود تو صرف وہی اکیلا ہے۔ پس تم سب صرف میرا ہی ڈر خوف رکھو۔

جتنی صفات اس سے پہلے گزریں، ان سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ”عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ“ اور ”عَلِيْمُ الْكُلِّ“ ہے سب کے ساتھ اور سب سے قریب ہے، قادرِ مطلق ہے، سب کا خالق اور رازق اور سب کا کارساز و پروردگار ہے، اور وہی اس ساری کائنات کا مالک و حاکم اور قیوم ہے، اور یہاں جو کچھ ہوتا ہے اسی کے حکم سے ہوتا ہے، اس کے علاوہ کوئی ہستی نہیں جو بلا اس کے حکم یہاں کچھ کر سکے۔ ہر قسم کی عظمت و کبریائی اسی کے لئے ہے اور وہ بڑی رحمت والا اور نہایت مہربان ہے اور ساتھ ہی وہ بڑا بے نیاز بھی ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں، اس کو کسی کی پروا نہیں، اور وہ صاحبِ عدالت بھی ہے یعنی ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دینے والا ہے، اور ان صفاتِ کمال سے موصوف ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ہر اُس بات اور ہر اُس چیز سے بری بھی ہے جس میں نقص و عیب کا کوئی پہلو اور کوئی شائبہ ہو اور جو اس کی شانِ قدوسیت کے خلاف ہو۔

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشورى: ۱۱)

﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ (مريم: ٦٥)

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ (الاخلاص: ٤)

فَلَا يَجُوْزُ أَنْ يُّشَبَّهَ رَبُّنَا تَعَالٰى جَدُّهٗ بِشَيْءٍ مِّنْ مَخْلُوْقَاتِهٖ لِأَنَّهٗ تَعَالٰى أَخْبَرَنَا عَنْ نَّفْسِهٖ. وَهُوَ أَعْلَمُ بِنَفْسِهٖ. أَنَّهٗ لَيْسَ مُشَابِهًا لِّشَيْءٍ مِّنْهَا، فَكُلُّ مَا خَطَرَ بِبَالِكَ فَاللّٰهُ بِخِلَافِ ذٰلِكَ، فَهُوَ الْوَاحِدُ الَّذِيْ لَيْسَ لَهٗ نِدٌّ وَلَا نَظِيْرٌ، وَلَا شِبْهٌ وَلَا مِثْلٌ.

(النهج الأسمٰى: ۸۹/۲)

[1] النحل: ۵۱ [2] تفسیر عثمانی: ۳٦۰/۱

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾[1]

ترجمہ: ”اگر زمین وآسمان میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود ہوتے تو دونوں (زمین وآسمان) خراب ہو جاتے۔“

یعنی عالم کا جو نظام دکھائی دیتا ہے وہ سب درہم برہم ہو جاتا، طلوع وغروب، دن اور رات، گرمی اور سردی، بادلوں کا برسنا اور زمین سے پیداوار کا ہونا، وغیرہ وغیرہ یہ سارا نظام درہم برہم ہو جاتا، لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ آسمان اور زمین اپنی اپنی جگہ قائم ہیں۔

چاند اور سورج اپنے اپنے وقت پر نکلتے اور ڈوبتے ہیں، دن رات آجا رہے ہیں اور آسمان سے پانی کا برسنا اور زمین سے روئیدگی حسب دستور جاری ہے۔ غرض یہ سارا کارخانۂ عالم ایک ہی طریقہ اور ایک ہی وتیرہ پر چل رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ تمام عالم کا مدبر اور متصرف صرف ایک ہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے حکم سے یہ سارا کارخانہ چل رہا ہے، کسی دوسرے کے ارادہ اور تصرف کو ذرہ برابر اس میں دخل نہیں، پس اگر اللہ تعالیٰ کے سوا آسمان وزمین کی تخلیق اور تدبیر میں اگر کوئی اور شریک ہوتے تو باہمی اختلاف اور کشمکش کی وجہ سے آسمان وزمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا، کیوں کہ جس وقت حاکم متعدد ہوں تو لامحالہ رایوں میں تمانع اور تنازع یعنی باہم اختلاف پیش آئے گا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نظامِ مملکت تباہ اور خراب ہوگا۔

اسی طرح اگر عالم کے خالق اور مدبر دو خدا ہوتے تو آسمان وزمین کا تمام نظام درہم برہم ہو جاتا، لیکن آسمان وزمین کا قیام اور ان کا نظام اچھے اور عمدہ طریقے سے سب کے سامنے ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ دو اللہ (دو خدا) کا وجود باطل ہے، پس اگر ذرا بھی سمجھ ہے تو دنیا کے نظم ونسق کو دیکھ کر اس کی وحدانیت کے قائل ہو جائیں۔

اگر آسمان اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے سوا کئی خدا ہوتے تو جس طرح مختلف بادشاہوں کے ایوان میں تمانع اور تنازع یعنی باہم اختلاف اور تزاحم ہوتا ہے اور ہر ایک اپنی رائے کا نفاذ چاہتا ہے تو اسی طرح ان چند خداؤں کی خدائی میں بھی ضرور اختلاف اور تزاحم ہوتا۔

پس چند خداؤں کی موجودگی میں باہم اختلاف اور جنگ کا ہونا لازم ہے اور دو خداؤں کی جنگ کا نتیجہ ظاہر ہے کہ جب دو خداؤں میں جنگ ہونے لگے اور خدائی میں رسہ کشی ہونے لگے تو لامحالہ آسمان وزمین تباہ و برباد ہو جائیں گے، اور اگر ایجاد عالم سے پہلے ہی دونوں خداؤں کے ارادوں میں اختلاف ہو جاتا کہ ایک خدا عالم پیدا کرنا چاہتا اور دوسرا یہ چاہتا کہ پیدا نہ ہو تو پھر سرے سے عالم پیدا ہی نہ ہوتا، عالم کے وجود میں آنے سے پہلے ہی دو خداؤں کے ارادوں میں ٹکر اور رسہ کشی ہوتی، تو ایسی صورت میں کوئی چیز وجود ہی میں نہیں آسکتی اور اگر موجودہ چیز پر دو خدا زور آزمائی کرنے لگیں تو

---

[1] الانبیاء: ۲۲

اس کشمکش میں وہ چیز ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے گی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آسمان اور زمین تباہ اور برباد ہو جاتے یا سرے سے وجود ہی میں نہ آتے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آسمان وزمین دونوں موجود ہیں اور اپنے نظام پر قائم ہیں اور آسمان اور زمین کے نظام میں کوئی فساد اور خلل نظر نہیں آتا، آفتاب اور ماہتاب کا طلوع اور غروب، لیل ونہار کی آمدورفت، آسمان سے بارشوں کا برسنا اور زمین سے پھلوں اور غلوں کا پیدا ہونا، ابتداء آفرینش سے بدستور ایک ہی طریقے پر جاری ہے اب تک اس میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوا کہ یہ کارخانۂ عالم ایک ہی اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور تصرف سے چل رہا ہے کوئی دوسرا خدا نہیں جو تدبیر عالم میں اس کا شریک اور سہیم ہو اور وہ صرف ایک ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ کوئی ہستی ایسی ہے جس میں یہ ساری صفتیں اور سارے کمالات جمع ہیں، آپ سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ بس وہی عبادت اور بندگی کے لائق ہے اور وہی اس قابل ہے کہ اس کی پرستش کی جائے اور محبت وعظمت کے ساتھ اُس کے ہر فرمان کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا جائے اور اس کو اپنا مولا اور اپنے کو اس کا بندہ سمجھ کر اس کے حکموں پر چلا جائے ...... اسی سے آس لگائی جائے ...... اپنی ضرورتوں کے لئے اسی سے دُعا کی جائے ...... مصائب ومشکلات میں اسی سے مدد مانگی جائے ...... اسی سے اُمید باندھی جائے ...... اور اسی پر بھروسہ کیا جائے۔ اسی کی رضا جوئی میں جیا جائے اور مرا جائے ...... اسی کی حمد وثنا اور اسی کی تسبیح وتقدیس کی جائے اور اسی کی یاد کو اپنا وظیفہ بنایا جائے، اور اُسی کی طرف انسانوں کو دعوت دی جائے۔

قرآنِ کریم میں توحید کی تعلیم

قرآنِ مجید میں توحید کی تعلیم اتنی وضاحت اور ایسی تفصیل سے دی گئی ہے کہ اس مسئلہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا ہے جو پوری طرح روشنی میں نہ آ گیا ہو، کیوں کہ امتوں اور قوموں نے توحید ہی کے بارے میں ہمیشہ سخت ٹھوکریں کھائی ہیں، بل کہ یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ جتنی غلطیوں اور گمراہیوں میں قومیں توحید کے بارے میں مبتلا ہوئیں، اتنی کسی دوسرے مسئلہ میں گمراہ نہیں ہوئیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں اور مذاہب کے سب سچّے داعیوں نے اپنی اپنی قوموں کو ہمیشہ توحید ہی کی تعلیم دی تھی، بل کہ قرآنِ مجید کا تو بیان ہے کہ دُنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جس کو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور ہادیوں نے توحید کا پیغام نہ پہنچایا ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِیۡ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ﴾[1]

---

[1] النحل: ٣٦

ترجمہ: ”اور بھیجا ہم نے ہر قوم میں اپنا پیغمبر (اس دعوت اور اس پیام کے ساتھ) کہ صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو (جو سچا معبود ہے) اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔“

اور ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾[1]

ترجمہ: ”اور جو پیغمبر بھی ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، لہٰذا صرف میری ہی عبادت اور بندگی کرو۔“

تشریح: جس بات پر بہت سے انسان متفق ہوں، خصوصاً جب کہ وہ مختلف ملکوں کے باشندے اور مختلف زمانوں میں پیدا ہوئے ہوں، اور درمیان میں سینکڑوں، ہزاروں برس کا فاصلہ ہو، اور ایک کی بات دوسرے تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ بھی نہ ہو، اس کے باوجود جو اُٹھتا ہو وہی ایک بات کہتا ہو جو پہلے لوگوں نے کہی تھی، اور سب کے سب ایک ہی بات اور ایک ہی عقیدہ کے پابند ہوں، تو فطرت اس کے قبول کرنے پر مجبور ہوتی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کی توحید کا مضمون انسانوں میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام لے کر آئے اور ان کے بعد ان کی اولاد میں تو مسلسل اس بات کا چلنا کچھ بعید نہ تھا، لیکن زمانہ دراز گزر جانے اور اولادِ آدم علیہ السلام کے وہ تمام طریقے بدل جانے کے بعد پھر حضرت نوح علیہ السلام آتے ہیں، اسی چیز کی دعوت دیتے ہیں جس کی طرف آدم علیہ السلام نے لوگوں کو بُلایا تھا، اُن کے زمانہ دراز گزرنے کے بعد حضرت ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق اور یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام ملکِ عراق و شام میں پیدا ہوتے ہیں اور ٹھیک وہی دعوت لے کر اُٹھتے ہیں، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کے سلسلہ کے انبیاء آتے ہیں، اور سب کے سب وہی ایک کلمہ توحید بولتے ہیں، اور وہی دعوت دیتے ہیں، ان پر زمانہ دراز گزر جانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہی دعوت لے کر اُٹھتے ہیں، اور آخر میں سیّد الانبیاء سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہی دعوت لے کر تشریف لاتے ہیں۔[2]

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے صحیفوں میں اَلْوَاحِدُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی توحید کی تعلیم

موجودہ تورات میں ہے:

”تاکہ تو جان لے کہ خداوند ہی خدا ہے، اور اس کے سوا کوئی ہے ہی نہیں۔“[3]

اور ”سن اے اسرائیل (علیہ السلام)! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خدا ہے۔“[4]

اور حضرت اشعیا علیہ السلام کے صحیفہ میں ہے:

[1] الانبیاء: ۲۵ [2] معارف القرآن: ۱۶/۲ [3] استثنا: ۳۵،٤ [4] استثنا: ٦، ٤

''میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں، میرے سوا کوئی خدا نہیں، تاکہ مشرق سے مغرب تک لوگ جان لیں کہ میرے سوا کوئی نہیں، میں ہی خداوند ہوں، میرے سوا کوئی دوسرا نہیں۔'' [1]

اور حضرت مسیح عَلَیْہِ السَّلَام کا یہ قول موجودہ انجیلوں میں مذکور ہے:

''اے اسرائیل، سن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے، اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی پیاری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔'' [2]

منقول ہے کہ آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ایک مرتبہ مناجات کرتے ہوئے فرمایا:

''اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھے خدائے واحد برحق کو اور یسوع مسیح کو، جسے تو نے بھیجا ہے، جانیں۔'' [3]

الغرض یہ واقعہ ہے کہ ہر قوم میں آنے والے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور ہادی نے ہمیشہ توحید ہی کی تعلیم دی لیکن کچھ مدت گزرنے کے بعد اکثر قومیں کسی نہ کسی قسم کے شرک میں مبتلا ہوگئیں اور اب بھی یہی ہے کہ بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن کسی نہ کسی قسم کے شرک میں مبتلا ہیں۔ قرآن کریم کا بیان ہے:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ [4]

تَرجَمَہ: ''اور اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور اسی کے ساتھ وہ شرک میں بھی مبتلا ہیں۔''

حضرت مولانا علی میاں رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی دستورِ حیات میں لکھتے ہیں:

صاف ذہن، گہرائی اور حق کی تلاش کے جذبہ کے ساتھ قرآنِ پاک کے مطالعہ سے یہ بات روشن ہوچکی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے زمانہ کے کفار اپنے معبودان باطل کو ''اَللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ'' کا بالکل ہم سر ومساوی اور ہم مرتبہ قرار نہیں دیتے تھے، بل کہ وہ یہ تسلیم کرتے تھے کہ وہ مخلوق اور بندے ہیں، ان کا کبھی یہ عقیدہ نہیں تھا کہ ان کے معبود اللہ تعالیٰ سے قدرت و طاقت میں کسی طرح کم نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ہی پلڑے میں ہیں، ان کا کفر و شرک صرف یہ تھا کہ وہ اپنے معبودانِ باطل کو پکارتے ......، ان کی دُہائی دیتے ......، ان پر نذریں چڑھاتے ......، اور ان کے ناموں پر قربانیاں کرتے، اور ان کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارشی ......، مشکل کشا اور کارساز ...... سمجھتے تھے، اس لئے ہر وہ شخص جو کسی کے ساتھ وہی معاملہ کرے جو کفار اپنے معبودانِ باطل کے ساتھ کرتے تھے، تو گو کہ وہ اس بات کا اقراری ہوا کہ وہ ایک مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے، اس میں اور زمانۂ جاہلیت کے بڑے سے بڑے بت پرست میں بحیثیت مشرک ہونے کے کوئی فرق نہ ہوگا۔ [5]

آگے چل کر لکھتے ہیں:

---

[1] یسعیاہ: ۴۵، ۵ و ۶ [2] مرقس ۱۲، ۲۹ ومتّیٰ ۲۲، ۳۶ [3] یوحنا: ۱۷، ۳

[4] یوسف: ۱۰۶ [5] دستور حیات: ۷۶

شرک کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا ہم مرتبہ وہم سرقرار دیا جائے، بل کہ شرک کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کسی کے ساتھ وہ کام یا وہ معاملہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی بلند و بالا ذات کے ساتھ خاص فرمایا ہے، اور جس کو ''عبودیت'' بندگی کا شعار بنایا ہے، جیسے کہ کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونا......، کسی کے نام پر قربانی کرنا...... یا نذریں ماننا......، مصیبت وتنگی میں کسی سے مدد مانگنا......، اور یہ سمجھنا کہ وہ ہر جگہ حاضر وناظر ہے...... اور اس کو کائنات میں متصرِف سمجھنا......، یہ ساری وہ چیزیں ہیں، جن سے شرک لازم آتا ہے، اور انسان ان سے مشرک ہو جاتا ہے، خواہ اس کا یہ اعتقاد ہی کیوں نہ ہو کہ یہ انسان......، فرشتہ...... یا جن...... جس کے سامنے وہ سجدہ ریز ہو رہا ہے، یا جس کے نام پر قربانی کر رہا ہے، نذریں مان رہا ہے اور جس سے مدد مانگ رہا ہے، اللہ تعالیٰ سے بہت کم مرتبہ اور پست مقام ہے، اور چاہے یہ مانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے۔

اور یہ اس کا بندہ اور مخلوق ہے، اس معاملہ میں انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَامُ اولیاء، جن وشیاطین، بھوت پریت سب برابر ہیں، ان میں سے کسی کے ساتھ بھی جو یہ معاملہ کرے گا، وہ مشرک قرار دیا جائے گا، اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان یہود و نصاریٰ کو جنہوں نے اپنے راہبوں، پادریوں اور پروہتوں کے بارے میں اس طرح مبالغہ وغلو کا طریقہ اختیار کیا، (جس طرح مشرکین نے اپنے معبودانِ باطل کے بارے میں)، انہیں صفات سے یاد کیا ہے جن صفات سے بت پرستوں اور مشرکوں کو یاد کیا ہے، اور ان غالی اور راہ حق سے ہٹے ہوئے لوگوں پر اسی طرح اپنے غضب و ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے جس طرح غالی مشرکوں پر، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾[1]

تَرجَمَہ: ''انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ (درویشوں) اور مریم کے بیٹے مسیح کو رب بنایا ہے حالاں کہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ صرف ایک اکیلے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔''[2]

اس آیت مبارکہ کی تفسیر حضرت عدی بن حاتم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:

میں نے نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے یہ آیت سن کر عرض کیا کہ یہود و نصاریٰ نے تو اپنے علماء کی کبھی عبادت نہیں کی، پھر یہ کیوں کہا گیا کہ انہوں نے ان کو ربّ بنا لیا؟

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ''یہ ٹھیک ہے کہ انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی، لیکن یہ بات تو ہے نا، کہ ان کے علماء نے جس کو حلال قرار دے دیا، اس کو انہوں نے حلال اور جس چیز کو حرام کر دیا اس کو حرام ہی سمجھا، یہی ان کی عبادت کرنا

---

[1] التوبہ: ۳۱ [2] دستور حیات: ۷۸

ہے۔'' [۱]

حرام وحلال کرنے کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، یہی حق اگر کوئی شخص کسی اور کے اندر تسلیم کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس کو اپنا رب بنالیا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی شرک سے حفاظت فرمائے۔ (آمین)

بہرحال ہمیشہ سے شرک انسانوں کی بڑی خطرناک اور عام بیماری رہی ہے، اسی لئے قرآنِ مجید میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری ہدایت کی کتاب ہے اور جس کے بعد انسانوں کے لئے کوئی آسمانی ہدایت نامہ آنے والا نہیں ہے۔ توحید کے مسئلہ کو زیادہ سے زیادہ روشن اور واضح کیا گیا ہے، بل کہ ان تمام دروازوں کو بھی بند کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے جن سے پچھلی اُمتوں میں شرک آیا، یا اُس کے آنے کا امکان ہوسکتا تھا۔ قرآن مجید نے صرف یہ کہہ کر توحید کا درس ختم نہیں کردیا کہ ''اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کے سوا کسی کی عبادت اور بندگی نہ کی جائے۔'' بل کہ توحید فی الذات کے علاوہ اس نے ایک ایک خدائی صفت کا ذکر کرکے بتلایا کہ یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور وہ اپنی ذات کی طرح صفات میں بھی ''وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ'' ہے۔ اسی طرح اپنے افعال واختیارات میں بھی وہ ''وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ'' ہے اور پھر اپنے خدائی حقوق میں بھی وہ اسی طرح ''وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ'' ہے۔ اس نے توحید کے ان پہلوؤں کو اتنا واضح کیا کہ کسی قسم کے اعتقادی یا عملی، جلی یا خفی شرک کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ ہم قرآنِ مجید کی دعوتِ توحید کے سلسلے کی چند آیات کو یہاں چند عنوانوں کے تحت ایک خاص ترتیب سے مرتب کرکے پیش کرتے ہیں۔

توحید کی ترغیب قرآن کریم میں

توحید کا ایک سادہ سا اجمالی اور جامع عنوان یہ ہے کہ الٰہ یعنی معبود بس ایک ہے، صرف وہی عبادت اور بندگی کے لائق ہے۔ قرآن مجید میں موقع بموقع اس کو بیسیوں جگہ دہرایا گیا ہے اُن میں سے چند آیتوں کا ترجمہ یہ ہے:

① ''اور تم سب کا معبود بس ایک معبود ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، وہ بڑی رحمت والا نہایت مہربان ہے۔'' [۲]

اور ایک موقع پر فرمایا:

② ''اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور بے شک وہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قابو رکھنے والا (اور) حکمت والا ہے۔'' [۳]

اور ایک موقع پر فرمایا:

③ ''حق یہ ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی ہے، وہ آسمان و زمین اور اُن کے درمیان کی ساری مخلوق کا اور مشرقوں کا پروردگار ہے۔'' [۴]

---

[۱] ترمذی، ابواب التفسير، رقم ۳۰۹۵ [۲] البقرة: ۱۶۳ [۳] اٰلِ عمرٰن: ۶۲ [۴] الصّٰفّٰت: ۴،۵

اسی طرح ایک اور موقع پر فرمایا:

۴ ’’پس تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، لہٰذا اسی کی فرماں برداری کرو، اور اپنے کو اسی کے سامنے جھکا دو۔‘‘ [1]

۵ ’’اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجیے اور اعلان کر دیجیے کہ معبود برحق بس ایک ہی معبود ہے اور میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔‘‘ [2]

یعنی میری عبادت خالص اُس خداوند قدوس کے لئے ہے جس کے قبضہ میں تم سب کی جانیں ہیں کہ، جب تک چاہے اُنہیں جسموں میں چھوڑے رکھے اور جب چاہے ایک دم میں کھینچ لے، گویا موت وحیات کا رشتہ جس کے ہاتھ میں ہے بندگی اُسی کی ہوسکتی ہے نہ صرف یہ کہ جوارح سے اُس کی بندگی کی جائے، بل کہ ضروری ہے کہ دل میں اُس کی توحید وتفرید پر پورا یقین وایمان ہو اور ظاہر وباطن میں اسی دینِ حنیف پر جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا دین ہے پوری ہمت اور توجہ سے مستقیم رہ کر شرکِ جلی وخفی کا تسمہ نہ لگا رہنے دیا جائے۔

جس طرح عبادت صرف اُسی کی کریں۔ استعانت (مدد) کے لئے بھی اُسی کو پکاریں، کیوں کہ ہر قسم کا نفع ونقصان اور بھلائی و برائی تنہا اُسی کے قبضہ میں ہے۔ مشرکین کی طرح ایسی چیزوں کو مدد کے لئے پکارنا جو کسی نفع ونقصان کے مالک نہ ہوں، سخت بے موقع بات، بل کہ ظلمِ عظیم (یعنی شرک) کا ایک شعبہ ہے۔ اگر بفرض محال نبی سے ایسی حرکت صادر ہو تو اُن کی عظیم الشان شخصیت کا لحاظ کرتے ہوئے ظلمِ اعظم ہوگا۔

جب اُن چیزوں کو پُکارنے سے منع کیا جن کے قبضہ میں تمہارا بھلا بُرا کچھ نہیں تو مناسب ہوا کہ اس کے بالمقابل مالک علی الاطلاق کا ذکر کیا جائے، جو تکلیف وراحت اور بھلائی بُرائی کے پورے سلسلہ پر کامل اختیار اور قبضہ رکھتا ہے، جس کی بھیجی ہوئی تکلیف کو دنیا میں کوئی نہیں ہٹا سکتا اور جس پر فضل ورحمت فرمانا چاہے تو کسی کی طاقت نہیں کہ اُسے محروم کر سکے۔

یعنی جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہیں سب مردے (بے جان) ہیں۔ خواہ ہمیشہ سے مثلاً بت، یا فی الحال جو بزرگ مر چکے اور ان کی پوجا کی جاتی ہے یا انجام ومآل کے اعتبار سے مردہ ہیں مثلاً حضرت مسیح، روح القدس اور ملائکۃ اللہ، جن کی بعض فرقے پرستش کرتے تھے، بل کہ جن وشیطان بھی جن کو بعض ممسوخ الفطرت پوجتے ہیں سب پر ایک وقت موت طاری ہونے والی ہے۔ پس جس چیز کا وجود دوسرے کا عطا کیا ہوا ہو اور وہ جب چاہے چھین لے، اُسے خدا کس طرح کہہ سکتے ہیں؟ یا عبادت کے لائق کیسے ہوسکتا ہے؟

علاوہ ازیں بہت سے مشرکانہ الفاظ یا جملے ہم مسلمان بھی اپنی روزمرہ کی بول چال میں استعمال کرتے ہیں جن سے بچنا ضروری ہے۔

---

[1] الحج: ٣٤　　[2] الانعام: ١٩

مثلاً ① اللہ تعالیٰ اور آپ کی پناہ ...... ② مجھے تو صرف اللہ تعالیٰ اور آپ کا سہارا ہے ...... ③ اللہ تعالیٰ اور آپ کے علاوہ میرا کوئی نہیں ...... ④ میرے لئے اللہ تعالیٰ آسمان میں اور آپ زمین میں ہیں ...... ⑤ اگر اللہ تعالیٰ اور فلاں نہ ہوتے تو میرا یہ کام نہ ہوتا، ان تمام جملوں میں ہم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو بھی اتنا ہی با اختیار کر دیا جو کہ سراسر شرک ہے۔ اگر کبھی ایسے جملے بولنے کی نوبت آئے بھی تو لفظِ اللہ تعالیٰ کے بعد لفظ ''پھر'' کا استعمال ضروری ہے۔ مثال کے طور پر میرا سہارا اللہ تعالیٰ پر ہے پھر آپ پر، بعض لوگوں کو بولتے سنا، میرے لئے اوپر اللہ تعالیٰ اور نیچے آپ ہیں، یہاں پر بھی لفظ ''پھر'' کا لگانا ضروری ہے، ورنہ دوسری ہستی کو اللہ تعالیٰ کے برابر گردا ننا لازم آئے گا جو شرک ہے۔

سورۃ الصّٰفّٰت کی آیت مذکورہ بالا میں غور کرنے کی بات ہے کہ صفت '' واحد '' کو بیان کرنے سے پہلے تین قسمیں کھائی ہیں۔ حق تعالیٰ کو تو کوئی ضرورت قسم کھانے کی نہ تھی مگر اس کو جو شفقت و رحمت اپنی مخلوق پر ہے وہ اس کی داعی ہوئی کہ کس طرح یہ لوگ حق قبول کرلیں اور شرک سے بچ جائیں تاکہ دنیا و آخرت کے عذاب سے بچ جائیں۔

یعنی جس طرح دنیا کے جھگڑے چکانے اور اختلافات مٹانے کا معروف طریقہ یہ ہے کہ دعویٰ پر شہادت پیش کی جائے، شہادت نہ ہو تو قسم کھائی جائے، اسی طرح حق تعالیٰ نے انسانوں کے اس مانوس طریقے کو اختیار فرمایا، کہیں تو شہادت کے الفاظ سے یہ عقیدہ سمجھایا گیا، جیسا کہ آیت میں ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾[1]

تَرجَمہ: ''گواہی دی اللہ تعالیٰ نے کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا۔''

اور کہیں قسم کھا کر یہ عقیدہ سمجھایا گیا کہ قسم تاکید اور شک دور کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے یہاں قسم اسی شک کو دور کرنے کے لئے کھائی ہے جو مشرکین اس کی وحدانیت و الوہیت کے بارے میں پھیلاتے ہیں، جیسا کہ سورۃ الصّٰفّٰت میں ہے، اس لئے کہ توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔

حضرت دانیال عَلَیْہِ السَّلَام کی قبر

اسی طرح سورۂ کہف کی آیت نمبر ۲۱ میں بھی نیک اور صالح لوگوں کی قبروں کی پرستش کرنے اور ان قبروں کو مسجدوں کی طرح سجدہ کرنے سے منع کیا گیا ہے، کیوں کہ یہ باتیں جن سے شرک لازم آتا ہے اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ.''[2]

تَرجَمہ: '' اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے یہود و نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مساجد بنالیا۔''

---

[1] آل عمرٰن: ۱۸ [2] بخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور، رقم: ۱۳۳۰

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خلافت میں عراق میں حضرت دانیال عَلَیْہِ السَّلَام کی قبر دریافت ہوئی تو آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حکم دیا کہ اسے چھپا کر عام قبروں جیسا کر دیا جائے تا کہ لوگوں کے علم میں نہ آئے کہ فلاں قبر فلاں پیغمبر کی ہے۔[1]

اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ قرآن کریم اور احادیث کو چھوڑ کر صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم کے معمولات کے خلاف کر کے شرک میں ہرگز مبتلا نہ ہو۔

فوائد و نصائح

1. بندے کو چاہئے کہ صرف ''اَلْوَاحِدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی وحدانیت پر یقین رکھے کہ وہ ہی اکیلا اور بے نیاز ہے۔
2. تمام اشیاء میں اسی یکتا ذات کی توحید کو مدِ نظر رکھے کسی دوسری مخلوق کے سامنے نہ سر جھکائے نہ سجدہ کرے۔
3. عقیدۂ توحید کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے اور شرک سے ہمیشہ دور رہے۔



[1] تفسیر ابن کثیر: ۸۰۷، الکہف: ۲۱

الاحد جل جلالہ

(ایک اکیلا)

اس اسم کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

❶ ”هُوَ الْوَاحِدُ الْأَحَدُ الَّذِيْ لَا نَظِيْرَ لَهٗ وَلَا وَزِيْرَ وَلَا نَدِيْدَ وَلَا شَبِيْهَ وَلَا عَدِيْلَ“۔[1]

ترجمہ: ”امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ ربّ العزت وہ واحد یکتا ذات ہے، جس کا کوئی مثل نہیں نہ اس کا کوئی وزیر ہے نہ ہی اس کا کوئی مشابہ ہے اور نہ ہی ہمسر۔“

”الاحد جل جلالہ“ اہلِ لغت کا بیان اس باب میں بالکل واضح اور صریح ہے کہ یہ اسم صرف ذاتِ حق کے ساتھ مخصوص ہے اور صفت اَحدِیت صرف اسی کے حق میں آ سکتی ہے۔[2]

”الاحد“ سے مراد وہ ذات ہے کہ جس کی کوئی نظیر نہ ہو، نہ ذات کے اعتبار سے اور نہ صفات کے اعتبار سے، اس لفظ کا اطلاق صرف ذات باری تعالیٰ پر ہوتا ہے، کسی اور پر نہیں ہوتا۔

یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے اثبات اور دوسروں کے لئے نفی کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

نیز یہ لفظ قرآنِ مجید میں بطور اسم پاک صرف ایک ہی جگہ استعمال ہوا ہے، یعنی ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ یہ لفظ بھی توحید باری تعالیٰ پر ایک عجیب دلیل ہے کہ اس کا تکرار لفظی بھی نہیں ہوا۔

اور استعمال بھی نکرہ ہوا یعنی کہ اسم ”احد“ ایسی شان میں جلوہ گر ہے کہ تعریف کی ضرورت نہیں اور احدیت ایسے کمال میں ہے کہ کسی زائد حرف کا استعمال بھی نہیں ہوا۔

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ التحیات کے تشہد میں دو انگلیوں سے اشارہ کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”أَحِّدْ أَحِّدْ“ ایک انگلی سے، ایک انگلی سے۔[3]

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۶۹۳/۳، الإخلاص: ۱

[2] تفسیر ماجدی: ۱۲۱۴/۲، الاخلاص: ۱

[3] ترمذی، الدعوات، باب ان اللّٰه حیی کریم، رقم: ۳۵۵۷

یعنی جب مشار الیہ (جس کی طرف اشارہ ہو رہا ہے) ایک ہے، تو اشارہ بھی ایک انگلی سے ہونا چاہیے۔

اس لفظ "اَحَدٌ" کی تشریح ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ سے کر دی۔ کہ اُس نے کسی کو نہیں جنا، لہٰذا یہودیوں کا حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دینا اور مشرکین کا فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دینا سراسر غلط ہے۔

"الاحد جل جلالہٗ" کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھیں

وہ اکیلا ہے، نہ اُس کا بیٹا ہے، نہ بیٹی اور نہ بیوی۔

قرآن مجید نے توحید کے اس پہلو پر سب سے زیادہ زور دیا ہے کہ ہر مقصد کے لئے دعا اور مدد طلبی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے ہو اور ہر عبادت صرف اسی کے لئے ہونی چاہیے، یہ اس لئے کہ شرک میں مبتلا ہونے والی دنیا کی قومیں اور اُمتیں "شرك فى الدعا" اور "شرك فى العبادة" (یعنی دعا کے شرک اور عبادت کے شرک) ہی میں زیادہ تر مبتلا ہوئی ہیں اور ہمیشہ ناخداشناس اور کم عقل انسانوں سے یہی شرک زیادہ ہُوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہستیوں کو اپنا حاجت روا اور مُشکل کشا سمجھ کر اُن سے دُعائیں کیں، اپنی حاجتیں اور مُرادیں اُن سے مانگیں، انہیں راضی اور خوش کرنے کے لئے طرح طرح سے اُن کی عبادت اور پوجا کی، اُن کے آگے سجدے کئے، اُن کے نام کی خیرات کی اور اُن کے لئے نذریں اور منتیں مانیں، اور ہر آنکھ والا دیکھ سکتا ہے کہ بڑی مشرکانہ گمراہیوں میں آج بھی یہی گمراہی سب سے زیادہ عام ہے، حتیٰ کہ مسلمان کہلانے والوں میں بھی ایک خاصی تعداد اس شرک میں مبتلا ہے۔

اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ اٰمِيْن۔

شرک کی ابتداء

شرک کی ابتداء حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے ہوئی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں چند نیک اور صالح لوگ تھے جن کے نام یہ ہیں: "ود" "سواع" "یغوث" "یعوق" "نسر" جب وہ مر گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ جس مکان میں یہ لوگ رہا کرتے تھے اور اکثر بیٹھا کرتے تھے وہاں پر ایک ایک بت ان کے نام سے رکھ دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، لیکن جب تک یہ لوگ زندہ رہے بتوں کی عبادت کسی نے نہیں کی ...... اور جب یہ مر گئے تو پھر علم جاتا رہا تو ان کے بعد والوں نے ان بتوں کی عبادت شروع کر دی۔[1]

اسی سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ "لات" ایک شخص کا نام تھا جو حاجیوں کی خدمت کیا کرتا تھا اور ستو گھول کر پلایا کرتا تھا۔[2] جب وہ مر گیا تو جس پتھر پر وہ بیٹھا کرتا تھا اس کو بت کی صورت بنا کر لوگ

---

[1] بخاری، کتاب التفسیر، باب: ﴿وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ﴾، رقم: ۴۹۲۰، نوح: ۲۳

[2] بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى﴾ رقم: ۴۸۵۹

پوجنے لگے اور اس کا نام ''لات'' رکھا۔[1]

بہر حال ''شرك في الدعا'' اور ''شرك في العبادة'' (یعنی دعا کا شرک اور عبادت کا شرک) چوں کہ سب سے بڑی مذہبی گمراہی ہے اور ناخداشناس انسان زیادہ تر اسی میں مبتلا ہوتے ہیں، اس لئے قرآن مجید نے توحید کے سلسلے میں توحید فی الدعا اور توحید فی العبادۃ پر سب سے زیادہ زور دیا ہے، پہلے چند آیتیں توحید فی الدعاء کے سلسلہ کی پڑھ لیجئے:

﴿لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ﴾[2]

ترجمہ: ''حاجتوں اور ضرورتوں میں صرف اُسی اللہ تعالیٰ کو پکارنا سچا پکارنا ہے اور اس کے سوا جن ہستیوں کو وہ مشرک پکارتے ہیں اور جن سے دُعائیں کرتے ہیں، وہ ان کے کچھ بھی کام نہیں آسکتیں۔''

یعنی جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مدد کے لئے پکارتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دور سے پانی کی طرف اپنی ہتھیلیاں پھیلا کر پانی سے کہے کہ تو میرے منہ تک آجا، ظاہر بات ہے کہ پانی ایک بے شعور بہنے والی چیز ہے، اسے معلوم ہی نہیں کہ ہتھیلیاں پھیلانے والے کی حاجت کیا ہے؟

اور نہ اسے یہ معلوم ہے کہ وہ مجھ سے اپنے منہ تک پہنچنے کا مطالبہ کر رہا ہے، اور نہ اس میں یہ قدرت ہے کہ اپنی جگہ سے حرکت کر کے اس کے ہاتھ یا منہ تک پہنچ جائے، اسی طرح یہ مشرک اللہ تعالیٰ کے سوا، جن کو پکارتے ہیں، انہیں نہ یہ معلوم ہے کہ کوئی اُنہیں پکار رہا ہے اور اس کی فلاں حاجت ہے، اور نہ ہی اس حاجت روائی کی ان میں قدرت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری ہستیوں سے دعائیں کرنے والوں اور اپنی حاجتیں مانگنے والوں سے سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۹۷ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس کا ترجمہ ہے:

''اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں کو تم پُکارتے ہو اور جن سے دُعائیں کرتے ہو اور مدد مانگتے ہو، وہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے اور اپنی بھی مدد کرنے سے وہ عاجز اور بے بس ہیں (پس اُن سے مدد مانگنا تمہاری کیسی حماقت ہے)۔''

یعنی جو اپنی مدد کرنے پر قادر نہ ہوں، وہ بھلا دوسروں کی مدد کیا کریں گے؟

جو خود محتاج ہو دوسرے کا　　بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا

سورۂ اسراء کی آیت نمبر ۵۶ میں فرمایا جس کا ترجمہ ہے:

''اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو کہ تم نے اپنے خیال میں اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں کو معبود و کارساز سمجھ رکھا ہے، اُنہیں اپنی حاجتوں اور مصیبتوں میں پکار کر دیکھو، نہ وہ تمہاری تکلیف دُور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، نہ تمہاری حالت بدل سکتے ہیں۔''

سورۂ مؤمنون کی آیت نمبر ۱۱۷ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس کا ترجمہ ہے:

[1] شریعت یا جہالت: بت پرستی کیسے پھیلی: ۶۵۶ [2] الرعد: ۱٤

”اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دُوسرے من گھڑت معبود کو پکارتا ہے، اُس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے اور اس کا حساب اس کے پروردگار کے حضور ہونا ہے، یقیناً کفر کرنے والے کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔“

اور سورۂ شعراء کی آیت نمبر۲۱۳ میں ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

”مت پکارو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے فرضی اور من گھڑت معبود کو (اگر ایسا کرو گے) تو تم ہو جاؤ گے عذاب پانے والوں میں سے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ جن میں ارشاد فرمایا ہے:

”اے پیغمبر! کہہ دو کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں، اسی سے دُعا کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔“[1]

یعنی جب سب آپ کی عداوت پر متحد ہوگئے اور تل گئے ہیں، تو آپ فرما دیجئے کہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں، اسی سے پناہ طلب کرتا ہوں اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔

سورۂ اخلاص میں مکمل توحید اور ہر طرح کے شرک کی نفی ہے

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں اپنی وحدانیت کا اظہار کرتے ہوئے سورۂ اخلاص میں فرماتے ہیں:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۞ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۞﴾

تَرجَمہ: ”آپ کہہ دیجئے وہ اللہ ایک ہی ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اُس نے کسی کو جنا، نہ وہ کسی سے جنا گیا، اور نہ ہے اس کے جوڑ کا کوئی۔“

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”أَحَد“ اور ”وَاحِدٌ“، ترجمہ تو دونوں کا ایک ہی کیا جاتا ہے مگر مفہوم کے اعتبار سے لفظ ”أَحَدَ“ کے معنی میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ ترکیب اور تجزیہ سے...... اور تعدد سے...... اور کسی چیز کی مشابہت اور مشاکلت سے...... پاک ہے، یعنی وہ کسی ایک یا متعدد مادّوں سے نہیں بنا...... نہ اُس میں تعدد کا کوئی امکان ہے...... نہ کسی کے مشابہ ہے...... اس ایک مختصر جملے میں ذات و صفات کے سب مباحث آگئے اور لفظِ ”قُلْ“ میں نبوت و رسالت کا مسئلہ آگیا، اس میں غور کرو تو یہ ایک مختصر جملہ اُن عظیم الشان مباحث کو حاوی ہے جو بڑی بڑی جلدوں میں لکھے جاتے ہیں۔

سورۂ اخلاص میں مکمل توحید اور ہر طرح کے شرک کی نفی ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک سمجھنے والے منکرینِ توحید کی دنیا میں مختلف اقسام ہوئی ہیں۔ سورۂ اخلاص نے ہر طرح کے مشرکانہ خیالات کی نفی کر کے مکمل توحید کا سبق دیا

---

[1] الجن: ۲۰، ماخوذ قرآن آپ سے کیا کہتا ہے: ۶۶، ۶۷

ہے، کیوں کہ منکرینِ توحید میں ایک گروہ تو خود اللہ تعالیٰ کے وجود ہی کا منکر ہے، بعض وجود کے تو قائل ہیں مگر کمالِ صفات کے منکر ہیں۔ بعض یہ سب کچھ مانتے ہیں مگر پھر عبادت میں غیر اللہ کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

ان سب کے خیالاتِ باطلہ کا رد ''اَللّٰہُ اَحَدٌ'' میں ہو گیا۔ بعض لوگ عبادت میں بھی کسی کو شریک نہیں کرتے مگر حاجت روا اور کارساز اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو بھی سمجھتے ہیں، ان کے خیال کا ابطال لفظ ''صَمَد'' سے ہو گیا، بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کے قائل ہیں، ان کا رد ''لَمْ یَلِدْ'' میں ہو گیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔[1]

تپتے ہوئے صحرا میں أَحَدْ أَحَدْ کی صدا

وَاقِعَہ نمبر ۴۰: حضرت بلال حبشی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ مشہور صحابی ہیں جو مسجد نبوی کے ہمیشہ مؤذن رہے، شروع میں ایک کافر کے غلام تھے۔ اسلام لے آئے جس کی وجہ سے ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ اُمیّہ بن خلف، جو مسلمانوں کا سخت دشمن تھا، ان کو سخت گرمی میں دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر سیدھا لٹا کر اِن کے سینہ پر پتھر کی بڑی چٹان رکھ دیتا تھا تا کہ وہ حرکت نہ کرسکیں اور کہتا تھا کہ یا تو اس حال میں مر جائیں اور اگر زندگی چاہتے ہیں تو اسلام سے ہٹ جائیں، مگر وہ اس حالت میں بھی ''أَحَدْ أَحَدْ'' کہتے تھے یعنی معبود ایک ہی ہے۔ رات کو زنجیروں میں باندھ کر کوڑے لگائے جاتے اور اگلے دن ان زخموں کو گرم زمین پر ڈال کر اور زیادہ زخمی کیا جاتا، تا کہ بے قرار ہو کر اسلام سے پھر جائیں یا تڑپ تڑپ کر مر جائیں۔ عذاب دینے والے اُکتا جاتے، کبھی ابو جہل کا نمبر آتا، کبھی اُمیہ بن خلف کا، کبھی اوروں کا، اور ہر شخص اس بات کی کوشش کرتا کہ تکلیف دینے میں زور ختم کر دے۔ حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس حالت میں دیکھا تو اُن کو خرید کر آزاد فرمایا۔[2]

فَائِدَہ: چوں کہ عرب کے بت پرست اپنے بتوں کو بھی معبود کہتے تھے اس لئے اُن کے مقابلہ میں اسلام کی تعلیم توحید کی تھی، جس کی وجہ سے حضرت بلال رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی زبان پر ایک ہی ایک کا ورد تھا۔ یہ تعلق اور عشق کی بات ہے، ہم جھوٹی محبتوں میں دیکھتے ہیں کہ جس سے محبت ہو جاتی ہے، اُس کا نام لینے میں لطف آتا ہے، بے فائدہ اس کو رٹا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا کیا کہنا جو دین اور دنیا میں دونوں جگہ کام آنے والی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت بلال رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو ہر طرح سے ستایا جاتا تھا۔ سخت سے سخت تکلیفیں پہنچائی جاتی تھیں۔ مکہ کے لڑکوں کے حوالہ کر دیا جاتا کہ وہ اُن کو گلی کوچوں میں چکر دیتے پھریں اور یہ تھے کہ ''ایک ہی ایک ہے'' کی رٹ لگاتے تھے۔ اسی کا یہ صلہ ملا کہ پھر حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے دربار میں مؤذّن بنے اور سفر و حضر میں ہمیشہ اذان کی خدمت اُن کے سُپرد ہوئی۔

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے وصال کے بعد مدینہ طیبہ میں رہنا اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی جگہ کو خالی دیکھنا مشکل ہو گیا۔ اس لئے

---

[1] معارف القرآن: ۸/۸۴۳، ۸۴٤ [2] أُسد الغابة: ۱/٤۱۵

ارادہ کیا کہ اپنی زندگی کے جتنے دن ہیں جہاد میں گزار دیں، اس لئے جہاد میں شرکت کی نیت سے چل دیئے۔ ایک عرصہ تک مدینہ منورہ لوٹ کر نہیں آئے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: بلال یہ کیا ظلم ہے ہمارے پاس کبھی نہیں آتے، تو آنکھ کھلنے پر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ حضرت حسن، حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اذان کی فرمائش کی، لاڈلوں کی فرمائش ایسی نہیں تھی کہ انکار کی گنجائش ہوتی۔ اذان کہنا شروع کی اور مدینہ میں حضور ﷺ کے زمانے کی اذان کانوں میں پڑنے پر کہرام مچ گیا، عورتیں تک روتی ہوئی گھروں سے نکل پڑیں، چند روز قیام کے بعد واپس ہوئے اور ۲۰ ھ کے قریب دمشق میں وصال ہوا۔[1]

"اَلْاَحَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے ان الفاظ سے دُعا مانگئے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب ارادہ کرتے کہ کسی مردے کو زندہ کروائیں تو دو رکعت نماز پڑھتے، پہلی رکعت میں ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْكُ﴾ پڑھتے اور دوسری رکعت میں "الٓمّٓ تَنْزِیْلُ" پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے، پھر یہ سات اسمائے باری تعالیٰ پڑھتے: "یَاقَدِیْمُ...یَاخَفِیُّ...یَادَآئِمُ...یَافَرْدُ...یَاوِتْرُ...یَآاَحَدُ...یَاصَمَدُ" اور اگر کوئی سخت پریشانی لاحق ہو جاتی تو یہ سات نام لے کر دعا کرتے: "یَاحَیُّ ... یَاقَیُّوْمُ... یَااَللّٰہُ ... یَارَحْمٰنُ ... یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ .... یَا نُوْرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ یَا رَبِّ." یہ زبردست اثر والے نام ہیں۔[2]

بہرحال جتنی بھی مصیبتیں، بلائیں دور کرنے کی دعائیں ہیں ان میں توحید اصل ہے کہ توحید دنیاوی اور اُخروی بلاؤں کے دور کرنے کا ذریعہ ہے۔

"اَلْاَحَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کا قرب حاصل کرنے کی ایک خاص دعا

"سُبْحَانَ الْاَبَدِیِّ الْاَبَدِ ..... سُبْحَانَ الْوَاحِدِ الْاَحَدِ ..... سُبْحَانَ الْفَرْدِ الصَّمَدِ ..... سُبْحَانَ رَافِعِ السَّمَآءِ بِغَیْرِ عَمَدٍ ..... سُبْحَانَ مَنْ بَسَطَ الْاَرْضَ عَلٰی مَآءٍ جَمَدٍ ..... سُبْحَانَ مَنْ خَلَقَ الْخَلْقَ فَاَحْصَاهُمْ عَدَدًا ..... سُبْحَانَ مَنْ قَسَّمَ الرِّزْقَ فَلَمْ یَنْسَ اَحَدًا .....سُبْحَانَ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ..... سُبْحَانَ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ."

تَرجَمہ: "(تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جو ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہے......، (تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جو ایک اور یکتا ہے......، (تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جو تنہا اور بے نیاز ہے......، (تمام عیوب سے)

[1] اسد الغابۃ: ۱/۴۱۵ تا ۴۱۷ [2] تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۶

پاک ہے وہ ذات جو آسمان کو بغیر ستون کے بلند کرنے والا ہے......، (تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے بچھایا زمین کو برف کی طرح جمے ہوئے پانی پر......، (تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کو پیدا کیا، پس ان کی تعداد کو گن لیا......، (تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے روزی تقسیم فرمائی، اور کسی کو نہ بھولا......، (تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے نہ بیوی اپنائی نہ بچے......، (تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے نہ کسی کو جنا نہ وہ جنا گیا، اور نہیں ہے اس کا کوئی ہمسر۔"[1]

صبح وشام یہ دعا سمجھ کر پڑھیں اور مندرجۂ بالا دعا میں جن باتوں کی نفی کی گئی ہے ان سے اللہ کو پاک سمجھیں اور جن باتوں کو ثابت کیا گیا ہے ان کو دل سے مانیں، ان شاء اللہ قرب خداوندی حاصل ہوگا ـــــ اگر کوئی شخص عربی دعا نہ پڑھ سکتا ہو تو اردو ترجمہ پڑھے اور دعا میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان پر یقین و ایمان رکھے، جہاں بیٹھے ساتھیوں میں، دوستوں میں اس کا تذکرہ کرے، اس کی دعوت دے، یہی اسلام کی بنیادی تعلیم ہے، اور یہی توحید ہے۔

فوائد ونصائح

❶ اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والے کو چاہئے کہ ہر مشکل حاجت، مصیبت میں "اَلْاٰخِذُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کو پکارے اور اس اکیلے اللہ ربُّ العزت کے حضور اپنی التجائیں پیش کرے۔

❷ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ ایک اللہ سے ہونے کا یقین اور مخلوق سے اُس "اَلْاٰخِذُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے حکم کے بغیر کچھ نہ ہونے کا یقین اپنے دل میں بٹھا دے۔

❸ مسلمان اپنی زندگی کے ہر موڑ پر، خواہ بچپن ہو یا جوانی یا بڑھاپا کسی بھی موقع پر اُس "اَلْاٰخِذُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کو نہ بھولے، اپنی دعاؤں میں اُسی کو پکارے۔ اور "اَلْاٰخِذُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کا قرب حاصل کرنے کی دعا کو جو اس اسم میں ذکر کی گئی ہے روزانہ مانگے۔

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ، کتاب العلم، خواب میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیارت: ۱۰۶/۷

الصَّمَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(سب سے بے نیاز)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

علامہ آلوسی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس نام مبارک کے یہ معنی بتائے ہیں:

❶ "اَلْمُسْتَغْنِي عَنْ كُلِّ أَحَدٍ......وَالْمُحْتَاجُ إِلَيْهِ كُلُّ أَحَدٍ"[1]

ترجمہ: """ الصَّمَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو سب سے مستغنی بے نیاز ہے (اس کو اپنے فیصلے نافذ کرنے میں کسی کی ضرورت نہیں پڑتی) اور سب کے سب اسی کے محتاج ہیں۔"

کیا پیاری تعریف ہے، کاش! ہم سب کے دلوں میں اُتر جائے کہ سب کے سب اس کے محتاج ہیں، جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَامُ سے لے کر ایک چیونٹی تک، بڑی سے بڑی مخلوق اور چھوٹی سے چھوٹی مخلوق سب ہی اس کی محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔

❷ "اَلصَّمَدُ" هُوَ السَّيِّدُ الَّذِيْ يُصْمَدُ إِلَيْهِ فِي الْأُمُوْرِ، وَيُقْصَدُ فِي الْحَوَائِجِ وَالنَّوَازِلِ"[2]

ترجمہ: "امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: " الصَّمَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جس سے تمام امور میں سہارا لیا جاتا ہے اور ضرورت ومصیبتوں میں اسی ذات کی طرف رخ کیا جاتا ہے۔"

امام ابنِ کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے جو تعریف فرمائی ہے وہ تمام تعریفات کے لئے جامع ہے فرماتے ہیں:

❸ "هُوَ الَّذِيْ يُصْمَدُ إِلَيْهِ فِي الْحَوَائِجِ ......، وَهُوَ الَّذِي قَدِ انْتَهٰى سُؤْدُدُهٗ......، وَهُوَ الصَّمَدُ الَّذِي لَا جَوْفَ لَهٗ......، وَلَا يَأْكُلُ وَلَا يَشْرَبُ ......، وَهُوَ الْبَاقِي بَعْدَ خَلْقِهٖ"[3]

ترجمہ: "وہی ہے جس کی طرف تمام حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے (یعنی سب اُس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں)، اور وہی ہے جس کی بزرگی اور فوقیت تمام کمالات اور خوبیوں میں انتہاء کو پہنچ چکی ہے۔ (یعنی اس پر سرداری ختم

[1] روح المعانی: ۴۹۰/۱۵، الاخلاص: ۲ [2] شان الدعا: ۸۵

[3] تفسیر ابن کثیر: ۶۹۳/۳، الإخلاص: ۲

ہوجائے) وہ ذات جس کا پیٹ نہیں ہے اور وہی ہے جو کھانے پینے سے بے نیاز ہے، اور وہی ہے جو مخلوق کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی صفت صمدیت سے اُن جاہلوں پر رد ہوا جو کسی غیر اللہ کو کسی درجہ میں مستقل اختیار رکھنے والا سمجھتے ہوں۔

علامہ ابنِ قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے قصیدۂ نونیہ میں فرمایا:

وَهُوَ الْإِلٰهُ السَّيِّدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ حَمِدَتْ إِلَيْهِ الْخَلْقُ بِالْإِذْعَانِ
اَلْكَامِلُ الْأَوْصَافِ كَمَالُهُ مَا فِيْهِ مِنْ كُلِّ الْوُجُوْهِ مِنْ نُقْصَانِ[1]

تَرجَمہ: ''اللہ ربُّ العزت کی ذات معبود برحق ہے، سردار اور بے نیاز ہے، جس کی تعریف میں ساری کی ساری مخلوق یقین اور عزم کے ساتھ لگی ہوئی ہے، ہر اعتبار سے وہ کامل اوصاف والی ذات ہے جس میں کسی بھی وجہ اور اعتبار سے کوئی نقصان اور کمی نہیں۔''

''''الصَّمَدُ'' کا حقیقی معنی اللہ ربُّ العزت کی ذات کے حق میں یہ ہے کہ اللہ ربُّ العزت کی ذاتِ عالی بذات خود قائم و دائم ہے، غیر سے اسے کسی قسم کی کوئی مدد کی ضرورت نہیں، جب کہ کائنات کی ہر چیز اپنے وجود میں اس کی محتاج ہے، یہ اللہ ربُّ العزت کی صفت ذاتی ہے اور اللہ ربُّ العزت کی ذات کے اعتبار سے یہ صفت غیر اضافی ہے اور مخلوق کی احتیاج کے اعتبار سے یہ صفت اضافی ہے کیوں کہ مخلوق اپنے وجود اور تمام معاملات میں اللہ ربُّ العزت کی محتاج ہے۔''[2]

شیخ محمد حمود النجدی فرماتے ہیں: ''جب ہمارے ربّ تعالیٰ ایسی صفات والے ہیں تو بندوں پر ضروری ہے کہ اللہ ربُّ العزت کو چھوڑ کر کسی سے امید نہ رکھیں اور نہ کسی غیر کے پاس پناہ تلاش کریں اور اسی سے مانگیں، حاجت روا اور مشکل کشا اس کے سوا کسی کو نہ سمجھیں۔ کیوں کہ اللہ ربُّ العزت ہی سب سے بڑے ہیں، وہ ''الصَّمَدُ جَلَّ جَلَالُهُ'' ہیں ان سے بڑا کوئی نہیں، زندگیوں کا بنانا اور بگاڑنا صرف اور صرف ''الصَّمَدُ جَلَّ جَلَالُهُ'' کے قبضۂ قدرت میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہیں۔''[3]

---

[1] النونية: ۲۳۱/۲، ۲۳۲، بحواله النهج الأسمٰى: ۹۹/۲

[2] "فَتَرْجِعُ حَقِيْقَةُ الصَّمْدَانِيَّةِ فِيْ حَقِّهِ إِلٰى قِيَامِهِ بِذَاتِهِ وَ إِسْتِغْنَائِهِ عَنْ غَيْرِهِ، وَاحْتِيَاجِ كُلِّ شَيْءٍ إِلَيْهِ، فَهِيَ صِفَةٌ ذَاتِيَّةٌ لَهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى، تَارَةً دُوْنَ إِضَافَةٍ إِذَا نُظِرَ إِلٰى عَيْنِ ذَاتِهِ وَصَمْدَانِيَّتِهِ، وَتَارَةً بِإِضَافَةٍ إِذَا نُظِرَ إِلٰى صَمَدِ الْخَلْقِ إِلَيْهِ وَقِيَامِهِمْ بِهِ وَ احْتِيَاجِهِمْ إِلَيْهِ فِيْ جَمِيْعِ أُمُوْرِهِمْ" (الكتاب الأسنٰى: ۲۹۳، بحواله النهج الأسمٰى: ۱۰۲/۲)

[3] قَالَ مُحَمَّدُ الْحَمُوْدُ النَّجْدِيُّ: "وَ إِذَا كَانَ رَبُّنَا كَذٰلِكَ فَيَنْبَغِيْ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ لَّا يَلْجَأُوْا إِلَّا إِلَيْهِ، وَلَا يَطْلُبُوا إِلَّا مِنْهُ، فَهُوَ سُبْحَانَهُ السَّيِّدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَا شَيْءَ فَوْقَهُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ." (النهج الاسمٰى: ۱۰۶/۲)

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہ جان لے کہ صفت صمدیت اور صفت وحدانیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہے، سو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی غیر کو مقصود نہ بنایا جائے اور اپنی ضروریات کو اسی کی بارگاہ میں پیش کیا جائے۔'' [۱]

سورۂ اخلاص کی اہمیت وفضیلت

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''یہ سورۂ مبارکہ (سورۂ اخلاص) اللہ تعالیٰ کے دو اسمائے مبارکہ پر مشتمل ہے جو کہ کمالات کی تمام صورتوں اور اقسام کو شامل ہیں، یہ دونوں اسمائے مبارکہ سورۂ اخلاص کے علاوہ دیگر سورتوں میں نہیں ہیں، اسماء یہ ہیں: ''اَلْاَحَدُ، اَلصَّمَدُ'' اس لئے کہ یہ دونوں اسماء اس ذاتِ مقدس کے ایک ہونے پر دلالت کرتے ہیں جو تمام کمالات سے موصوف ہے۔

بیان اس کا یہ ہے ''اَلْاَحَدُ'' باری تعالیٰ کے اس وجود خاص کو بتلاتا ہے جس میں کوئی غیر اس کا شریک نہیں اور ''اَلصَّمَدُ'' تمام اوصافِ کمالیہ کے جامع ہونے کو بتلاتا ہے۔ اس لئے کہ تمام شان وشوکت اور سرداری کی انتہا اسی کی ذات پر ہوتی ہے، لہٰذا ہر قسم کی طلب اور چاہت اسی کی جانب سے پوری ہوسکتی ہے۔'' [۲]

بعض حضرات فرماتے ہیں: ''قرآن مجید تین حصوں میں اتارا گیا ہے: (۱) ایک حصہ احکامات پر مشتمل ہے۔ (۲) ایک حصہ وعد و وعید پر۔ (۳) ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات پر مشتمل ہے، اور سورۂ اخلاص ایک حصہ پر مشتمل ہے جو کہ اسماء اور صفات سے متعلق ہے، اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ سورۂ اخلاص قرآن مجید کے ایک تہائی حصہ کے برابر ہے، اس تشریح پر صحیح مسلم کی ایک حدیث بھی دلالت کرتی ہے:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا اور ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ کو اجزاءِ قرآن میں سے ایک حصہ بنایا ہے۔'' [۳]

---

[۱] قَالَ الْقُرْطُبِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: "فَيَجِبُ عَلٰى كُلِّ مُكَلَّفٍ أَنْ يَّعْلَمَ أَنْ لَّا صَمْدَانِيَّةَ وَلَا وَحْدَانِيَّةَ إِلَّا لِلّٰهِ وَحْدَهُ، فَلَا يُقْصَدُ غَيْرُهُ وَلَا يُلْجَأُ فِيْ حَوَائِجِهِ إِلَّا إِلَيْهِ" (النهج الأسمٰى: ۱۰۶/۲)

[۲] "قَالَ الْقُرْطُبِيُّ: إِشْتَمَلَتْ هٰذِهِ السُّوْرَةُ (اي الاخلاص) عَلٰى إِسْمَيْنِ مِنْ أَسْمَآءِ اللّٰهِ تَعَالٰى، يَتَضَمَّنَانِ جَمِيْعَ أَصْنَافِ الْكَمَالِ، لَمْ يُوْجَدَا فِيْ غَيْرِهَا مِنَ السُّوَرِ، وَهُمَا: "اَلْأَحَدُ. اَلصَّمَدُ" لِأَنَّهُمَا يَدُلَّانِ عَلٰى أَحَدِيَّةِ الذَّاتِ الْمُقَدَّسَةِ الْمَوْصُوْفَةِ بِجَمِيْعِ أَوْصَافِ الْكَمَالِ، وَبَيَانُ ذٰلِكَ. أَنَّ "الْأَحَدَ" يُشْعِرُ بِوُجُوْدِهِ الْخَاصِّ الَّذِيْ لَا يُشَارِكُهُ فِيْهِ غَيْرُهُ. وَ "الصَّمَدُ" يُشْعِرُ بِجَمِيْعِ أَوْصَافِ الْكَمَالِ، لِأَنَّهُ الَّذِيْ إِنْتَهٰى إِلَيْهِ سُؤْدَدُهُ فَكَانَ مَرْجِعُ الطَّلَبِ مِنْهُ وَإِلَيْهِ" (النهج الأسمٰى: ۱۰۷/۲)

[۳] "وَقِيْلَ: إِنَّ الْقُرْاٰنَ أُنْزِلَ أَثْلَاثًا: ثُلُثٌ مِنْهُ أَحْكَامٌ، وَثُلُثٌ مِنْهُ وَعْدٌ وَوَعِيْدٌ، وَثُلُثٌ مِنْهُ أَسْمَاءٌ وَصِفَاتٌ وَقَدْ جَمَعَتْ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ أَحَدَ الْأَثْلَاثِ وَهُوَ الْأَسْمَاءُ وَالصِّفَاتُ فَقِيْلَ إِنَّهَا ثُلُثُ الْقُرْاٰنِ، وَدَلَّ عَلٰى هٰذَا التَّاوِيْلِ مَا فِيْ "صَحِيْحِ مُسْلِمٍ" مِنْ

واقعہ نمبر (۴۱): حضرت معاویہ ابن معاویہ لیثی انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا انتقال مدینہ میں ہوا، حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَامُ ۷۰ ہزار فرشتوں کو لے کر مدینہ آئے، ان کے جنازہ کو لے کر تبوک روانہ ہوئے، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے جنازہ کی نماز تبوک میں پڑھی اور جنازہ واپس مدینہ لایا گیا اور تدفین بقیع میں ہوئی، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَامُ سے پوچھا:

''انہیں یہ اعزاز کیوں ملا؟'' فرمایا: ''یہ کثرت سے سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے، اس لئے یہ اعزاز ملا ہے۔''[1]

اسمِ اعظم

اسمِ اعظم کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا اور سب سے عظیم نام، اسمِ اعظم وہ عظیم اور وہ بابرکت نام ہے جس کے وسیلے سے کی گئی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ ہر سوال قبول ہوتا ہے، ہر حاجت اور ضرورت پوری کردی جاتی ہے۔

وہ دعائیں جن میں اسمِ اعظم موجود ہے ان میں ایک دعا یہ بھی ہے، جس میں اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے ''الصَّمَدُ'' نام کا ذکر ہے جسے حضرت بریدہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایک شخص کو یہ دُعا پڑھتے ہوئے سنا:

''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْاَلُكَ بِاَنِّیْٓ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ ...... لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ...... وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ.''[2]

ترجمہ: ''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں (اس واسطے سے کہ) میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ایسا اکیلا اور بے نیاز ہے کہ سب کے سب تیرے محتاج اور تو سب سے مستغنی، جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور جس کا کوئی ہم سر نہیں۔''

تو ارشاد فرمایا: ''تم نے اللہ تعالیٰ کے اسمِ اعظم سے دعا کی ہے جس کے ذریعہ کی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے۔''

تشہد میں ''الصَّمَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' سے طلبِ مغفرت

حضرت محجن بن الادرع روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص نماز ادا کرتے ہوئے تشہد میں یہ کہہ رہا ہے:

''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ يَا اَللّٰهُ ...... بِاَنَّكَ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الصَّمَدِ ...... الَّذِیْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ...... وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ...... اَنْ تَغْفِرَ لِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ.''

حَدِيْثِ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''إِنَّ اللّٰهَ جَزَّأَ الْقُرْاٰنَ ثَلٰثَةَ أَجْزَاءٍ، فَجَعَلَ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ جُزْءًا مِنْ أَجْزَاءِ الْقُرْاٰنِ'' (الأسنى: ٢٩٣، بحواله النهج الأسمى: ١٠٨/٢، مسلم: باب فضل قرأة قل هو الله: ٢٧١/١)

[1] التفسير الكبير: ١٦٠/٣٢، فضيلة سورة الاخلاص [2] مسند احمد: ٤٧٨/٦، رقم: ٢٢٤٤٣

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اے اللہ! اس واسطے سے کہ بے شک تو ایک ہے، بے نیاز ہے جس نے کسی کو نہ جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا اور جس کا کوئی ہم سر نہیں کہ تو میرے گناہوں کو بخش دے، بے شک تو ہی بہت زیادہ مغفرت فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”قَدْ غُفِرَلَهٗ قَدْ غُفِرَلَهٗ“[1]

ترجمہ: ”یقیناً اس کی مغفرت کر دی گئی، یقیناً اس کی مغفرت کر دی گئی۔“

قرآن کو اپنے دل کا نور بنانے کے لئے دعا مانگئے

اسم اعظم اور اسمائے حسنیٰ کے اس مبارک ذکر میں ہمیں وہ دعا بھی زبانی یاد کر لینی چاہئے اور اس دعا کو ہمیشہ پڑھنا چاہئے، جس کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

”مَا أَصَابَ أَحَدًا قَطُّ هَمٌّ وَلَا حُزْنٌ إِلَّا أَذْهَبَ اللّٰهُ هَمَّهٗ وَحُزْنَهٗ وَأَبْدَلَهٗ مَكَانَهٗ فَرَجًا“[2]

ترجمہ: جو بندہ بھی ان کلمات کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی فکروں اور پریشانیوں کو دور فرما کر ضرور بالضرور اس کو کشادگی فرما دے گا۔[3]

یعنی اس دعا سے ہر غم وہم، کرب و پریشانی دُور ہو جاتی ہے بل کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تلقین کی کہ وہ ان ساتھیوں کو بھی یہ دعا (حفظ کروائیں اور) بتائیں جو اس دعا کو نہیں جانتے۔ مسند احمد میں سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کسی کو کوئی غم یا فکر لاحق ہو اور وہ اس طرح دعا کرے:

”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ...... نَاصِيَتِیْ بِيَدِكَ ...... مَاضٍ فِیَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَآئُكَ...... اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَلَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ...... اَوْعَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ...... اَوْاَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ...... اَوِاسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ ...... اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِيْعَ قَلْبِیْ...... وَنُوْرَ صَدْرِیْ...... وَجَلَآءَ حُزْنِیْ...... وَذَهَابَ هَمِّیْ.“[4]

---

[1] مسند احمد: ۳۳۸/۴، رقم: ۱۸۴۹۵ [2] مسند احمد: ۶۴۶/۱، رقم: ۳۷۰۴ [3] معارف الحدیث: ۲۲۶/۵

[4] اہلِ علم اور عربی جاننے والوں کو چاہئے کہ اس دعا کی تشریح کے لئے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ”الفوائد“ کا ضرور مطالعہ فرمائیں...... (مسند احمد: ۴۵۲/۱، رقم: ۴۳۰۶)

ترجمہ: ''اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے اور بندی کا بیٹا ...... میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے ...... تیرا ہر حکم میرے لئے فیصلہ کن ہے ...... تیرا ہر فیصلہ انصاف پر مبنی ہے ...... میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جسے تو نے خود اپنے لئے پسند کیا ہے ...... یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے ...... یا اپنی کتاب میں نازل کیا ہے ...... یا اپنے علم غیب کے خزانے میں محفوظ کر رکھا ہے ...... کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار ...... میرے سینے کا نور ...... اور میرے دکھوں اور غموں کو دُور کرنے کا ذریعہ بنا دے۔''

اگر کوئی یہ دعا مانگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: '' اللہ تعالیٰ اس کے غم وفکر کو دُور فرما دیتے ہیں اور اس کی جگہ کشادگی عطا فرماتے ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا: ''یا رسول اللہ! کیا ہم اسے سیکھ نہ لیں؟''

فرمایا: ''کیوں نہیں، ہر سننے والے کو چاہئے کہ یہ دعا سیکھ لے۔''

اس دعا کا ایک ایک جملہ شرک کی نفی کر رہا ہے اور انسان کی عاجزی اور بے کسی کو ظاہر کر رہا ہے۔ جب بندہ اپنے ہر کام میں '' الصَّمَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ '' کی طرف رجوع کرے گا، اسی سے مانگے گا اور اسی ذات کے فیصلوں پر راضی رہے گا اسی کے ناموں کا واسطہ دے گا، تو پھر اسے کسی اور کے در پہ ٹھوکریں کھانے کی ضرورت نہیں ہوگی، لہٰذا مندرجہ بالا دعا خود بھی سیکھیں اور دوسروں کو بھی ضرور سکھائیں۔

فوائد و نصائح

❶ اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ ہر معاملے میں اپنی محتاجی کو '' الصَّمَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ '' کے سامنے پیش کرے، یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی '' الصَّمَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ '' سے ہی مانگیں۔

❷ جو بندہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی ضرورتوں کو شریعت کے بتلائے ہوئے طریقوں پر اللہ کی رضا کی خاطر پورا کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے تو وہ یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مال ومتاع کی محبت سے بے نیازی عطا کی ہے۔

❸ اس بے نیاز ذات ہی کی محبت اور بے نیازی کو لوگوں کے دِلوں میں بٹھانے کی کوشش کرے، دعوت دے، دعائیں کرے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا نہیں جو بے نیاز اور محتاج نہ ہو۔

القادر جل جلالہ المقتدر جل جلالہ

(قدرت والا) (پوری قدرت والا)

ان اسماء کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "هُوَ الَّذِيْ لَهُ الْقُدْرَةُ الشَّامِلَةُ، وَالْقُدْرَةُ لَهُ صِفَةٌ قَائِمَةٌ بِذَاتِهِ"[1]

ترجمہ: "امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ ربُّ العزت ہی کی قدرت، قدرتِ عامہ ہے جو اللہ ربُّ العزت کو ہر آن، ہر گھڑی، ہر لمحہ اور ہر موقعہ پر حاصل ہے اور یہ صفت اللہ ربُّ العزت کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔"

❷ "امام زجاج رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ ربُّ العزت "القادر جل جلالہ" ہیں، یعنی جو چاہتے ہیں اس کو وجود بخشنے پر قدرت رکھتے ہیں، اللہ ربُّ العزت کو کوئی بھی چیز کسی بھی کام سے روک نہیں سکتی اور نہ ہی ان کا کوئی مطلوب فوت ہوسکتا ہے، یہ اللہ ربُّ العزت کی صفت کا مطلب ہوا۔ بندوں کو بھی قدرت حاصل ہوتی ہے، لیکن ان کی قدرت عارضی ہے، بندے کو جو قدرت اور طاقت حاصل ہے وہ اللہ ربُّ العزت ہی کی جانب سے عطا کردہ ہے اور یہ طاقت بندے کے پاس امانت ہے، اس طاقت میں کمی کمزوری بھی ہے، یعنی اس کی قدرت اس کے کسی کام نہیں آتی اور کبھی یہ قدرت کام بھی آجاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہی حقیقی قدرت والے ہیں، اللہ تعالیٰ پر عجز (عاجز آنا) کبھی نہیں آسکتا اور نہ ہی ان سے کوئی چیز فوت ہوسکتی ہے۔"[2]

❸ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے رسالہ نونیہ میں فرماتے ہیں: ؎

وَهُوَ الْقَدِيْرُ وَلَيْسَ يُعْجِزُهُ إِذَا مَا رَامَ شَيْئًا قَطُّ ذُوْ سُلْطَانِ[3]

---

[1] الاعتقاد: ٦٣ بحواله النهج الاسمٰى: ١١٣/٢

[2] " "اَلْقَادِرُ": اَللّٰهُ الْقَادِرُ عَلٰى مَا يَشَآءُ، لَا يُعْجِزُهٗ شَيْءٌ وَلَا يَفُوْتُهٗ مَطْلُوْبٌ، وَالْقَادِرُ مِنَّا، وَ إِنِ اسْتَحَقَّ هٰذَا الْوَصْفَ. فَإِنَّ قُدْرَتَهٗ مُسْتَعَارَةٌ، وَهِيَ عِنْدَهٗ وَدِيْعَةٌ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَيَجُوْزُ عَلَيْهِ الْعَجْزُ فِي حَالٍ وَالْقُدْرَةُ فِيْ أُخْرٰى. وَاللّٰهُ تَعَالٰى هُوَ الْقَادِرُ، فَلَا يَتَطَرَّقُ عَلَيْهِ الْعَجْزُ، وَلَا يَفُوْتُهٗ شَيْءٌ" (تفسير الأسماء: ٥٩ بحواله النهج الأسمٰى: ١١٢/٢)

[3] النونية: ٢١٨/٢ بحواله النهج الاسمٰى: ١١٥/٢

"اللہ ربُ العزت قدرت والے ہیں اور جب کسی مقصد کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو کوئی بھی سلطنت والا اس کو عاجز نہیں کر سکتا۔"

۴ "امام سعدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: "القدیر جل جلالہ" وہ ذات ہے جو کامل قدرت رکھنے والی ہو، جس نے اپنی قدرت سے تمام موجودات کو وجود بخشا...... اور اپنی قدرت سے ان کی تدبیر فرمائی ...... اور اپنی ہی قدرت سے انہیں ٹھیک ٹھیک مضبوط بنایا۔

"القدیر جل جلالہ" وہ ہی ہے جو اپنی قدرت سے انہیں زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے اور جزا و سزا کے لئے انہیں دوبارہ زندہ فرمائے گا، نیکوکار کو اس کی نیکی کا بدلہ عنایت فرمائے گا اور بدکار کو اس کی بدی کا۔

القدیر جل جلالہ وہ ذات ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے: "کُنْ" ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے اور وہ اپنی قدرت سے دلوں کو الٹتا پلٹتا ہے اور جس طرح اور جس رخ پر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔"[1]

یہ اسم مبارک قرآن کریم میں ۱۲ جگہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

۱ ﴿قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾[2]

۲ ﴿اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى﴾[3]

۳ ﴿اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ﴾[4]

"القادر جل جلالہ" کی قدرت وسیع اور بے انتہا ہے

قرآن مجید خالق ہستی کے متعلق جو کچھ لوگوں کو بتلانا چاہتا ہے اور اس کی جن صفات سے انسانوں کو خاص طور سے روشناس کرانا چاہتا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی قدرت وسیع اور بے انتہا ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور اپنے کسی ارادے کو پورا کرنے میں وہ نہ کسی کی مدد کا محتاج ہے اور نہ اُسے آلات و اسباب کی ضرورت ہے، وہ صرف اپنی مشیت کے اشارہ سے اور صرف اپنے ارادہ اور فیصلہ "کُنْ" سے سب کچھ کر سکتا ہے۔

چناں چہ سورۂ فاطر میں فرمایا:

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا"[5]

تَرْجَمَہ: "اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ زمین و آسمان میں کوئی چیز اس کے بس سے باہر جا سکے، وہ سب کچھ جاننے

---

[1] " "اَلْقَدِيْرُ" كَامِلُ الْقُدْرَةِ، بِقُدْرَتِهٖ أَوْجَدَ الْمَوْجُوْدَاتِ، وَبِقُدْرَتِهٖ دَبَّرَهَا، وَبِقُدْرَتِهٖ سَوَّاهَا وَأَحْكَمَهَا، وَبِقُدْرَتِهٖ يُحْيِي وَيُمِيْتُ، وَيَبْعَثُ الْعِبَادَ لِلْجَزَاءِ، وَيُجَازِي الْمُحْسِنَ بِإِحْسَانِهٖ، وَالْمُسِيْءَ بِإِسَاءَتِهٖ، اَلَّذِيْ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا قَالَ لَهٗ: كُنْ، فَيَكُوْنُ، وَبِقُدْرَتِهٖ يُقَلِّبُ الْقُلُوْبَ وَيُصَرِّفُهَا عَلٰى مَا يَشَاءُ وَيُرِيْدُ" (تيسير الكريم: ۳۰۱/۵ بحواله النهج الاسمٰى: ۱۱۵/۲)

[2] الانعام: ۳۷ [3] القيٰمة: ۴۰ [4] الطارق: ۸ [5] فاطر: ۴۴

والا اور ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔“

یعنی بڑے بڑے زور آور مدعی اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہ بچ سکے مثلاً عاد وثمود وغیرہ، یہ بیچارے تو چیز کیا ہیں خوب سمجھ لو کہ آسمان اور زمین کی کوئی طاقت اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کرسکتی، علم اس کا محیط اور قدرت اس کی کامل، پھر معاذاللہ عاجز ہو تو کدھر سے ہو۔[1]

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ جن ڈاکٹروں اور طبیبوں کو جس مرض کے علاج میں مہارت اور عالمگیر شہرت حاصل تھی ان کا انتقال بھی اسی مرض میں ہوا۔ مثلاً ارسطا طالیس سل (تپ دق) کے مرض میں، افلاطون فالج سے، جالینوس اسہال سے، حکیم اجمل خان عارضۂ قلب سے رخصت ہوئے۔ یہ سب حضرات ان امراض کے کامل ماہر و مجتہد سمجھے جاتے تھے۔ انسان اپنے محدود مطالعے اور مشاہدے کے باعث بعض اوقات غلط فہمی میں پڑ کر اپنی خود مختاری اور اپنی قدرت کا اعلان کرتا ہے، اپنے لئے یقینی مستقبل کی بات کرتا ہے، مگر قدرت کی طرف سے موت کی صورت میں انسان کی سرتاپا عاجزی و بے اختیاری اور غیر یقینی مستقبل کا خاموش اعلان اسے عبدیت کا سبق یاد دلاتا رہتا ہے۔[2]

ایٹمی طاقت اور بخار وائرس

واقعہ نمبر ۴۲: ”القادرُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ نے چین جیسے ترقی یافتہ ملک میں ایک چھوٹا سا بخار کا وائرس بھیج دیا تھا، جس کو (SARS) کہتے ہیں، اس وائرس نے سارے ماہرینِ طب کی عقلوں کو مبہوت کر دیا تھا، ان کے ایٹم بم، ان کی ساری مہارت لمحات میں ایک طرف ہو کر رہ گئی، چائنا کی سڑکیں دن کے اُجالے میں رات کے سناٹے کا ثبوت دیتی تھیں، مساجد، چرچ، بازاروں کو بند کر دیا گیا تھا، ہر آدمی کسی دوسرے آدمی سے ملتے ہوئے ڈرتا تھا کہ مجھے وائرس نہ لگ جائے، اگر کسی کو بخار ہو گیا تو اس کے رشتہ دار، دوست احباب کوئی ملنے نہ جاتا تھا کہ کہیں ہمیں بھی نہ لگ جائے اور وہ بخار سے مرتے تو نہیں لیکن بخار کی ایسی دہشت سوار تھی کہ جس کو بخار آیا وہ بے چارا اپنے آپ کو زندہ ہوتے ہوئے بھی مردوں کی فہرست میں شمار کرتا تھا۔ انسان کو چاہئے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بندہ بنایا ہے تو بندہ ہی بن کر رہے، سراپا عجز ہے تو عاجزی کو ہی اپنا شیوہ بنا کر رکھے اور ”القادرُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی قدرت کے سامنے اپنی قدرت کو کالعدم سمجھے۔

”القادرُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی قدرت

واقعہ نمبر ۴۳: ”القادرُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ ایک ایسی قادر مطلق ذات ہے جو پانی جیسی محلول (ہر چیز میں حل ہونے والی) چیز میں ایسی طاقت ڈال دیتا ہے کہ وہ شہروں کے شہر اور ملکوں کے ملک کو پلک جھپکنے میں الٹ دیتا ہے۔

ابھی گزشتہ مہینوں مشرقی ایشیاء اور افریقہ کی ساحلی پٹی پر ایسا سیلاب آیا کہ اُس نے صرف دو تین دن میں شہروں اور

---

[1] تفسیر عثمانی: ۵۸۶، حاشیہ نمبر: ۵
[2] ماخوذ از ماہنامہ ”الخیر“

ملکوں کا نقشہ الٹ دیا۔ اس سیلاب اور زلزلے کی طاقت دس ہزار ایٹم بموں سے بھی کئی گنا زیادہ تھی۔

اس سونامی سیلاب میں تقریباً دو لاکھ انسان ہلاک ہوئے۔ ان میں مغرب سے آئے ہوئے سیاحوں کی تعداد بھی ہزاروں میں تھی، جو کرسمس اور نئے سال کی خوشی منانے مغرب سے مشرق پہنچے تھے۔ کسی کی لاش ملبے تلے دبی ہوئی ملی اور کسی کی لاش درختوں پر لٹکی ہوئی ملی، ہزاروں کی تعداد میں لاشیں اب بھی لاپتہ ہیں، مُردوں کی تدفین ایک مسئلہ بن گئی۔ ایک ماہ تک اجتماعی تدفین کا سلسلہ چلتا رہا۔ بے شک یہ سب ''القَادِرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

جب مخلوقات میں سرکشی اور نافرمانی حد سے بڑھ جائے اور کھلے عام اللہ کے حدود کی پامالی ہونے لگے، تو وہ ''القَادِرُ'' جو ابابیل جیسے پرندوں کے ذریعے ابرہہ کے لشکر کو ہلاک کرواسکتا ہے، تو وہی ذات سونامی جیسے سمندری طوفان کے ذریعے صرف تین دن میں لاکھوں انسانوں کو موت کی نیند بھی سلاسکتا ہے۔

کوئی کام اتفاق سے نہیں ہوتا

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرمایا کرتے تھے: آج کل کی دنیا جس کو ''اتفاق'' کا نام دیتی ہے کہ اتفاقاً یہ کام اس طرح ہوگیا، یہ سب غلط ہے، اس لئے کہ اس کائنات میں کوئی کام اتفاقاً نہیں ہوتا، بل کہ اس کائنات کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی حکمت، مشیت (مرضی) اور نظم کے ماتحت ہوتا ہے۔ جب کسی کام کی علت اور سبب ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کام کن اسباب کی وجہ سے ہوا تو بس ہم کہہ دیتے ہیں کہ اتفاقاً یہ کام اس طرح ہوگیا۔ ارے جو اس کائنات کا مالک اور خالق ہے وہی اس پورے نظام کو چلا رہا ہے اور ہر کام پورے مستحکم نظام کے تحت ہو رہا ہے، کوئی ذرّہ اس کی مشیت کے بغیر ہل نہیں سکتا، اس لئے سیدھی سی بات یہ ہے کہ دوا میں بذاتِ خود کوئی تاثیر نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے دوا میں تاثیر پیدا فرمائی تو فائدہ ہوگیا اور جب اللہ تعالیٰ نے تاثیر پیدا نہیں فرمائی، تو فائدہ نہیں ہوا۔ بس یہ سیدھی سی بات ہے ''اتفاق'' کا کیا مطلب ہے۔

وہ ''المُقتَدِرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' اپنی حکمت کے موافق جس حکم کو چاہے منسوخ کرے، جسے چاہے باقی رکھے، جس قوم کو چاہے مٹائے، جسے چاہے اُس کی جگہ جمادے۔ جن اسباب کی تاثیر چاہے بدل ڈالے، جن کی چاہے نہ بدلے، جو وعدہ چاہے شرائط کی موجودگی میں ظاہر کرے، جو چاہے شرائط کے نہ پائے جانے کی بناء پر موقوف کردے۔ غرض ہر قسم کی تبدیلی وتغیر، محو واثبات، نسخ واحکام اُسی کے ہاتھ میں ہے۔

انسان خود اپنے اندرونی حالات میں غور کرے، وہ کچھ نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا، پھر موت بھیجی اور دی ہوئی زندگی واپس لے لی۔ یہ کچھ نہ کرسکا اور بعضوں کو موت سے پہلے ہی پیرانہ سالی کے ایسے درجے میں پہنچا دیا کہ ہوش و حواس ٹھکانے نہ رہے، نہ ہاتھ پاؤں میں طاقت رہی، بالکل نکما ہوگیا نہ کوئی بات سمجھتا ہے، نہ سمجھی ہوئی یاد رکھ سکتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ علم و قدرت اسی خالق و مالک کے خزانہ میں ہے۔ جب اور جس قدر چاہے دے اور جب چاہے واپس کر لے۔

اللہ کی قدرت اور بڑے سے بڑے انسان کی بے بسی

واقعہ نمبر ۴۴: حضرت سعید بن مسیّب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کسی مجلس میں بیٹھے فرما رہے تھے: ''میں نے چالیس (۴۰) سال اس طرح بسر کئے کہ اذان سے قبل مسجد میں موجود ہوتا تھا'' یہ کہہ کر وہ نماز کے ارادے سے اٹھے تو دیکھا کہ لوگ نماز سے فارغ ہوکر مسجد سے نکل رہے ہیں۔[1]

ایک مرتبہ امام قتادہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کہنے لگے: ''میں آج تک کوئی چیز نہیں بھولا۔'' .... پھر غلام کو آواز لگائی ''ذرا میرے جوتے لے آنا'' غلام نے ادب سے پاؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا:

''حضرت جوتے تو آپ پہنے ہوئے ہیں۔''[2]

بڑے سے بڑے انسان کی بے بسی بھی اس پر دلیل ہے کہ یہ انسان سراپا محتاج ہے، اپنے ہر ہر ارادہ اور ہر ہر کام میں وہ کسی کے حکم و ارادہ کے ماتحت ہے۔

فائدہ: انسان کو دعویٰ نہیں کرنا چاہئے یعنی کسی بھی موقع پر بڑا بول نہیں بولنا چاہئے، کیوں کہ بڑا بول اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، بس یہ سمجھے جو کچھ ہے وہ اللہ کا فضل ہے اگر یہ فضل شامل حال نہ ہوتا تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

تنگ و تاریک کوٹھڑی اور نماز

واقعہ نمبر ۴۵: عبدالرحمٰن بن ابی نعم بجلی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ جلیل القدر تابعین میں سے ہیں، زہد و عبادت میں بڑے مشہور تھے، ان کی خدا خوفی اور فکرِ آخرت کا یہ عالم تھا کہ بکیر بن عامر کے بقول:

''اگر ان سے کہا جائے کہ موت کا فرشتہ آپ کی روح قبض کرنے آیا ہے تو اس خبر سے ان کی حالت میں ذرا بھی فرق نہیں آئے گا۔''

ایک دن وعظ و نصیحت کی غرض سے وہ حجاج بن یوسف کے پاس گئے، حجاج کے ظلم سے کون ناواقف ہوگا، نصیحت فرمائی اور ظلم کے انجام کی طرف توجہ دلائی تو حجاج نے اس کا نقد صلہ دیا، حکم دیا کہ ''اسے تنگ و تاریک کوٹھری میں بند کر دو'' اس حالت میں پندرہ دن گزر گئے، جہاں نہ کھانا، نہ پینا، نہ روشنی اور نہ زندگی کا کوئی سلمان، حجاج نے کہا: ''اب اس

---

[1] المستطرف فی کل فن مستظرف: ۷۳
[2] سیر اعلام النبلاء، قتادۃ بن دِعامۃ بن قتادۃ......: ۹۷/۶

کی لاش نکال کر دفن کردو۔" چناں چہ ان کی لاش نکالنے کے لئے حجاج کے کارندوں نے جب دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ کھڑے ہو کر نماز میں مشغول ہیں کہ ؎

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند بہار ہو کہ خزاں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

حجاج کو ان کی یہ کیفیت معلوم ہوئی تو انہیں آزاد کر دیا۔[1]

دعا کی قبولیت کے لئے چند کلمات

حضرت سعید بن مسیّب رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: میں ایک مرتبہ مسجد میں آرام کر رہا تھا اچانک غیب سے آواز آئی اے سعید یہ (مندرجہ ذیل) کلمات پڑھ کر تو جو دعا مانگے گا اللہ تعالیٰ قبول کرے گا:

"اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ مَلِيْكٌ مُّقْتَدِرٌ مَّا تَشَآءُ مِنْ اَمْرٍ يَّكُوْنُ."[2]

تَرجَمۂ: "اے اللہ! بے شک آپ مالک اور قدرت والے ہیں، آپ جو بھی چاہتے ہیں وہ ہو جاتا ہے۔"

حضرت سعید بن مسیّب رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ان جملوں کے بعد میں نے جو دعا مانگی ہے وہ قبول ہوئی ہے۔

اسی طرح تکلیف سے نجات کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا واسطہ دے کر پناہ مانگنا بے حد مفید ہے جیسا کہ حدیث شریف میں یہ کلمات آئے ہیں:

"اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ."[3]

تَرجَمۂ: "میں اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرتِ کاملہ کی پناہ چاہتا ہوں اس تکلیف کے شر سے جو مجھے لاحق ہے اور اس سے بھی جس کا مجھے خطرہ ہے۔"

فوائد و نصائح

❶ بندے کو چاہئے وہ یہ عقیدہ رکھے کہ پوری کائنات کا نظام "القادر جل جلالہ" کے قبضہ قدرت میں ہے۔

❷ کوئی بھی کام حتیٰ کہ درخت کا ایک پتہ بھی "القادر جل جلالہ" کی قدرت کے بغیر نہیں ہل سکتا۔

❸ بندہ اپنی زندگی میں آنے والی تمام خوشیوں اور پریشانیوں کو اسی ذات کی طرف سے سمجھتے ہوئے خوشی پر شکر اور پریشانی پر صبر کرے اور یقین رکھے کہ ساتوں آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے وہ سب "القادر جل جلالہ"

---

[1] تهذيب التهذيب: ٢٨٦/٦. بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۴۸

[2] روح المعاني: ٩٦/١٤، القمر: ٥٥

[3] مسلم، السّلام، باب استحباب وضع يده ......، رقم: ٢٢٠٢

کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ جس طرح ایک انسان کی مٹھی میں کوئی چیز مکمل اس کی دسترس میں ہوتی ہے ﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى﴾[1] اسی طرح سب کچھ اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے، جو بھی حالات آتے ہیں وہ اللہ کے حکم سے آتے ہیں۔

۴ ”وَمَنْ عَلِمَ أَنَّ مَوْلَاهُ قَدِيْرٌ عَلٰى مَا يُرِيْدُ يَقْطَعُ رَجَاءَهٗ عَنِ الْأَغْيَارِ.“

تَرجَمہ: ”اور جو اس بات پر یقین رکھے گا کہ اس کا مولیٰ قدیر ہے (یعنی اتنا طاقت ور ہے) کہ وہ جس چیز کا ارادہ فرمالے تو وہ اس پر قادر ہے تو اس کی اُمیدیں اللہ تعالیٰ کے غیر سے ہٹ جائیں گی۔“

---

[1] النحل: ٦٠

الْمُقَدِّمُ جَلَّ جَلَالُہٗ الْمُؤَخِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(آگے بڑھانے والا) (پیچھے ہٹانے والا)

ان اسماء کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ قَالَ الْخَطَّابِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: "اَلْمُقَدِّمُ" اَلْمُنَزِّلُ لِلْأَشْيَآءِ مَنَازِلَهَا، يُقَدِّمُ مَاشَآءَ مِنْهَا، وَيُؤَخِّرُ مَاشَآءَ، قَدَّمَ الْمَقَادِيْرَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ. وَقَدَّمَ مَنْ أَحَبَّ مِنْ أَوْلِيَآئِهٖ عَلٰى غَيْرِهِمْ مِنْ عَبِيْدِهٖ.[1]

ترجمہ: "" الْمُقَدِّمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو تمام اشیاء کو اپنے مراتب ومنازل پر اتارنے والا ہے۔ ان میں سے جسے چاہے مقدم کرے اور جسے چاہے مؤخر کرے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی پیدائش سے تقدیر کو مقدم کیا اور مقدم کیا جسے چاہا اپنے برگزیدہ بندوں میں سے دوسرے بندوں پر۔"

❷ "اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے جسے چاہیں اپنی رحمت کی طرف اور توفیق کی طرف مقدم کرتے ہیں اور جسے چاہیں اپنی رحمت وتوفیق سے مؤخر کرتے ہیں معصیت کی وجہ سے۔"[2]

❸ قَالَ الْحَلِيْمِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: اَلْمُقَدِّمُ جَلَّ جَلَالُهٗ هُوَ الْمُعْطِيْ لِعَوَالِي الرُّتَبِ: وَالْمُؤَخِّرُ جَلَّ جَلَالُهٗ هُوَ الدَّافِعُ عَنْ عَوَالِي الرُّتَبِ. فَقَرَّبَ أَنْبِيَآءَهٗ بِتَقْرِيْبِهٖ وَهِدَايَتِهٖ وَأَخْزٰى أَعْدَاءَهٗ بِإِبْعَادِهٖ.[3]

ترجمہ: " الْمُقَدِّمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس کے ذریعے وہ اونچے مراتب عطا فرماتے ہیں " الْمُؤَخِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اونچے اور اعلیٰ مراتب سے روکتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ نے انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو قریب کیا ہدایت کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں کو ذلیل کیا اپنی رحمت و ہدایت سے دور کر کے۔

[1] النهج الأسمىٰ: ۵۵/۳

[2] قَالَ النَّوَوِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: يُقَدِّمُ مَنْ شَآءَ مِنْ خَلْقِهٖ إِلٰى رَحْمَتِهٖ بِتَوْفِيْقِهٖ وَيُؤَخِّرُ مَنْ يَّشَآءُ عَنْ ذٰلِكَ لِخِذْلَانِهٖ.
(النهج الاسمیٰ:۵۶/۳)

[3] النهج الأسمىٰ: ۵۹/۳

صحیح مسلم میں یہ دو نام دعا کے ذیل میں آئے ہیں:

”اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَآ اَخَّرْتُ وَمَآ اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَآ اَسْرَفْتُ وَمَآ اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْٓ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ اَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ۔“[1]

ترجمہ: ”اے اللہ! میری مغفرت فرما اُن گناہوں کی جو میں پہلے کر چکا ہوں، اور جن کو میں نے مؤخر کیا، اور جن کو میں نے اعلانیہ کیا اور جن کو میں نے چھپ کر کیا، اور جو میں نے زیادتیاں کی ہیں، اور وہ گناہ جن کو صرف آپ میرے بارے میں جانتے ہیں (کہ میں نے کئے ہیں) معاف فرما۔ بے شک آپ ہی مقدم ہیں اور آپ ہی مؤخر ہیں کوئی معبود نہیں آپ کے سوا۔“

تقدیم و تاخیر دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں جو کہ تابع ہیں اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت اور حکمت کے، اور یہ دونوں صفاتِ ذاتیہ میں سے بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ جسے چاہیں قریب کریں اور جسے چاہیں دور کریں، پس اللہ تعالیٰ نے جس کو مقدم کیا اور حق کے قریب کر دیا تو اُس شخص نے اعلیٰ مراتب حاصل کر لئے اور جسے حق سے دور کر دیا، پس اُسے لوٹا دیا پستی کی طرف۔

کبھی کبھی تقدیم و تاخیر سے مراد بعض موجودات کی بعض دیگر موجودات پر تقدیم و تاخیر تخلیق و پیدائش کے اعتبار سے ہے اور کبھی ان صفات سے مراد بعض موجودات کی دیگر بعض موجودات پر رُتبہ اور شرف کے اعتبار سے تقدیم و تاخیر ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے کبھی کوئی چیز تخلیق اور شرف ہر دونوں اعتبار سے مقدم ہوتی ہے اور کبھی کوئی چیز تخلیق کے اعتبار سے تو مقدم ہوتی ہے، لیکن شرف کے اعتبار سے مؤخر ہوتی ہے، اور کبھی تخلیق کے اعتبار سے مؤخر لیکن شرف، عظمت اور مرتبے کی وجہ سے مقدم ہوتی ہے جیسے کہ آں حضرت ﷺ تمام انبیاء سے آخر میں آئے لیکن مرتبے میں سب سے اونچے ہیں اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے کئی موجودات کے بعد پیدا فرمایا اور ان میں سے کئی پر فضیلت بخشی اور ابلیس (شیطان) کو کئی موجودات سے پہلے پیدا کیا اور ان تمام سے بدتر کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْـَٔلُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: ”وہ اپنے کاموں کے لئے (کسی کے آگے) جوابدہ نہیں اور سب (اس کے آگے) جوابدہ ہیں۔“

”المقدم المؤخر جل جلالہ“ کی شانِ تقدیم و تاخیر

وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں مقدم کر کے رحمت کے قریب کر دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں مؤخر کر کے

[1] مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة النبیؐ ودعائه بالليل، رقم: ۱۷۸۸

[2] الانبياء: ۲۳

رحمت سے دور کر دیتے ہیں، اُس کی تقدیم و تاخیر کی شان ہی نرالی ہے۔ پوری کائنات اور اس کا ذرہ ذرہ اُس کے ''اَلْمُقَدِّمُ'' اور''اَلْمُؤَخِّرُ'' ہونے پر واضح ثبوت ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اپنے رسالے میں ایک عبرت انگیز واقعہ نقل کرتے ہیں جو''اَلْمُقَدِّمُ'' ''اَلْمُؤَخِّرُ'' کی شان بے نیازی کا ایک بہترین عملی نمونہ ہے۔ لیل ونہار کا انقلاب، دنیا کا عروج و زوال، قوموں کی ترقی وتنزلی، سلف وخلف کے واقعات ایک چشمِ بصیرت کے لئے ہزاروں عبرتیں اپنے دامن میں رکھتے ہیں اور باآواز بلند کہہ رہے ہیں ؎

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے   یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

الغرض تمام تاریخ عالم انہی عبرتوں کا آئینہ ہے جس کا ایک ورق ناظرین کرام کے سامنے کھولا جاتا ہے۔ کیا خوب فرمایا ہے حضرت شیخ الہند رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے ؎

انقلاباتِ جہاں واعظِ رب ہیں سن لو   ہر تغیر سے صدا آتی ہے فَافْہَمْ فَافْہَمْ

وَاقِعَہ نمبر ۴۶: ذیل کا عبرت آموز واقعہ علامہ دمیری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی ''حیوٰۃ الحیوان'' مطبوعہ مصر سے نقل کیا جاتا ہے۔

سنِ ہجری کی دوسری صدی ختم ہونے کو ہے۔ آفتاب نبوت غروب ہوئے ابھی بہت زیادہ مدت نہیں گزری۔ لوگوں میں امانت، دیانت اور دین وتقویٰ کا عنصر غالب ہے، اسلام کے ہونہار فرزند جن کے ہاتھ پر اس کا فروغ ہونے والا ہے۔ کچھ برسرپیکار ہیں اور کچھ تربیت پا رہے ہیں۔ ائمہ دین کا زمانہ ہے۔ ہر ایک شہر علماءِ دین وصلحاءِ متقین سے آباد نظر آتا ہے۔ خصوصاً مدینۃ الاسلام (بغداد) جو اس وقت مسلمانوں کا دارالسلطنت ہے اپنی ظاہری اور باطنی آرائشوں سے آراستہ ہو کر گلزار بنا ہوا ہے۔ ایک طرف اگر اس کی دلفریب عمارتیں اور ان میں گزرنے والی نہریں دل لبھانے والی ہیں تو دوسری طرف علماء وصلحاء کی مجلسیں، درس وتدریس کے حلقے، ذکر وتلاوت کی دل کش آوازیں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی دل جمعی کا ایک سامان ہے۔ فقہاء ومحدثین اور عباد وزُہاد کا ایک عجیب وغریب مجمع ہے۔ اس مبارک مجمع میں ایک بزرگ ''ابوعبداللہ اندلسی'' کے نام سے مشہور ہیں، جو اکثر اہلِ عراق کے پیر ومرشد اور استاذ ومحدث ہیں۔ آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ چکی ہے جن کا ایک عبرت ناک واقعہ ہمیں اس وقت ہدیۂ ناظرین کرنا ہے:

یہ بزرگ علاوہ زاہد وعابد اور عارف باللہ ہونے کے حدیث وتفسیر میں بھی ایک جلیل القدر امام ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو تیس ہزار حدیثیں حفظ تھیں اور قرآن شریف کو تمام روایاتِ قرأت کے ساتھ پڑھتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ نے سفر کا ارادہ کیا۔ تلامذہ اور مریدین کی جماعت میں سے بہت سے آدمی آپ کے ساتھ ہو لئے۔ جن میں حضرت جنید بغدادی اور حضرت شبلی رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالیٰ بھی ہیں۔ حضرت شبلی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا بیان ہے کہ ہمارا قافلہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نہایت امن وامان اور آرام واطمینان کے ساتھ منزل بہ منزل مقصود کی طرف بڑھ رہا تھا

کہ ہمارا گزر عیسائیوں کی ایک بستی پر ہوا۔ نماز کا وقت ہو چکا تھا لیکن پانی موجود نہ ہونے کی وجہ سے اب تک ادا نہ کر سکے تھے۔ بستی میں پہنچ کر پانی کی تلاش ہوئی۔ ہم نے بستی کا چکر لگایا۔ اس دوران میں ہم چند مندروں اور گرجا گھروں پر پہنچے جن میں آفتاب پرستوں، یہودیوں اور صلیب پرست نصرانیوں کے راہبان اور پادریوں کا مجمع تھا جن میں سے ہر شخص

ع ہر کس بخیالِ خویش خبطے دارد

کا نمونہ بنا ہوا تھا۔ کوئی آفتاب کو پوجتا اور کوئی آگ کو ڈنڈوت کرتا تھا اور کوئی صلیب کو اپنا قبلۂ حاجات بنائے ہوئے تھا۔ ہم یہ دیکھ کر متعجب ہوئے اور ان لوگوں کی کم عقلی اور گمراہی پر حیرت کرتے ہوئے آگے بڑھے۔

آخر گھومتے گھومتے بستی کے کنارے پر ہم ایک کنویں پر پہنچے۔ جس پر چند نوجوان لڑکیاں پانی پلا رہی تھیں۔ اتفاق سے شیخ مرشد ابوعبداللہ اندلسی کی نظر ان میں سے ایک لڑکی پر پڑی۔ جو اپنے خداداد حسن و جمال میں سب ہم جولیوں سے ممتاز ہونے کے ساتھ ساتھ زیور اور لباس سے آراستہ تھی۔ شیخ کی اس سے آنکھیں چار ہوتے ہی حالت دگرگوں ہونے لگی، چہرہ بدلنے لگا۔ اسی انتشارِ طبع کی حالت میں شیخ اس کی ہم جولیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: یہ کس کی لڑکی ہے؟

لڑکیاں: ”اس بستی کے سردار کی لڑکی ہے۔“

شیخ: ”پھر اس کے باپ نے اس کو اتنا ذلیل کیوں بنا رکھا ہے کہ کنویں سے خود ہی پانی بھرتی ہے، کیا وہ اس کے لئے کوئی ماما نوکر نہیں رکھ سکتا جو اس کی خدمت کرے۔“

لڑکیاں: ”کیوں نہیں! مگر اس کا باپ ایک نہایت عقل مند اور سمجھ دار آدمی ہے۔“

اس کا مقصد یہ ہے کہ لڑکی اپنے باپ کے مال و متاعِ حشم و خدم پر مغرور ہو کر کہیں اپنے فطری اخلاق خراب نہ کر بیٹھے اور نکاح کے بعد شوہر کے ہاں جا کر اس کی خدمت میں کوئی قصور نہ کرے۔[1]

حضرت شبلی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: ”شیخ اس کے بعد سر جھکا کر بیٹھ گئے اور تین دن کامل اس طرح گزر گئے کہ نہ کچھ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں اور نہ کسی سے کلام کرتے ہیں، البتہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو نماز ادا کر لیتے ہیں۔ مریدین اور تلامذہ کی کثیر التعداد جماعت ان کے ساتھ ہے، لیکن سخت ضیق (تنگی) میں ہیں کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔“

حضرت شبلی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: تیسرے دن میں نے یہ حالت دیکھ کر پیش قدمی کی اور عرض کیا:

”اے شیخ! آپ کے مریدین آپ کی مسلسل خاموشی سے متعجب اور پریشان ہیں کچھ تو فرمائیے کیا حال ہے؟“

شیخ: (قوم کی طرف متوجہ ہو کر) میرے عزیزو! میں اپنی حالت تم سے کب تک چھپاؤں۔ پرسوں میں نے جس لڑکی کو

---

[1] سردار کا لڑکی کو باہر نکالنا اور کنویں پر بھیجنا اگرچہ بے شبہ مذموم و ناروا تھا۔ مگر ساتھ ہی اس کا لڑکی کے اخلاق اور خاوند کی اطاعت کا خیال ضرور قابل داد ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اس سے عبرت حاصل کریں اور میکہ کی بود و باش میں لڑکیوں کے اخلاق خراب نہ ہونے دیں اور ان کو سسرال کے آداب اور خاوند کی اطاعت کا سبق دیں۔۱۲

دیکھا ہے، اس کی محبت مجھ پر اتنی غالب آچکی ہے کہ میرے تمام اعضاء و جوارح پر اسی کا تسلط ہے، اب کسی طرح ممکن نہیں کہ اس سرزمین کو میں چھوڑ دوں ؎

برخیزم زسر کوئے تو تاجاں دارم ۔۔۔ در رسد کا ربجاں از سر جاں برخیزم

حضرت شبلی رحمہ اللہ: ''اے ہمارے سردار! آپ اہلِ عراق کے پیر و مرشد، علم و فضل اور زہد و عبادت میں شہرۂ آفاق ہیں، آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہوچکی ہے، بطفیل قرآن عزیز ہمیں اور ان سب کو رُسوا نہ کیجئے۔

شیخ: میرے عزیزو! میرا اور تمہارا نصیب، تقدیر خداوندی ہوچکی ہے مجھ سے ولایت کا لباس سلب کرلیا گیا اور ہدایت کی علامات اٹھالی گئیں۔ یہ کہہ کر رونا شروع کیا اور کہا: ''اے میری قوم! قضا و قدر نافذ ہوچکی ہے اب کام میرے بس کا نہیں ہے۔''

حضرت شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمیں اس عجیب واقعہ پر سخت تعجب ہوا اور حسرت سے رونا شروع کیا۔ شیخ بھی ہمارے ساتھ رو رہے تھے۔ یہاں تک کہ زمین آنسوؤں کے اُمنڈ آنے والے سیلاب سے تر ہوگئی۔ اس کے بعد ہم مجبور ہوکر اپنے وطن بغداد کی طرف لوٹے، لوگ ہمارے آنے کی خبر سن کر شیخ کی زیارت کے لئے شہر سے باہر آئے اور شیخ کو ہمارے ساتھ نہ دیکھ کر سبب دریافت کیا، ہم نے سارا واقعہ بیان کیا۔ واقعہ سن کر لوگوں میں کہرام مچ گیا، شیخ کے مریدوں میں سے کثیر التعداد جماعت تو اسی غم و حسرت میں اُسی وقت عالمِ آخرت کو سدھار گئی اور باقی لوگ گڑگڑا کر بارگاہ الٰہی میں دُعائیں کرنے لگے: اے مقلب القلوب! شیخ کو ہدایت عطا فرما اور پھر اپنے مرتبہ پر لوٹا دے۔ اس کے بعد تمام خانقاہیں بند ہوگئیں اور ہم ایک سال تک اسی حسرت و افسوس میں شیخ کے فراق میں لوٹتے رہے۔ ایک سال کے بعد جب ہم مریدوں نے ارادہ کیا کہ چل کر شیخ کی خبر لیں، کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں، تو ہماری ایک جماعت نے سفر کیا اور اس گاؤں میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے شیخ کا حال دریافت کیا:

گاؤں والے: ''وہ جنگل میں خنزیر (سور) چرا رہا ہے۔''

ہم: ''اللہ تعالیٰ کی پناہ یہ کیا ہوا؟''

گاؤں والے: ''اُس نے سردار کی لڑکی سے منگنی کی تھی۔ اس کے باپ نے اس شرط پر قبول کرلیا اور وہ جنگل میں سُور چرانے کی خدمت پر مامور ہے۔''

ہم یہ سن کر ششدر رہ گئے اور غم سے ہمارے کلیجے پھٹنے لگے۔ آنکھوں سے بے ساختہ آنسوؤں کا طوفان اُمنڈنے لگا بمشکل دل تھام کر اُس جنگل میں پہنچے جہاں وہ سور چرا رہے تھے۔ دیکھا تو شیخ کے سر پر نصاریٰ کی ٹوپی ہے اور گلے میں زنار باندھی ہوئی ہے اور اس عصا پر ٹیک لگائے ہوئے خنزیروں کے سامنے کھڑے ہیں جس سے وعظ اور خطبے کے وقت سہارا لیا کرتے تھے، جس نے ہمارے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ شیخ نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ کر سر جھکا لیا۔ ہم

نے قریب پہنچ کر: "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" کہا۔

شیخ: "(کسی قدر دبی زبان سے کہا:) وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ۔"

شبلی رحمہ اللہ: "اے شیخ! اس علم وفضل اور حدیث وتفسیر کے ہوتے ہوئے آج تمہارا کیا حال ہے؟"

شیخ: "میرے بھائیو! میں اپنے اختیار میں نہیں۔ میرے مولا نے جس طرح چاہا مجھ میں تصرف کیا اور اس قدر تقرب کے بعد جب چاہا کہ مجھے اپنے دروازہ سے دور پھینک دے تو پھر اس کی قضا کو کون ٹالنے والا تھا۔ اے عزیزو! اللہ بے نیاز کے قہر سے ڈرو۔ اپنے علم وفضل پر مغرور نہ ہو۔ اس کے بعد آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر کہا: اے میرے مولا! میرا گمان تیرے بارے میں ایسا نہ تھا کہ تو مجھ کو ذلیل وخوار کرکے اپنے دروازے سے نکال دے گا۔ یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ سے استغاثہ کرنا (مدد طلب کرنا) اور رونا شروع کر دیا اور آواز دی کہ اے شبلی! اپنے غیر کو دیکھ کر عبرت حاصل کر (حدیث میں ہے) "اَلسَّعِیْدُ مَنْ وَعَظَ بِغَیْرِہٖ" یعنی نیک بخت وہ ہے جو دوسروں کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے۔"

شبلی رحمہ اللہ: "(رونے کی وجہ سے لکنت کرتی ہوئی آواز سے نہایت دردناک لہجہ میں) اے ہمارے پروردگار! ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثہ کرتے ہیں۔ ہر کام میں ہم کو تیرا ہی بھروسہ ہے۔ ہم سے یہ مصیبت دفع کردے کہ تیرے سوا کوئی دفع کرنے والا نہیں۔"

خنزیر اُن کا رونا اور ان کی دردناک آواز سنتے ہی سب کے سب وہیں جمع ہوگئے اور زمین پر مرغ بسمل کی طرح لوٹنا اور چلانا شروع کیا اور اس زور سے چیخے کہ ان کی آواز سے جنگل اور پہاڑ گونج اُٹھے۔ یہ میدان میدانِ حشر کا نمونہ بن گیا۔ اِدھر شیخ حسرت کے عالم میں زار وقطار رو رہے تھے۔

شبلی رحمہ اللہ: "شیخ! آپ حافظِ قرآن تھے اور قرآن کو ساتوں قرأت سے پڑھا کرتے تھے۔ اب بھی اس کی کوئی آیت یاد ہے؟"

شیخ: "اے عزیز! مجھے تمام قرآن میں دو آیتوں کے سوا کچھ یاد نہیں رہا۔"

شبلی رحمہ اللہ: "وہ دو آیتیں کون سی ہیں؟"

شیخ: ایک تو یہ ہے:

﴿وَمَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ﴾[1]

ترجمہ: "اور جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے، اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

اور دوسری آیت یہ ہے:

﴿وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ﴾[2]

---

[1] الحج: ۱۸ [2] البقرۃ: ۱۰۸

تَرْجَمَہ: ''جس نے ایمان کے بدلے میں کفر اختیار کیا تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہوگیا۔''

شبلی رحمہ اللہ: ''اے شیخ! آپ کو تیس ہزار حدیثیں مع اسناد کے زبانی یاد تھیں، اب ان میں سے بھی کوئی یاد ہے؟''

شیخ: ''صرف ایک حدیث یاد ہے

''مَنْ بَدَّلَ دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ.''

تَرْجَمَہ: ''جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کر ڈالو۔''

شبلی رحمہ اللہ: ''ہم یہ حال دیکھ کر بصد حسرت و یاس شیخ کو وہیں چھوڑ کر واپس ہوئے اور بغداد کا قصد کیا...... ابھی تین منزل طے کر پائے تھے کہ تیسرے روز اچانک شیخ کو اپنے آگے دیکھا کہ نہر سے غسل کر کے نکل رہے ہیں اور بآواز بلند شہادتین: أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتے جاتے تھے۔ اس وقت ہماری مسرت کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس سے پہلے ہماری مصیبت، حسرت و یاس کا اندازہ ہو۔''

شیخ: (قریب پہنچ کر) ''مجھے ایک پاک کپڑا دو۔''

اور کپڑا لے کر سب سے پہلے نماز کی نیت باندھی۔ ہم منتظر ہیں کہ شیخ نماز سے فارغ ہوں تو مفصل واقعہ سنیں۔ تھوڑی دیر کے بعد شیخ نماز سے فارغ ہوئے اور ہماری طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔

ہم: ''اس خدائے قدیر و علیم کا ہزار ہزار شکر جس نے آپ کو ہم سے ملایا۔ اور ہماری جماعت کا شیرازہ بکھر جانے کے بعد پھر درست فرما دیا۔ مگر ذرا بیان تو فرمائیے کہ اس انکار شدید کے بعد پھر آپ کا آنا کیسے ہوا؟''

شیخ: ''میرے دوستو! جب تم مجھے چھوڑ کر واپس ہوئے۔ میں نے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کی: ''خداوندا! مجھے اس جنجال سے نجات دے، میں تیرا خطا کار بندہ ہوں۔'' اس سمیع الدعاء نے بااین ہمہ میری آواز سن لی اور میرے سارے گناہ محو کر دیئے۔''

ہم: ''شیخ! کیا آپ کے اس ابتلا (آزمائش) کا کوئی سبب تھا؟''

شیخ: ''ہاں جب ہم گاؤں میں اُترے بت خانوں اور گرجا گھروں پر ہمارا گزر ہوا۔ آتش پرستوں اور صلیب پرستوں کو غیر اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھ کر میرے دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہوئی کہ ہم مؤمن و موحد ہیں اور یہ کم بخت کیسے جاہل و احمق ہیں کہ بے حس و بے شعور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں، مجھے اسی وقت ایک غیبی آواز دی گئی: ''یہ ایمان و توحید کچھ تمہارا ذاتی کمال نہیں، بل کہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے اور اگر تم چاہو تو ہم تمہیں ابھی بتلا دیں'' اور مجھے اسی وقت یہ احساس ہوا کہ گویا کوئی چیز میرے قلب سے نکل کر اُڑ گئی ہے جو درحقیقت ایمان تھا۔''

حضرت شبلی رحمہ اللہ: اس کے بعد ہمارا قافلہ نہایت خوشی اور کامیابی کے ساتھ بغداد پہنچا۔ سب مریدین شیخ کی زیارت

اوران کے دوبارہ قبولِ اسلام سے خوشیاں منا رہے ہیں خانقاہیں اور حجرے کھول دیئے گئے۔ بادشاہِ وقت شیخ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا اور کچھ ہدایا پیش کئے۔

شیخ پھر اپنے قدیم شغل میں مشغول ہوگئے اور پھر وہی حدیث وتفسیر وعظ وتذکیر تعلیم وتربیت کا دور شروع ہوگیا۔ خداوندِ عالم نے شیخ کا بھولا ہوا علم پھران کو عطا فرما دیا، اب نسبتاً پہلے سے ہر علم وفن میں ترقی ہے، تلامذہ کی تعداد چالیس ہزار اور اسی حالت میں ایک مدت گزر گئی۔ ایک روز ہم صبح کی نماز پڑھ کر شیخ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک کسی شخص نے حجرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں دروازہ پر گیا تو دیکھا کہ ایک شخص سیاہ کپڑوں میں لپٹا ہوا کھڑا ہے۔

میں: ’’آپ کون ہیں ......؟ کہاں سے آئے ہیں ......؟ اور کیا مقصود ہے ......؟‘‘

آنے والا: ’’اپنے شیخ سے کہہ دو کہ وہ لڑکی جس کو آپ فلاں گاؤں میں (اس گاؤں کا نام لے کر جس میں شیخ مبتلا ہوئے تھے) ملے تھے آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہے۔‘‘

سچ ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے تو سارا جہاں اس کا ہو جاتا ہے۔

ع چوں ازو گشتی ہمہ چیز از تو گشت

میں شیخ کے پاس گیا، واقعہ بیان کیا، شیخ سنتے ہی زرد ہوگئے اور خوف سے کانپنے لگے، اس کے بعد اس کو اندر آنے کی اجازت دی۔

لڑکی شیخ کو دیکھتے ہی زار وقطار رو رہی ہے۔ شدت گریہ دم لینے کی اجازت نہیں دیتی کہ کچھ کلام کرے۔

شیخ: ’’(لڑکی سے خطاب کر کے) تمہارا یہاں آنا کیسے ہوا؟ اور یہاں تک تمہیں کس نے پہنچایا؟‘‘

لڑکی: ’’اے میرے سردار! جب آپ ہمارے گاؤں سے رخصت ہوئے اور مجھے خبر ملی۔ میری بے چینی اور بے قراری جس حد کو پہنچی، اس کو کچھ میرا ہی دل جانتا ہے۔ نہ بھوک رہی نہ پیاس، نیند تو کہاں آتی، میں رات بھر اسی اضطراب میں رہ کر صبح کے قریب ذرا لیٹ گئی۔ اور اس وقت مجھ پر کچھ غنودگی سی غالب ہوئی۔ اسی غنودگی میں، میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ اگر تو مؤمنات میں داخل ہونا چاہتی ہے تو بتوں کی عبادت چھوڑ دے اور شیخ کا اتباع کر اور اپنے دین سے توبہ کر کے شیخ کے دین میں داخل ہو جا۔‘‘

میں: ’’(اسی خواب کے عالم میں اس شخص کو خطاب کر کے میں نے کہا) شیخ کا دین کیا ہے؟‘‘

شخص: ’’اس کا دین اسلام ہے۔‘‘

میں: ’’اسلام کیا چیز ہے؟‘‘

شخص: ’’اس بات کی دل اور زبان سے گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے برحق

رسول و پیغمبر ہیں۔"

میں: "تو اچھا میں شیخ کے پاس کس طرح پہنچ سکتی ہوں؟"

شخص: "ذرا آنکھیں بند کرلو اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو۔"

میں: "بہت اچھا" یہ کہا اور کھڑی ہوگئی۔ اور ہاتھ اس شخص کے ہاتھ میں دے دیا۔

شخص: "(میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھوڑی دور چل کر) لو بس آنکھیں کھول دو۔" میں نے آنکھیں کھولیں اپنے آپ کو دجلہ (ایک نہر ہے جو بغداد کے نیچے بہتی ہے) کے کنارے پایا اب میں متحیر ہوں اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہوں کہ میں چند منٹوں میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔

اس شخص نے آپ کے حجرے کی طرف اشارہ کر کے کہا: "یہ سامنے شیخ کا حجرہ ہے وہاں چلی جاؤ۔ اور شیخ سے کہہ دو کہ آپ کا بھائی خضر (عَلَیْہِ السَّلَام) آپ کو سلام کہتا ہے، میں اس شخص کے اشارہ کے موافق یہاں پہنچ گئی اور اب آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں مجھے مسلمان کر لیجئے۔

شیخ نے اس کو مسلمان کر کے اپنے پڑوس کے ایک حجرے میں ٹھہرا دیا، کہ یہاں عبادت کرتی رہو۔

لڑکی عبادت میں مشغول ہوگئی اور زہد و عبادت میں اپنی اکثر اقران سے سبقت لے گئی۔ دن بھر روزہ رکھتی اور رات بھر اپنے مالکِ بے نیاز کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی محنت سے بدن ڈھل گیا۔ ہڈی اور چمڑے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ آخر اسی میں مریض ہوگئی۔ اور مرض اتنا بڑھا کہ موت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا، اور اب مسافر آخرت کے دل میں اس کے سوا کوئی حسرت باقی نہیں کہ ایک مرتبہ شیخ کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرلے، کیوں کہ جس وقت یہ اس حجرے میں مقیم ہے نہ شیخ نے اس کو دیکھا ہے اور نہ یہ شیخ کی زیارت کرسکی، جس سے آپ چند گھڑی کے مہمان کی حسرت و یاس کا اندازہ کر سکتے ہیں، جو اس وقت۔

ع تازیر لب آرند و چشیدن نگذ ارند

کا مصداق بنا ہوا ہے۔ آخر شیخ کو کہلا بھیجا کہ موت سے پہلے ایک مرتبہ میرے پاس ہو جائیں ؎

یار راگر سر پر سیدن بیمار غمست گو بیا خوش کہ ہنوزش نفسے می آید

شیخ یہ سن کر فوراً تشریف لائے، جاں بلب لڑکی حسرت بھری نگاہوں سے شیخ کی طرف دیکھنا چاہتی ہے مگر آنسوؤں میں ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں اسے ایک نظر بھر کر دیکھنے کی مہلت نہیں دیتیں، آنسوؤں کا ایک تار بندھا ہوا ہے مگر ضعف سے بولنے کی اجازت نہیں لیکن اس کی زبانِ بے زبانی یہ کہہ رہی ہے: ؎

دمِ آخر ہے ظالم دیکھ لینے دے نظر بھر کر سدا پھر دیدۂ تر کرتے رہنا اشک افشانی

آخر لڑکھڑائی زبان اور بیٹھی ہوئی آواز سے اتنا لفظ کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ."

شیخ: ”(شفقت آمیز آواز سے) تم گھبراؤ نہیں اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عن قریب ہماری ملاقات جنت میں ہونے والی ہے۔“

لڑکی شیخ کے ناصحانہ کلمات سے متاثر ہوکر خاموش ہوگئی اور اب یہ خاموشی لمبی ہوئی کہ یہ مہر سکوت صبح قیامت سے پہلے نہ ٹوٹے گی۔ اس پر کچھ دیر نہیں گزری تھی کہ مسافر آخرت نے اس دارِ فانی کو خیر باد کہا۔

شیخ اس کی وفات پر آب دیدہ ہیں۔ مگر ان کی حیات بھی دنیا میں چند روز سے زائد نہیں رہی۔

حضرت شبلی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا بیان ہے: چند روز کے بعد ہی شیخ اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد میں نے شیخ کو خواب میں دیکھا کہ جنت کے ایک پر فضا باغ میں مقیم ہیں اور ستر حوروں سے آپ کا نکاح ہوا ہے۔ جن میں پہلی عورت جس کے ساتھ نکاح ہوا یہی لڑکی ہے اور اب وہ دونوں اَبدالآباد کے لئے جنت کی بیش قیمت نعمتوں میں خوش وخرم ہیں۔

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾[1]

یہ پورا واقعہ ”اَلمُقَدِّمُ المُؤَخِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی شانِ تقدیم وتاخیر پر ایک بین (واضح) ثبوت ہے، انسان کو اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ہدایت ہی کی دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقرب بندوں میں سے بنا دیں۔[2]

فوائد ونصائح

۱ بندے کو چاہئے کہ جو نیکی کی توفیق ملے اس کو محض ”اَلمُقَدِّمُ المُؤَخِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کا احسان سمجھے۔

۲ قربِ الٰہی اور گناہوں سے دوری حاصل کرنے کے لئے اُسی ”اَلمُقَدِّمُ المُؤَخِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کے در پر ہاتھ پھیلائے۔

۳ کبھی اپنے علم وعمل پر غرور نہ کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی دَین ہے۔

۴ یہ نہ سوچے کہ فلاں کی وجہ سے میں پیچھے رہ گیا، یا فلاں نے شکایت لگا دی تو میری ترقی رُک گئی، یا فلاں نے میری سفارش کر دی تو میری ترقی ہوگئی۔ یہ سب ظاہری چیزیں ہیں دل میں پختہ یقین رکھے کہ ”اَلمُقَدِّمُ المُؤَخِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، جس کو وہ ترقی دے اس کو کوئی پیچھے نہیں رکھ سکتا اور جس کو وہ پیچھے کر دے اس کو کوئی آگے نہیں کر سکتا، اس لئے اگر نیچے درجہ سے اوپر کا درجہ ملا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے اور عافیت مانگتا رہے اور اگر اوپر سے نیچے کا درجہ ملا تو استغفار اور توبہ کر کے الحکیم جل جلالہ کے فیصلہ پر راضی رہے۔ دل میں مخلوق کی طرف سے میل نہ لائے، مخلوق کی غیبتیں نہ کرے، حسد اور انتقام کی آگ نہ بھڑکائے، بل کہ یہ سوچے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے، اسی کا نام مقدم ہے اور مؤخر۔

---

[1] الجمعة: ٤

[2] آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا ذکریا رحمہ اللہ: ۵/۱۶۳ تا ۱۷۳

الْأَوَّلُ جَلَّ جَلَالُہٗ الْآخِرُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(سب سے پہلے) (سب کے بعد)

ان اسماء کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلْأَوَّلُ" هُوَ مُتَقَدِّمٌ لِلْحَوَادِثِ بِأَوْقَاتٍ لَا نِهَايَةَ لَهَا، فَالْأَشْيَاءُ كُلُّهَا وُجِدَتْ بَعْدَهٗ، وَقَدْ سَبَقَهَا كُلَّهَا، وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِي دُعَائِهٖ: "أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ."[1]

"اللہ ربُّ العزت عالم میں رونما ہونے والی اور وجود پانے والی ہر ہر چیز سے پہلے ہی موجود ہیں (اور اللہ ربُّ العزت کا ان تمام واقعات وحوادثات پر مقدم ہونا باعتبارِ زمانہ ووقت ایسا ہے کہ جس کی تحدید وانتہاء کوئی نہیں)۔

پس تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد وجود میں آئیں، جب کہ وہ ذات سب چیزوں سے سبقت لے گئی، تمام کی تمام اشیاء اللہ ربُّ العزت کے پیدا کرنے سے پیدا ہوئی ہیں۔

نبی ﷺ اپنی دعا میں یہ کلمات پڑھا کرتے تھے:

"أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ"

تَرجَمہ: اے اللہ! آپ ہی سب سے پہلے ہیں آپ سے پہلے کوئی بھی چیز نہیں تھی اور سب کے بعد بھی آپ ہی ہوں گے آپ کے بعد کوئی نہیں ہوگا۔"

❷ "امام حلیمی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں "الْأَوَّلُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جس سے پہلے کوئی نہیں اور "الْآخِرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جس کے بعد کوئی نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ "پہلے" اور "بعد" انتہاء کے لئے استعمال کیا جاتا ہے "پہلے ہونے" کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کی ابتدا کی جانب سے ایک حد، اور "بعد میں ہونے" کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کی انتہا کی جانب سے ایک حد، پس جب اللہ ربّ العزت کی نہ ابتدا ہے اور نہ انتہا، پس وہی اوّل ہے اور وہی آخر ہے۔"[2]

---

[1] تفسیر الاسماء: ۵۹، ۶۰، بحوالہ النہج الاسمیٰ: ۲/۱۳۵

[2] "اَلْأَوَّلُ"، اَلَّذِيْ لَا قَبْلَ لَهٗ، وَالْآخِرُ هُوَ الَّذِيْ لَا بَعْدَ لَهٗ، (وَهٰذَا لِأَنَّ) "قَبْلُ وَبَعْدُ" نِهَايَتَانِ، فَقَبْلُ نِهَايَةُ الْمَوْجُوْدِ مِنْ قِبَلِ =

"پس اللہ تعالیٰ ہر چیز کے وجود سے اوّل ہیں۔ وہ اس وقت سے ہیں جب کہ کوئی چیز بھی نہ آئی تھی۔ جیسا کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس وقت بھی تھے جب کہ کچھ بھی نہ تھا اور ان کا عرش پانی پر تھا اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو لوح محفوظ میں لکھا اور آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔" [1]

۳ "اَلْاٰخِرُ" هُوَ الْمُتَأَخِّرُ عَنِ الْأَشْيَاءِ كُلِّهَا وَيَبْقٰى بَعْدَهَا.[2]

امام زجاج رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الاٰخر جل جلالہ" ہر چیز کے لئے سرچشمۂ قوت اللہ ربّ العزت کی ذات ہے تمام اشیاء ختم ہو جائیں گی لیکن ان کے بعد اللہ ربّ العزت کا وجود ہمیشہ رہے گا۔

۴ "اَلْاٰخِرُ" هُوَ الْبَاقِيْ بَعْدَ فَنَاءِ الْخَلْقِ وَلَيْسَ مَعْنَى الْاٰخِرِ مَا لَهُ الْإِنْتِهَاءُ كَمَا لَيْسَ مَعْنَى الْأَوَّلِ مَا لَهُ الْإِبْتِدَاءُ فَهُوَ الْأَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَلَيْسَ لِكَوْنِهٖ أَوَّلٌ وَلَا اٰخِرٌ".[3]

ترجمہ: "امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الاٰخر جل جلالہ" وہ ذات ہے جو مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہے گی "الاٰخر" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس کی انتہا و اختتام مقرر ہو، جیسا کہ "الاوّل" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس کی کوئی ابتداء ہوئی ہو، پس معلوم ہوا کہ جب کوئی نہ تھا اور کچھ بھی نہ تھا، جب بھی وہ موجود تھا اور جب کوئی نہ رہے گا، کچھ نہ رہے گا اس وقت اور اس کے بعد بھی اللہ جل جلالہ موجود رہے گا۔"

"الاوّل جل جلالہ" یعنی وجود کے اعتبار سے تمام موجودات و کائنات سے مقدم اور پہلا ہے، کیوں کہ ساری موجودات اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اس لئے وہ سب سے اول ہے۔

اور "الاٰخر جل جلالہ" کے معنی بعض حضرات نے یہ کئے ہیں کہ تمام موجودات کے فنا ہونے کے بعد بھی وہ باقی رہے گا۔

قرآن کریم کی سورۂ حدید میں ان چاروں صفات کو ایک ہی آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شئون و

ابْتِدَائِهٖ، وَبَعْدُ غَايَتُهٗ مِنْ قِبَلِ انْتِهَائِهٖ، فَإِذَا لَمْ يَكُنْ لَهٗ ابْتِدَاءٌ وَلَا انْتِهَاءٌ لَمْ يَكُنْ لِلْمَوْجُوْدِ قَبْلُ وَلَا بَعْدُ، فَكَانَ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْاٰخِرُ" (النهج الاسمیٰ: ۱۳۵/۲)

[1] فَاللّٰهُ تعالىٰ هُوَ الْأَوَّلُ الَّذِيْ لَيْسَ فِيْهِ شَيْءٌ مِّنَ الْمَوْجُوْدَاتِ، فَهُوَ الْمُتَقَدِّمُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ، وَلَمْ يَكُنْ مَعَهٗ شَيْءٌ، كَمَا جَاءَ ذٰلِكَ فِيْ حَدِيْثِ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ غَيْرُهٗ، وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ، وَكَتَبَ فِي الذِّكْرِ كُلَّ شَيْءٍ، وَخَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ." (بخاری، کتاب بدء الخلق: ۴۵۳/۱)

[2] النهج الأسمیٰ: ۱۳۹/۲ [3] النهج الأسمیٰ: ۱۳۹/۲

صفات کا بڑی جامعیت کے ساتھ اور بڑا روح پرور بیان کیا گیا ہے۔ خوب غور سے ان آیات کی تلاوت کیجئے اور ان کا ترجمہ دھیان سے ہدایت کی نیت سے پڑھئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی معرفتِ کاملہ نصیب فرمائے، یہ آیت بڑی اہم آیت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے پہلے تسبیحات (جن سورتوں کے شروع میں سَبَّحَ یا یُسَبِّحُ آیا ہے) پڑھا کرتے تھے، اور فرمایا: ”إِنَّ فِيهِنَّ آيَةً أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ آيَةٍ“

ترجمہ: ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیتوں سے افضل ہے۔[1]

اس اسمِ مبارک کے ذریعے ادائیگیٔ قرض کی دعا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم فرمایا کرتے تھے کہ جب ہم اپنے بستروں پر (آرام کی غرض) سے جائیں تو یہ دعا پڑھیں:

”اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ..... فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى وَمُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْفُرْقَانِ..... اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ..... اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ..... وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ..... اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ.“[2]

ترجمہ: ”یا اللہ! آسمانوں کے ربّ، زمینوں کے رب اور عرش کے رب، ہمارے رب اور ہر چیز کے رب، اے دانے اور گٹھلی کو چیرنے والے (درخت اگانے والے)، تورات اور انجیل اور قرآن شریف کے اتارنے والے، میں تیری پناہ لیتا ہوں ہر اس چیز کی برائی سے جو تیرے قبضہ میں ہے۔ اے اللہ! تو سب سے پہلے ہے تجھ سے پہلے کچھ نہ تھا اور آخر میں تو ہی رہے گا کہ تیرے بعد کوئی نہ رہے گا۔ تیرا نام ظاہر ہے تیرے اوپر کچھ نہیں اور تیرا نام ”باطن“ ہے تیرے نیچے کچھ نہیں، تو ہمارا قرض ادا فرمادے اور محتاجی سے ہم کو بے پرواہ کردے۔“

اس دعا میں یہ چاروں صفات مذکور ہیں، ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ یہ دعا یاد کرلے اور رات کو لیٹتے ہوئے بھی مانگے اور رات آنکھ کھلے اس وقت بھی مانگے، جس پر قرض ہو یا روزی کی تنگی میں مبتلا ہو تو اس کے لئے یہ دعا ان شاء اللہ تعالیٰ نسخۂ اکسیر ثابت ہوگی۔

[1] وَالْآيَةُ الْمُشَارُ إِلَيْهَا فِي الْحَدِيْثِ هِيَ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ قَوْلُهُ تَعَالىٰ: ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (الحديد: ٣) (تفسير ابن كثير: ٣/٤٤٢، فضائل سورة الحديد وفي "سنن ابي داود"، الأدب باب مايقول عند النوم، رقم: ٥٠٥٧)

[2] ترمذی، ابواب الدعوات: ١٨٦/٢

فوائد و نصائح

❶ بندے کو چاہئے کہ سوتے وقت مذکورہ بالا دعا مانگ کر سوئے۔

❷ اور اس بات کا یقین کر لے کہ باقی ہر چیز فانی ہے۔ جیسے پیدا ہونے سے پہلے کچھ نہ تھا، ختم ہونے کے بعد بھی کچھ نہ ہوگا، کیوں کہ اوّل اور آخر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفات ہیں مخلوق میں کوئی بھی نہ اوّل ہو سکتا ہے نہ آخر۔

❸ جیسے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اکیلے پیدا کیا، ہمیں بھی چاہئے کہ اپنی تمام عبادات و معاملات کو الاوّل، الآخر جلّ جلالہٗ کے سپرد کریں۔ پھر جا کر صحیح طریقے سے توحید پر چلنے والے بنیں گے۔



الظَّاهِرُ جَلَّ جَلَالُهٗ الْبَاطِنُ جَلَّ جَلَالُهٗ

(ظاہر) (اپنی ذات میں پوشیدہ)

"الظّاهر" کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "ظاہر وہ ہے جو باطن کے خلاف ہو، جب کہ اللہ ربّ العزت ظاہر بھی ہیں اور باطن بھی ہیں، باطن اس لئے ہیں کہ اللہ ربّ العزت کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ دوسری اشیاء مخلوقہ کا مشاہدہ کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی شان اس بات سے بلند و بالا ہے کہ اس کی ذات کا مشاہدہ ان فانی و حادث آنکھوں سے کیا جائے۔"

اللہ ربّ العزت ظاہر ہیں، یعنی اللہ ربّ العزت کی ذات ان صاف دلائل کی وجہ سے ظاہر ہے جو دلائل اللہ ربّ العزت کی ذات کی نشاندہی کرتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے احوال اس کی معرفت اور ذات سے آگاہی کا ذریعہ ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا ظاہر ہونا اس اعتبار سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عقل و دلائل سے جانا جاتا ہے اور باطن ہونا اس اعتبار سے ہے کہ اللہ ربّ العزت کو دوسری دنیوی اشیاء کی طرح دیکھا نہیں جا سکتا، اس بات سے اللہ ربّ العزت کی شان بہت بلند ہے۔[1]

❷ "هُوَ (الظَّاهِرُ) بِحُجَجِهِ الْبَاهِرَةِ، وَبَرَاهِينِهِ النَّيِّرَةِ، وَبِشَوَاهِدِ أَعْلَامِهِ الدَّالَّةِ عَلٰى ثُبُوْتِ رُبُوْبِيَّتِهٖ، وَصِحَّةِ وَحْدَانِيَّتِهٖ"[2]

ترجمہ: "امام خطابی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ ربّ العزت کی ذات ظاہر ہے اپنے زبردست اور دوٹوک دلائل کی وجہ سے، اور اس کی ذات پر جو دلائل قائم ہیں وہ انتہائی واضح اور روشن ہیں اور ایسے بہت سے شواہد اور نشانیاں ہیں جو اللہ ربّ العزت کی ربوبیت کو ثابت کرتی ہیں اور اس کی یکتائی کو بتلاتی ہیں۔"

[1] "(الظَّاهِرُ) خِلَافُ الْبَاطِنِ، فَاللّٰهُ ظَاهِرٌ وَبَاطِنٌ، هُوَ بَاطِنٌ لِأَنَّهٗ غَيْرُ مُشَاهَدٍ كَمَا تُشَاهَدُ الْأَشْيَاءُ الْمَخْلُوْقَةُ، عَزَّ عَنْ ذٰلِكَ وَعَلَا، وَهُوَ ظَاهِرٌ بِالدَّلَائِلِ الدَّالَّةِ عَلَيْهِ وَأَفْعَالِهِ الْمُؤَدِّيَةِ إِلَى الْعِلْمِ بِهٖ وَمَعْرِفَتِهٖ، فَهُوَ ظَاهِرٌ مُدْرَكٌ بِالْعُقُوْلِ وَالدَّلَائِلِ، وَبَاطِنٌ غَيْرُ مُشَاهَدٍ كَسَائِرِ الْأَشْيَاءِ الْمُشَاهَدَةِ فِي الدُّنْيَا عَزَّوَجَلَّ عَنْ ذٰلِكَ وَتَعَالٰى عُلُوًّا كَبِيْراً." (النهج الأسمیٰ: ۲/۱۴۲)

[2] النهج الأسمیٰ: ۲/۱۴۳

۳ "وَقَالَ الْحَلِيْمِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: (اَلظَّاهِرُ) وَمَعْنَاهُ: اَلْبَادِيْ بِأَفْعَالِهٖ، وَهُوَ جَلَّ ثَنَاؤُهٗ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ، فَلَا يُمْكِنُ مَعَهَا أَنْ يُّجْحَدَ وُجُوْدُهٗ وَيُنْكَرَ ثُبُوْتُهٗ." [1]

"امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں "اَلظَّاهِرُ" کے معنی یہ ہیں کہ وہ ذات جو اپنے افعال کی وجہ سے ظاہر ہے، اس اسم مبارک کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اس طور پر تعریف کی جاتی ہے کہ اس صفت "اَلظَّاهِرُ" کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے وجود کے انکار کی کوئی امکانی صورت باقی نہیں رہتی کیوں کہ اسی کی قدرتِ کاملہ سارے عالم میں کارفرما ہے، ہر ہر چیز اس کے وجود پر کھلی دلیل ہے، ہر چیز جو اپنی ذات میں ظاہر ہے دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت کا مظہر ہے۔"

"اَلْبَاطِنُ" کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ "امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اَلْبَاطِنُ جَلَّ جَلَالُهٗ" وہ ذات ہے جو مخلوق کی نگاہوں سے چھپی ہوئی ہے، اور اس کی کیفیت کے بارے میں وہم بھی نہیں کیا جا سکتا، "اَلْبَاطِنُ" کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ ذات دیکھنے والوں کی آنکھوں سے پردے میں ہے، اور سوچ وفکر کرنے والوں کی بصیرت میں جلوہ گر ہے، ایک معنی "اَلْبَاطِنُ" کا یہ بھی کیا جاتا ہے کہ "اَلْبَاطِنُ جَلَّ جَلَالُهٗ" تمام ظاہری امور کا جاننے والا ہے، اسی طرح تمام پس پردہ ہونے والے امور اور غیبی احوال سے بھی واقف ہے۔" [2]

۲ "(اَلْبَاطِنُ) وَهُوَ الَّذِيْ لَا يُحَسُّ، وَ إِنَّمَا يُدْرَكُ بِأَثَارِهٖ وَأَفْعَالِهٖ" [3]

ترجمہ: "امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اَلْبَاطِنُ جَلَّ جَلَالُهٗ" وہ ذات ہے جسے محسوس نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس کے وجود کا ادراک اس کے افعال اور اس کی نشانیوں سے حاصل ہوتا ہے۔"

اس اسم میں ایمان کے آثار یہ ہیں:

"اللہ وتبارک وتعالیٰ کا معاملہ غیب میں ہے، وہ مخلوق سے حجاب میں ہیں، دنیا میں تو انہیں کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا، ہم اس کے علم میں سے کسی چیز کو بھی نہیں جان سکتے سوائے اس کے کہ وہ اپنے علم سے ہمیں کچھ عطا کرنا چاہیں، جیسا کہ اس نے اپنے بارے میں اپنی کتاب میں بیان فرمایا، یا جو رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ہمیں بتلایا ہے، اللہ رَبّ العزت اس سب کے باوجود بھی اپنی مخلوق کے لئے ظاہر ہیں، اپنے افعال کی وجہ سے اور ان نشانیوں اور آیات کی وجہ سے جو پڑھی جاتی

[1] المنهاج: ۱/۱۸۵، بحواله النهج الاسمٰى: ۲/۱۴۳

[2] "قال الخَطَّابِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: (اَلْبَاطِنُ) هُوَ الْمُحْتَجِبُ عَنْ أَبْصَارِ الْخَلْقِ، وَهُوَ الَّذِيْ لَا يَسْتَوْلِيْ عَلَيْهِ تَوَهُّمُ الْكَيْفِيَّةِ، وَقَدْ يَكُوْنُ مَعْنَى الظُّهُوْرِ وَالْبُطُوْنِ اِحْتِجَابُهٗ عَنْ أَبْصَارِ النَّاظِرِيْنَ، وَتَجَلِّيْهِ لِبَصَائِرِ الْمُتَفَكِّرِيْنَ. وَيَكُوْنُ مَعْنَاهُ: اَلْعَالِمُ بِمَا ظَهَرَ مِنَ الْأُمُوْرِ، وَالْمُطَّلِعُ عَلٰى مَا بَطَنَ مِنَ الْغُيُوْبِ." (شان الدعا: ۸۸، بحواله النهج الأسمٰى: ۲/۱۵۴)

[3] المنهاج: ۱/۱۹۶، بحواله النهج الأسمٰى: ۲/۱۵۴

ہیں یا پھر دیکھی جاتی ہیں، جو شخص آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب میں غور و فکر اور سوچ بچار کرتا ہے تو اسے اس بات کا یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے کہ ان سب چیزوں کا کوئی نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے اور نظام چلانے والا ہے۔''

سورۃ آل عمران میں اللہ ربّ العزت کا ارشاد مبارک ہے جس کا ترجمہ ہے:

''بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں، اور رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں، ان لوگوں کے لئے بڑے بڑے دلائل ہیں، جو اہلِ عقل و دانش ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو کھڑے اور بیٹھے اور پہلوؤں پر لیٹے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرتے ہیں، اور آسمانوں اور زمین کی ساخت میں غور و فکر کیا کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! تو نے ان چیزوں کو عبث اور بے کار نہیں بنایا ہے، تو ہر عیب سے پاک ہے سو تو ہم کو آگ کے عذاب سے بچا لے۔'' [1]

قرآنِ کریم میں یہ اسمائے مبارکہ ایک مرتبہ مذکور ہوئے ہیں۔

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ [2]

سورۂ حدید کی آیت ۱ تا ۴ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

''اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرتی ہیں (یعنی اس کی پاکی بیان کرتی ہیں) وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، اور وہ بڑا زبردست اور صاحبِ حکمت ہے، اسی کی بادشاہت اور فرماں روائی ہے، آسمانوں میں اور زمین میں، وہی (جسے چاہتا ہے) جلاتا ہے اور مارتا ہے (یعنی موت و حیات کا سارا نظام اسی کے ہاتھ میں ہے) اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی اوّل ہے، وہی آخر ہے (یعنی وہ اس وقت بھی موجود تھا جب کہ اس کے سوا کوئی موجود نہ تھا اور سب کے فنا ہو جانے کے بعد بھی وہ موجود رہنے والا ہے) وہی ظاہر ہے، وہی باطن (یعنی ظاہر ایسا کہ ہر معمولی عقل والا اس کو جانتا ہے اور اس کی خدائی کا یقین رکھتا ہے، اور مخفی ایسا کہ کوئی آنکھ اس کو دیکھ نہیں سکتی) اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے، وہی ہے کہ اُس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں (چھ دوروں میں) بنایا، پھر وہ اپنے تختِ حکومت پر متمکن ہو گیا، جو کچھ زمین کے اندر جاتا ہے، اور جو اس میں سے نکلتا ہے، وہ اس سب کو جانتا ہے اور اسی طرح جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے اور

---

[1] اَللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى أَعْظَمُ الْغَيْبِ، مُحْتَجِبٌ عَنِ الْخَلْقِ، لَا يَرَاهُ أَحَدٌ فِي الدُّنْيَا، وَلَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ فِي الْآخِرَةِ وَلَا نُحِيطُ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ إِلَّا بِمَا شَآءَ لَنَا أَنْ نَّعْلَمَهٗ عَنْهُ، مِمَّا وَصَفَ بِهٖ نَفْسَهٗ فِيْ كِتَابِهٖ، أَوْ مَا وَصَفَهٗ بِهٖ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وَهُوَ سُبْحَانَهٗ مَعَ ذٰلِكَ ظَاهِرٌ لِخَلْقِهٖ بِأَفْعَالِهٖ وَآيَاتِهِ الْمَتْلُوَّةِ وَالْعَيَانِيَةِ، فَمَنْ تَأَمَّلَ وَتَفَكَّرَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيْهَا، عَلِمَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ أَنَّ لَهٗ خَالِقًا مُدَبِّرًا ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾﴾ (آل عمران: ١٩٠، ١٩١، النهج الأسمٰى: ٢/١٥٤، ١٥٥)

[2] الحدید: ۳

جو کچھ اُس کی طرف چڑھتا ہے وہ اس سب کا بھی علم رکھتا ہے اور تم جہاں بھی ہو، وہ (ہر جگہ اور ہر حال میں) تمہارے ساتھ ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُن سب کو خوب دیکھتا ہے۔"

یعنی زمین میں بارش کے جو قطرے اور غلہ جات و میوہ جات کے جو بیج داخل ہوتے ہیں، ان کی کمیت اور کیفیت کو وہ جانتا ہے جو درخت، چاہے وہ پھلوں کے ہوں یا غلوں کے یا زینت و آرائش یا خوشبو والے پھولوں کے بوٹے ہوں، یہ جتنے بھی اور جیسے بھی باہر نکلتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ﴾ یعنی تم خشکی میں ہو یا تری میں ...... رات ہو یا دن ...... گھروں میں ہو یا صحراؤں میں ...... ہر جگہ ہر وقت ...... وہ اپنے علم و بصر کے لحاظ سے تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارے ایک ایک عمل کو دیکھتا ہے، تمہاری ایک ایک بات کو جانتا ہے اور سنتا ہے۔[1]

شیخ عبدالصمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: جس طرح ہم مخفی اور پوشیدہ چیزوں کو نہیں دیکھ سکتے اسی طرح ہم ان چیزوں کو نہیں دیکھ سکتے جو بہت ہی زیادہ روشن ہوں اور ہماری آنکھوں کو خیرہ کر دیں، چوں کہ سورج بہت زیادہ روشن ہے اور اجلِ بدیہیات سے ہے، لہٰذا ہماری مادی اور عقلی بصارت و بصیرت اس کی روشنی سے چکا چوند ہو جاتی ہے اور بعض ضعیف البصر (کمزور بینائی والے) باوجود اس کے ظاہر ہونے کے اسے نہیں دیکھ سکتے۔

وہ رازق ہے اور اس کی رزّاقیت ظاہر ہے ...... وہ خالق ہے اور اس کی خالقیت واضح ہے ...... وہ رحمان و رحیم ہے اور اس کی صفتِ رحمت ظاہر ہے ...... وہ قدیر ہے اور اس کی قدرت نمایاں ہے ...... وہ مالک ہے اس کی ملکیت سب پر ظاہر ہے ...... وہ علیم ہے اور اس کا علم سب کو معلوم ہے ...... وہ لطیف ہے اور اس کی لطافت کو ہر شخص پہچان سکتا ہے ...... وہ جبار وقہار ہے اور اس کا جبر وقہر خوب عیاں ہے ...... وہ بدیع ہے اور اس کا اِبداع وندرت آشکارا ہے ...... وہ سمیع و بصیر ہے وہ "فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ" ہے اور اس کی فاعلیت وارادت کے نظارے چشمِ بینا نے دیکھے ہیں ...... وہ محی ہے اور اس کی اِحیاء کے کرشمے ہر آن بے شمار دنیا میں ہوتے رہتے ہیں ...... وہ ممیت ہے اور اس کی اِماتت سے انکار کی گنجائش نہیں ...... وہ مُحْصِیْ شمار کنندہ ہے اور اس کی شمار میں کبھی غلطی نہیں ہوتی، کبھی بھول نہیں ہوتی ...... وہ عظیم ہے اور اس کی عظمت ثابت ہے ...... وہ جلیل ہے اور اس کی جلالت ومنزلت کامل واتم ہے ...... وہ کریم ہے اور اس کی کرامت واضح ہے ...... وہ عزیز ہے اور اس کا غلبہ ہر شے پر ہے ...... وہ ربّ ہے اور اس کی ربوبیت کی گواہی ہر شے دے رہی ہے۔ الغرض کہاں تک شمار کرائیں وہ اپنے صفات سے ظاہر و باہر ہے۔[2]

---

[1] از حواشی تفسیر مولانا محمد جوناگڑھی: ۱۵۳۲

[2] شرح اسماء الحسنیٰ (الازہری): ۲۵۱

وساوسِ شیطانیہ سے ''اَلْبَاطِنُ جَلَّ جَلَالُهٗ'' کی پناہ مانگئے

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا: اگر کبھی تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ اور دینِ حق کے معاملے میں شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو یہ آیت آہستہ سے پڑھ لیا کرو:

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾[1]

اس آیت کی تفسیر اور اوّل و آخر، ظاہر و باطن کے معنی میں حضرات مفسرین کے دس سے زیادہ اقوال منقول ہیں، جن میں کوئی تعارض (تضاد) نہیں، سب ہی کی گنجائش ہے، لفظِ اوّل کے معنی تو تقریباً متعین ہیں، یعنی وجود کے اعتبار سے تمام موجودات و کائنات سے مقدم اور پہلا ہے، کیوں کہ ساری موجودات اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں، اس لئے وہ سب سے اوّل ہے، اور آخر کے معنی بعض حضرات نے یہ کئے ہیں کہ تمام موجودات کے فناء ہونے کے بعد بھی وہ باقی رہے گا، جیسا کہ آیت: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾[2] میں اس کی تصریح ہے اور فنا سے مراد عام ہے خواہ فنا و عدم ممکن ہو اور وہ اپنی ذات میں عدم کے خطرہ سے خالی نہ ہو، اس کو موجود ہونے کے وقت بھی فانی کہہ سکتے ہیں، اس کی مثال جنت و دوزخ اور ان میں داخل ہونے والے اچھے برے انسان ہیں کہ ان کا وجود فنا نہیں ہوگا مگر باوجود حقیقتاً فنا نہ ہونے کے امکان و احتمالِ فناء سے پھر بھی خالی نہیں، صرف حق تعالیٰ کی ذات ہے جس پر کسی حیثیت اور کسی مفہوم سے نہ پہلے کبھی عدم طاری ہوا اور نہ آئندہ کبھی اس کا امکان ہے، اس لئے اس کو سب سے آخر کہہ سکتے ہیں۔

اور امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا: حق تعالیٰ کو ''آخر'' باعتبار معرفت کے کہا گیا ہے کہ سب سے آخر معرفت اس کی ہے، انسان علم و معرفت میں ترقی کرتا رہتا ہے مگر یہ سب درجات جو اس کو حاصل ہوئے راستہ کی مختلف منزلیں ہیں اس کی انتہا اور آخری حد حق تعالیٰ کی معرفت ہے۔[3]

اور ''اَلظَّاهِرُ'' سے مراد وہ ذات جو اپنے ظہور میں ساری چیزوں سے فائق اور برتر ہو، اور ظہور چوں کہ وجود کی فرع ہے، تو جب حق تعالیٰ کا وجود سب موجودات پر فائق اور مقدم ہے، لہٰذا اس کا ظہور بھی سب پر فائق اور مقدم ہے کہ اس سے زیادہ اس عالم میں کوئی چیز ظاہر نہیں کہ اس کی حکمت وقدرت کے مظاہر دنیا کے ہر ہر ذرّہ میں نمایاں ہیں۔

اور ''اَلْبَاطِنُ'' اپنی ذات کی حقیقت کے اعتبار سے ہے کہ اس کی حقیقت تک کسی عقل و خیال کی رسائی نہیں ہو سکتی۔[4]

اللہ تعالیٰ ظاہر ہے۔ یعنی انسان اپنی معرفت بدیہیہ سے اسے پا سکتا ہے اور ہر ایک موجود شے ہستی باری تعالیٰ پر

---

[1] تفسیر ابن كثير: ۳/۴۴۳، الحديد: ۳
[2] القصص: ۸۸
[3] روح المعاني: ۱۶۶/۱۴، الحديد: ۳
[4] معارف القرآن: ۲۹۲/۸، الحديد: ۳

بہترین دلیل فطرتِ انسانی بن سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ باطن ہے: یعنی حقیقتِ عرفان کا مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ ظاہر ہے: اپنی آیات سے اور باطن ہے اپنی ذات سے۔

اللہ تعالیٰ ظاہر ہے اور سب پر محیط ہے۔

اللہ تعالیٰ ظاہر ہے: ہدایت وجود اور شدت ظہور، بذریعہ دلالت مصنوع پر صانع اسی کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ ظاہر ہے اور جملہ ممکنات کا افتقار واحتیاج اس کی طرف ہے۔

اللہ تعالیٰ ظاہر ہے اور اس کی آیات، آفاقِ عالم میں روشن وتاباں ہیں۔

فوائد ونصائح

۱ بندے کو چاہئے کہ ''الظاهر جل جلالہ'' کی جتنی نعمتیں اس کے سامنے ظاہر ہوتی جائیں وہ اتنا ہی شکر اور بندگی کا اظہار کرنے میں اپنی زندگی کو گزارنے کی کوشش کرے۔

۲ اپنے ظاہر اور باطن دونوں کو سنت کے مطابق بنائے۔

۳ ''الظاهر جل جلالہ'' کی نعمتوں کا تذکرہ ہر وقت کرتا رہے۔

۴ یہ عقیدہ رکھے کہ ''الباطن جل جلالہ'' تمام اشیاء کے باطن کو جانتے ہیں جس طرح ان کے ظاہر کو جانتے ہیں۔ زمین وآسمان کی کوئی چیز ''الظاهر الباطن جل جلالہ'' سے پوشیدہ (چھپی ہوئی) نہیں ہے۔ کوئی عمل خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس سے پوشیدہ نہیں۔

۵ اپنے باطن میں ہر وقت ''الباطن جل جلالہ'' کی یاد کو بسائے رکھے۔ اور اپنا تعلق اللہ تعالیٰ سے ایسا بنائے کہ اس کی یاد کے سوا کسی کی یاد نہ آئے، اس سے مانگے بغیر چین نہ آئے، اپنی ظاہری اور باطنی ضرورتوں کو صرف اسی سے مانگے، اللہ کے سوا کسی کے پاس کبھی بھی اپنی کوئی حاجت، ضرورت نہ لے کر جائے بزرگ یوں دعا مانگتے تھے:

''اے اللہ! ہر نعمت کو جمال آئینہ یار بنا دے'' یعنی ہر نعمت میں اللہ نظر آئے، ہر نعمت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی معرفت میں اضافہ ہو، ہر نعمت میں اس کا ظہور دل کی آنکھوں سے واضح نظر آئے۔

۶ دل میں آنے والے خیالات وسوچ کا علم اللہ تعالیٰ کو تو ہے، اس لئے کسی کے متعلق دل میں غلط خیال بھی نہ لائے۔

۷ جو اس نام سے تعلق پیدا کرنا چاہے وہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو نصیحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اس پر عمل کرے:

"يَا بُنَيَّ إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ لَيْسَ فِيْ قَلْبِكَ غِشٌّ لِأَحَدٍ فَافْعَلْ." [1]

ترجمہ: "اے میرے بیٹے! اگر تو اس طرح صبح شام کر سکتا ہے کہ تیرے دل میں کسی کے متعلق کوئی میل نہ ہو...... تو ضرور یہ کر۔"

لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ اپنے کسی مسلمان بھائی کے لئے ذرّہ برابر بھی کوئی بات دِل میں نہ رکھے، جب بھی کوئی خیال اس طرح کا آئے کہ فلاں نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا، تو فوراً اپنے آپ سے کہے کہ یہ ضرور شیطان نے خیال ڈالا ہے اور شیطان کے خیالات کی میں پروانہیں کرتا تو ان شاء اللہ کسی کی بھی برائی کبھی دل میں نہیں آئے گی۔



[1] ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی الاخذ بالسنة، رقم: ۲٦٧٨

الوَالی جلّ جلالہٗ

(ہر چیز کا نگران و ذمہ دار)

اس اسم کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

اَلْوَالِي: هُوَ الْمَالِكُ لِلْأَشْيَاءِ وَالْمُتَوَلِّي لَهَا.

ترجمہ: ''الوَالی جلّ جلالہٗ'' وہ ہے جو تمام اشیاء کا مالک اور ان کا نگران ہے۔[1]

یہ اسم مبارک قرآن شریف میں صرف ایک جگہ آیا ہے:

﴿وَإِذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُم مِّن دُونِهٖ مِن وَّالٍ﴾[2]

ترجمہ: ''اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ مصیبت کا ارادہ فرماتے ہیں تو کوئی اس کو دور نہیں کرسکتا اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی والی (کارساز) نہیں ہوتا۔''

زمین و آسمان اور اس کے درمیان چلنے والا سارا نظام اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے، اور اس کی نگرانی اور حفاظت اُسی کے ذمہ ہے۔

وہ ایسا والی ہے کہ کوئی پتا بھی اُس کے حکم واشارے کے بغیر نہیں ہل سکتا، وہ ایسا ذمہ دار ہے کہ حساب و کتاب، سزا و جزا کا ذمہ اُسی کے سپرد ہے۔

ایسا والی ہے جو دن کو رات میں اور رات کو دن میں بدلتا ہے، اُس کے نظام میں کبھی بھی گڑبڑ نہیں ہوتی۔

جو شخص اس ''الوَالی جلّ جلالہٗ'' پر بھروسہ کرے تو وہ ذات اُس کی تمام مجبوریاں اور پریشانیاں حل فرمادیتی ہے۔

جب کوئی مشکل پیش آئے تو میرے مولیٰ سے کہہ دینا

واقعہ نمبر ۴۷: حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک لڑائی میں شریک تھے، ایک دن اپنے بیٹے عبداللہ کو وصیت فرمائی کہ میرا خیال یہ ہے کہ آج میں شہید ہو جاؤں گا۔ تم میرا قرضہ ادا کر دینا اور فلاں فلاں کام کرنا، یہ وصیتیں کر کے اسی دن شہید

[1] شان الدعا: ۸۹ [2] الرعد: ۱۱

ہو گئے، صاحب زادے نے جب قرضہ کا حساب کیا تو بائیس لاکھ درہم تھے اور یہ قرضہ بھی اس طرح ہوا تھا کہ امانت دار بہت مشہور تھے۔ لوگ اپنی اپنی امانتیں بہت کثرت سے رکھتے یہ فرما دیتے کہ رکھنے کی جگہ تو میرے پاس نہیں، یہ رقم قرض ہے، جب تمہیں ضرورت ہو لے لینا، یہ کہہ کر اس کو صدقہ کر دیتے اور یہ بھی وصیت کی:

"يَا بُنَيَّ إِنْ عَجَزْتَ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ فَاسْتَعِنْ عَلَيْهِ مَوْلَايَ"

"اے بیٹے! جب کوئی مشکل پیش آئے تو میرے مولیٰ سے کہہ دینا۔" عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں مولیٰ کو نہ سمجھا، میں نے پوچھا: آپ کے مولیٰ کون؟

فرمایا: اللہ تعالیٰ، چناں چہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام قرضہ ادا کر دیا، کہتے ہیں کہ جب کوئی دِقت پیش آتی میں کہتا: "يَا مَوْلَى الزُّبَيْرِ اقْضِ عَنْهُ دَيْنَهٗ فَيَقْضِيَهٗ."

اے زُبیر کے مولیٰ! زبیر کا فلاں قرضہ ادا کروا دیجئے، اس دعا کے بعد اللہ تعالیٰ قرض ادا کرنے کی صورت پیدا فرما دیتے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں: میں نے ایک مرتبہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا: میرے والد کے قرضہ کی فہرست میں تمہارے ذمہ دس لاکھ درہم لکھے ہیں۔ کہنے لگے: جب چاہو لے لو۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ میں دوبارہ گیا، میں نے کہا: وہ تو تمہارے اُن کے ذمہ ہیں، کہنے لگے: میں نے معاف کر دیئے۔ میں نے کہا: میں معاف نہیں کراتا، کہنے لگے: جب تمہیں سہولت ہو دے دینا۔ میں نے کہا: اس کے بدلے میں زمین لے لو، غنیمت کے مال میں بہت سی زمین آئی ہوئی ہے۔

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا: اچھا، میں نے ایک زمین ان کو دے دی، جو معمولی حیثیت کی تھی۔ پانی وغیرہ اس میں نہیں تھا۔ انہوں نے فوراً قبول کر لی اور غلام سے کہا: اس زمین میں مصلیٰ بچھا دے، اُس نے مصلیٰ بچھا دیا۔ دو رکعت نماز وہاں پڑھی اور بہت دیر تک سجدہ میں پڑے رہے۔ نماز سے فارغ ہو کر غلام سے کہا: اس جگہ کو کھودو۔ اس نے کھودنا شروع کیا، ایک پانی کا چشمہ وہاں سے اُبلنے لگا۔[1]

"الوالی جل جلالہٗ" کے ہاں دیر تو ہوسکتی ہے لیکن اندھیر نہیں

واقعہ نمبر (۴۸): ایک آدمی کسی امیر کے پاس اپنی ضرورت کے سلسلے میں آیا، دیکھا کہ وہ امیر سجدہ میں پڑا اللہ تعالیٰ سے مانگ رہا ہے، کہنے لگا: "یہ خود دوسرے کا محتاج ہے، پھر میں اس کا محتاج کیوں بنوں؟

میں اپنی حاجت اس ذات کے سامنے کیوں پیش نہ کر دوں جہاں مصلحتاً دیر تو ہو سکتی ہے لیکن اندھیر نہیں۔"

امیر نے اس شخص کی یہ بات سن لی، اسے بلا کر دس ہزار کی خطیر رقم دی اور کہا: "یہ رقم تجھے اسی ذات نے دی ہے

---

[1] بخاری، الجهاد، بَابُ بَرَكَةِ الغَازِي فِي مَالِه حَيًّا وَمَيِّتًا: ۴۴۱/۱

جس سے میں سجدے کی حالت میں مانگ رہا تھا اور جس کی طرف تو نے رجوع کیا۔“ [1]

”الوالی جل جلالہٗ“ سے محبت کا انداز

واقعہ نمبر (۴۹): حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے، خدام نے ایک دن خلوت میں قہقہہ کی آواز سنی، انہیں تعجب ہوا کہ آپ تو سخت علیل ہیں آخر تنہائی میں ایسی کون سی بات آپ نے دیکھی جس پر آپ کو ہنسی آرہی ہے؟ کچھ دنوں بعد افاقہ ہوا، مزاج بھی ٹھیک تھا، خدام نے دریافت کیا: ”حضرت فلاں دن کیا معاملہ پیش آیا تھا جس پر آپ بیماری کے باوجود ہنس رہے تھے؟“ فرمایا: ”اس وقت مرض میں ایسی لذت آئی کہ بے اختیار ہنسی آگئی۔“

”اَللّٰہُ اَکْبَرُ!“ بیماری اور لذت! ہمارے لئے یہ کیسی تعجب انگیز بات ہے، مگر جو محبت گزیدہ اور عشق چشیدہ لوگ ہیں ان کو واقعی زخموں میں بھی لذت محسوس ہوتی ہے، ان کو کانٹوں کی چبھن میں پھولوں کی نزاکت کا مزہ آتا ہے۔

واقعہ نمبر (۵۰): دین پور کے حضرت حافظ محمد صدیق بھرچونڈی رحمہ اللہ تعالیٰ دردِ گردہ میں مبتلا تھے۔ یہ درد کبھی کبھی اس شدت سے اٹھتا کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ! دیکھنے والوں کا کلیجہ منہ کو آتا تھا، بیماری کا علاج کروانا اگرچہ توکل کے خلاف نہیں ہے، لیکن حافظ صاحب پر تفویض (اللہ کے سپرد کرنا) وتوکل اور راضی بہ رضا رہنے کا ایسا غلبہ تھا کہ جب بھی درد کا دورہ پڑتا حجرہ مبارک میں ٹھنڈی ریت ڈلوا کر اندر سے دروازہ بند کر لیتے اور گھنٹوں ریت پر لوٹ پوٹ ہوتے رہتے بل کہ یوں کہنا چاہئے کہ درد والم سے لطف اندوز ہوتے رہتے اور زبان پر یہ شعر جاری رہتا ؎

لطف سجن دم بدم قہر سجن گاہ گاہ ایں وِی سجن واہ واہ تے اُوں وِی سجن واہ واہ

یعنی محبوبِ حقیقی کی جانب سے لطف وکرم تو ہر دم رہتا ہے مگر اس کی جانب سے درد والم کبھی کبھار ہوتا ہے، مگر ہم ہر حال میں اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور واہ واہ کہتے ہیں۔

بیماری اور تکلیف پر شکوہ کرنا ہمارے بزرگوں کا شیوہ نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ غم اور پریشانی کی وجہ سے دل میں عاجزی اور رِقت (نرمی) پیدا ہوتی ہے، اور اس حالت میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت متوجہ ہوتی، اسی لئے تو فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ [2]

ترجمہ: ”بے شک اللہ صبر والوں کا ساتھ دیتا ہے۔“

انسان کی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں: آرام وراحت (نعمت) یا تکلیف وپریشانی۔ نعمت میں شکرِ الٰہی کی تلقین اور تکلیف میں صبر اور اللہ سے استعانت کی تاکید ہے۔ حدیث میں ہے ”مؤمن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اسے خوشی پہنچتی ہے تو اللہ کا

[1] اللقط فی حکایات الصالحین لابن الجوزی، الحکایۃ: ۵۰۷

[2] البقرۃ: ۱۵۳، (ندائے منبر ومحراب: ۱/۲۸۳)

شکر ادا کرتا ہے اور تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے۔ دونوں ہی حالتیں اس کے لئے خیر ہیں۔[1]

صبر کی دو قسمیں ہیں: ایک محرمات اور معاصی کے ترک اور اس سے بچنے پر، اور لذتوں کے قربان اور عارضی فائدوں کے نقصان پر صبر۔ دوسرا، احکام الٰہیہ کے بجا لانے میں جو مشقتیں اور تکلیفیں آئیں، انہیں صبر و ضبط سے برداشت کرنا۔ بعض لوگوں نے اس کو اس طرح سے تعبیر کیا ہے: اللہ کی پسندیدہ باتوں پر عمل کرنا، چاہے وہ نفس و بدن پر کتنی ہی گراں ہوں اور اللہ کی ناپسندیدہ باتوں سے بچنا، چاہے خواہشات ولذات اس کو اس کی طرف کتنا ہی کھینچیں۔

''الوالی جل جلالہ'' کے فیصلوں پر راضی رہنے کی دعا

''اَللّٰھُمَّ ارْضِنِیْ بِقَضَآئِكَ......وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا قُدِّرَلِیْ......حَتّٰی لَآ اُحِبَّ تَعْجِیْلَ مَا اَخَّرْتَ......وَلَا تَاْخِیْرَ مَا عَجَّلْتَ......''[2]

ترجمہ: ''اے اللہ اپنے فیصلے پر مجھ کو راضی کر دے اور جو میرے لئے مقدر ہو چکا ہے اسی میں مجھے برکت عطا فرما تاکہ جو چیز تو نے مؤخر فرما دی ہے اُس کی جلدی نہ کروں اور جس چیز کو تو نے فی الحال مقدر کر دیا ہے، اس کی تاخیر کی تمنا نہ کروں۔''

امانت کا نگران

واقعہ نمبر (۵۱): حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا، اس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا، دونوں کے درمیان اس قدر مشابہت تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیران ہو گئے، فرمایا: ''میں نے باپ بیٹے میں اس طرح کی مشابہت نہیں دیکھی'' آنے والے شخص نے کہا: ''امیر المؤمنین! میرے اس بیٹے کی پیدائش کا بڑا عجیب قصہ ہے، اس کی پیدائش سے پہلے جب میری بیوی امید سے تھی تو مجھے ایک جہادی معرکہ میں جانا پڑا بیوی بولی: ''آپ مجھے اس حالت میں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟'' میں نے کہا:

''أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ مَافِيْ بَطْنِكِ'' (آپ کے پیٹ میں جو کچھ ہے، میں اسے اللہ تعالیٰ کے پاس امانت رکھ کر جا رہا ہوں) یہ کہہ کر میں جہادی مہم میں نکل پڑا، ایک عرصہ کے بعد واپس ہوا تو یہ دردناک خبر ملی کہ میری بیوی انتقال کر چکی ہے اور جنت البقیع میں دفن کی گئی ہے، میں اس کی قبر پر گیا، دعا کی اور آنسوؤں سے دل کا غم ہلکا کیا، رات کو مجھے اس کی قبر سے آگ کی روشنی بلند ہوتی ہوئی محسوس ہوئی، میں نے رشتے داروں سے معلوم کیا تو انہوں نے کہا:

''رات کو اس قبر سے آگ کے شعلے بلند ہوتے دکھائی دیتے ہیں......'' میری بیوی ایک پاک باز اور بڑی نیک

---

[1] مسلم، کتاب الزهد والرقائق، باب المومن امره كله خير، رقم: ۲۹۹۹

[2] الحزب الاعظم: ۸۵ المنزل الرّابع

خاتون تھی، میں اسی وقت اس کی قبر پر گیا تو وہاں یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ قبر کھلی ہوئی ہے، میری بیوی اس میں بیٹھی ہے، بچہ اس کے پاس بل کھا رہا تھا، اور یہ آواز سنائی دے رہی ہے: ''اے اپنی امانت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے والے! ...... اپنی امانت لے لے، اگر تم اس بچے کی ماں کو بھی اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے جاتے تو واللہ! آج اسے بھی پاتے۔'' ...... میں نے قبر سے بچہ اٹھایا اور قبر اپنی اصلی حالت پر آگئی، امیر المؤمنین! یہ وہی بچہ ہے۔'' [1]

''اَلْوَالِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ'' سے انتہائی رغبت وشوق سے دعا مانگیں

بعض لوگ دعائیں پڑھتے ہیں، دعائیں مانگتے نہیں۔ دعائیں پڑھنے میں اور دعائیں مانگنے میں فرق ہے۔ دعائیں پڑھنا تو یہ ہوا کہ انسان رٹی رٹائی دعائیں اس طرح پڑھے کہ خود کو بھی پتہ نہ چلے کہ کیا مانگ رہا ہوں، دعا مانگنے کے بعد یہ بھی یاد نہ ہو کہ کون کون سی دعائیں مانگی ہیں۔ البتہ دعا مانگنا یہ ہوتا ہے کہ انسان اس قدر بھکاری اور محتاج ہو کر دعا مانگے کہ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک سراپا سوال بن جائے۔

اگر کسی فقیر کو دیکھیں تو اس نے کپڑے پیوند لگے پہنے ہوتے ہیں تاکہ اس کو دیکھ کر لوگوں کو ترس آئے۔ پھر وہ ہاتھ پھیلاتا ہے تو بھرائی ہوئی آواز نکالتا ہے۔ اس کے کپڑوں سے سوال ...... ہاتھوں سے سوال ...... آواز سے سوال ...... نگاہوں سے سوال ...... غرض ہر چیز سے سوال ٹپکتا ہے بل کہ وہ سراپا سوال بن جاتا ہے۔ پھر لوگ اس کو پیسے دیئے بغیر آگے نہیں جاتے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جس فقیر نے ایک روپے کا سوال کرنا ہو وہ ایسی لجاجت سے سوال کرے، تو جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کو مانگنا ہو اس کو کتنی عاجزی اور رغبت وشوق سے سوال کرنا چاہئے۔ ہر ہر زاویے سے سوالی بننا ہوگا ہر ہر لمحے اپنے ظاہر و باطن کی نگرانی کرنی ہوگی کہ کہیں کوئی گناہ نہ ہو جائے کہ سوال رَد ہو جائے۔

نظرِ بد دور کرنے کے لئے ''اَلْوَالِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ'' سے دُعا مانگیں

وَاقِعَہ نمبر (۵۲): ایک مرتبہ جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس تشریف لائے۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس وقت غم زدہ تھے۔ سبب پوچھا تو فرمایا: ''حسن اور حسین (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا) کو نظر لگ گئی ہے۔'' جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: ''یہ سچائی کے قابل چیز ہے نظر واقعی لگتی ہے۔'' آپ نے یہ کلمات پڑھ کر انہیں پناہ میں کیوں نہ دیا؟

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے پوچھا: وہ کلمات کیا ہیں؟ فرمایا یوں کہئے:

''اَللّٰھُمَّ ذَا السُّلْطَانِ الْعَظِیْمِ ...... وَالْمَنِّ الْقَدِیْمِ ...... ذَا الْوَجْهِ الْكَرِیْمِ ...... وَلِیَّ الْكَلِمَاتِ التَّآمَّاتِ

وَالدَّعَوَاتِ الْمُسْتَجَابَاتِ ...... عَافِ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ مِنْ اَنْفُسِ الْجِنِّ وَاَعْیُنِ الْاِنْسِ.''

تَرْجَمَہ: ''اے اللہ! بڑی بادشاہت اور ازل سے احسان کرنے والے، شرافت و بزرگی والے تمام کلمات اور مقبول

[1] کتاب الدعاء للطبرانی: ۱۱۸۳/۲

دعاؤں کے مالک حسن اور حسین کو جنات سے اور انسانوں کی نظر بد سے محفوظ فرما۔“

حضور ﷺ نے یہ دعا پڑھی، وہیں دونوں بچے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ کے سامنے کھیلنے کودنے لگے، حضور ﷺ نے فرمایا: لوگو! اپنی جانوں کو، اپنی بیویوں کو اور اپنی اولاد کو اسی پناہ کے ساتھ پناہ دیا کرو، اس جیسی اور کوئی پناہ کی دعا نہیں۔[1]

وضاحت: جب یہ دعا اپنے لئے مانگنی ہو تو یوں مانگیں ”عَافِنِيْ مِنْ أَنْفُسِ الْجِنِّ وَأَعْيُنِ الإِنْسِ“ اور کسی اور بیمار کے لئے مانگنی ہو تو ”الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ“ کی جگہ اس کا نام لیں۔

فوائد و نصائح

1. اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ ”الوَالِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کو ہی اپنا مددگار اور کارساز سمجھے۔
2. اپنی زندگی کو ”الوَالِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی نگرانی میں سمجھے، ملازم ہے تو وقت کی پابندی میں ”الوَالِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کے بارے میں یقین کرے کہ وہ نگرانی کر رہا ہے، کام کرنے میں سستی نہ کرے، وعدہ خلافی نہ کرے۔
3. اس اسم مبارک کے تحت دی گئی دونوں دعاؤں کو یاد کرے اور اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے۔
4. جو ”الوَالِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ“ سے تعلق پیدا کرنا چاہے وہ اپنی تمام ضروریات میں سہارا اور تکیہ صرف الوالی پر لگائے، اپنی امیدوں کی آس کسی اور پر نہ رکھے، کسی سے کچھ بھی نفع کی امید نہ رکھے، غلام کے ہاتھ میں جو کچھ ہوتا ہے وہ آقا کا ہوتا ہے۔

”الوَالِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ“ جس کا مولیٰ ہو اور پھر غلاموں کے ہاتھوں میں سونے چاندی کے ٹکڑوں کو دیکھ کر للچائی ہوئی نگاہیں ان پر ڈالیں، یا ان کے ہاتھوں سے کوئی چیز نہ ملے تو شکایت کرتا پھرے، ان سے منہ موڑ لیں یہ کتنی کم قسمتی کی بات ہے، غلام مملوک کے پاس جو چیزیں نظر آتی ہیں وہ حقیقت میں ان کی نہیں ہیں۔

جس کا ”الوَالِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ“ سے تعلق بن جائے گا وہ کبھی ان چیزوں پر للچائی ہوئی نگاہ نہیں رکھے گا، ان کے ہاتھوں سے ملنے اور نہ ملنے پر راضی یا ناراض نہ ہوگا۔ یقین رکھے گا کہ ”الوَالِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کے خزانے میں اس سے لاکھوں درجہ بہتر چیزیں ہیں، اسی سے مدد مانگے گا، اسی پر اپنا سہارا رکھے گا یا اسی کو سہارا بنائے گا۔

اللہ کرے! ہم سب اپنا والی...... دل سے اللہ کو بنالیں۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ٤/٥٢٩، (القلم: ٥٢)

اَلْمُتَعَالُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(برتر)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ اَلْمُتَعَالُ جَلَّ جَلَالُہٗ. هُوَ الْمُتَنَزِّهُ عَنْ صِفَاتِ الْمَخْلُوْقِيْنَ تَعَالٰى أَنْ يُّوْصَفَ بِهَا.[1]

تَرجَمۂ: ''''اَلْمُتَعَالُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو مخلوق کی صفات سے پاک اور بلند ہے اور وہ اس بات سے بلند و بالا ہے کہ اُسے مخلوقات کی صفات سے موصوف کیا جائے۔''

❷ ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ﴾[2]

تَرجَمۂ: ''وہ ہر چھپی اور کھلی بات کا جاننے والا ہے، سب سے بڑا اور عالی مرتبت ہے۔''

قرآن کریم میں اس قسم کے الفاظ بکثرت آئے ہیں۔ ''عَلِیٌّ''، عُلُوٌّ'' تَعَالٰی''وغیرہ۔ جس کے معنی بلند ہونا ''بلند مرتبت ہونا'' کے ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾[3]

تَرجَمۂ: ''وہ پاک اور برتر ہے اُن سے جو وہ کہتے ہیں۔''

یعنی برتر ہے ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے، جنات سے جنہیں اس نے پیدا کیا، اور بیٹوں اور بیٹیوں سے۔ اس کی ذات ہر شریک، ہر برائی، ہر احتیاج و نقص اور ہر شے سے برتر ہے۔ جس کی ذات برتر ہے اس کی صفات بھی برتر ہیں۔ وہ ہر عمدہ صفت والا ہے۔

''علوّ'' کی دو قسمیں ہیں: ایک علو ذاتی، دوسری علو صفاتی۔

انسان اپنی ذات کے اعتبار سے تمام مخلوقات سے برتر و اعلیٰ ہے۔ ہر انسان خواہ وہ کوئی بھی ہو، نباتات و حیوانات اور جمادات سے افضل ہے۔ ہمیں بفضلہٖ تعالیٰ ''علو ذاتی'' حاصل ہے، ''علو صفاتی'' حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

---

[1] شان الدعاء: ۸۹ [2] الرعد: ۹ [3] الانعام: ۱۰۰

زندگی میں انسان کو قدم قدم پر دوسروں سے واسطہ پیش آتا ہے، بعض تعلقات دائمی نوعیت کے ہوتے ہیں، جیسے رشتہ دار، بعض دائمی نہ سہی لیکن لمبی مدت کے لئے ہوتے ہیں جیسے پڑوسی، اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ صرف چند گھنٹوں یا اس سے بھی کم مدت کے لئے کسی کا ساتھ ہو جاتا ہے، جیسے ہم سفر جو کسی بس، ریل یا ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہوئے کچھ دیر کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔

قرآنِ کریم نے نہایت باریک بینی سے ان تینوں قسم کے تعلقات کے کچھ حقوق رکھے ہیں، اور ان حقوق کی نگہداشت کی تاکید فرمائی ہے، پہلی دو قسموں یعنی رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق کو لوگ پھر بھی کچھ نہ کچھ اہمیت دیتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ بدسلوکی کے نتیجے میں انسان بدنام ہو جاتا ہے، اور چوں کہ یہ تعلقات دیرپا قسم کے ہیں اس لئے یہ بدنامی بھی دیرپا ہو جاتی ہے۔

لیکن تیسری قسم، یعنی وہ لوگ جو مختصر وقفے کے لئے ساتھ ہو گئے ہوں، بہت کم انسان ان کے حقوق کا خیال رکھنے پر آمادہ ہوتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ عموماً اجنبی ہوتے ہیں، اور تھوڑی دیر کے بعد جب جدا ہوتے ہیں تو بعض اوقات تمام عمر ان سے کوئی واسطہ پیش نہیں آتا، اس لئے ان کے ساتھ اگر کوئی بداخلاقی یا بدسلوکی ہو جائے تو اس کی وجہ سے کسی دیرپا بدنامی کا اندیشہ نہیں ہوتا، لوگ عموماً یہ سوچتے ہیں کہ اگر تھوڑی دیر کے لئے اس شخص پر میرے بارے میں کوئی غلط تاثر قائم ہو بھی گیا تو کیا ہوا؟

بعد میں اس سے ویسے بھی ملنا نہیں ہے، اس لئے اس تاثر سے میری زندگی پر کوئی برا اثر نہیں پڑے گا۔ چناں چہ بسوں، ریلوں دوسری عوامی سواریوں، اور اب تو ہوائی جہازوں میں بھی دھکا پیل اور نفسانفسی کا جو عالم نظر آتا ہے، کہ ہر شخص دوسرے کو کہنی مار کر آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا ہے، وہ درحقیقت اسی ذہنیت کا شاخسانہ ہے۔

اسی لئے قرآنِ کریم نے جہاں رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی ترغیب دی، وہاں تھوڑی دیر کے ساتھیوں کے حقوق ادا کرنے کو بھی بطورِ خاص ذکر فرمایا، تھوڑی دیر کے ساتھی کے لئے قرآنِ کریم نے ﴿الصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ﴾ کا لفظ استعمال کیا ہے،[1] اس کا اردو ترجمہ "ہم پہلو" کے لفظ سے کیا جا سکتا ہے، اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو مختصر مدت کے لئے کسی کے ساتھ ہو گیا ہو، خواہ کسی سفر میں، یا کسی عمومی مجلس میں، بس یا ریل میں سفر کرتے ہوئے جو شخص ہمارے قریب بیٹھا ہے، وہ ہمارا "صَاحِبُ بِالْجَنْبِ" ہے، کسی دعوت جلسے یا اجتماعِ عام میں جو شخص ہمارے پہلو میں ہے، وہ ہمارا "صَاحِبُ بِالْجَنْبِ" ہے، اور قرآنِ کریم نے خاص طور پر اس کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید اس لئے فرمائی ہے کہ انسان کی شرافت اور خوش اخلاقی کا اصل امتحان ایسے ہی مواقع پر ہوتا ہے، بڑے بڑے تعلیم یافتہ، بظاہر مہذب اور شائستہ لوگوں کو دیکھا کہ اپنے روزمرہ کے حالات میں وہ بظاہر بڑے خوش اخلاق اور شائستہ نظر آتے ہیں، لیکن

---

[1] نساء: ۳٦

جب کبھی سفر کی نوبت آئی تو ان کی ساری تہذیب اور خوش اخلاقی دھری کی دھری رہ گئی، اور انہوں نے اپنے ہم سفروں کے ساتھ پرلے درجے کی خود غرضی اور سنگ دلی کا برتاؤ شروع کر دیا۔[1]

بات دراصل یہ ہے کہ خوش اخلاقی کا جو برتاؤ صرف بدنامی کے خوف سے کیا جائے، وہ خوش اخلاقی ہی کہاں ہے؟ وہ تو ایک دکھاوا ہے، چناں چہ جب بدنامی کا خوف ٹلے گا، انسان کی بداخلاق اصلیت ظاہر ہو جائے گی، خوش اخلاقی تو ایک اندرونی صفت کا نام ہے جو نیک نامی اور بدنامی سے بے نیاز ہو کر کوئی اچھا عمل اس لئے کرتی ہے کہ وہ اچھا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کا سبب ہے، جب یہ صفت کسی شخص کو حاصل ہو جائے تو اس کا رویہ ہر جگہ اس صفت کے مطابق ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس جگہ بھی جہاں اسے کوئی دیکھ نہ رہا ہو، وہ اپنی پاکیزہ فطرت کے تحت وہی طرزِ عمل اختیار کرتا ہے جو اسے کرنا چاہئے، اور یہ حقیقت اس کے سامنے رہتی ہے کہ کوئی اور دیکھے یا نہ دیکھے، وہ ضرور دیکھ رہا ہے جس کے دیکھنے پر جنت اور جہنم کے فیصلے ہوتے ہیں۔

اسلام نے "صَاحِبُ بِالْجَنْبِ" یعنی تھوڑی دیر کے ساتھی کے حقوق کی جس باریک بینی سے دیکھ بھال کی ہے، اس کا اندازہ چند مثالوں سے لگائیے:

1. جمعہ کے دن جب مسجد میں لوگ خطبے اور نماز کے لئے جمع ہوں تو نو وارد کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اجتماع کے آخری حصے میں جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے، لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھنے کی کوشش کو سختی سے منع فرمایا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔[2]
2. جمعہ کے دن نہا دھو کر، اچھے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر مسجد میں جانے کی ترغیب دی گئی ہے، تا کہ اس بڑے اجتماع میں ہر شخص دوسرے کے لئے تکلیف کے بجائے فرحت اور راحت کا سبب بنے۔[3]
3. جب چند افراد ساتھ بیٹھ کر کوئی چیز کھا رہے ہوں تو حکم یہ ہے کہ دوسروں کا خیال رکھ کر کھاؤ، حدیث میں ہے کہ جب دوسرے لوگ ایک ایک کھجور لے کر کھا رہے ہوں تو تم دو دو کھجوریں مت لو،[4] اس میں یہ اصول بتا دیا گیا ہے کہ صرف اپنی فکر کرنا اور جو ہاتھ لگے لے اڑنا، ایک مؤمن کا شیوہ نہیں، یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ کچھ اور لوگ بھی تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہیں، تمہارا حصہ پوری طرح ناپ تول کر نہ سہی، لیکن دوسروں کے ساتھ کسی توازن ہی میں ہونا چاہئے، (آج کل کی دعوتوں میں بعض مرتبہ جو چھینا جھپٹی نظر آتی ہے، اور جس طرح بعض لوگ یک بارگی ضرورت سے زیادہ چیزیں اپنے برتن میں انڈیل لیتے ہیں وہ ان احکام کی صریح خلاف ورزی ہے)۔

---

[1] معارف القرآن: ۴۱۳/۲

[2] ابوداؤد، الجمعة، باب تخطی رقاب الناس: ۵۹/۱

[3] ابن ماجه، الجمعة، باب فی الزینة یوم الجمعة: ۷۸/۱

[4] ترمذی، الأطعمة، باب ماجاء فی کراهیة القران بین التمرتین: رقم: ۱۸۱۴

یہ چند مثالیں میں نے صرف یہ بتانے کے لئے دی ہیں کہ اسلامی تعلیمات میں "صَاحِبُ بِالْجَنْبِ" یا تھوڑی دیر کے ساتھی کی کتنی اہمیت ہے، اس اہمیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے معاشرے کے چند جزوی مسائل پر ایک نظر ڈال لیجئے۔

جہاں بہت سے لوگوں کو باری باری کوئی کام انجام دینا ہو، وہاں فطری طریقہ یہی ہے کہ آنے والوں کی ترتیب سے ایک قطار بنالی جائے، اور ہر شخص نمبروار اپنا کام انجام دیتا رہے، اس طرح سب کا فائدہ ہے، اور سب کا کام آسانی سے ہو جاتا ہے، ایسے موقع پر (کسی معقول عذر کے بغیر) لائن توڑ کر آگے بڑھنے کی کوشش کرنا، یا اس کے لئے دھینگا مشتی کرنا دوسروں کی شدید حق تلفی ہے، جو بداخلاقی اور ناشائستگی ہونے کے علاوہ گناہ بھی ہے۔

افسوس ہے کہ آج غیر مسلم قومیں اس بات کا لحاظ رکھتی ہیں، بل کہ ان کا مزاج ہی یہ بن چکا ہے کہ جہاں دو آدمی جمع ہوں گے فوراً آگے پیچھے ہو کر قطار بنالیں گے، لیکن ہم جو "صَاحِبُ بِالْجَنْبِ" کے بارے میں قرآن وسنت کی مذکورہ ہدایات کی روشنی رکھتے ہیں، لائن توڑ کر آگے بڑھنے کو بہادری اور جی داری کا ایک ہنر سمجھتے ہیں، اور یہ خیال تو شاید ہی کسی کو آیا ہوگا کہ میں کسی گناہ کا ارتکاب کر رہا ہوں۔

بس یا ریل میں ہر شخص نشست کا اتنا حصہ استعمال کرنے کا حق دار ہے جتنا ایک مسافر کے لئے گاڑی والوں کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے، اس میں ہمارے یہاں دو طرح کی شدید بے اعتدالیاں ہوتی ہیں۔

❶ پہلی بے اعتدالی تو یہ ہے کہ جن گاڑیوں میں بکنگ نہیں ہوتی، ان میں جو شخص پہلے پہنچ گیا وہ بیک وقت کئی کئی نشستوں کی جگہ گھیر کر اس پر قبضہ جمالیتا ہے اور دوسرے مسافر کھڑے کھڑے سفر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، اب یہ کتنی بے انصافی کی بات ہے کہ آپ ایک ٹکٹ لے کر آرام سے لیٹے ہیں، اور دوسرا شخص اتنی ہی رقم کا ٹکٹ لے کر بیٹھنے سے بھی محروم ہے۔ میں نے اپنے بعض بزرگ علماء کے بارے میں تو یہاں تک سنا ہے کہ اگر گاڑی بالکل خالی پڑی ہوتی، اور دوسرے مسافر نہ ہوتے تب بھی وہ اپنی نشست سے زیادہ جگہ استعمال نہیں کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ میں نے ایک نشست کا کرایہ دیا ہے، میں ایک ہی نشست کے استعمال کا حق دار ہوں، اس سے زیادہ کا نہیں۔ یقیناً یہ احتیاط وتقویٰ کا اعلیٰ مقام ہے، لیکن چوں کہ گاڑی والوں کی طرف سے ایسے مواقع پر خالی جگہوں کے استعمال کی عموماً اجازت ہوتی ہے، اس لئے اس کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا، مگر جہاں دوسرے مسافر کھڑے ہونے پر مجبور ہوں، وہاں زائد جگہ گھیرنے کا کوئی جواز نہیں۔

❷ دوسری بے اعتدالی اس کے برعکس یہ ہوتی ہے کہ جو سیٹ چار آدمیوں کے بیٹھنے کے لئے مخصوص ہے اس میں پانچواں آدمی زبردستی اپنے آپ کو ٹھونسنے کی کوشش کرتا ہے، اور پہلے سے بیٹھے ہوئے آدمیوں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ سمٹ کر اسے ضرور جگہ دیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ پہلے سے جائز اور بجا طور پر اپنی جگہ بیٹھے ہوئے تھے، وہ تنگی اور

دشواری کے ساتھ اپنا سفر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، ایسے میں اگر وہ لوگ خود ایثار سے کام لیں، اور نو وارد کو جگہ دے دیں تو بے شک یہ ان کی اعلیٰ ظرفی ہے، اور باعثِ ثواب ہے، لیکن کسی نو وارد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ انہیں اس اعلیٰ ظرفی پر مجبور کرے۔

چوں کہ ہم نے دین کو صرف نماز روزے ہی کی حد تک محدود کر لیا ہے، اس لئے اس قسم کی حرکتیں کرتے وقت یہ خیال بھی دل میں نہیں آتا کہ ہم کسی گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں، حالاں کہ جس عمل سے بھی کسی دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہو، یا اسے بے جا تکلیف پہنچتی ہو، وہ حرام ہے، ایسا حرام کہ اس کا گناہ صرف توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا جب تک خود وہ شخص معاف نہ کرے جس کی حق تلفی کی گئی ہے۔

دیکھنے میں یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں، لیکن درحقیقت انہی چھوٹی چھوٹی باتوں سے افراد اور قوموں کا مزاج بگڑتا ہے، اور جب کسی معاشرے کا مزاج بگڑ جائے تو وہی کچھ ہوتا ہے جس کا رونا آج ہم سب رو رہے ہیں، پھر فائدہ کسی کا نہیں ہوتا، نقصان سب کا ہوتا ہے، راحت کسی کو نصیب نہیں ہوتی، تکلیف میں سب مبتلا رہتے ہیں۔

اس کے برعکس اگر ہم اپنی روزہ مرہ کی زندگی میں یہ سوچ لیں کہ جس شخص کے ساتھ ہمیں کچھ دیر کی رفاقت میسر آئی ہے، اس کو آرام پہنچانے کی خاطر اگر ہم خود تھوڑی سی تکلیف اٹھا لیں تو یہ تکلیف تو زیادہ سے زیادہ چند گھنٹوں کی ہے، جو بہت جلد ختم ہو جائے گی، لیکن ہمارے ایثار کا نقش ہمارے ساتھی کے دل سے جلدی نہیں مٹے گا، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا، اور ہماری یہ تھوڑی سی محنت ان شاء اللہ وہاں جا کر کیش ہوگی، جہاں روپے پیسے کا کیش بے کار ہو چکا ہوگا، تو رفتہ رفتہ ہمارے معاشرے کا مزاج بھی بدل سکتا ہے، اور ہم ایک دوسرے کے لئے سراپا رحمت بن سکتے ہیں۔

فوائد و نصائح

اس اسم سے بندے کا حصہ یہ ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے:

1. کہ "اَلْمُتَعَالُ جَلَّ جَلَالُہٗ" تمام مخلوقات سے بلند و برتر ہیں، ان کی شان عظمت و بلندی والی ہے۔

"اَلْمُتَعَالُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی بڑائی اور عظمت کا جتنا دل میں دھیان جمے گا اتنی ہی بڑی سے بڑی مخلوق چھوٹی نظر آئے گی، جو شخص یہ چاہے کہ اس نام مبارک سے تعلق پیدا ہو جائے وہ اپنی زبان پر بڑے سے بڑے ملک اور بڑے بڑے مال داروں کا تذکرہ نہ لائے، اخبار پڑھ کر ہرگز زبان پر مخلوق کی برتری و عظمت کا ذکر نہ لائے، کہ اخبار میں فلاں ملک نے یہ بیان دیا ہے میں یہ کروں گا، بل کہ ہر وقت دل و زبان پر یہی ہو کہ حقیقی عظمت، بلندی و برتری صرف "اَلْمُتَعَالُ

جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے لئے ہے۔

❷ اسی طرح اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ ''میں''، ''میری کمپنی''، ''میرا محلّہ''، ''میرا خاندان''، ''میری اولاد نے یوں کیا،'' ''ہم نے یوں کیا ......'' وغیرہ کے تذکرہ سے بچے، بل کہ اگر کوئی اللہ کی نعمت اپنے یا اپنے خاندان پر بیان کرنا ہی ہو تو یوں کہے: ''اللہ کی دی ہوئی توفیق سے اللہ نے ہم سے یہ نیکی کا کام لیا۔'' تواضع کے الفاظ زبان پر ہوں، دل میں یہ دھیان جمائے کہ ''اَلْعَظِیْمُ'' اور ''اَلْمُتَعَالُ''، صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔[1]

حضرت شیخ الحدیث رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا واقعہ

وَاقِعَہ نمبر ۵۳: جب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کسی مرکز میں تشریف لے جاتے تو وہاں بعد عصر مصافحہ کا اہتمام ہوتا، تو ایک مرتبہ مولانا احسان الحق سے فرمایا:

مصافحہ کے وقت اللہ کی دی ہوئی توفیق سے یہ دعا مانگتا ہوں:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَظْهَرَ الْجَمِیْلَ وَسَتَرَ عَلَی الْقَبِیْحَ''[2]

تَرْجَمَہ: ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے میری اچھائی کو ظاہر کیا اور برائی کی پردہ پوشی کی۔''

جس کو ''اَلْمُتَعَالُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی جتنی معرفت حاصل ہوگی، اس کے بول تواضع والے ہوں گے، وہ اپنی ماضی کو یاد رکھے گا۔

❸ اگر عبادت تھوڑی زیادہ کر لی یا نوافل زیادہ ادا کر لئے تو پھر بھی عاجزی کو بڑھائے، یہ نہ سوچے کہ مجھے دوسرے لوگوں پر برتری حاصل ہے، کیوں کہ حقیقی برتری و بلندی کا مستحق تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر وہ نہ چاہے تو ہم کبھی بھی کسی چیز میں برتری حاصل نہیں کر سکتے، خواہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت ہی کیوں نہ ہمارے ساتھ ہو۔

---

[1] شرح اسماء حسنیٰ (علامہ عبدالصمد): ۳۸۸

[2] مستدرك حاكم، كتاب الدعاء: ۷۳۸/۱، رقم: ۲۰۵۰

البَرُّ جل جلالہ

(نہایت احسان کرنے والا، اپنے بندوں پر مہربان)

اس اسم کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ قَالَ ابْنُ جَرِيْرٍ -رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى-: ﴿إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ﴾[1] يعني: اَللَّطِيْفُ بِعِبَادِهِ.[2]

﴿إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ﴾ میں "البَرُّ" کا مطلب یہ ہے "وہ ذات جو اپنے بندوں پر مہربان ہے۔"

❷ "وَاللّٰهُ تَعَالٰى بَرٌّ بِخَلْقِهِ فِي مَعْنٰى: أَنَّهُ يُحْسِنُ إِلَيْهِمْ، وَيُصْلِحُ أَحْوَالَهُمْ."[3]

ترجمہ: "امام زجاج رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لئے "بَرٌّ" یعنی مہربان ہیں اس معنی میں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر احسان فرماتے ہیں اور ان کے احوال درست فرماتے ہیں۔"

❸ "امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "البَرُّ جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں پر مہربان ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے آسانی کا معاملہ چاہتے ہیں تنگی نہیں چاہتے، اور ان کے بہت سے گناہوں کو اپنے فضل سے معاف فرما دیتے ہیں، اور ہر ہر خطا پر پکڑ نہیں فرماتے، اور ایک نیکی کے بدلے دس نیکیوں کے برابر بدلہ عنایت فرماتے ہیں، جب کہ بدی پر اس ایک ہی بدی کی بقدر پکڑ فرماتے ہیں، اور نیکی کے ارادے پر بھی نیکی لکھی جاتی ہے جب کہ بدی کے ارادے پر کچھ بھی نہیں لکھا جاتا۔"[4]

❹ امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "یہ صفت اللہ ربُّ العزت کے اوصافِ فعل میں سے ہے، دنیا میں تو تمام بندے اس صفت کے حصار میں ہیں جب کہ آخرت میں مخصوص بندوں پر (عمومی طور پر جو فلاحِ آخرت سے ہمکنار ہوں گے) اس صفت کا ظہور ہوگا، دنیا میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے جس پر من جانب اللہ فضل و احسان نہ ہو، جیسا کہ ارشاد

---

[1] الطور: ۲۸ [2] جامع البيان ۱۸/۲۷، بحواله، النهج الأسمٰى: ۱۷۲/۲ [3] تفسير الاسماء: ٦١

[4] "(اَلْبَرُّ) مَعْنَاهُ الرَّفِيْقُ بِعِبَادِهِ، يُرِيْدُ بِهِمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِهِمُ الْعُسْرَ، وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ مِّنْ سَيِّئَاتِهِمْ، وَلَا يُؤَاخِذُهُمْ بِجَمِيْعِ جِنَايَاتِهِمْ، وَيُجْزِيْهِمْ بِالْحَسَنَةِ عَشَرَ أَمْثَالِهَا، وَلَا يُجْزِيْهِمْ بِالسَّيِّئَةِ إِلَّا مِثْلَهَا، وَيَكْتُبُ لَهُمُ الْهَمَّ بِالْحَسَنَةِ، وَلَا يَكْتُبُ عَلَيْهِمُ الْهَمَّ بِالسَّيِّئَةِ" (المنهاج: ۲۰٤/۱ بحواله مذكوره)

باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً﴾[1]

ترجمہ: ’’اور اس نے تم کو اپنی تمام ظاہری و باطنی نعمتیں بھرپور دے رکھی ہیں۔‘‘

ظاہری نعمتوں سے وہ نعمتیں مراد ہیں جن کا ادراک عقل وحواس وغیرہ سے ممکن ہو، اور باطنی نعمتیں وہ ہیں جن کا ادراک واحساس انسان کو نہیں۔ یہ دونوں قسم کی نعمتیں اتنی ہیں کہ انسان ان کو شمار بھی نہیں کرسکتا۔

یہ تو دنیا کا معاملہ تھا، جب کہ آخرت میں فضلِ الٰہی سے وہی فائدہ اٹھا سکے گا جسے اللہ ربّ العزت اپنا پڑوس نصیب فرمائیں گے اور خصوصی انوارات کے سایہ میں جگہ عنایت فرمائیں گے، نہ کہ وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کے سبب آگ میں داخل فرمائیں گے۔‘‘[2]

یہ اسم مبارک قرآن کریم میں صرف ایک مقام پر آیا ہے:

﴿اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ﴾[3]

ترجمہ: ’’ہم اس سے پہلے ہی اس کی عبادت کیا کرتے تھے، بے شک وہ محسن اور مہربان ہے۔‘‘

یعنی صرف اسی ایک کی عبادت کرتے تھے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے، یا یہ مطلب ہے کہ اسی سے عذابِ جہنم سے بچنے کے لئے دعا کرتے تھے۔

اس آیت میں ایک لفظ ’’بَرّ‘‘ آیا ہے اور ’’بَرّ‘‘ اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں سے ہے، جو کہ بہت زیادہ خیرات و احسان کرنے کا نام ہے۔ یہ احسان وعطا اُس کے وصف ’’بَرّ‘‘ سے صادر ہوتے ہیں۔ تو ’’بِرٌّ‘‘ کی اس وقت دو اقسام ہوئیں۔ وصفی اور فعلی، لہٰذا وہ احسان کرنے والا محسن ہے، خوبیوں والا مولیٰ ہے اور ہمیشہ احسان کرنے والا ہے۔‘‘[4]

احسان کرنے والا اور دینے والا صرف ’’اَلْبَرُّ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ ہی ہے

واقعہ نمبر ۵۴: حضرت حکیم بن حزام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے کچھ مال طلب کیا، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مجھے عطا فرما دیا، میں نے پھر مانگا: آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے پھر عطا فرما دیا، پھر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

---

[1] لقمان: ۲۰ [2] الكتاب الاسنى: ۳۴۵، كذا في النهج الأسمٰى: ۲/۱۷۳ [3] الطور: ۲۸

[4]

وَالْبَرُّ فِيْ أَوْصَافِهِ سُبْحَانَهٗ هُوَ كَثْرَةُ الْخَيْرَاتِ وَالْإِحْسَانِ

صَدَرَتْ عَنِ الْبَرِّ الَّذِيْ هُوَ وَصْفُهٗ فَالْبَرُّ حِيْنَئِذٍ نَوْعَانِ

وَصْفٌ وَفِعْلٌ فَهُوَ بَرٌّ مُحْسِنٌ مَوْلَى الْجَمِيْلِ وَدَآئِمَ الْإِحْسَانِ

(النونية لابن قيم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰى: ۲/۲۳۴)

نے مجھے نصیحت فرمائی اور ارشاد فرمایا:

"اے حکیم! یہ مال سب کو بھلی لگنے والی اور لذیذ وشیریں چیز ہے، پس جو شخص اس کو بغیر حرص اور طمع کے سیر چشمی اور نفس کی فیاضی کے ساتھ لے اس کے واسطے اس میں برکت دی جائے گی، اور جو شخص دل کے لالچ کے ساتھ لے گا اس کے واسطے اس میں برکت نہیں ہوگی، اور اس کا حال جوع البقر کے اس مریض کا سا ہوگا جو کھائے اور پیٹ نہ بھرے، اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے" (یعنی دینے والے کا مقام اونچا ہے، اور ہاتھ پھیلا کر لینا ایک گھٹیا بات ہے، لہٰذا جہاں تک ہو سکے اس سے بچنا چاہئے)۔ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نصیحت سن کر) میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے، اب آپ کے بعد مرتے دم تک میں کسی سے کچھ نہ لوں گا۔[۱]

فائدہ: اس حدیث شریف کے بارے میں صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو عہد کیا تھا، اس کو پھر ایسا نبھایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں (جب کہ سب ہی کو وظیفے اور عطیے دیئے جاتے تھے) ان کو بھی بلا کر بار بار کچھ وظیفہ یا عطیہ دینا چاہا، لیکن یہ لینے پر آمادہ ہی نہیں ہوئے۔ حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانۂ خلافت وامارت میں بھی انہوں نے کبھی کوئی وظیفہ یا عطیہ قبول نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ امارت میں ایک سو بیس سال کی عمر میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔[۲]

محسن کے احسان کا ہمیشہ شکر ادا کرنا چاہئے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الْإِنسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ﴾[۳]

ترجمہ: "بے شک انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔"

اس سورۂ مبارکہ (جس میں اللہ تعالیٰ نے جہاد میں استعمال ہونے والے گھوڑوں کی قسم کھائی ہے) میں مجاہدین کے گھوڑوں کی وفاداری، فرض شناسی، اور راہِ دین میں پھرتی کی تعریف کی گئی ہے۔

یعنی جہاد کرنے والے سواروں کی اللہ تعالیٰ کی راہ میں سرفروشی وجانبازی بتلاتی ہے کہ وفادار اور شکر گزار بندے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں کو اس کے راستہ میں خرچ نہیں کرتا وہ پرلے درجہ کا ناشکرا اور نالائق

[۱] مسلم: باب اِنَّ الْيَدَ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى ۱/۳۳۲

[۲] بخاری، باب الاستعفاف عن المسئلہ: ۱/۱۹۹، معارف الحدیث: ۲/۲۹۶

[۳] العٰدیٰت: ۶

ہے، بل کہ غور کرو تو خود گھوڑا زبانِ حال سے شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ مالکِ حقیقی کی دی ہوئی روزی کھاتے اور اس کی بے شمار نعمتوں سے شب و روز فائدہ اٹھاتے ہیں، پھر اس کے باوجود اس کی فرماں برداری نہیں کرتے، وہ جانوروں سے زیادہ ذلیل و حقیر ہیں۔

ایک شائستہ گھوڑے کو مالک گھاس کے تنکے اور تھوڑا سا دانہ کھلاتا ہے، وہ اتنی سی تربیت پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے، جدھر سوار اشارہ کرتا ہے ادھر چلتا ہے، دوڑتا...... اور ہانپتا ہوا...... ٹاپیں مارتا...... اور غبار اڑاتا ہوا...... گھمسان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے۔ گولیوں کی بارش میں، تلواروں اور سنگینوں کے سامنے، نیزوں اور تیروں سے اپنے سینہ کو چھلنی کرتے ہیں مگر سینہ نہیں پھیرتے بل کہ بسا اوقات وفادار گھوڑا سوار کو بچانے کے لئے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔

کیا انسان نے ایسے گھوڑوں سے کچھ سبق سیکھا کہ اس کا بھی کوئی پالنے والا مالک ہے جس کی وفاداری میں اسے جان و مال خرچ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ بے شک انسان بڑا ناشکرا اور نالائق ہے کہ ایک گھوڑے کے برابر بھی وفاداری نہیں دکھلا سکتا۔[1]

نیکی میں درجۂ کمال حاصل کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ﴾[2]

تَرجَمہ: ''ہرگز نہ حاصل کر سکو گے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو اپنی پیاری چیز میں سے کچھ، اور جو چیز خرچ کرو گے سو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔''

اس آیت میں مؤمنین کو صدقۂ مقبولہ اور اس کے آداب بتلائے گئے ہیں، اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اعمال ''بِرّ'' میں افضل ترین ''بِرّ'' یہ ہے کہ اپنی محبوب چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کی جائے، آیتِ مذکورہ میں ارشاد ہے کہ تم ہرگز ''بِرّ'' کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنی پیاری چیزوں میں سے کچھ خرچ نہ کرو، تو معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کی مکمل ادائیگی اور اس سے پوری سبکدوشی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اپنی محبوب اور پیاری چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کریں، اسی مکمل ادائیگی کا ''خیر کامل'' یا نیکی میں کمال یا ثوابِ عظیم سے ترجمہ کیا گیا ہے، اور مراد یہ ہے کہ ابرار کی صف میں داخل ہونا اس پر موقوف ہے کہ اپنی محبوب چیزیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کی جائیں۔

صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ جو قرآنی احکام کے اولین مخاطب اور رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے بلاواسطہ شاگرد اور

---

[1] تفسیر عثمانی: ۸۰
[2] آل عمران: ۹۲

احکامِ قرآنی کی تعمیل کے عاشق تھے، اس آیت کے نازل ہونے پر ہر ایک نے اپنی محبوب چیزوں پر نظر ڈالی، اور ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے درخواستیں ہونے لگیں۔

واقعہ نمبر ۵۵: انصارِ مدینہ میں سب سے زیادہ مال دار حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، مسجدِ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوات والتسلیمات کے بالکل مقابل اور متصل ان کا باغ تھا، جس میں ایک کنواں ''بیر حاء'' کے نام سے موسوم تھا، اب اس باغ کی جگہ تو بابِ مجیدی کے سامنے اصطفا منزل کے نام سے ایک عمارت بنی ہوئی ہے، جس میں زائرینِ مدینہ قیام کرتے ہیں، مگر اس کے شمال مشرق کے گوشے میں یہ ''بیر حاء'' اسی نام سے اب تک موجود ہے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے جاتے اور ''بیرِ حاء'' کا پانی پیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کنویں کا پانی پسند تھا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ باغ بڑا قیمتی اور زرخیز اور ان کو اپنی جائداد میں سب سے زیادہ محبوب تھا، اس آیت کے نازل ہونے پر وہ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میرے تمام اموال میں ''بیر حاء'' مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے میں اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں، آپ جس کام میں پسند فرمائیں اس کو صرف فرما دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تو عظیم الشان منافع کا باغ ہے، میں مناسب یہ سمجھتا ہوں کہ اس کو آپ اپنے اقرباء میں تقسیم کر دیں، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشورہ کو قبول فرما کر اپنے اقرباء اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم فرما دیا۔[1]

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خیرات صرف وہ نہیں جو عام فقراء اور مساکین پر صرف کی جائے، اپنے اہل و عیال اور عزیز و رشتہ داروں کو دینا بھی بڑی خیرات اور موجبِ ثواب ہے۔

واقعہ نمبر ۵۶: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا ایک گھوڑا لئے ہوئے حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا: مجھے اپنی املاک میں یہ سب سے زیادہ محبوب ہے، میں اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرما لیا، لیکن ان سے لے کر ان ہی کے صاحبزادے اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیا، زید بن حارثہ اس پر کچھ دل گیر ہوئے کہ میرا صدقہ میرے ہی گھر میں واپس آ گیا، لیکن رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارا یہ صدقہ قبول کر لیا ہے۔[2]

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک کنیز سب سے زیادہ محبوب تھی، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو لوجہ اللہ تعالیٰ (اللہ کی رضا کے لئے) آزاد کر دیا۔[3]

---

[1] مسلم، الزکوٰۃ، فضل النّفقۃ والصدقۃ علی الاقربین: ۳۲۳/۱

[2] تفسیر مظھری عربی: ۸۹/۲، اٰل عمرٰن: ۹۲   [3] ایضًا

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے پاس ایک کنیز تھی جس سے وہ محبت کرتے تھے، اس کو اللہ تعالیٰ کے لئے آزاد کردیا۔

الغرض آیتِ مذکورہ کا حاصل یہ ہے کہ حق اللہ کی مکمل ادائیگی اور خیرِ کامل اور نیکی کا کمال جب ہی حاصل ہوسکتا ہے جب کہ آدمی اپنی محبوب چیزوں میں سے کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے۔[1]

''اَلْبَرُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' سے محبت کرنے کی عظیم مثال

واقعہ نمبر ۵۷: حضرت نافع رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کو بیماری کی حالت میں مچھلی کھانے کا دل چاہا، میں نے مدینہ میں مچھلی تلاش کی لیکن مجھے نہ ملی، کچھ عرصے بعد میں نے مچھلی خریدی اور پکا کر روٹی پر رکھ کر حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے سامنے رکھ دی، اسی وقت ایک سائل نے صدا لگائی، حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا: ''یہ روٹی مچھلی سمیت سائل کو دے دو۔'' میں نے وہ مچھلی دے دی۔

پھر میں نے سائل سے کہا: ایسا کرو کہ یہ مچھلی تم مجھے ڈیڑھ درہم میں فروخت کردو، وہ راضی ہوگیا ڈیڑھ درہم لے کر اس نے مچھلی ہمارے حوالے کردی۔

میں نے وہ مچھلی حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے پاس رکھی ہی تھی کہ وہ سائل دوبارہ صدا لگانے لگا، حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا: یہ مچھلی روٹی اسے دے دو، اور وہ درہم بھی اس سے واپس مت لینا کہ میں نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے سنا ہے: ''اَیُّمَا رَجُلٍ اِشْتَھٰی شَھْوَۃً فَرَدَّ شَھْوَتَہٗ وَاٰثَرَ غَیْرَہٗ عَلٰی نَفْسِہٖ غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ''

ترجمہ: جس کسی کی کوئی چاہت ہو اور وہ اپنی چاہت کو دوسرے کے لئے قربان کردے، تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔[2]

حضرت ابوالدحداح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی نیکی

واقعہ نمبر ۵۸: حضرت ابوالدحداح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگتے ہیں، حالاں کہ وہ قرض سے مستغنی ہیں؟

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعے سے تم کو جنت میں داخل کردیں، ابوالدحداح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہ سن کر کہا: اللہ کے رسول ہاتھ بڑھائیں، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا......

---

[1] معارف القرآن: ۱۰۶/۲
[2] حلیۃ الأولیاء: ۳۷۱/۱، شرح اسماء اللّٰہ الحسنی للرازی: ۳۳۶

ابوالدحداح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہنا شروع کیا:

میں کھجور کے دو باغوں کا مالک ہوں، اس کے سوا میری ملکیت میں کچھ نہیں، میں اپنے یہ دونوں باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دیتا ہوں۔

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اُن سے فرمایا: ایک اللہ تعالیٰ کے راستے میں وقف کر دو اور دوسرا اپنے اہل و عیال کی معاشی ضرورت کے لئے باقی رکھو۔ ابوالدحداح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا: آپ گواہ رہئے، ان دونوں میں سے بہترین باغ جس میں کھجور کے چھ سو درخت ہیں، اس کو میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتا ہوں۔

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے بدلے میں جنت عطا فرمائیں گے۔

حضرت ابوالدحداح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنے گھر آئے اور بیوی کو اس کی اطلاع دے دی، ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے باغ کے باہر سے آواز لگائی:

"اُخْرُجِي فَقَدْ أَقْرَضْتُهُ رَبِّي" کہ اب اس باغ کو چھوڑ دو، اپنے بچوں کے ساتھ باہر آجاؤ کہ یہ باغ میں نے اپنے رب کو قرض دے دیا، آخرت میں ہمیں اس کا اجر ملے گا، بیوی نے جب یہ سنا تو فرمایا:

"رُبِحَ بَيْعُكَ! بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيمَا اشْتَرَيْتَ" اللہ تعالیٰ تمہیں اس سودے میں نفع عطا فرمائے اور برکت دے اور اس کو قبول بھی فرمالے، جو آپ نے خریدا۔ تو وہ بھی حضرت ابوالدحداح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے اس بہترین سودے پر بہت خوش ہوئیں۔[1]

رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

"كَمْ مِّنْ عِذْقٍ رَدَاحٍ وَدَارٍ فَيَاحٍ لِأَبِي الدَّحْدَاحِ فِي الْجَنَّةِ"[2]

تَرْجَمَہ: "کس قدر کھجوروں سے لبریز بے شمار درخت اور کشادہ محلات ابوالدحداح کے لئے جنت میں تیار ہیں۔"

"اَلْبَرُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی مخلوق کے ساتھ خیر خواہی کرنا

پھوڑے پھنسیوں کا ایک عجیب علاج:

واقعہ نمبر (۵۹): حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بڑے درجے کے علماء میں سے ہیں، ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے کہا: میرے گھٹنے میں سات سال سے ایک پھوڑا نکلا ہوا ہے جس سے مسلسل خون رِس رہا ہے، ہر طرح کا علاج کرا چکا ہوں، بہت سے اطباء سے رجوع کیا، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا:

---

[1] "قرطبی": ۱۸۲/۲، البقرة: ۲٤٥ [2] مجمع الزوائد، كتاب المناقب: ۳۹۸/۹

"إِذْهَبْ فَانْظُرْ مَوْضِعًا يَحْتَاجُ النَّاسُ الْمَآءَ فَاحْفِرْ هُنَاكَ بِئْرًا فَإِنِّي أَرْجُوْ أَنْ تَنْبُعَ هُنَاكَ عَيْنٌ وَيُمْسَكُ عَنْكَ الدَّمُ"

ترجمہ: "جاؤ! کوئی ایسی جگہ تلاش کرو جہاں پانی کی قلت ہو اور لوگ پانی کے ضرورت مند ہوں، وہاں جا کر ایک کنواں کھودو، مجھے امید ہے کہ وہاں کوئی پانی کا چشمہ جاری ہوگا تو تمہارا خون رک جائے گا۔"

اس شخص نے ان کے کہنے پر عمل کیا تو تندرست ہوگیا۔ یہ واقعہ علامہ منذری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے امام بیہقی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، اسے نقل کرنے کے بعد علامہ منذری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اسی جیسا ایک واقعہ ہمارے شیخ ابوعبداللہ حاکم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا بھی ہے، ان کے چہرے پر پھنسیاں نکل آئی تھیں، بہت علاج کروایا، مگر پھنسیاں ختم نہیں ہوئیں۔ تقریباً سال بھر اس تکلیف میں مبتلا رہنے کے بعد وہ جمعہ کے دن امام ابوعثمان صابونی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی مجلس میں پہنچے اور ان سے دعا کی درخواست کی، امام صابونی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے ان کے لئے دعا کی، حاضرین نے آمین کہی۔

اگلے جمعہ کو ایک عورت نے امام صابونی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی مجلس میں ایک پرچہ بھجوایا، اس میں لکھا تھا کہ پچھلے جمعہ کو شیخ ابوعبداللہ حاکم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی دعائے صحت کے بعد میں گھر گئی، وہاں جا کر بھی میں نے ان کی صحت کے لئے بہت دعا کی، اسی رات مجھے خواب میں رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی زیارت ہوئی، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مجھ سے فرمایا: ابوعبداللہ سے کہو کہ وہ مسلمانوں کے لئے وسعت کے ساتھ پانی پہنچانے کا انتظام کریں۔

شیخ حاکم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے گھر کے دروازے پر ایک سبیل بنا دی، جس سے لوگ خوب پانی پیتے تھے، اس واقعہ کو ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا ہوگا کہ شیخ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی پر شفا کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ پھنسیاں ختم ہوگئیں اور چہرہ پہلے کی طرح صاف اور خوب صورت ہوگیا، اس کے بعد وہ کئی سال زندہ رہے۔[1]

ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی:

واقعہ نمبر (۶۰): ایک مرتبہ حضرت جریر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے غلام کو ایک گھوڑا خرید لانے کا حکم دیا۔ وہ تین سو درہم میں گھوڑا خرید لایا اور گھوڑے کے مالک کو رقم دلوانے کے لئے ساتھ لے آیا، حضرت جریر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو طے شدہ دام بھی بتلائے گئے اور گھوڑا بھی پیش کر دیا گیا۔ آپ نے اندازہ لگایا کہ گھوڑے کی قیمت تین سو درہم سے کہیں زائد ہے۔ چناں چہ آپ نے گھوڑے کے مالک سے کہا:

آپ کا یہ گھوڑا تین سو درہم سے زائد قیمت کا ہے۔ کیا آپ چار سو درہم میں فروخت کریں گے ...... ؟

[1] الترغیب والترہیب: ۵۳/۲، ۵۴، فصل فی الصدقة والحث علیها

اس نے جواب دیا: جیسے آپ کی مرضی، پھر فرمایا: آپ کے گھوڑے کی قیمت چار سو درہم سے بھی زائد ہے، کیا آپ پانچ سو میں بیچیں گے؟

اس نے کہا: میں راضی ہوں۔ اسی طرح حضرت جریر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ گھوڑے کی قیمت میں سو سو درہم کی زیادتی کرتے چلے گئے، بالآخر آٹھ سو درہم میں گھوڑا خرید لیا اور رقم مالک کے حوالے کر دی۔ آپ سے سوال کیا گیا: جب مالک تین سو درہم پر راضی تھا تو آپ نے اسے آٹھ سو درہم دے کر اتنا نقصان کیوں مول لیا؟

آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا: گھوڑے کے مالک کو قیمت کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ میں نے خیر خواہی کرتے ہوئے اس کو پوری قیمت ادا کی ہے، کیوں کہ میں نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ "اَلنُّصْحُ لِكُلِّ مُسْلِمٍ" کا وعدہ کیا تھا کہ ہمیشہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا، میں نے اس وعدہ کا ایفاء کیا ہے۔[1]

فَائِدَہ: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ "اَلْبَرُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" اُس سے راضی ہوں اور "اَلْبَرُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے اس کا تعلق اچھا رہے تو اس کو چاہئے کہ اللہ کی مخلوق کو نقصان نہ پہنچائے...... کسی کو دھوکہ نہ دے...... کسی کے ساتھ بے وفائی نہ کرے...... ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی والا معاملہ کرے،...... تو "اَلْبَرُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" بھی اس کے ساتھ بھلائی والا معاملہ کریں گے، لوگوں کے ساتھ سب سے بڑی بھلائی ان کے دل اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرنا ہے۔

فوائد و نصائح

(۱) بندے کا اس اسم سے حصہ یہ ہے: وہ "اَلْبَرُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے احسان کو پہچانے کہ اس ذات نے اس کے عذر کو قبول کیا، اس کی برائیوں کو چھپایا اور نیکی کی توفیق بخشی اور دِل کو اعمال میں لگایا۔

(۲) انسان کو چاہئے کہ "اَلْبَرُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے فضل اور مغفرت کو سامنے رکھے اور ہمیشہ اس کا شکریہ ادا کرتا رہے۔

اور حضرت حکیم بن حزام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو جو نصیحت آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمائی تھی وہ یاد رکھے کہ سوائے "اَلْبَرُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے مال کسی سے نہ مانگے، لوگوں سے مانگنے اور سوال کرنے کی عادت نہ بنائے۔

(۳) لوگوں کے ساتھ نیکی کا معاملہ کرے، اپنے آپ سے پوچھے .... کیا آپ نے انسانوں کی بھلائی کے لئے کوئی کام کئے ہیں ....؟

ابھی تک نہیں تو آج سے نیت کر لیجئے کہ انسانوں اور مسلمانوں کی بھلائی کے لئے کچھ نہ کچھ کروں گا، آسان بھلائی کا کام یہ ہے کہ کم از کم چار کافروں پر ایسی محنت کریں کہ وہ مسلمان ہو جائیں جہنم کی آگ سے بچ جائیں، محلے کے لوگوں

---

[1] حاشیہ نووی شرح مسلم: باب أن الدّين النّصيحة: ۱/۵۵

اور رشتہ داروں پر ایسی محنت کریں کہ وہ نمازی بن جائیں۔ کہیں مسجد بنانے کی نیت کریں، کہیں کنواں بنانے کی فکر کریں، کہیں پانی کا کولر لگوادیں؛ تاکہ لوگ ٹھنڈا پانی پی سکیں، کوئی یتیم بچوں کے لئے مدرسہ، اسلامک اسکول کھولنے کی نیت کریں، کوئی اچھی کتاب مسجد اور لائبریری میں وقف کردیں، یہی کتاب ''اسمائے حسنیٰ'' زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں، رشتہ داروں کے گھر جائیں تو یہ ہدیہ لے کر جائیں۔



اَلتَّوَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(توبہ کی توفیق دینے والا اور توبہ قبول کرنے والا)

اس اسم کے تحت پانچ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ ''(اَلتَّوَّابُ): هُوَ الَّذِي يَتُوبُ عَلٰى عَبْدِهٖ وَيَقْبَلُ تَوْبَتَهٗ كُلَّمَا تَكَرَّرَتِ التَّوْبَةُ تَكَرَّرَ الْقُبُوْلُ وَمَعْنَى التَّوْبَةِ: عَوْدُ الْعَبْدِ إِلَى الطَّاعَةِ بَعْدَ الْمَعْصِيَةِ''[1]

امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''اَلتَّوَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو بندے کو توبہ کرنے کی توفیق دیتی ہے اور توبہ قبول بھی فرماتی ہے، جتنی مرتبہ توبہ کی جائے اتنی ہی اللہ ربّ العزت کی جانب سے قبولیت عطا کی جاتی ہے، کیوں کہ توبہ کا مطلب ہے: ''بندہ نافرمانی کے بعد دوبارہ اطاعت پر لوٹ آئے۔''

❷ ''(اَلتَّوَّابُ) وَهُوَ الْمُعِيْدُ إِلٰى عَبْدِهٖ فَضْلَ رَحْمَتِهٖ إِذَا هُوَ رَجَعَ إِلٰى طَاعَتِهٖ، وَنَدِمَ عَلٰى مَعْصِيَّتِهٖ، وَلَا يُحْبِطُ بِمَا قَدَّمَ مِنْ خَيْرٍ، وَلَا يَمْنَعُهٗ مَا وَعَدَ الْمُطِيْعِيْنَ مِنَ الْإِحْسَانِ.''[2]

''امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ توّاب ہیں یعنی وہ اپنے فضل کو بندہ پر لوٹا دیتے ہیں جب کہ وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جانب لوٹ آتا ہے اور اپنے گناہ پر نادم ہو چکا ہوتا ہے، اور ربِ کریم اس کی سابقہ خطاؤں کو معاف فرماتے ہیں اور اس کی گزشتہ نیکیاں اسی طرح برقرار رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے نیکوکاروں پر احسان کرنے کے جو وعدے فرمائے ہیں وہ وعدے بھی اس بندے کے حق میں پورے کئے جائیں گے۔''

❸ ''المقصد الاسنی میں ہے'' اَلتَّوَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ہے جو بندوں کے لئے ایسے اسباب مہیا کرتا ہے کہ وہ اس کی نشانیاں دیکھ کر بار بار اس کی طرف رجوع اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہیں اور جو ان کو طرح طرح کی تنبیہات سے خبردار کرتا ہے اور ڈرا دھمکا کر اپنی راہ پر لاتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس کو پہچان کر اپنی تقصیرات اور گناہوں کا احساس کرتے ہیں تو دھمکی سے خوف کھاتے ہیں اور توبہ کرنے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کی توبہ قبول فرما لیتے

[1] النهج الاسمیٰ: ۱۸۳/۲ [2] النهج الأسمیٰ: ۱۸۴/۲

ہیں۔'' [1]

❹ ''علامہ ابن قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''التَّوَّابُ'' اللہ رب العزت کے اوصاف میں سے ہے اور یہ دو معانی پر مشتمل ہے، ایک یہ کہ اللہ رب العزت کی جانب سے بندوں کو توبہ کے لئے اذنِ عام ہے اور دوسرا معنی یہ کہ جو کوئی بھی توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو محض اپنے احسان کی بناء پر قبول فرماتے ہیں۔'' [2]

❺ ''اقلیشی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنا نام ''توّاب'' رکھا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے دل میں توبہ کا جذبہ پیدا فرماتے ہیں، اس کے بعد بندوں کو اسبابِ توبہ بھی مہیا فرماتے ہیں، اور پھر ناپسندیدہ راہ سے انہیں ہٹا کر پسندیدہ راہ پر چلاتے ہیں۔''

اسی طرح اللہ جَلَّ جَلَالُهُ رجوع کرنے والے بندے کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بندوں کو توبہ کی توفیق عنایت فرماتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشادِ مبارک کا ترجمہ ہے:

''پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی تا کہ وہ آئندہ بھی توبہ کر سکیں۔''

اور اللہ تعالیٰ توبہ قبول بھی فرماتے ہیں، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

''جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹتا ہے۔'' [3]

اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اپنا نام ''توّاب'' رکھا ہے۔

---

[1] "(اَلتَّوَّابُ) هُوَ الَّذِيْ يَرْجِعُ إِلٰى تَيْسِيْرِ أَسْبَابِ التَّوْبَةِ لِعِبَادِهٖ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرٰى، بِمَا يُظْهِرُ لَهُمْ مِّنْ اٰيَاتِهٖ، وَيَسُوْقُ إِلَيْهِمْ مِنْ تَنْبِيْهَاتِهٖ، وَيُطْلِعُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ تَخْوِيْفَاتِهٖ وَتَحْذِيْرَاتِهٖ، حَتّٰى إِذَا اطَّلَعُوْا بِتَعْرِيْفِهٖ عَلٰى غَوَائِلِ الذُّنُوْبِ، إِسْتَشْعَرُوا الْخَوْفَ بِتَخْوِيْفِهٖ فَرَجَعُوْا إِلَى التَّوْبَةِ، فَرَجَعَ إِلَيْهِمْ فَضْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى بِالْقُبُوْلِ." (المقصد الاسنیٰ: ۸۸)

[2] وقال ابن القيم رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى:

وَكَذٰلِكَ التَّوَّابُ مِنْ أَوْصَافِهٖ وَالتَّوَّابُ فِيْ أَوْصَافِهٖ نَوْعَانِ
إِذْنٌ بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ وَقَبُوْ لِهَا بَعْدَ الْمَتَابِ بِمَنَّةِ الْمَنَّانِ

(النونية: ۲/۲۳۱)

[3] سَمَّى اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ نَفْسَهٗ تَوَّابًا لِأَنَّهٗ خَالِقُ التَّوْبَةِ فِيْ قُلُوْبِ عِبَادِهٖ، وَمُيَسِّرُ أَسْبَابِهَا لَهُمْ، وَالرَّاجِعُ بِهِمْ مِنَ الطَّرِيْقِ الَّتِيْ يَكْرَهُ إِلَى الطَّرِيْقِ الَّتِيْ يَرْضٰى.

وَسَمّٰى نَفْسَهٗ أَيْضًا (تَوَّابًا) لِقُبُوْلِهٖ تَوْبَةَ مَنْ يَّرْجِعُ إِلَيْهِ.

وَمِنَ الْقِسْمِ الْأَوَّلِ قَوْلُهٗ تَعَالٰى: ﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا﴾ (التوبة: ۱۱۸)

وَمِنَ الْقِسْمِ الثَّانِيْ قَوْلُهٗ تَعَالٰى: ﴿فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ﴾ (المائدة: ۳۹)

فَبِهٰذَيْنِ الْقِسْمَيْنِ سَمّٰى نَفْسَهٗ تَوَّابًا. (الكتاب الاسنیٰ: ۳۷۷)

یہ اسم مبارک قرآن کریم میں دس مقامات پر آیا ہے، جن میں سے تین آیات درج ذیل ہیں:

۱ ﴿فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ ؕ اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴾[۱]

۲ ﴿وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ وَاَنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ حَکِیْمٌ﴾[۲]

۳ ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا﴾[۳]

توبہ کی حقیقت

توبہ کے لفظی معنی لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں، اور شرعی اصطلاح میں کسی گناہ سے باز آنے کو توبہ کہتے ہیں۔ اس کے صحیح و معتبر ہونے کے لئے تین شرائط ہیں:

۱ جس گناہ میں فی الحال مبتلا ہے اس کو فوراً ترک کردے۔

۲ ماضی میں جو گناہ ہوئے ہیں ان پر نادم ہو۔ حدیث میں آتا ہے: "اَلنَّدَمُ تَوْبَۃٌ."[۴] یعنی توبہ نام ہی ندامت کا ہے۔

۳ آئندہ گناہوں کو ترک کرنے کا پختہ عزم کرلے اور کوئی شرعی فریضہ چھوڑا ہوا ہے تو اسے ادا یا قضا کرنے میں لگ جائے اور اگر گناہ حقوق العباد سے متعلق ہے، تو اس میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ اگر کسی کا مال اپنے اوپر واجب ہے اور وہ شخص زندہ ہے تو یا اسے وہ مال لوٹائے یا اس سے معاف کرائے اور اگر وہ زندہ نہیں اور اس کے ورثاء موجود ہیں تو ان کو لوٹائے، اگر ورثاء بھی نہیں ہیں تو بیت المال میں داخل کرائے، بیت المال بھی نہیں ہے یا اس کا انتظام صحیح نہیں ہے تو اس کی طرف سے صدقہ کردے اور اگر کوئی غیر مالی حق کسی کا اپنے ذمہ واجب ہے، مثلاً کسی کو ناحق ستایا ہے، برا بھلا کہا ہے، یا اس کی غیبت کی ہے تو اسے جس طرح ممکن ہو راضی کرکے اس سے معافی حاصل کرے۔[۵]

اور یہ تو ہر قسم کی توبہ کے لئے ضروری ہے ہی کہ گناہ کا ترک کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے ہو، اپنے کسی جسمانی ضعف یا مجبوری کی بنا پر نہ ہو اور شریعت میں اصل مطلوب تو یہ ہے کہ توبہ سارے ہی گناہوں سے کی جائے، لیکن اگر صرف کسی خاص گناہ سے توبہ کی گئی تو اس گناہ کی حد تک تو معافی ہوجائے گی، دوسرے گناہوں کا وبال سر پر رہے گا۔

لہٰذا جب ہم توبہ کی حقیقت بتلا چکے کہ بری حالت کا ترک کرنا، گزشتہ پر ندامت کا اظہار کرنا، آئندہ برے فعل کے

---

[۱] البقرة: ۳۷ [۲] النور: ۱۰ [۳] النصر: ۳ [۴] ابن ماجه، الزهد، باب ذكر التوبة: ۳۱۳

[۵] اس کے لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ کتاب "طریقۂ وصیت" پسند فرمودہ مفتی محمود اشرف صاحب استاذ حدیث جامعہ دارالعلوم کراچی کا مطالعہ کریں۔ اس میں تفصیل کے ساتھ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کی تلافی اور تدارک کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ یہ کتاب "بیت العلم ٹرسٹ" کراچی نے شائع کی ہے اس کی ورک بک "وصیت لکھئے" بھی شائع ہوچکی ہے۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ (The will) کے نام سے زمزم پبلشرز نے شائع کیا ہے۔ تمام معیاری کتب خانوں سے مل سکتی ہے۔

نہ کرنے پر پختہ عزم کرنا، سابقہ کوتاہیوں کا تدارک کرنا ہے، تو پھر ایسی توبہ کی قبولیت سے وہی شخص انکار کرسکتا ہے جس کے پہلو میں دردمند اور رحم آمیز دل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ﴾[1]

تَرجَمہ: ''اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ جب بندہ کسی گناہ سے توبہ کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہو جائے، تو صرف یہی نہیں کہ اس پر پکڑ نہ ہوگی، بل کہ اس کو فرشتوں کے لکھے ہوئے نامۂ اعمال سے مٹا دیا جاتا ہے، تاکہ اس کی رُسوائی بھی نہ ہو۔

جب کسی انسان نے مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق توبہ کرلی تو وہ ہر طرح کا گناہ کر چکنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ بن جائے گا اور اگر پھر کبھی اس سے گناہ ہو جائے تو پھر فوراً توبہ کرے، بارگاہِ غفور و کریم سے ہر مرتبہ توبہ قبول کرنے کی امید رکھے۔[2]

اسی لئے ہمارے خواجہ عزیز الحسن مجذوب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں۔ ؎

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی　　　بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے

توبہ ٹوٹ جاتی ہے تو آدمی مایوس ہو جاتا ہے کہ میری توبہ بے کار گئی، نہیں ہرگز نہیں بے کار نہیں گئی پھر توبہ کرلو، ان سے ٹوٹا ہوا رشتہ پھر جوڑ لو فرماتے ہیں۔ ؎

یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھے　　　جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

کوشش تو کیجیے کہ نہ ٹوٹے، گناہ سے بچنے میں جان کی بازی لگا دیجیے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا کر توبہ کیجیے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کا گڑگڑانا...... ندامت کے آنسو بہانا...... اور معافی مانگنا...... بہت پسند ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

''مَامِنْ عَبْدٍ مُّؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوْعٌ وَ إِنْ كَانَ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ثُمَّ يُصِيْبُ شَيْئًا مِنْ حُرِّ وَجْهِهٖ إِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ''[3]

---

[1] البقرة: ۲۲۲　[2] ؎

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست　　　صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

[3] ابن ماجه، الزهد، الحزن والبكاء، رقم: ۴۱۹۷

تَرجَمۃ: حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ارشاد فرماتے ہیں: ''کوئی مؤمن بندہ ایسا نہیں ہے جس کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیت سے آنسو نکلیں، اگرچہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہوں پھر اس کے چہرے کو جہنم کی حرارت پہنچے (نہیں ایسا نہیں ہے) مگر اس چہرے پر اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ حرام فرما دیتے ہیں۔''

جو سچے دل سے توبہ کرتا ہے اور پختہ عزم کرتا ہے کہ اے اللہ! میں آئندہ ہرگز گناہ نہ کروں گا، جان دے دوں گا مگر آپ کو ناراض نہ کروں گا، لیکن باوجود پوری کوشش کے پھر اس کی توبہ ٹوٹ جاتی ہے، پھر یہ ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے، گڑگڑاتا ہے، عاجزی کرتا ہے، اور آئندہ گناہ کا عزم نہیں رکھتا، حدیث پاک میں ہے: ایسا شخص گناہ پر اصرار کرنے والوں میں نہیں ہے، چاہے دن میں ستر بار اس کی توبہ ٹوٹ جاتی ہو، لہٰذا توبہ کرنے والے کو مایوس نہ ہونا چاہئے۔

''اَلتَّوَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا در ہر وقت کھلا ہے

وَاقِعَہ نمبر (۶۱): حضرت ابوسعید خدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

''بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے انسانوں کو قتل کیا تھا، پھر وہ اپنے متعلق سوال کرنے کے لئے نکلا اور ایک راہب (عیسائی پادری) کے پاس آیا اور اس سے دریافت کرتے ہوئے کہا:

''کیا میری توبہ قبول ہونا ممکن ہے؟ اس نے جواب دیا: نہیں (تو نے اتنے قتل کئے ہیں تیرے لئے مغفرت کہاں؟) اس نے راہب کو بھی قتل کر دیا۔

وہ لوگوں سے پوچھتا رہا، کسی نے اسے کہا: فلاں فلاں بستی میں جاؤ (جب وہاں جانے لگا تو راہ میں) اسے موت آگئی، اس نے اپنے سینہ کا رُخ اس بستی کی طرف کر لیا (جس کی طرف جا رہا تھا) اب رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں کے مابین اس کے متعلق جھگڑا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے (اُس بستی کی) زمین کو حکم دیا کہ ذرا قریب ہو جائے اور اس بستی کی زمین کو (جہاں سے نکل چکا تھا) حکم دیا کہ دور ہو جائے اور فرشتوں سے فرمایا:

دونوں بستیوں کے درمیان فاصلہ کی پیمائش کرو (جب پیمائش کی گئی) تو اس بستی سے (جہاں جا رہا تھا) بالشت بھر قریب نکلا۔ چناں چہ اس کی مغفرت کر دی گئی۔[1]

عذاب کے فرشتے کہہ رہے تھے کہ اسے ہم لے جائیں گے کیوں کہ اس بستی تک نہیں پہنچا جب کہ رحمت والے فرشتے کہتے تھے کہ یہ تو اس طرف چل دیا تھا موت تو اس کے اختیار میں نہیں تھی، لہٰذا اسے ہم لے جائیں گے۔ اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوسرا فرشتہ بھیجا اُس نے کہا:

''قِيْسُوْا بَيْنَهُمَا'' دونوں بستیوں کے فاصلوں کی پیمائش کر لو اور ادھر صالحین کی بستی کو حکم دیا: ''تَقَرَّبِيْ'' تو تھوڑی

---

[1] مسلم، التوبة، باب قبول توبة القاتل: ۳۵۹/۲

سی قریب ہو جا کہ تجھ پر اہلِ تقرب رہتے ہیں، اور گناہوں والی بستی کو فرمایا "تَبَاعَدِيْ" تو دور ہو جا کہ تجھ پر اہل تباعد رہتے ہیں۔ (یعنی جو مجھ سے دُور ہیں)۔[۱]

یہ فضل بصورتِ عدل ہے، یعنی فرشتوں سے تو پیمائش کرا رہے ہیں اور کام خود بنا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا انتظام تھا ورنہ وہ بستی دُور تھی۔

اگر بار بار توبہ ٹوٹ جاتی ہے تو بھی مایوس نہ ہوں آپ بار بار توبہ کیجئے۔ توبہ کی قبولیت کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس گناہ سے الگ ہو جائے، دل میں ندامت ہو اور پختہ عزم ہو کہ آئندہ ہرگز گناہ نہ کروں گا، یعنی پھر گناہ کرنے کا دل میں ارادہ نہ ہو تو ایسی توبہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے۔

لہٰذا ہرگز مایوس نہ ہوں،...... خطا ہو جائے رونا وگڑگڑانا شروع کر دیجئے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کون ہے جو معاف کرے گا۔ ان کے در کے علاوہ اور کون سا در ہے جہاں ہم جائیں، لہٰذا عمر بھر کوشش میں لگے رہنا ہے۔

یعنی اس "اَلتَّوَّابُ الرَّحِیْمُ جَلَّ جَلَالُهُ" نے بندہ کو نوازنے کا ارادہ فرما لیا تو اس کو اپنی رحمت کے حاصل کرنے کا ڈھنگ بھی سکھلا دیا۔[۲]

بعض علماء سے پوچھا گیا: جس شخص سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے وہ کیا کرے؟

تو فرمایا: وہی کام کرے جو اس کے پہلے والدین آدم عَلَيْهِ السَّلَامُ وحوا عَلَيْهَا السَّلَامُ نے کیا، کہ اپنے کئے پر ندامت اور آئندہ نہ کرنے کے عزم کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کے لئے عرض کیا:

❶ ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾[۳]

ترجمہ: ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اگر آپ معاف نہ کریں اور ہم پر رحم نہ کریں تو ہم سخت خسارے والوں میں داخل ہو جائیں گے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے عرض کیا:

❷ ﴿رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ﴾[۴]

---

[۱] مرقاۃ شرح مشکاۃ: ۱۲۸/۵

[۲] ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ — گر کافر و گبرو بت پرستی باز آ
ایں در گہ ما، درگہ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

ترجمہ: تم جو کچھ بھی ہو اس سے باز آجاؤ، خواہ کافر، آتش پرست یا بت پرست ہو، یہ ہماری بارگاہ ناامیدی کی بارگاہ نہیں ہے، سو بار بھی توبہ توڑ دی ہو تو پھر بھی باز آجاؤ۔

[۳] الاعراف: ۲۳ [۴] القصص: ۱۶

تَرْجَمَۃ: ”اے میرے پالنے والے! میں نے اپنی جان پر ظلم کرلیا ہے، تو آپ ہی میری مغفرت فرمائیے۔“

حضرت یونس عَلَيْهِ السَّلَام سے جب لغزش ہوگئی تو عرض کیا:

۳ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾[1]

تَرْجَمَۃ: ”اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، آپ ہر برائی سے پاک ہیں، میں ظلم کرنے والوں میں داخل ہو گیا ہوں“ (مطلب یہ ہے کہ مجھ پر رحم فرمائیے)۔“[2]

پادری، پیرومرشد، فقیر ومجاور کسی کے گناہ معاف نہیں کرسکتے

توبہ قبول کرنے اور گناہ معاف کرنے کا اختیار سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں، یہود و نصاریٰ اس قاعدہ سے غفلت کی بناء پر سخت فتنہ میں مبتلا ہو گئے، کہ پادریوں اور پنڈتوں کے پاس جاتے، اور اُن کو کچھ ہدیہ دے کر اپنے گناہ معاف کرالیتے، اور سمجھتے تھے کہ انہوں نے معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی معاف ہوگیا۔

آج بھی بہت سے ناواقف مسلمان اس طرح سے غلط اور خام عقیدے رکھتے ہیں، جو سراسر غلط ہیں، کوئی عالم یا مرشد پیر، فقیر، مجاور، کسی کے گناہ کو معاف نہیں کرسکتا، زیادہ سے زیادہ دعا کرسکتا ہے۔ معاف تو صرف ”اَلتَّوَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ ہی کرسکتا ہے۔

دلیل نمبر ۱: جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾[3]

تَرْجَمَۃ: ”اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو وہ (سب) جانتا ہے۔“

دلیل نمبر ۲: ﴿غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ﴾[4]

”وہ گناہوں کا ڈھانک دینے والا ہے، اور توبہ کو قبول کرنے والا ہے۔“

قرآن مجید میں دس مقامات پر اسم ”التواب“ آیا ہے، سورۂ نور میں: ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ﴾[5] ہے، باقی آٹھ مقامات پر ”تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ“ ہے اور ایک جگہ صرف ”تَوَّابًا“ ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا توبہ قبول فرمانا رحم کی وجہ سے ہے اور رحمِ الٰہی ہی اللہ تعالیٰ کا حکیم ہونا ظاہر کر رہا ہے۔

---

[1] الانبیاء: ۸۷
[2] تفسیر قرطبی: ۱/۲۶۹، البقرۃ: ۳۷
[3] شوریٰ: ۲۵
[4] المؤمن: ۳
[5] النور: ۱۰

اللہ تعالیٰ کا سراپا رحمت، سراپا رحم ہونا مسلم ہے، لہٰذا اس کا توبہ پذیر ہونا بھی ضروری ہوا "التَّوَّابُ"، جو اسم پاک ہے اس کے معنی خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں۔

گناہ چھوڑنے کا آسان نسخہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ [1]

تَرجَمَہ: "مگر جو توبہ کریں اور اپنے عمل کی اصلاح کرلیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے مہربان ہیں۔"

ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہئے کہ گناہوں کو اللہ تعالیٰ سے معاف کروانے کے لئے توبہ کرے، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے، رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: "كُلُّ بَنِي اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ"[2]

تَرجَمَہ: "آدم (عَلَيْهِ السَّلَامُ) کی تمام اولاد خطا کار ہے، مگر بہترین خطا کار توبہ کرنے والے ہیں۔"

حضرت علی مرتضیٰ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ فرماتے ہیں: مجھ سے ابوبکر رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے بیان فرمایا: (جو بلاشبہ صادق و صدیق ہیں) میں نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے سنا، آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرماتے تھے: "جس شخص سے کوئی گناہ ہو جائے پھر وہ اٹھ کر وضو کرے، پھر نماز پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور معافی طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتا ہے۔" اس کے بعد آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪ۚ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ [3]

تَرجَمَہ: "اور وہ بندے (جن کا حال یہ ہے) کہ جب ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے، یا کوئی برا کام کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں، تو جلد ہی انہیں اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے، اور وہ اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت اور معافی کے طالب ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے گناہوں کا معاف کرنے والا ...... اور وہ دیدہ و دانستہ اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے۔" [4]

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اس حدیث میں یہ بتایا ہے: اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور معافی حاصل کرنے کا بہترین اور یقینی طریقہ یہ ہے کہ بندہ وضو کر کے پہلے دو رکعت نماز پڑھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش اور معافی طلب کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی بخشش کا فیصلہ فرما دے گا۔

[1] الفرقان: ۷۰
[2] ترمذی، صفة القيامة، باب في استعظام المؤمن، رقم: ۲۴۹۹
[3] اٰل عمران: ۱۳۵
[4] ترمذی، الصلاة، ماجاء في الصلوة عند التوبة: ۹۲/۱

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کا ایک وعظ ''ملت ابراہیم'' کے نام سے چھپا ہوا ہے۔ اس میں کم ہمتوں کے لئے ایک طریقۂ علاج تجویز فرمایا ہے، وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے، اگر اس پر عمل کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد زندگی میں انقلاب آجائے گا اور گناہ چھوٹنے لگیں گے اور سچی توبہ کی توفیق نصیب ہوگی۔

دو رکعت نفل نماز توبہ کی نیت سے پڑھ کر یہ دعا مانگو:

''اے اللہ! میں آپ کا سخت نافرمان بندہ ہوں، میں فرماں برداری کا ارادہ کرتا ہوں، مگر میرے ارادے سے کچھ نہیں ہوتا، اور آپ کے ارادے سے سب کچھ ہوسکتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ میری اصلاح ہو مگر ہمت نہیں ہوتی، آپ ہی کے اختیار میں ہے میری اصلاح۔

اے اللہ! میں سخت نالائق ہوں، سخت گنہگار ہوں، میں تو عاجز ہو رہا ہوں، آپ ہی میری مدد فرمایئے، میرا قلب ضعیف ہے، گناہوں سے بچنے کی قوت نہیں، آپ ہی قوت دیجئے۔ میرے پاس کوئی سامانِ نجات نہیں، آپ ہی غیب سے میری نجات کا سامان پیدا کر دیجئے، اے اللہ! جو گناہ میں نے اب تک کئے ہیں انہیں اپنی رحمت سے معاف فرمایئے۔''

اسی طرح روزانہ اپنے گناہوں کی معافی اور عجز کا اور اپنی اصلاح کی دعا، اور اپنی نالائقی کو خوب اپنی زبان سے کہہ لیا کرو۔ صرف دس منٹ روزانہ یہ کام کرلیا کرو۔ آپ دیکھیں گے کہ کچھ دن بعد ان شاء اللہ تعالیٰ غیب سے ایسا سامان ہوگا کہ ہمت قوی ہو جائے گی، شان میں بھی بٹہ نہ لگے گا، دشواریاں بھی پیش نہ آئیں گی۔ غرض غیب سے ایسا سامان ہو جاوے گا کہ جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔[1]

توبہ کے فوائد

ہر انسان سے غلطی سرزد ہوتی ہے، لیکن جیسے ہی غلطی سرزد ہو تو اس کو توبہ کرنی چاہئے اور توبہ کے یہ نتائج ہوں گے:

1. انسان بہترین اعمال میں ترقی کرے گا۔
2. محاسنِ اخلاق میں برابر بڑھتا رہے گا۔
3. اس کا مستقبل اس کے ماضی سے زیادہ شان دار ہوگا۔
4. وہ تدارکِ مافات کے اصول پر تھوڑی عمر میں اعمالِ خیر کا وافر حصہ جمع کر لے گا۔

یہ تمام برکات توبہ سے حاصل ہوں گی۔[2]

بے چینی و پریشانی سے نجات کا مستند علاج

واقعہ نمبر (۶۲): حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک شخص نے آکر قحط سالی کی شکایت کی، تو

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے ''مستند مجموعہ وظائف'' مطبوعہ بیت العلم ٹرسٹ: ۱۸۳ [2] شرح اسماء حُسنیٰ: ۱۴۶ (منصور پوری)

انہوں نے اس سے فرمایا: ''استغفار کرو۔'' یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو۔

دوسرے شخص نے غربت وافلاس کی شکایت کی تو اس سے فرمایا: ''استغفار کرو۔''

تیسرا ایک آدمی آیا، اس نے نرینہ اولاد کے لئے دعا کی درخواست کی، فرمایا: ''استغفار کرو۔''

چوتھے شخص نے آکر اپنے باغ کے خشک ہو جانے کا ذکر کیا تو آپ نے اس سے بھی فرمایا: ''استغفار کرو۔''

ان سے پوچھا گیا: آپ کے پاس چار آدمی الگ الگ شکایت لے کر آئے اور آپ نے سب کو استغفار کا حکم دیا، حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا: ''میں نے اپنی طرف سے تو کوئی بات نہیں بتلائی، خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ نوح میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝١٠ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝١١ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا﴾[1]

تَرجَمہ: ''اپنے رب سے گناہوں کی معافی طلب کرو، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے، آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا، تمہارے اموال اور بیٹوں میں اضافہ کرے گا اور تمہارے لئے باغ اور نہریں بنائے گا۔''[2]

ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے (۱) موسلا دھار بارش .... (۲) مال .... (۳) اولاد میں اضافہ .... (۴) اور باغات ونہروں کی فراوانی .... کی نعمتوں کو استغفار کے نتیجے کے طور پر ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ استغفار کی کثرت ان نعمتوں کی وصول یابی کا سبب بنتی ہے، حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اسی لئے مختلف شکایتوں والے چاروں اشخاص کو استغفار کا حکم دیا۔

امام قرطبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے ان آیات کے تحت لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ استسقاء یعنی بارش طلب کرنے کے لئے شہر سے نکلے اور نمازِ استسقاء ادا کرنے کی بجائے صرف استغفار پڑھ کر واپس آئے اور بارش ہوگئی، لوگوں نے پوچھا: ''آپ نے بارش کے لئے دعا نہیں کی، (صرف استغفار کیا تھا)۔''

آپ نے فرمایا: ''میں نے تو زبردست موسلا دھار برسنے والے بادلوں کو مانگا تھا'' اور پھر یہ آیت پڑھی:

﴿اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝١٠ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝١١﴾[3]

سحری کے وقت گناہوں کی معافی مانگنے کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دو آیتوں میں سحری کے وقت استغفار کی فضیلت بتلائی ہے۔

﴿وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾[4] (یعنی مؤمنین متقین سحر کے وقت اپنے گناہوں سے استغفار کرتے ہیں)

[1] نوح: ۱۰، ۱۱، ۱۲ [2] تفسیر قرطبی: ۲۲۲/۹، نوح: ۱۰ تا ۱۲ [3] قرطبی: ۲۲۱/۹، نوح: ۱۰ تا ۱۲ [4] الذّٰریٰت: ۱۸

اسحار، سحر کی جمع ہے، رات کے آخری چھٹے حصے کو سحر کہا جاتا ہے، اس آخری حصۂ شب میں استغفار کرنے کی فضیلت اس آیت میں بھی ہے اور دوسری آیت ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ﴾[1] (اور پچھلی رات کو بخشش مانگنے والے ہیں) جو طمانیت و اجابت کا وقت ہوتا ہے، اس وقت اُٹھ کر اپنے رب سے گناہ اور تقصیرات معاف کراتے ہیں۔ صحاح حدیث کی سب کتابوں میں یہ حدیث مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کو آخری تہائی حصہ میں آسمانِ دنیا پر نزول اجلال فرماتے ہیں، (جو ان کی شان کے مناسب ہے، اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں) اور اعلان فرماتے ہیں: ہے کوئی توبہ کرنے والا جس کی میں توبہ قبول کروں، ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں۔[2]

یہاں ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ اس استغفار سحری میں ان متقین کا بیان ہو رہا ہے جن کا حال اس سے پہلی آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں، بہت کم سوتے ہیں، ان حالات میں استغفار کرنے کا بظاہر کوئی جوڑ معلوم نہیں ہوتا، کیوں کہ طلبِ مغفرت تو گناہ سے کی جاتی ہے، جن لوگوں نے ساری رات عبادت میں گزار دی وہ آخر میں استغفار کس گناہ سے کرتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ ان حضرات کو چوں کہ حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے، اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان کو پہچانتے ہیں اور اپنی ساری عبادت کو اس کے شایانِ شان نہیں دیکھتے، اس لئے اپنی اس تقصیر و کوتاہی سے استغفار[3] کرتے ہیں۔[4]

بندے کو چاہئے کہ ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے مغفرت طلب کرتا رہے:

"اَللّٰهُمَّ لَا بَرَآءَةَ لِيْ مِنْ ذَنْبٍ فَاَعْتَذِرُ وَلَا قُوَّةَ لِيْ فَانْتَصِرُ ..... وَلٰكِنِّيْ مُذْنِبٌ وَّمُسْتَغْفِرٌ"

تَرجَمَہ: "اے اللہ! مجھے گناہوں سے چھٹکارا نہیں تو میرا عذر قبول فرما اور میری کوئی طاقت نہیں تو میری مدد فرما۔

---

[1] اٰل عمرٰن: ۱۷ [2] ابن کثیر: ۳۸۳/۳، اٰل عمرٰن: ۱۷

[3] حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول استغفار کی ستر دعائیں مع ستر درود شریف تہجد کے وقت مانگنے کے لئے (خصوصاً رمضان المبارک کی راتوں میں اور ذی الحجہ کی دس راتوں میں) بہت ہی مفید ہے، یہ ستر استغفار ملا علی قاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی "اِرْشَادُ السَّارِی الی مَنَاسِك ملا علی القاری" کے اخیر میں ہے، بندہ نے ان دعاؤں کا اردو ترجمہ استغفار کی ستر دعائیں مع ستر درود شریف کے نام سے چھاپ دیا ہے اور انگریزی میں اس کا ترجمہ (SEVENTY DUAS OF ISTIGHFAR.) کے نام سے چھپ چکا ہے اور کتاب مستند مجموعہ وظائف جو بیت العلم ٹرسٹ اردو بازار کراچی سے شائع ہوئی ہے اس میں بھی موجود ہے، آپ ضرور اس کو مانگیں ان شاء اللہ تعالیٰ بہت فائدہ ہوگا اور اعتکاف ...... سفر حج وعمرہ میں ...... یا جماعت کے سفر میں ...... خصوصاً تہجد کے وقت ...... ان استغفارات کے ذریعہ اپنے گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کی لذت آپ خود بھی محسوس فرمائیں گے۔ اسی طرح مصیبتوں اور پریشانیوں میں ان استغفارات کے ذریعے اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر بلاؤں اور ناگہانی آفتوں کو دور کیا جاسکتا ہے۔ بے چینی، بے قراری، اُلجھن، ٹینشن دور کرنے کے لئے بھی یہ استغفارات نہایت ہی مفید ہیں۔ ہر بھائی/بہن سے ان استغفارات کو پڑھ کر گناہوں کی معافی مانگنے کی سفارش کی جاتی ہے یہ کتاب ہر معیاری کتابوں کی دکان سے مل سکتی ہے، ورنہ ہم سے براہ راست طلب فرمالیں۔

[4] تفسیر مظھری: ۸۲/۹، اٰل عمرٰن: ۱۷

البتہ میں گناہ گار ہوں، مغفرت کا طلب گار ہوں۔“ [1]

فوائدونصائح

❶ بندے کو چاہئے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے: ”التَّوَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کے پاس جو تائب ہو کر جاتا ہے اسے وہ کبھی بھی ذلیل نہیں فرماتے، اس گناہ گار کی تمام خطاؤں کو معاف فرماتے ہیں اور سچی توبہ کرنے والوں کو ایسا پاک کرتے ہیں گویا ابھی دنیا میں جنم لیا ہو۔

❷ ”التَّوَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ اپنے بندے پر رحم فرماتے ہیں اور اس کی توبہ قبول کرتے ہیں حتیٰ کہ غضب کے وقت بھی، اس لئے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔

❸ توبہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ: اللہ رب العزت کے سامنے اپنے گناہوں پر نادم ہو اور آئندہ نہ کرنے کا عزم ہو۔ اپنے گناہوں پر جواز پیش نہ کرے بل کہ، یوں کہے:

”اے اللہ! نہ تو میرے پاس گناہوں کا کوئی عذر ہے اور نہ گناہوں سے انکار ہے اور نہ ہی میرے پاس کوئی طاقت ہے کہ گناہوں کی سزا سے بچ سکوں، ہاں اعتراف و اقرار ہے کہ میں گناہ گار ہوں اور معافی اور بخشش کا طالب ہوں …… اے اللہ! اے کریم! مجھے معاف کر دے۔“

یہ یقین بھی رکھے کہ توبہ کا قبول کرنے والا ”التَّوَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کے علاوہ کوئی نہیں، نہ کوئی پیر، نہ کوئی ولی، نہ کوئی پیغمبر اور نہ ہی کوئی بزرگ، لہٰذا اسی کے در پر جائے۔

---

[1] منهج الامام ابن قيم الجوزيه: ٤٤٠

المنتقم جل جلالہٗ

(بدلہ لینے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلْمُنْتَقِمُ أَيِ الْمُعَاقِبُ لِلْعُصَاةِ عَلٰی مَكْرُوْهَاتِ أَفْعَالِهِمْ"[1]

ترجمہ: "المنتقم جل جلالہٗ وہ ذات ہے جو اپنے نافرمان بندوں کو اُن کے ناپسندیدہ افعال پر سزا دے۔"

❷ "اَلْمُنْتَقِمُ: هُوَ الَّذِيْ يُبَالِغُ فِي الْعُقُوْبَةِ لِمَنْ شَاءَ."[2]

ترجمہ: "المنتقم جل جلالہٗ وہ ذات ہے جو کسی سے انتقام لینا چاہے تو انتہائی سخت گرفت فرماتا ہے۔"

"اللہ ربُّ العزت کی شانِ انتقام یہ ہے کہ وہ اپنے نافرمان بندوں کو ان کے ناپسندیدہ کاموں پر سزا دیتے ہیں۔" یہ وصف اللہ ربُّ العزت کے حق میں صفتِ حمیدہ ہے۔ بندوں کے حق میں صفتِ انتقام اس صورت میں قابلِ ستائش ہے جب کہ ان کا انتقام اللہ ربُّ العزت کی رضا جوئی کے لئے ہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے دشمنوں سے ہو اور انسان کا حقیقی دشمن اس کا نفس ہے۔ یہی سب سے زیادہ قابلِ مواخذہ ہے، لہٰذا جب بھی نفس سرکشی کرے، اسے سزا دینی چاہئے اور اس کی سزا یہ ہے کہ اس کے خلاف عمل کیا جائے۔

"المنتقم جل جلالہٗ" ظالم سے دنیا ہی میں انتقام لے لیتے ہیں

دنیا میں ایسے ایسے عجیب وغریب واقعات انتقامِ خداوندی کے ہوئے ہیں کہ دل لرز جاتا ہے، فرعون پانی میں غرق ہوا، قارون زمین میں دھنسایا گیا، نمرود مچھر کے کاٹنے سے مرا، کسریٰ کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کیا، ہلاکو خان پاگل ہو کر مرا، ہٹلر کا برا انجام ہوا، ایران کے پرانے اور نئے بادشاہ کا انجام سب کے سامنے ہے۔ عموماً ہر بستی، ہر شہر، ہر قریہ اور ہر دور میں ظلم کرنے والوں کے ایسے واقعات رونما ہوتے رہے ہیں جو عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے کافی ہوتے ہیں، اور اندھے لوگ انہیں اتفاقات سمجھتے ہیں۔

---

[1] مرقاۃ: کتاب اسماء اللّٰہ تعالیٰ: ۵/۹۸ [2] شان الدعا: ۹۰

واقعہ نمبر (۶۳): مشہور مصنف مولوی محمد یحییٰ تنہا، بڑے ہی متقی پرہیز گار آدمی تھے، انہوں نے اور ان کے دوست نے مل کر ایک کوٹھی الاٹ کرائی، وہ دوست نیچے رہا اور مولوی صاحب کو اوپر کا حصہ دے دیا، کچھ دنوں کے بعد اس دوست کا انتقال ہوگیا اور اس کا ایک بیٹا جو شرابی تھا اس بات کے در پے ہوگیا کہ ان مولوی صاحب کو اوپر کے حصہ سے نکال دے، لہٰذا زبردستی ان کا سامان پھینک کر اوپر کے کچھ حصہ پر قابض ہوگیا، مولوی صاحب نے مقدمہ دائر کر دیا تو مقدمہ اور اپیل ہر جگہ سے ہار گئے کیوں کہ فریقِ ثانی مجسٹریٹوں کو رشوت و شراب پہنچا دیتا تھا۔

پھر دو خطرناک کتے اس نے ان کے زینے کے اِدھر اُدھر بندھوا دیئے، غرض بری طرح ان کو تنگ کیا، مولوی صاحب اور اُن کے بیٹے بڑے ہی شریف تھے سب کچھ جھیلتے رہے، اچانک اس کا جوان بھائی اپنے ٹرک کے الٹ جانے سے دب کر مر گیا، تب مولوی صاحب کی جان چھوٹی، اس کی ماں، بہنوں اور بیوی نے کہا کہ یہ ان کا صبر ہم پر پڑا ہے کہ ہم نے انہیں رات دن طرح طرح سے ستایا اور دوست احباب کا آنا جانا تک بند کر دیا۔

والدین کی ناقدری، نافرمانی پر دنیا ہی میں ''اَلْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی پکڑ

واقعہ نمبر (۶۴): سیالکوٹ کے ایک مالی کا بیٹا بڑھتے بڑھتے آگرہ کالج کا پرنسپل ہوگیا، میٹرک وغیرہ پاس کرنے کے بعد ماں باپ کو پتہ نہ چلا کہ کہاں گیا۔ باٹنی میں لندن سے پی ایچ ڈی کر کے آیا اور بڑی جگہ شادی کی۔

ماں باپ تو ٹوہ میں رہتے ہی تھے پتہ چلا کہ وہ بڑا آدمی ہوگیا ہے اور آگرہ میں پرنسپل ہے، وہ بصد اشتیاق اس کی کوٹھی پر پہنچ گئے، تو اس نے انہیں اپنے چپڑاسی کی کوٹھڑی میں ٹھہرایا اور پھر نکال دیا۔

آگرہ کے ایک بڑے مال دار گھرانے کے لیکچرار سے ناچاقی ہوگئی، تو اس لیکچرار نے آگرہ کے قصابوں سے اس کے ہاتھ پاؤں تڑوا دیئے، گورنمنٹ نے بڑے علاج معالجے کرائے مگر آرام نہ آیا، انڈیا کا یہ مشہور ماہرِ نباتات آگرہ کی سڑکوں پر بھیک مانگتا پھرا کرتا تھا، شاید مہتہ اس کا نام تھا۔

''اَلْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی قدرت کا کرشمہ

واقعہ نمبر (۶۵): ابھی چند سال ہوئے ملک کا ایک مشہور ماہرِ دماغ سرجن کا بیٹا اس سرجن صاحب سے ملنے ہسپتال آرہا تھا کہ ایکسیڈنٹ ہوا اور سر پھٹ گیا، لوگ اسے ہسپتال لے گئے۔

ہسپتال کے عملے نے کہا: ''ڈاکٹر صاحب! دماغی آپریشن کا کیس آیا ہے چل کر آپریشن کر دیجیے۔'' کہنے لگا: ''فیس کون دے گا؟'' عملے نے کہا: ''یہ تو ایک حادثہ کا شکار ہے لوگ پہنچا گئے ہیں وارث معلوم نہیں کون ہیں؟''

اس نے انکار کر دیا...... اور مزے سے اپنے کمرے میں بیٹھا رہا جب وہ مر گیا تو پتا چلا کہ اس کا اپنا ہی بیٹا تھا۔ اللہ

تعالیٰ نے اس سے انتقام لے لیا کہ فیس کو اہمیت دی انسانی جان کو نہیں، دولت مقصد بنایا، انسانی خدمت نہیں۔

یہ جو آثارِ قدیمہ والے مختلف ممالک میں ہزاروں سال پہلے کے بڑے بڑے شہر کھود کر نکالتے ہیں یہ عبرت گاہیں انتقامِ الٰہی کے نمونے ہیں۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو یہ حالات سنا کر تنبیہ کی ہے سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا۔'' [1]

سورۂ فجر میں ارشاد فرمایا:

''کیا تم نے نہیں دیکھا اللہ تعالیٰ نے عاد کے ساتھ کیسا کیا، اِرم کے ساتھ کیا کیا جنھوں نے بڑے بڑے ستونوں والے محلات اور باغات بنائے تھے کہ ان جیسی عمارتیں کہیں بھی نہ تھیں اور ثمود کو جنھوں نے وادی میں پہاڑوں کی چٹانیں کھود کر محلات بنائے تھے، اور فرعون کو جو بڑے بڑے ستونوں والا تھا، جنھوں نے بڑی سرکشی کی تھی اور فساد برپا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔'' [2]

اگر وہ'' المنتقم جل جلالہ'' نہ ہوتا تو دنیا بالکل بے لگام ہو جاتی، انتقام میں یہی حکمت ہے۔ ؎

ہم نے دیکھے ہیں زمانے میں بہت سے انقلاب ۔۔۔ اہلِ دولت سے کہو اتنا نہ اترایا کریں
نہ جا اس کے تحمل پر کہ بے ڈھب ہے گرفت اس کی ۔۔۔ ڈر اس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا [3]

قدرت کا انتقام

واقعہ نمبر (۶۶): ایک بزرگ فرماتے ہیں: میں ایک مرتبہ طواف کر رہا تھا، کہ میں نے ایک عورت کو دیکھا جس کے کاندھے پر ایک بچہ بہت کم سن بیٹھا ہے اور وہ یہ ندا کر رہی ہے، اے کریم! اے کریم! تیرا گزرا ہوا زمانہ (یعنی کیسا موجب شکر ہے) میں نے پوچھا: وہ کیا چیز ہے جو تیرے اور مولیٰ کے درمیان گزری، کہنے لگی: میں ایک مرتبہ کشتی پر سوار تھی اور تاجروں کی ایک جماعت ہمارے ساتھ تھی، طوفانی ہوا ایسے زور سے آئی کہ وہ کشتی غرق ہوگئی اور سب کے سب ہلاک ہوگئے میں اور یہ بچہ ایک تختہ پر رہ گئے اور ایک حبشی آدمی دوسرے تختہ پر، ہم تین کے سوا کوئی بھی ان میں سے نہ بچا۔

جب صبح کا چاندنا ہوا تو اس حبشی نے مجھے دیکھا اور پانی کو ہٹاتا ہوا میرے تختہ کے پاس پہنچ گیا اور جب اس کا تختہ میرے تختے کے ساتھ مل گیا تو وہ بھی میرے تختہ پر آگیا اور مجھ سے بری بات کی خواہش کرنے لگا۔

میں نے کہا: اللہ تعالیٰ سے ڈر! ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں، اس سے خلاصی اس کی بندگی سے بھی مشکل ہو رہی ہے چہ جائے کہ گناہ ایسی حالت میں کریں۔

---

[1] الأعراف: ٤ [2] الفجر: ٦ تا ١٣ [3] شرح اسماء الحسنٰی (الازھری): ٤٦٥، ٤٦٦

کہنے لگا: ان باتوں کو چھوڑ، اللہ تعالیٰ کی قسم یہ کام ہو کر رہے گا، یہ بچہ میری گود میں سو رہا تھا میں نے چپکے سے ایک چٹکی اس کے بھر لی جس سے یہ ایک دم رونے لگا، میں نے اس سے کہا: اچھا ذرا ٹھہر جا! میں اس بچہ کو سلا دوں پھر جو مقدر میں ہوگا ہو جائے گا۔

اس حبشی نے اس بچہ کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس کو سمندر میں پھینک دیا میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

"يَا مَنْ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ حُلْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ هٰذَا الزَّنْجِيِّ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ"

"اے وہ پاک ذات! جو آدمی کے اور اس کے دلی ارادہ میں بھی حائل ہو جاتی ہے میرے اور اس حبشی کے درمیان تو ہی اپنی طاقت اور قدرت سے جدائی کر، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی قسم! ان الفاظ کو پورا بھی نہ کرنے پائی تھی کہ سمندر سے ایک بہت بڑے جانور نے منہ کھولے ہوئے سر نکالا اور اس حبشی کا ایک لقمہ بنا کر سمندر میں گھس گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے محض اپنی طاقت اور قدرت سے اس حبشی سے بچایا۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے، پاک ہے، اس کی بڑی شان ہے، اس کے بعد سمندر کی موجیں مجھے تھپیڑتی رہیں یہاں تک کہ وہ تختہ ایک جزیرہ کے کنارہ سے لگ گیا، میں وہاں اتر پڑی اور یہ سوچتی رہی کہ یہاں گھاس کھاتی رہوں گی، پانی پیتی رہوں گی جب تک اللہ تعالیٰ کوئی سہولت کی صورت پیدا کرے اسی کی مدد سے کوئی صورت ہو سکتی ہے۔

چار دن مجھے اس جزیرہ میں گزر گئے، پانچویں دن مجھے ایک بڑی کشتی سمندر میں چلتی ہوئی نظر آئی میں نے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر اس کشتی کی طرف اشارہ کیا اور کپڑا جو میرے اوپر تھا اس کو خوب ہلایا، اس میں سے تین آدمی ایک چھوٹی سی ناؤ پر بیٹھ کر میرے پاس آئے، میں ان کے ساتھ اس ناؤ پر بیٹھ کر اس کشتی پر پہنچی تو میرا یہ بچہ جس کو حبشی نے سمندر میں پھینک دیا تھا ان میں سے ایک آدمی کے پاس تھا، میں اس کو دیکھ کر اس پر گر پڑی، میں نے اس کو چوما گلے سے لگایا اور کہا: یہ میرا بچہ ہے میرا جگر پارہ ہے، وہ کشتی والے کہنے لگے:

تو پاگل ہے تیری عقل ماری گئی ہے، میں نے کہا: نہ میں پاگل، نہ میری عقل ماری گئی، میرا عجیب قصہ ہے۔

پھر میں نے ان کو اپنا واقعہ سنایا، یہ ماجرا سن کر سب نے حیرت سے سر جھکا لیا اور کہنے لگے: تو نے بڑی حیرت کی بات سنائی اور اب ہم تجھے ایسی ہی بات سنائیں جس سے تجھے تعجب ہوگا، ہم اس کشتی میں بڑے لطف سے چل رہے تھے، ہوا موافق تھی اتنے میں ایک جانور سمندر کے پانی کے اوپر آیا اس کی پشت پر یہ بچہ تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک غیبی آواز ہم نے سنی:

"اگر اس بچہ کو اس جانور کی پشت پر سے اٹھا کر اپنے ساتھ نہ لیا تو تمہاری کشتی ڈبو دی جائے گی"

ہم میں سے ایک آدمی اٹھا اور اس بچہ کو اس جانور کی پشت پر سے اٹھا لیا اور وہ جانور پھر پانی کے اندر چلا گیا۔

تیرا واقعہ اور یہ واقعہ دونوں بڑی حیرت کے ہیں اور اب ہم سب عہد کرتے ہیں کہ آج کے بعد سے اللہ تعالیٰ ہمیں

کبھی کسی گناہ پر نہ دیکھے گا۔

اس کے بعد ان سب نے توبہ کی، وہ پاک ذات کتنی مہربان ہے بندوں کے احوال کی خبر رکھنے والی ہے، بہترین احسانات کرنے والی ہے، وہ پاک ذات مصیبت زدوں کی مصیبت کے وقت مدد کو پہنچنے والی ہے۔[۱]

آہ جاتی ہے فلک پہ رحم لانے کے لئے

وَاقِعَہ نمبر (۶۷): حافظ ابن کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اپنی تفسیر میں بھی اسی طرح کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ دمشق میں ایک آدمی اپنا گدھا سواری کے لئے اجرت پر دے کر گزر بسر کرتا تھا، ایک دن ایک شخص نے آکر کہا: فلاں جگہ جانا ہے، مجھے لے چلو، اس نے اس شخص کو بٹھا کر چلنا شروع کیا تو وہ ایک ویران راستہ سے جانے کے لئے کہنے لگا، گدھے کے مالک نے کہا: کہ یہ راستہ مجھے نہیں معلوم، وہ شخص کہنے لگا: ''مجھے معلوم ہے، یہ راستہ قریب پڑتا ہے۔''

جب اس راستے سے کچھ آگے بڑھے تو ایک خطرناک وادی آئی، وہ شخص گدھے سے اترا اور خنجر نکال کر سواری کے مالک کو اس نے قتل کرنے کا ارادہ کیا، اس بے چارے نے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہا: گدھا اور اس پر جو کچھ ہے سب لے لو مجھے چھوڑ دو لیکن وہ نہیں مانا، کہا کہ وہ تو لینا ہی ہے مگر تم کو بھی قتل کروں گا، اس نے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت مانگی، ڈاکو نے کہا: ''جلدی پڑھو۔''

سواری کے مالک کا بیان ہے کہ میں نماز کے لئے کھڑا ہوا تو خوف کی وجہ سے جو کچھ تھا سب بھول گیا، قرآن کا ایک حرف بھی حافظہ میں نہیں رہا، اچانک میری زبان پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت جاری فرمائی:

﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾[۲]

تَرجَمَہ: ''کون ہے جو پریشان حال لوگوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور ان کی تکلیف کو دور کرتا ہے۔''

اتنے میں ایک شہسوار آیا، اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا، نیزہ اس نے ڈاکو کے سینے میں دے مارا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا، میں نے شہسوار سے اس کا تعارف پوچھا تو وہ کہنے لگا:

''میں اسی ذات کا بندہ ہوں جو پریشان حال کی دعا سنتی اور مصیبت دور کرتی ہے۔''[۳]

---

[۱] موت کا منظر: دوسرا حصہ ۱۵۷

انسان پر دنیا میں کوئی نہ کوئی مصیبت اور پریشانی ضرور آتی ہے، لیکن انسان کو اس پر صبر کرنا چاہئے، پریشانی کے بعد راحت ضرور آتی ہے، اسی موضوع پر بیت العلم ٹرسٹ کے مولانا خلیل صاحب نے الفرج بعد الشدۃ کا اردو ترجمہ ''پریشانی کے بعد راحت'' کے نام سے کیا ہے مستند واقعات و قصص پر مبنی ایک نادر کتاب شائع کی ہے اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔ اسی طرح ''پریشان ہونا چھوڑ دیجئے'' بندہ کی کتاب ہے یہ بھی اس موضوع پر الحمد للہ کافی تسلی و تشفی کا ذریعہ ہے جو مکتبہ دار الہدیٰ کراچی سے یا کسی بھی مستند کتب خانہ سے مل سکتی ہے۔

[۲] النمل: ٦٢ [۳] تفسیر ابن کثیر: ٦٧٧/٢، النمل: ٦٢

واقعتاً اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا جلد قبول فرماتے ہیں، مصیبت زدہ اور مظلوم کی آہ جب بلند ہوتی ہے تو اس کی قبولیت میں دیر نہیں لگتی۔

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لئے بادلو! ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لئے

اَلْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ مظلوموں کو حق دلوانے والے

حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنے ایک گورنر کو خط لکھا:

”أَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ أَمْكَنَتْكَ الْقُدْرَةُ مِنْ ظُلْمِ الْعِبَادِ، فَإِذَا هَمَمْتَ بِظُلْمِ أَحَدٍ فَاذْكُرْ قُدْرَةَ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَاعْلَمْ أَنَّكَ لَا تَأْتِي إِلَى النَّاسِ شَيْئًا إِلَّا كَانَ زَائِلًا عَنْهُمْ بَاقِيًا عَلَيْكَ وَاعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اٰخِذٌ لِّلْمَظْلُوْمِيْنَ مِنَ الظَّالِمِيْنَ. وَالسَّلَامُ“[1]

تَرجَمَہ: ”حمد وصلوٰۃ کے بعد! تمہیں بندوں پر ظلم کرنے کی قدرت حاصل ہوگئی ہے، لیکن جب بھی کسی شخص پر ظلم کرنے کا ارادہ کرو تو یہ سوچ لیا کرو کہ اللہ تعالیٰ کو تم پر کتنی قدرت حاصل ہے! اور یاد رکھو کہ تم عام لوگوں پر جو آفت بھی مسلط کرو گے وہ ان سے تو ایک نہ ایک دن ٹل جائے گی لیکن تمہارے اعمال نامے میں ہمیشہ باقی رہے گی اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ظالموں سے مظلوموں کا حق لے کر رہے گا۔ والسلام۔“

اللہ ربُّ العزت نے دنیا کو عمل کی جگہ اور آخرت کو بدلہ کی جگہ بنایا ہے لیکن مشاہدہ ہے کہ اعمالِ بد کی نحوست انسان کو اس دنیا میں بھی دیکھنی پڑتی ہے، اس قہار و غالب ”اَلْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی شانِ انتقامی بھی بڑی عجیب ہے، انتقام لینے پر آئے تو انسان کے وہم و گمان سے بھی ہٹ کر اس کی پکڑ ہے۔ انسان کی حفاظت کے اسباب ہی اس کی پکڑ کے اسباب بن جاتے ہیں، اس کے اپنے ہی غیر بن جاتے ہیں۔ اس کے چوکیدار، ملازم، خدام ہی اس کی ہلاکت کا ذریعہ بن جاتے ہیں، لہٰذا ہمیں ظلم سے بہت ہی بچنا چاہیے کہ کسی پر ہماری طرف سے ظلم نہ ہو۔[2]

”اَلْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ انتقام لینے پر آئے تو کنکر کو بم بنا دے

”اَلْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ مکر و تدبیر سے کہیں تیز اور سریع الاثر ہے، وہ مجرم کی باگ اتنی ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے کہ مجرم کو نشہ

---

[1] احياء العلوم للغزالي، بحث توبه: ٤/٥٠

[2] ظالم کو ظلم سے بچانے اور مظلوم کو تسلی دینے کے لئے بیت العلم ٹرسٹ نے ”مظلوم کی آہ“ کے نام سے ایک عبرت آموز کتاب شائع کی ہے جو مظلوموں کے ساتھ پیش آئے ہوئے عجیب وغریب اور مستند واقعات پر مشتمل ہے۔ ہر شخص سے اس کے مطالعہ کی سفارش کی جاتی ہے کہ یہ کتاب ”اَلْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی قدرت سمجھنے میں مدد دے گی، اسی طرح غیر ارادی طور پر بھی جو کسی پر ظلم ہو جاتا ہے، اس سے بچنے میں مدد کرے گی، اسی طرح ظلم ہونے کے بعد معافی مانگنے کی جرأت پیدا کرے گی۔

غفلت میں چور ہوکر سزا کا تصور تک نہیں آتا، جب بدبختی کا پیمانہ لبریز ہوجاتا ہے تو اچانک پکڑ کر کام تمام کردیتا ہے، لہٰذا عاقل کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی نرمی، بردباری، اور خوش کن حالات کو دیکھ کر یہ نہ بھولے کہ جب وہ ذات مجرموں سے بدلہ لینے کا ارادہ فرمالے تو وہ کسی سبب کی محتاج نہیں، ان کے اپنے ہی اسباب حفاظت اسباب ہلاکت میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ایسے بے شمار واقعات بیان ہوئے ہیں۔ کہ "المنتقم جل جلالہٗ" نے جب انتقام کا ارادہ فرمایا تو اسباب حفاظت کو ہی اسبابِ ہلاکت میں تبدیل کردیا اور بہت بڑی بڑی فوجوں کو اپنی مخلوق میں سے چھوٹی سے چھوٹی مخلوق کے ذریعے ہلاک کردیا۔

واقعہ نمبر ۶۸: امامِ حدیث و تاریخ ابنِ کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح نقل فرمایا ہے: یمن پر ملوک حمیر کا قبضہ تھا یہ لوگ مشرک تھے ان کا آخری بادشاہ ذونواس ہے، جس نے اس زمانے کے اہلِ حق یعنی نصاریٰ پر شدید مظالم کئے، اُسی نے ایک لمبی چوڑی خندق کھدوا کر اُس کو آگ سے بھرا اور جتنے نصرانی بت پرستی کے خلاف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے تھے سب کو اس آگ کی خندق میں ڈال کر جلا دیا۔ جن کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی۔ یہی وہ خندق کا واقعہ ہے جس کا ذکر **اَصْحَابُ الْاُخْدُوْد** کے نام سے سورۂ بروج میں آیا ہے۔

ان میں دو آدمی کسی طرح اس کی گرفت سے نکل بھاگے اور انہوں نے قیصر ملک شام کے بادشاہ سے جا کر فریاد کی کہ ذونواس ملک حمیر نے نصاریٰ پر ظلم کیا ہے، آپ ان کا انتقام لیں۔ قیصر ملک شام نے بادشاہ حبشہ کو خط لکھا یہ بھی نصرانی تھا۔ اور یمن سے قریب تھا کہ آپ اس ظالم سے ظلم کا انتقام لو، اُس نے اپنا عظیم لشکر دو کمانڈروں (امیر) ارباط اور ابرہہ کی قیادت میں یمن کے بادشاہ کے مقابلے پر بھیج دیا۔ لشکر اُس کے ملک پر ٹوٹ پڑا اور پورے یمن کو قوم حمیر کے قبضہ سے آزاد کرایا۔ ملک حمیر ذونواس بھاگ نکلا اور دریا میں غرق ہوکر مرگیا۔

اس طرح ارباط و ابرہہ کے ذریعہ یمن پر بادشاہ حبشہ کا قبضہ ہوگیا۔ پھر ارباط اور ابرہہ میں باہمی جنگ کی وجہ سے ارباط قتل ہوگیا۔

ابرہہ غالب آگیا اور یہی بادشاہ حبشہ نجاشی کی طرف سے ملک یمن کا حاکم (گورنر) مقرر ہوگیا۔ اس نے یمن پر قبضہ کرنے کے بعد ارادہ کیا کہ یمن میں ایک ایسا شان دار کنیسہ (عبادت خانہ) بنائے جس کی نظیر دُنیا میں نہ ہو۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ یمن کے عرب لوگ جو حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں، یہ لوگ اس کنیسہ کی عظمت و شوکت سے مرعوب ہوکر کعبہ کے بجائے اس کنیسہ میں جانے لگیں گے۔ اس خیال سے اُس نے بہت بڑا عالی شان کنیسہ اتنا اُونچا تعمیر کیا کہ اُس کی بلندی پر نیچے کھڑا ہوا آدمی نظر نہیں ڈال سکتا تھا۔ اور اُس کو سونے چاندی اور جواہرات سے مزین کیا اور پوری مملکت میں اعلان کرادیا کہ اب یمن سے کوئی کعبہ کو حج کے لئے نہ جائے اس کنیسہ میں عبادت کرے۔

عرب میں اگر چہ بُت پرستی غالب آگئی تھی مگر دینِ ابراہیم اور کعبہ کی عظمت ومحبت ان کے دلوں میں پیوست تھی، اس لئے عدنان اور قحطان اور قریش کے قبائل میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی، یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے رات کے وقت کنیسہ میں داخل ہو کر اس کو گندگی سے آلودہ کر دیا اور بعض روایات میں ہے کہ ان میں سے مسافر قبیلہ نے کنیسہ کے قریب اپنی ضروریات کے لئے آگ جلائی اس کی آگ کنیسہ میں لگ گئی اور اس کو سخت نقصان پہنچ گیا۔

ابرہہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی اور بتلایا گیا کہ کسی قریشی نے یہ کام کیا ہے تو اُس نے قسم کھائی کہ میں ان کے کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رہوں گا۔ ابرہہ نے اس کی تیاری کی اور اپنے بادشاہ نجاشی سے اجازت مانگی اس نے اپنا خاص ہاتھی کہ جس کا نام ''محمود'' تھا ابرہہ کے لئے بھیج دیا کہ وہ اس پر سوار ہو کر کعبہ پر حملہ کرے۔

بعض روایات میں ہے کہ یہ سب سے بڑا عظیم الشان ہاتھی تھا جس کی نظیر نہیں پائی جاتی تھی اور اُس کے ساتھ آٹھ ہاتھی دوسرے بھی اس لشکر کے لئے بادشاہ حبشہ نے بھیج دیئے تھے۔ ہاتھیوں کی یہ تعداد بھیجنے کا منشاء یہ تھا کہ بیت اللہ کعبہ کے ڈھانے میں ہاتھیوں سے کام لیا جائے۔ تجویز یہ تھی کہ بیت اللہ کے ستونوں میں لوہے کی مضبوط اور طویل زنجیریں باندھ کر ان زنجیروں کو ہاتھیوں کے گلے میں باندھیں اور ان کو ہنکا دیں تو سارا بیت اللہ (معاذ اللہ) فوراً ہی زمین پر آگرے گا۔

عرب میں جب اس حملے کی خبر پھیلی تو سارا عرب مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا، یمن کے عربوں میں ایک شخص ذونفر نامی تھا، اُس نے عربوں کی قیادت اختیار کی اور عرب لوگ اس کے گرد جمع ہو کر مقابلہ کے لئے تیار ہوئے، اور ابرہہ کے خلاف جنگ کی، مگر اللہ تعالیٰ کو تو یہ منظور تھا کہ ابرہہ کی شکست اور اُس کی رُسوائی نمایاں ہو کر دُنیا کے سامنے آئے۔ اس لئے یہ عرب مقابلے میں کامیاب نہ ہوئے۔ ابرہہ نے اُن کو شکست دے دی اور ذونفر کو قید کر لیا اور آگے روانہ ہو گیا، اس کے بعد جب وہ قبیلہ خثعم کے مقام پر پہنچا تو اس قبیلہ کے سردار نفیل بن حبیب نے پورے قبیلہ کے ساتھ ابرہہ کا مقابلہ کیا مگر ابرہہ کے لشکر نے اُن کو بھی شکست دے دی اور نفیل بن حبیب کو بھی قید کر لیا اور اُن کے قتل کا ارادہ کیا مگر پھر یہ سمجھ کر اُن کو زندہ رکھا کہ اُن سے ہم راستوں کا پتہ معلوم کر لیں گے، اس کے بعد جب یہ لشکر طائف کے قریب پہنچا تو طائف کے باشندے، قبیلہ ثقیف پچھلے قبائل کی جنگ اور ابرہہ کی فتح کے واقعات سن چکے تھے، اُنھوں نے اپنی خیر منانے کا فیصلہ کیا کہ طائف میں جو ہم نے ایک عظیم الشان بُت خانہ لات کے نام سے بنا رکھا ہے یہ اُس کو نہ چھیڑے تو ہم اس کا مقابلہ نہ کریں، انھوں نے ابرہہ سے مل کر یہ بھی طے کر لیا کہ ہم تمہاری امداد اور رہنمائی کے لئے اپنا ایک سردار ابورغال تمہارے ساتھ بھیج دیتے ہیں۔

ابرہہ اس پر راضی ہو کر ابورغال کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام مُغمّس پر پہنچ گیا جہاں قریشِ مکہ کے اونٹ چر رہے تھے، ابرہہ کے لشکر نے سب سے پہلے ان پر حملہ کر کے اونٹ اپنے قبضے میں کر لئے جن میں دوسو اُونٹ

رسول اللہ ﷺ کے جدِ امجد عبدالمطلب رئیس قریش کے بھی تھے۔ اَبرہہ نے یہاں پہنچ کر اپنا ایک سفیر حناطہ حمیری کو شہر مکہ میں بھیجا کہ وہ قریش کے سرداروں کے پاس جا کر اطلاع کر دے کہ ہم تم سے جنگ کے لئے نہیں آئے، ہمارا مقصد کعبہ کو ڈھانا ہے اگر تم نے اس میں رکاوٹ نہ ڈالی تو تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ حناطہ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو سب نے اُس کو عبدالمطلب کا پتہ دیا کہ وہ قریش کے سب سے بڑے سردار ہیں۔ حناطہ نے عبدالمطلب سے گفتگو کی اور ابرہہ کا پیغام پہنچا دیا۔

ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق عبدالمطلب نے یہ جواب دیا کہ ہم بھی ابرہہ سے جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، نہ ہمارے پاس اتنی طاقت ہے کہ اس کا مقابلہ کرسکیں۔ البتہ میں یہ بتائے دیتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور اس کے خلیل (دوست) ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے وہ خود اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ سے جنگ کا ارادہ ہے تو جو چاہے کرے، پھر دیکھے کہ اللہ تعالیٰ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ حناطہ نے عبدالمطلب سے کہا: آپ میرے ساتھ چلیں میں آپ کو ابرہہ سے ملاتا ہوں۔

ابرہہ نے جب عبدالمطلب کو دیکھا کہ بڑے وجیہ آدمی ہیں تو ان کو دیکھ کر اپنے تخت سے نیچے اُتر کر بیٹھ گیا اور عبدالمطلب کو اپنے برابر بٹھایا، اور اپنے ترجمان سے کہا: عبدالمطلب سے پوچھے کہ وہ کس غرض سے آئے ہیں، عبدالمطلب نے کہا: میری ضرورت تو اتنی ہے کہ میرے اونٹ جو آپ کے لشکر نے قبضہ کر لئے ہیں اُن کو چھوڑ دیں۔ ابرہہ نے ترجمان کے ذریعہ عبدالمطلب سے کہا: جب میں نے آپ کو پہلی مرتبہ دیکھا تو میرے دل میں آپ کی بڑی وُقعت وعزت ہوئی، مگر آپ کی گفتگو نے اس کو بالکل ختم کر دیا، کہ آپ مجھ سے صرف اپنے دوسو اونٹوں کی بات کر رہے ہیں، اور آپ کو یہ معلوم ہے کہ میں آپ کا کعبہ جو آپ کا دین ہے اُس کو ڈھانے کے لئے آیا ہوں اس کے متعلق آپ نے کوئی گفتگو نہیں کی۔ عبدالمطلب نے جواب دیا:

"إِنِّيْ أَنَا رَبُّ الإِبْلِ، وَإِنَّ لِلْبَيْتِ رَبًّا سَيَمْنَعُهُ"

کہ اونٹوں کا مالک تو میں ہوں مجھے اُن کی فکر ہے، اور بیت اللہ کا میں مالک نہیں، بل کہ اس کا مالک ایک عظیم ہستی ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔

ابرہہ نے کہا: تمہارا معبود اُس کو میرے ہاتھ سے نہیں بچا سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا: پھر تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔ بعض روایات میں ہے کہ عبدالمطلب کے ساتھ اور بھی قریش کے چند سردار گئے تھے اور اُنھوں نے ابرہہ کے سامنے یہ پیش کش کی کہ اگر آپ بیت اللہ پر دست اندازی نہ کریں اور لوٹ جائیں تو ہم پورے تہامہ کی ایک تہائی پیداوار آپ کو بطورِ خراج ادا کرتے رہیں گے، ابرہہ نے اُس کے ماننے سے انکار کر دیا۔

اَبرہہ نے عبدالمطلب کے اونٹ واپس کر دیئے۔ عبدالمطلب قریش کے پاس واپس آئے اور اُنہیں پوری بات

بتائی۔ چوں کہ ابرہہ کے لشکر کی تعداد قریش سے بہت زیادہ تھی اس لئے سردار عبدالمطلب نے لوگوں کو مکہ خالی کر کے پہاڑوں اور گھاٹیوں میں پناہ حاصل کرنے کا مشورہ دیا، تاکہ وہ لشکر کی زد سے بچ سکیں۔ پھر انہوں نے کعبہ کے دروازے کا کنڈا پکڑا اور بہت سے دیگر قریشی سردار بھی ان کے ساتھ تھے۔ وہ عاجزی کے ساتھ دعائیں کرنے لگے اور ابرہہ اور اس کے لشکر کے خلاف مدد مانگنے لگے قریش کے سردار عبدالمطلب[1] نے کعبے کا کنڈا پکڑ کر یہ شعر پڑھے ؎

لَا هَمَّ إِنَّ الْعَبْدَيَمْـ ... نَعُ رَحْلَهُ فَامْنَعْ حِلَالَكْ
لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيْبُهُمْ ... وَمِحَالُهُمْ غَدْوًا مِحَالَكْ
إِنْ كُنْتَ تَارِكَهُمْ وَقِبْـ ... لَتَنَا فَأَمْرٌ مَا بَدَالَكْ

ترجمہ: ''اے اللہ! ہر بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے، تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔ کل ان کی صلیب غالب نہ آئے، اور نہ ان کی قوت تیری قوت کو مات دے۔ اگر تو نے ان کو ہمارا قبلہ تاراج کرنے دیا تو پھر تیری مرضی۔''

اسی یقین کی بنا پر اُنھوں نے ابرہہ سے خود اپنے اونٹوں کا مطالبہ کیا، بیت اللہ کے متعلق گفتگو کرنا اس لئے پسند نہ کیا کہ خود تو اس کے مقابلے کی طاقت نہ تھی، اور دوسری طرف یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی بے بسی پر رحم فرما کر دشمن کی قوت اور اس کے عزائم کو خاک میں ملا دیں گے، صبح ہوئی تو ابرہہ نے بیت اللہ پر چڑھائی کی تیاری کی اور اپنے ہاتھی محمود نامی کو آگے چلنے کے لئے تیار کیا۔ نفیل بن حبیب جن کو راستہ سے ابرہہ نے گرفتار کیا تھا اُس وقت وہ آگے بڑھے اور ہاتھی کا کان پکڑ کر کہنے لگے: تو جہاں سے آیا ہے وہیں صحیح سالم لوٹ جا، کیوں کہ تو اللہ تعالیٰ کے بلد امین (محفوظ شہر) میں ہے یہ کہہ کر اس کا کان چھوڑ دیا، ہاتھی یہ سنتے ہی بیٹھ گیا، ہاتھی بانوں نے اس کو اُٹھانا چلانا چاہا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اس کو بڑے بڑے آہنی کلہاڑوں سے مارا گیا، اُس کی بھی پروا نہ کی، اُس کی ناک میں لوہے کا آنکڑا ڈال دیا پھر بھی وہ کھڑا نہ ہوا، اس وقت ان لوگوں نے اس کو یمن کی طرف لوٹانا چاہا تو فوراً کھڑا ہو گیا پھر شام کی طرف چلانا چاہا تو چلنے لگا پھر مشرق کی طرف چلایا تو چلنے لگا، ان سب اطراف میں چلانے کے بعد پھر اس کو مکہ مکرمہ کی طرف

---

[1] آپ کی والدہ سلمیٰ بنت زید تھیں جن کا تعلق بنونجار (مدینہ منورہ) سے تھا۔ سردار عبدالمطلب مستجاب الدعوات شخص تھے۔ اپنے دسترخوان سے قصداً پرندوں اور جانوروں کے لئے خوراک بچا لیتے تھے اور پہاڑوں پر لے جا ڈالتے تھے، اسی بنا پر ان کو (مُطْعِمُ الطَّيْر) ''پرندوں کو کھلانے والا'' اور (فیاض) ''حد سے زیادہ سخی'' کہا جاتا تھا۔ ناگہانی مصائب میں قریش ان سے مدد حاصل کیا کرتے تھے۔ عام معاملات میں بھی وہی ان کے مرجع و ماویٰ تھے۔ وہ قریش کے باکمال اور فعال سردار تھے۔ ۱۲۰ سال عمر گزاری۔ ہمیشہ اپنے بیٹوں کو ظلم اور زیادتی سے منع فرمایا کرتے تھے۔ آخری عمر میں بتوں کی پوجا بھی چھوڑ دی تھی اور ایک اللہ کی عبادت کرنے لگے تھے۔ چاہ زمزم کا انکشاف انہی کے ہاتھوں ہوا۔ حاجیوں کو پانی پلانے کا مقدس کام انہوں نے ہی شروع کیا۔ نبی کریم ﷺ ان کی زندگی میں چھوٹے ہی تھے۔ اس وقت بھی وہ آپ ﷺ کی انتہائی تعظیم کرتے تھے اور کہا کرتے تھے: ''میرے اس بیٹے کو بڑی شان حاصل ہوگی۔'' کیوں کہ انہوں نے کاہنوں اور راہبوں سے آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے اور بعد میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ سردار عبدالمطلب واقعہ فیل سے آٹھ سال بعد فوت ہوئے۔ (الطّبرانی: ۱۲/۱۹۵، الفیل: ۱)

چلانے لگے تو پھر بیٹھ گیا۔

قدرتِ حق جل جلالہٗ کا یہ کرشمہ تو یہاں ظاہر ہوا۔ دوسری طرف دریا کی طرف سے کچھ پرندوں کی قطاریں آتی دکھائی دیں جن کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں جو چنے یا مسور کے برابر تھیں، ہر ایک کے پاس تین کنکریاں تھیں۔ ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں۔ واقدی کی روایت میں ہے کہ پرندے عجیب طرح کے تھے جو اس سے پہلے نہیں دیکھے گئے، جثہ میں کبوتر سے چھوٹے تھے اُن کے پنجے سُرخ تھے، ہر پنجے میں ایک کنکر اور ایک کنکر چونچ میں لئے آتے دکھائی دیئے اور فوراً ہی ابرہہ کے لشکر کے اُوپر چھا گئے، ان پرندوں نے کنکریوں کو ابرہہ کے لشکر پر گرایا۔

ایک ایک کنکر نے وہ کام کیا جو ریوالور کی گولی بھی نہیں کرسکتی کہ جس پر پڑتی اُس کے بدن کو چھیدتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی۔ یہ عذاب دیکھ کر ہاتھی سب بھاگ کھڑے ہوئے، صرف ایک ہاتھی رہ گیا تھا جو اس کنکری سے ہلاک ہوا، اور لشکر کے سب آدمی اسی موقع پر ہلاک نہیں ہوئے بل کہ مختلف اطراف میں بھاگے، اُن سب کا یہ حال ہوا کہ راستہ میں مرمر کر گر گئے۔ ابرہہ کو چوں کہ سخت سزا دینا تھی یہ فوراً ہلاک نہیں ہوا بل کہ اس کے جسم میں ایسا زہر سرایت کر گیا کہ اس کا ایک ایک جوڑ گل سڑ کر گرنے لگا، اسی حال میں اس کو واپس یمن لایا گیا، دارالحکومت صنعاء پہنچ کر اس کا سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بہہ گیا اور مر گیا۔ ابرہہ کے ہاتھی محمود کے ساتھ دو ہاتھی بان یہیں مکہ مکرمہ میں رہ گئے مگر اس طرح کہ دونوں اندھے اور اپاہج ہو گئے تھے۔ محمد بن اسحٰق نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے ان دونوں کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ وہ اندھے اور اپاہج تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے دونوں اپاہج، اندھوں کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا ہے۔[1]

بعض جرائم کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ملتی ہے

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ﴾[2]

تَرجَمہ: ”بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔

بظاہر لفظِ مجرمین میں ہر قسم کے مجرم شامل ہیں، اور انتقام بھی عام ہے خواہ دنیا میں یا آخرت میں یا دونوں میں، مگر بعض روایاتِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تین گناہ ایسے ہیں کہ ان کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ملتی ہے۔

1. ایک حق کے خلاف جھنڈوں اور نعروں کے ساتھ اعلاناً کوشش کرنا۔

---

[1] معارف القرآن: ۸/۸۱۷ تا ۸۲۱، الفیل

[2] الٓمٓ السجدة: ۲۲

۲ دوسرے والدین کی نافرمانی۔ [1]
۳ تیسرے ظالم کی امداد۔ [2]

دوستوں اور رشتہ داروں سے انتقام لینے کے بجائے نفس سے انتقام لیں

بندہ کا مبارک انتقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے انتقام لے اور تمام دشمنوں میں سب سے زیادہ سخت دشمن نفس ہے۔ پس جب وہ کسی گناہ کے قریب جائے یا کسی عبادت کے کام میں سستی کرے تو اس کو سزا دینی چاہئے، جیسے ابوزید سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: ایک رات میرے نفس نے بعض اپنے مقررہ اوراد و وظائف میں سستی کی تو میں نے طویل عرصہ تک اس کو سزا دی۔ [3]

جب کسی سے گناہ سرزد ہو تو چاہئے کہ وہ اس کے اسباب پر غور کرے اور جب انتقام کا جذبہ ہمارے دل میں پیدا ہو تو اس کے انجام و نتائج کو پہلے سوچ لیں، صرف ان دو باتوں پر عمل کرنے سے بڑی حد تک انتقام کی آگ سرد ہو جائے گی اور ہمارے قلوب بغض و عداوت کی آلودگیوں سے نجات پا جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اگر کسی کو جسمانی، مالی، اجتماعی یا علمی طاقت یا حکومت عطا کی ہے تو اس عطیہ خداوندی کو انتقام اور ایذا دہی میں صرف کرنا اس کی بدترین توہین ہے، جس سے ہر شکر گزار بندے کو اجتناب کرنا چاہئے۔

خصوصاً اساتذہ کرام و معلّمات کو چاہئے کہ عفو کے فضائل سوچیں کہ:

(الف) بہترین خوبی معاف کرنا اور فراموش کرنا ہے۔

(ب) معاف کرنے والوں کے واقعات سوچیں کہ جب وہ معاف کرنے پر آئے تو کیسے کیسے مجرمین کو معاف کر دیا وہ بھی آخر ہماری طرح انسان تھے۔

"درعفولذتے است کہ درانتقام نیست"

ترجَمَہ: "معاف کرنے میں وہ لذت ہے جو بدلہ لینے میں نہیں ہے۔" [4]

---

[1] والدین کی اہمیت اور ان کی اطاعت و فرماں برداری کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے مکتبہ دارالہدیٰ کی شائع کردہ کتاب "والدین کی قدر کیجئے" کا مطالعہ کیجئے ان شاء اللّٰہ والدین کو ہر طرح کی راحت پہنچانے اور ان کی دعائیں حاصل کرنے کی فکر پیدا ہوگی۔

[2] معارف القرآن: ۷۱/۷، الٓمّٓ السجدة: ۲۲

[3] رسائل امام غزالی: ۳۵۵/۳

[4] مثالی استاذ: ۲۳۶/۲، یہ کتاب ناشر: "بیت العلم ٹرسٹ" ہر استاذ کے لئے بہترین تحفہ جو گویا دو جلدوں میں ایک مکمل انسائیکلو پیڈیا ہے۔ جو ان شاء اللّٰہ تعالیٰ بچوں کے مربی معلّم اور والدین کے لئے مفید رہے گی، کہ بچوں اور شاگردوں کے ہم پر کیا حقوق ہیں، اور کس طرح ان کو پیار و محبت سے تعلیم دی جائے۔

''المُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی ناراضگی سے بچنے کی دعا

'' المُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' آن واحد میں فقیر کو غنی اور غنی کو فقیر بنا دے، بیمار کو تندرست اور تندرست کو بیمار بنا دے، وہ انتقام لینے پر آئے تو بادشاہ کو جیل کا قیدی بنا دے، اور نوازنے پر آئے تو قیدی کو بادشاہ بنا دے، اس کی ناراضگی، انتقام اور پکڑ سے بچنے کی فکر کرتے رہنا چاہئے اور یہ دعا بار بار مانگتے رہنا چاہئے:

''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ...... وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ...... وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ......، لَآ اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَيْكَ...... اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ.''

تَرجَمَہ: ''اے اللہ! میں آپ کی رضا مندی کی آپ کے غصہ سے پناہ لیتا ہوں، اور آپ کی معافی کی آپ کے عذاب سے پناہ لیتا ہوں (غرض یہ کہ) آپ سے آپ کی ذات ہی کی پناہ لیتا ہوں، میں آپ کی پوری تعریف نہیں کرسکتا، بس تو آپ ایسے ہی ہیں جیسا خود آپ نے اپنی تعریف فرمائی۔''[1]

اس دعا کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری حصے میں جو قبولیت کا بہترین وقت ہے اس وقت یہ دعا مانگتے تھے۔

فوائدونصائح

۱ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والوں کو انصاف اور مظلوم کی مدد کرنی چاہئے۔ مجرم کو سزا دینا بھی ایک اصول ہے، جیسا کہ پاک صاف شریف انسان کی حفاظت کرنا ایک اصول ہے۔ جرائم پیشہ لوگوں کو کیفر کردار تک نہ پہنچانا بنیاد و تمدن کو متزلزل کر دیتا ہے۔[2]

۲ ظلم سے بچنا اور ظلم سے بچانا اپنا شیوہ بنانا چاہئے۔

۳ '' المُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے گناہوں پر پکڑ سے بچنے کے لئے ہر وقت عافیت کی دُعائیں مانگنا چاہئے۔

۴ اس نام کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان دل میں شوق رکھے کہ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر کفر میں لگے ہوئے ہیں اور اسلام کے پھیلانے میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں، مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں اور دین کی دعوت کو قبول نہیں کرتے، نہ جزیہ دیتے ہیں......ایسے لوگوں سے جہاد کا جذبہ اپنے دل میں پیدا کرے اور اللہ کے راستے میں شہادت کا شوق رکھے کہ جس طرح '' المُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ظالم بندوں سے انتقام لیتے ہیں تو یہ بندہ بھی دنیا میں اللہ کا خلیفہ بن کر ان ظالموں سے انتقام لے۔

---

[1] مسند احمد میں ہے۔ ''كَانَ يَقُوْلُ فِيْ اٰخِرِ وِتْرِهٖ.'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخیر رات میں یہ دعا مانگتے تھے۔ (مسند احمد: ۱/۱۵۵، رقم: ۷۵۳)

[2] شرح اسماء حُسنٰی: ۲۲۲ (منصور پوری)

اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ

(بہت زیادہ معاف کرنے والا)

اس اسم کے تحت پانچ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ ”امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کے گناہوں کے نتائج کو ان سے دور کرنے والی ہے، یعنی ان سے چشم پوشی کا معاملہ کرنے والی ہے (پورا حساب نہیں لیتی ہے)، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ گناہوں کے بعد یا تو وہ لوگ توبہ تائب ہو جاتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں، یا کسی شفاعت والے کی شفاعت کے حق دار ہوتے ہیں، یا ایسی عزت کے حق دار ہوتے ہیں جو کہ ان کی سزاؤں کے لئے مانع ہوتی ہے یا ”اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ“ ان کے نیک اعمال کے بدلے یہ معاملہ کرتے ہیں۔“ [1]

”اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی جانب سے معافی کا معاملہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ یہ بندے گناہوں سے توبہ کریں اور اپنے لئے مغفرت طلب کریں اور رب تعالیٰ کی خالص رضا کے لئے ان بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب سے باز آجائیں جن میں یہ لوگ مبتلا تھے (اور نیک کاموں میں لگ جائیں) تاکہ ان کے یہ نیک اعمال ان گناہوں کا کفارہ بن سکیں جو ان سے ماضی میں ہوتے رہے ہیں، اس کے علاوہ سفارش و شفاعت کے ذریعے بھی گناہوں کی معافی ہو سکتی ہے جب کہ کوئی سفارش کرنے والا گناہ گار کی سفارش کرے۔

❷ ”إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَزَلْ عَفُوًّا عَنْ ذُنُوْبِ عِبَادِهٖ، وَتَرْكَهُ الْعُقُوْبَةَ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْهَا مَالَمْ يُشْرِكُوْا بِهٖ.“ [2]

تَرْجَمَہ: ”علامہ ابنِ جریر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ ربُّ العزت اپنے بندوں کے گناہوں سے مسلسل درگزر فرماتے رہتے ہیں کہ بہت سے گناہوں پر سزا ہی ترک فرما دیتے ہیں بشرط یہ کہ وہ بندہ شرک میں مبتلا نہ ہوا ہو۔“

❸ ”وَاللّٰهُ تَعَالٰى عَفُوٌّ عَنِ الذُّنُوْبِ، تَارِكُ الْعُقُوْبَةِ عَلَيْهَا“ [3]

---

[1] ”قَالَ الْحَلِيْمِيُّ -رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى-: ”اَلْعَفُوُّ“ وَمَعْنَاهُ، اَلْوَاضِعُ عَنْ عِبَادِهٖ تَبِعَاتِ خَطَايَاهُمْ وَآثَارِهِمْ، فَلَا يَسْتَوْفِيْهَا مِنْهُمْ، وَذٰلِكَ إِذَا تَابُوْا وَاسْتَغْفَرُوْا، أَوْ تَرَكُوْا لِوَجْهِهٖ أَعْظَمَ مِمَّا فَعَلُوْا، فَيُكَفِّرُ عَنْهُمْ مَا فَعَلُوْا بِمَا تَرَكُوْا، أَوْ بِشَفَاعَةِ مَنْ يَّشْفَعُ لَهُمْ، أَوْ يَجْعَلُ ذٰلِكَ كَرَامَةً لِّذِيْ حُرْمَةٍ لَهُمْ بِهٖ، وَجَزَاءً لَّهٗ بِعَمَلِهٖ.“ (المنهاج: ۲۰۱/۱، بحواله النهج الأسمٰى: ۲۰۷/۲)

[2] جامع البيان: ۷٤/٥، بحواله النهج الأسمٰى: ۲۰٦/۲ [3] تفسير الاسماء: ٦۲، بحواله النهج الأسمٰى: ۲۰٦/۲

تَرجَمہ: ”امام زجاج رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ارشاد فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ گناہوں کو بھی معاف کرنے والا ہے اور ان گناہوں کے کرنے پر جو سزائیں ہیں ان کو بھی اپنے بندوں سے ہٹانے والا ہے۔“

۴ ”امام سعدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے جس کی صفت ہی معاف کرنا، بخشنا اور درگزر کرنا ہے اور اپنے بندوں کو معاف کرنا خاص اللہ ربُّ العزت کی صفت ہے اور جیسا ہر انسان اس کی رحمت اور کرم کا محتاج ہے ویسا ہی مغفرت اور معافی کا بھی محتاج ہے، اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور معافی کا وعدہ کر رکھا ہے ہر اس شخص کے لئے جو مغفرت اور معافی کے اسباب بھی لے کر آئے۔“ [1]

جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی﴾ [2]

تَرجَمہ: ”ہاں بے شک میں انہیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں، ایمان لائیں، نیک عمل کریں اور راہِ راست پر بھی رہیں۔“

۵ امام ابنِ قیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”وہ ذات اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ ہے اور اس کا معاف کرنا پوری مخلوق کے لئے عام ہے، اگر اس کا عفو نہ ہوتا تو زمین اپنے رہنے والوں کو غرق کر دیتی۔“ [3]

یہ اسم مبارک قرآن مجید میں پانچ مرتبہ آیا ہے، جن میں سے تین مندرجہ ذیل ہیں:

۱ ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا﴾ [4]

تَرجَمہ: ”بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے۔“

۲ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا﴾ [5]

تَرجَمہ: ”اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔“

۳ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا﴾ [6]

تَرجَمہ: ”پس یقیناً اللہ تعالیٰ پوری معافی دینے والا اور پوری قدرت والا ہے۔“

---

[1] ”اَلْعَفُوُّ اَلْغَفُوْرُ اَلْغَفَّارُ“: اَلَّذِیْ لَمْ یَزَلْ وَلَا یَزَالُ بِالْعَفْوِ مَعْرُوْفًا، وَبِالْغُفْرَانِ وَالصَّفْحِ عَنْ عِبَادِهٖ مَوْصُوْفًا، كُلُّ أَحَدٍ مُضْطَرٌّ إِلٰی عَفْوِهٖ وَمَغْفِرَتِهٖ، كَمَا هُوَ مُضْطَرٌّ إِلٰی رَحْمَتِهٖ وَكَرَمِهٖ، وَقَدْ وَعَدَ بِالْمَغْفِرَةِ وَالْعَفْوِ لِمَنْ أَتٰی بِأَسْبَابِهَا“ (تیسیر الکریم الرحمٰن: ۵/۳۰۰، بحوالہ النہج الاسمٰی: ۲/۲۰۷)

[2] طٰہٰ: ۸۲

[3]

وَهُوَ الْعَفُوُّ فَعَفْوُهٗ وَسِعَ الْوَرٰی ... لَوْ لَاهُ غَارَ الْأَرْضُ بِالسُّكَّانِ

(النونیۃ: ۲/۲۲۷، بحوالہ النہج الاسمٰی: ۲/۲۰۷)

[4] النساء: ۴۳ [5] النساء: ۹۹ [6] النساء: ۱۴۹

اَلۡعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ کی معافی کا اکمل درجہ یہ ہے کہ جب بندہ بہت زیادہ گناہ کر کے اپنی ذات پر ظلم کرتا ہے پھر اس کو اپنے گناہ کا احساس ہوتا ہے تو توبہ تائب ہوکر اللہ ربُّ العزت کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ ربُّ العزت (بغیر احسان جتلائے) اس کے سارے جرائم کو معاف فرما دیتے ہیں، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلۡ يٰعِبَادِيَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِيۡعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ﴾[1]

ترجمہ: ”(میری جانب سے) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، نہ مایوس ہوں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے، بے شک اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخشنے والا ہے اور وہی گناہوں کا معاف کرنے والا مہربان ہے۔“

اگر اس کی معافی اور حلم کی وسعت کمال درجہ تک نہ ہوتی تو اس زمین پر کوئی سانس لینے والا نفس اور چلنے والا جانور نہ بچتا، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوۡ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلۡمِهِمۡ مَّا تَرَكَ عَلَيۡهَا مِنۡ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنۡ يُّؤَخِّرُهُمۡ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ لَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّلَا يَسۡتَقۡدِمُوۡنَ﴾[2]

ترجمہ: ”اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم پر پکڑے تو زمین پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑے، لیکن اللہ تعالیٰ ان کو ایک مقررہ وقت تک کے لئے ڈھیل دیتا ہے۔ پھر جب ان کا وقت آجائے گا تو ایک گھڑی بھی اس سے آگے پیچھے نہ ہو سکیں گے۔“

یہ اس کا حلم ہے اور اس کی حکمت و مصلحت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی نافرمانیاں دیکھتا ہے لیکن پھر بھی وہ نہ اپنی نعمتیں سلب کرتا ہے نہ فوری مواخذہ کرتا ہے، حالاں کہ اگر گناہ کے ارتکاب کے ساتھ ہی وہ مواخذہ کرنا شروع کر دے، تو ظلم و گناہ اور کفر و شرک اتنا عام ہے کہ روئے زمین پر کوئی جان دار باقی نہ رہے۔ کیوں کہ جب برائی عام ہو جائے تو پھر عذابِ عام میں نیک لوگ بھی ہلاک کر دیئے جاتے ہیں، تاہم آخرت میں وہ سرخرو ہوں گے۔[3]

اللہ ربُّ العزت اپنی تمام مخلوقات پر مکمل قدرت رکھنے کے باوجود اپنی مخلوقات کو معاف کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت اپنے اس ارشاد میں فرما دی ہے:

[1] الزمر: ٥٣ [2] النحل: ٦١

[3] إِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ هُوَ "الْعَفُوُّ" الَّذِي لَهُ الْعَفْوُ الشَّامِلُ، الَّذِي وَسِعَ مَا يَصْدُرُ عَنْ عِبَادِهِ مِنَ الذُّنُوبِ، وَلَا سِيَمَا إِذَا أَتَوْا بِمَا يُوجِبُ الْعَفْوَ عَنْهُمْ مِنَ الْإِسْتِغْفَارِ وَالتَّوْبَةِ وَالْإِيْمَانِ وَالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ، فَهُوَ سُبْحَانَهُ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ. (النهج الأسمىٰ: ٢/٢٠٧)

﴿اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا﴾[1]

ترجمہ: ''اگر تم کھول کر کوئی بھلائی کرو یا اس کو چھپاؤ یا معاف کرو برائی کو، تو اللہ تعالیٰ بھی معاف کرنے والا بڑی قدرت والا ہے۔''

اللہ ربُّ العزت کی ذات نے بھی اپنے بندوں کو معافی، درگزر کرنے اور اپنے ماتحتوں، اپنے دوستوں سے، اپنے رشتہ داروں سے ایک مرتبہ نہیں بل کہ کئی مرتبہ عذر کو قبول کرنے کی ترغیب دی ہے، یعنی تم بھی لوگوں کو ایسے معاف کرو جیسے اللہ تعالیٰ تم کو معاف کرتا ہے اور بخشتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو بھی معاف کرنے اور دوسرے کے عذر کو قبول کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اور مسلمانوں میں سے جو ان کا اہتمام کرتا ہے اس کی تعریف بھی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعاؤں میں عفو و عافیت کو کثرت سے مانگا ہے۔

روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ جب وہ لیٹنے کا ارادہ کرے تو یہ دعا پڑھے:

''اَللّٰهُمَّ خَلَقْتَ نَفْسِيْ وَاَنْتَ تَوَفَّاهَا...... لَكَ مَمَاتُهَا وَمَحْيَاهَا...... اِنْ اَحْيَيْتَهَا فَاحْفَظْهَا ...... وَاِنْ اَمَتَّهَا فَاغْفِرْلَهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَسْاَلُكَ الْعَافِيَةَ.''[2]

ترجمہ: ''اے اللہ! تو نے ہی مجھے پیدا کیا اور تو ہی موت دے گا۔ تیرے ہی لئے میری زندگی اور موت ہے۔ اگر تو مجھے زندہ رکھے تو میری حفاظت فرما اور اگر موت دے تو میری مغفرت فرما۔ اے اللہ! میں تجھ سے عافیت مانگتا ہوں۔''

تو اس آدمی نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا: کیا آپ نے اپنے والد سے سنا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے بہتر شخص اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔[3]

یہ نام مبارک ہمیں معاف کرنے کی دعوت دیتا ہے

جو شخص معاف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا بڑا مرتبہ ہے اور دنیا و آخرت میں یہ اس کی عزت بڑھنے کا سبب بن جاتا ہے۔

حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں ہیں جنہیں

[1] النساء: ۱۴۹

[2] مسلم، الدعوات والتعوّذ، الدعاء عند النوم: ۲/۳۴۸

[3] مسلم، الدعوات والتعوذ، باب الدعاء وعندالنوم: ۲/۳۴۸

میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں اور وہ تین یہ ہیں:

❶ صدقہ کی وجہ سے کسی بندہ کا مال کم نہیں ہوگا۔

❷ اور جس کسی بندہ پر کوئی ظلم کیا گیا، جس پر اس نے صبر کرلیا تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھا دے گا۔

❸ اور جس کسی نے (مخلوق سے) سوال کرنے کا دروازہ کھول دیا اللہ تعالیٰ اس پر تنگ دستی کا دروازہ کھول دے گا (یعنی وہ ہمیشہ فقیر ہی رہے گا جس قدر بھی مال جمع کرے اس کا فقر ختم نہیں ہوگا)۔[۱]

"اَلْعَفُوُّ" کے معنی ترک کرنے اور چھوڑنے کے ہیں۔

"عفو" بہت چھوڑ دینے والا۔ بہت معاف کرنے والا۔ "عفو" وہی "عفو" ہے جو قدرت والے کی طرف سے ہو، ورنہ اس کا نام تو عجز ہوگا۔[۲]

عربی میں **عفو** اور **صفح** یہ دو لفظ درگزر کرنے کے لئے آتے ہیں مگر ان دونوں میں فرق ہے **عفو** معاف کر دینے کے لئے ہے اور **صفح** بھی معاف کر دینے کے لئے ہے مگر یہ عفو سے بھی زیادہ بلیغ ہے، یعنی اس طرح معاف کر دینا کہ بالکل بھول ہی جانا کہ کوئی غلطی سرزد ہی نہیں ہوئی۔ چناں چہ جاہلی شاعر کہتا ہے:

صَفَحْنَا عَنْ بَنِيْ ذُهْلٍ وَقُلْنَا الْقَوْمُ إِخْوَانُ

تَرجَمہ: "ہم نے بنو ذہل سے درگزر کیا اور کہا: یہ تو ہمارے بھائی ہیں۔"

اسی لئے قرآن شریف میں آیا ہے: ﴿فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا﴾[۳] یعنی **فَاعْفُوْا** کے بعد **وَاصْفَحُوْا** آیا ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ نہ صرف معاف کردو بل کہ اس سے بھی آگے قدم بڑھاؤ کہ بالکل بھول ہی جاؤ کہ گویا جرم ہوا ہی نہیں ہے، ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ رسول ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ﴾[۴] خوب صورتی کے ساتھ درگزر کرو۔

چوں کہ اس کی ذات "اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے لہٰذا وہ دوسروں سے بھی معافی کا مطالبہ کرتا ہے کہ مجرم کو معاف کرو کہ یہ قرینِ تقویٰ ہے کیوں کہ بدلہ لینے میں زیادتی کا احتمال ہے اور بدلہ نہ لینے میں زیادتی کا کوئی امکان نہیں، اس لئے معافی انتقام سے بہتر ہے، اگرچہ اس کی اجازت دی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص ظلم کرے تو اس پر اسی قدر ظلم ڈھا سکتے ہو، چناں چہ فرمایا: ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾[۵]

تَرجَمہ: برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے اور فرمایا:

﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾[۶]

---

[۱] مسند امام احمد: ۲۷۳/۵ [۲] شرح اسماء حُسنٰی: ۱٤۸ (منصور پوری)
[۳] البقرة: ۱۰۹ [۴] الحجر: ۸۵ [۵] الشوریٰ: ٤۰ [٦] النحل: ۱۲٦

ترجمہ: اور اگر سزا دو تو ایسی ہی سزا دو جیسی تمہیں دی گئی۔

اسلام نے انتقام لینے کو جائز قرار دیا ہے کیوں کہ وہ "المنتقم جل جلالہ" بھی ہے مگر معاف کر دینے کو افضل قرار دیتا ہے کیوں کہ وہ "رحمان و رحیم و رءوف" اور "العفو" بھی ہے۔ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے لہٰذا اس نے معافی کو افضل قرار دیا ہے۔

جو معاف کرنے کی عادت بنائے گا وہ اس نام کی برکتیں پائے گا

واقعہ نمبر ۶۹: حضرت زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں روایت ہے کہ اُن کو ان کی ایک باندی وضو کروا رہی تھی کہ اُس کے ہاتھ سے لوٹا گر گیا جس سے اُن کا چہرہ زخمی ہوگیا، انہوں نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اس نے ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ﴾ پڑھ دیا، اس پر انہوں نے کہا: میں نے اپنا غصہ ضبط کر لیا۔

پھر اس نے ﴿وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ پڑھا، آپ نے اس کو معاف کر دیا۔

پھر اس نے ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾[1] پڑھا اس پر انہوں نے فرمایا: اچھا جا تو اللہ کے لئے آزاد ہے۔

اللہ! اللہ! آل رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کتنا بلند کردار تھا۔[2]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتحِ مکہ والے دن اپنے خون کے پیاسوں کے لئے عفو عام کا اعلان فرما دیا، حدیبیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ۸۰ آدمیوں کو معاف کر دیا، جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش تیار کی تھی، لبید بن عاصم یہودی سے بدلہ نہیں لیا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا، اس یہودیہ عورت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں کہا: جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے میں زہر ملا دیا تھا، جس کی تکلیف آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخر تک محسوس فرماتے رہے۔[3]

واقعہ نمبر ۷۰: اہلِ عرب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور احنف بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاف کرنے اور درگزر کرنے میں بڑے مشہور تھے، احنف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اس کے بیٹے کے قاتل کو لوگ پکڑ کر لائے تو کہا: اسے چھوڑ دو۔ اسے تکلیف ہو رہی ہوگی۔ بادشاہوں کے حوصلے بڑے بلند ہوتے ہیں، تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ بادشاہوں نے بڑے بڑے سرکش باغیوں کو جو برسوں برسرپیکار رہے، قابو پانے پر معاف کر دیا۔

اگر کوئی مجرم معافی مانگتا ہے تو نیک اور صالح لوگوں کے نزدیک اور علم اخلاق کے اعتبار سے اسے معاف کر دینا تقریباً فرض ہو جاتا ہے۔[4]

واقعہ نمبر ۷۱: حضرت مسطح رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو واقعہ افک میں ملوث ہوگئے تھے فقرائے مہاجرین میں سے تھے، رشتے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی مالی مدد فرمایا کرتے

[1] آل عمرٰن: ۱۳٤　[2] روح المعانی: ۵۹/۳، آل عمرٰن: ۱۳٤

[3] تفسیر ابن کثیر: ۱۱۹۳، الشوریٰ: ۳۹　[4] شرح اسماء الحسنیٰ الازہری: ۲۷۳

تھے جب یہ واقعہ افک میں شریک پائے گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو سخت صدمہ پہنچا جو ایک طبعی تقاضا تھا اور قسم کھا بیٹھے کہ آئندہ ان کی کوئی مالی مدد نہیں کریں گے۔ بظاہر کسی خاص فقیر کی مالی مدد کرنا واجب اور ضروری بھی نہ تھا اور نہ ہی مدد نہ کرنا کوئی گناہ کی بات تھی مگر صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے لئے ایک مثالی نمونہ بنانا تھا، اس لئے ایک طرف جن لوگوں سے غلطی ہوئی ان کو سچی توبہ اور نعمتوں سے نوازا تو دوسری طرف جن بزرگوں نے ایسے غریب حضرات کی مدد نہ کرنے کی قسم کھائی تھی ان کو سورۂ نور کی آیت نمبر ۲۲ میں اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی۔

اور فرمایا کہ: ''ان کو ایسی قسم توڑ دینی چاہئے اور اس کا کفارہ ادا کرنا چاہئے اور مالی مدد وتعاون کرتے رہنا چاہئے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کیا اسی طرح بڑوں کو بھی ان سے درگزر کرنا چاہئے۔''

اس آیت کے آخری جملے میں جو ارشاد ہوا: ﴿اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ یعنی: ''کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے۔''

تو صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فوراً کہا: ''وَاللّٰهِ! اِنِّيْ اُحِبُّ أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لِيْ''[1]

یعنی: ''بخدا میں ضرور چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرما دے'' اور فوراً حضرت مسطح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی مالی مدد جاری کر دی اور فرمایا: اب کبھی یہ امداد بند نہ ہوگی۔

یہ وہ بلند اخلاق تھے جن سے صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی تربیت کی گئی۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

''لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِيْ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِيْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا.''[2]

تَرْجَمَہ: ''صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو رشتہ داروں کے صرف احسان کا بدلہ دے، بل کہ اصل صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے جو رشتہ داروں کے تعلق توڑنے کے باوجود ان سے تعلقات جوڑے۔''

فَائِدَہ: اس واقعہ سے پتہ چلا کہ خواص، بڑوں، بزرگوں کی شفقت ایک عام شخص پر بھی ہونی چاہئے۔ ''اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُهٗ'' ہم سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ ہمارے رشتہ داروں...... دوست احباب اور...... ملازموں...... سے اگر کوئی ایسی غلطی ہو جائے جس سے ہمیں تکلیف پہنچی ہو تو ہم معاف کر دیا کریں، زندگی بھر کے لئے یہ فیصلہ نہ کریں کہ میں اس سے بات نہیں کروں گا، اس کی صورت دیکھنا پسند نہیں کرتا وغیرہ وغیرہ۔

ارشاد باری تعالیٰ جس کا ترجمہ ہے:

''اور چاہئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں، کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے اور اللہ تعالیٰ

---

[1] بخاری، التفسیر: ۶۹۸/۲، النور: ۲۲

[2] بخاری، الادب، باب لیس الواصل بالمکافی: ۸۸۶/۲

غفور رحیم ہے۔“[1]

یعنی تم لوگوں سے بھی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں اور تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیاں معاف فرماتا رہے، تو پھر تم بھی دوسروں کے ساتھ اسی طرح معافی اور درگزر کا معاملہ کیوں نہیں کرتے؟ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیاں معاف فرمادے؟

اللہ ربّ العزت کا ارشاد مبارک ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ﴾[2]

ترجمہ: ”معاف کرنے کو اختیار کیجئے، اور نیک کاموں کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے کنارہ کیجئے۔“

تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷۴ میں ہے کہ آیت بالا نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے سوال فرمایا کہ اس آیت کا کیا مطلب ہے؟

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا:

”إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَكَ أَنْ تَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَتُعْطِيَ مَنْ حَرَمَكَ وَتَصِلَ مَنْ قَطَعَكَ“

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ پر جو شخص ظلم کرے اس کو معاف فرمائیں اور جو شخص آپ کو نہ دے اس کو عطا فرمائیں اور جو شخص آپ سے قطع تعلق کرے اس سے تعلق جوڑے رکھیں۔“

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور آپ کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے فضیلت والے اعمال بتا دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا:

”اے عقبہ! جو شخص تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑے رہو اور جو شخص تمہیں نہ دے اس کو دیتے رہو اور جو شخص تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرتے رہو۔“[3]

معاف کرنے کی ضرورت اور فضیلت

چوں کہ انسان کا مزاج میل جول والا ہے، اس لئے وہ تنہا نہیں رہ سکتا۔ جب مل جل کر رہے گا تو اپنوں سے اور غیروں سے، رشتہ داروں سے اور دوسرے لوگوں سے چھوٹوں سے اور بڑوں سے واسطہ پڑے گا۔ جب مخلوق سے تعلق ہوگا تو ان سے تکلیفیں بھی پہنچیں گی اور مزاج کے خلاف بھی باتیں پیش آئیں گی۔ چھوٹوں سے بھی غلطیاں ہوں گی بڑوں سے بھی کوتاہیاں ہوں گی۔ اپنوں سے بھی تکلیفیں پہنچیں گی اور غیروں سے بھی۔ یہ تکالیف ہیں ان پر صبر کرنا اور درگزر کرنا بہت بڑا عمل ہے، اگرچہ بعض حالات میں بدلہ لینا بھی جائز ہے، لیکن جتنی تکلیف پہنچی ہو اسی قدر بدلہ لیا جا سکتا ہے، اگر

[1] النور: ۲۲ [2] الاعراف: ۱۹۹ [3] مسند احمد: ۱۴۸/۴، رقم: ۱۶۸۸۳

زیادتی کردی تو اب یہ خود ظالم ہو جائے گا۔

چناں چہ اسی بات کو سورۂ شوریٰ میں وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی برائی، پھر جو شخص معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا، اور جو شخص اپنے اوپر ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے سو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں، الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی کرتے ہیں۔ ایسوں کے لئے دردناک عذاب ہے اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے۔ یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔''[1]

معاف کر دینے کی فضیلت بہت ہے (اور اگر کسی موقع پر معاف کرنا حکمت اور مصلحت کے خلاف ہو تو وہ دوسری بات ہے) انسان کے نفس میں جو بدلہ لینے کا جذبہ ہوتا ہے اس کی وجہ سے معاف کرنا آسان نہیں ہوتا، لیکن جس نے نفس پر قابو پا لیا اور نفس کو معاف کرنے پر آمادہ کر لیا اس کے لئے معاف کرنا آسان ہو جاتا ہے، معاف کرنے میں نفس کو تکلیف ہوتی ہے لیکن اس کا اجر بھی بہت ہے اور مرتبہ بھی بہت بڑا ہے۔

جو شخص بدلہ لینے پر قادر نہ ہو تو معاف کر دینا اس کے لئے بھی بڑے ثواب کی چیز ہے، لیکن جو شخص انتقام لینے کی قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دے اس کا مرتبہ بہت زیادہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ نے عرض کیا: ''اے ربّ! آپ کے بندوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز کون ہے؟'' اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: ''جو شخص قدرت رکھتے ہوئے بخش دے۔''[2]

''اَلۡعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' سے اچھا گمان رکھنا چاہئے

انسان کو مایوس نہیں ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے ظن کے ساتھ ہے، جیسا بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرماتا ہے۔ اس کی ذات بڑی کریم اور رحیم ہے اس لئے بندہ کو چاہئے کہ مستقبل کے بارے میں اچھا گمان رکھے۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ ماضی اور مستقبل کی فکر میں نہ پڑنا چاہئے۔ اس سے آدمی بڑی دولت سے محروم رہتا ہے۔ یہ بھی ماسوی اللہ تعالیٰ کی مشغولی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جان بوجھ کر ماضی اور مستقبل کے مراقبہ کی ضرورت نہیں، اگر بغیر ارادے کے خیال آجائے تو ماضی کی کوتاہیوں پر توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔ بس یہ کافی ہے، کوشش سے ماضی کے گناہوں کو یاد کریں تو بعض اوقات وہ گناہ حجاب کا باعث بن کر خسران کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ آئندہ کے لئے تجویزوں کی ضرورت

---

[1] الشوری: ٤٠ [2] البیہقی فی شعب الایمان: ٣١٩/٦، انوار البیان: ١١٥/٤، ١١٦، ١١٧

بھی نقصان دہ ہے، یہ سوچنا چاہئے کہ میں پہلے کیا تھا، اب کیا ہو گیا، یا میں کچھ ہوا یا نہیں۔ ان خیالات کو چھوڑ دینا چاہئے۔ کسی حال میں مایوسی کے قریب نہ جانا چاہئے، یاد رکھنا چاہئے کہ میرے مولیٰ کا نام ''اَلْعَفُوُّ'' ہے۔

''اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی رحمت، غضب پر غالب ہے

وَاقِعَہ نمبر ۷۲: اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی ہی کریم و رحیم ہے، اگر مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا پوری طرح استحضار ہو جائے تو مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عشق کی حد تک محبت پیدا ہو جائے، اس لئے کہ یہ فطری بات ہے کہ محسن کی طرف کشش ہوتی ہے۔

ایک واقعہ امام بخاری اور امام مسلم رَحِمَهُمَااللهُ تَعَالٰی دونوں نے اپنی اپنی کتابوں میں متعدد مقامات پر نقل کیا ہے۔ ان تمام روایات کو سامنے رکھا جائے تو اس کا خلاصہ یہ ہے:

''ایک شخص بہت مال و دولت والا اور کثیر اولاد والا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے دنیاوی مال و دولت کی بھی فراوانی عطا فرمائی تھی، اور جوان بیٹے عطا فرمائے تھے، اللہ تعالیٰ کی ان عظیم نعمتوں کے باوجود وہ بڑا مسرِف (اپنی جان پر ظلم کرنے والا) اور نیکی سے دور بھاگنے والا تھا، ساری عمر اس نے بڑے گناہوں میں مبتلا رہتے ہوئے گزاری تھی، کبھی کوئی نیکی کا کام اس نے نہ کیا تھا۔

جب اس کی مہلتِ حیات ختم ہونے کو آئی، اور مرض الموت میں مبتلا ہوا تو اسے خیال آیا کہ میں نے تو اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں اور اتنے عیش و فراوانی کے باوجود عمر بھر اس کی نافرمانی کی ہے۔ جب زندگی سے مایوس ہو گیا تو اسے یقین ہو گیا کہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے اتنا شدید عذاب دیں گے کہ تمام جہانوں میں کسی کو نہ دیا ہوگا۔ کیوں کہ وہ اپنی زندگی کے لمحہ لمحہ سے واقف تھا۔

اس خیال سے اس پر اتنی دہشت طاری ہوئی کہ یہ بھی بھول گیا کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہیں۔ عدم سے وجود بخشنے والی ذات کیا کائنات کی وسعتوں میں بکھرے ہوئے وجود کو یکجا کرنے اور اسے زندہ کرنے پر قادر نہ ہوگی؟

مارے خوف کے اس نے اپنی موت سے قبل اپنے بیٹوں کو بلایا اور ان سے پوچھا:

''میں تم لوگوں کے لئے کیسا باپ تھا؟''

بیٹوں نے کہا: ''بہت بہترین باپ تھے۔'' کہنے لگا:

''فَإِنِّي لَمْ أَبْتَهِرْ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرًا''

میں نے اللہ تعالیٰ کے دربار کے لئے کبھی کوئی نیکی کا ذخیرہ نہیں بنایا۔

لہٰذا مجھے یقین ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر قادر ہو گیا (حالاں کہ وہ ہر وقت قادر ہے) تو مجھے ایسا سخت عذاب دے گا

کہ تمام جہانوں میں سے کسی کو نہ دیا ہوگا۔ اس لئے میری موت کے بعد تم لوگ میری لاش کو جلا دینا اور پھر میری راکھ کو دو حصوں میں تقسیم کر دینا، آدھی روئے زمین کی خشکی پر اڑا کر بکھیر دینا اور آدھی سمندر کی اتھاہ گہرائیوں کی نذر کر دینا، اگر تم ایسا نہ کرو گے (اور اس کا مجھ سے وعدہ نہیں کرتے) تو میں تمہاری میراث غیروں میں تقسیم کر دوں گا۔

بیٹوں نے باپ کی موت کے بعد اس کی وصیت پر عمل کیا اور اس کی لاش کو آگ لگا کر آدھی راکھ خشکی میں اور آدھی سمندر میں بہا دی۔

اللہ تعالیٰ نے خشکی کو حکم دیا کہ اس کی راکھ پوری روئے زمین میں جہاں بھی ہے، اکٹھی کر دے، حکم الٰہی کی پابند زمین نے حکم کی تعمیل کی، سمندر کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنے اندر بہی ہوئی راکھ کو اکٹھا کر دے، اس نے بھی حکم کی تعمیل کی، جب اس کی تمام راکھ اکٹھی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا اور اس سے اس کی اس عجیب وغریب وصیت کا سبب دریافت کیا۔

اس نے کہا: ''اے میرے ربّ! آپ اس بات کی حقیقت سے خوب واقف ہیں، کہ یہ وصیت میں نے آپ کے خوف اور ڈر سے کی تھی۔''

اللہ تعالیٰ نے اس کے اس خوف کی وجہ سے اس کی مغفرت فرما دی۔

ظاہر ہے کہ اس کی مذکورہ وصیت سخت گناہ والی بات تھی، کیوں کہ جس طرح ایک زندہ انسان کی حرمت ہوتی ہے اسی طرح شریعت نے مردوں کے ساتھ بھی احترام کا معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے اور کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ کسی مردہ کی لاش کی بے حرمتی کرے، حتیٰ کہ خود اپنی لاش کے لئے بھی ایسے گناہ کی وصیت حرام ہے اور اس کی یہ وصیت ایک سنگین ترین گناہ کے مترادف تھی کہ ایسا کرنے کے بعد (نعوذ باللّٰہ) اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ کرنے اور عذاب دینے پر قادر نہ ہوگا جو ظاہر ہے ایک سنگین ترین اعتقادی غلطی ہے، لیکن اس وصیت کے پیچھے چوں کہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور عذابِ الٰہی اور اس کی پکڑ سے ڈر تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسی عمل پر اس کی مغفرت فرما دی۔''[1]

عبرت ونصیحت کی باتیں

❶ اللہ تعالیٰ کا خوف بہت قیمتی اور بلند چیز ہے جس دل میں خوف وخشیتِ الٰہی پیدا ہو تو یہ اسے گناہ، نافرمانی اور معاصی سے بچانے میں معین ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسی خوف کی وجہ سے گناہوں کو معاف فرماتے ہیں اور اسی کی وجہ سے خواہشات سے چھٹکارا نصیب ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿٤٠﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٤١﴾﴾[2]

تَرجَمہ: ''سو جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکا تو بلاشبہ جنت

---

[1] مسلم: التوبة، باب سعة رحمه الله تعالٰى ......: ۲/۳٥٦
[2] النّٰزعٰت: ٤٠، ٤١

اس کا ٹھکانہ ہے۔''

اور یہی خوف ہے جس کے متعلق سورۂ رحمٰن میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴾[1]

تَرجَمَہ: ''اور جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے واسطے دو جنتیں ہیں۔''

❷ اللہ تعالیٰ کبھی کسی آدمی کے نہ جاننے کی وجہ سے اس کا عذر قبول فرماتے ہیں۔ جیسے اس مذکورہ شخص کا عذر قبول فرمایا، حالاں کہ اس کی غلطی نہایت سنگین تھی۔ اس کا گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی بکھری ہوئی راکھ کو جمع کرنے، اسے دوبارہ زندہ کرنے اور اسے سزا دینے کی قدرت نہیں رکھتا، اس کی جاہلانہ وصیت کی وجہ ''نہ جاننا'' تھی اور سبب اللہ تعالیٰ کا خوف تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کے عذر کو قبول فرمایا۔

العفوّ جلّ جلالہٗ کی نگاہِ مغفرت ورحمت

وَاقِعَہ نمبر ۷۳: مبرد نے ''الکامل'' میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جنازہ میں حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اور مشہور شاعر فرزدق دونوں حاضر تھے، فرزدق نے حضرت حسن رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے کہا: ''ابوسعید! معلوم ہے لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟

لوگ کہہ رہے ہیں کہ آج کے جنازہ میں بہترین اور بدترین دونوں جمع ہو گئے ہیں'' بہترین سے حضرت حسن رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اور بدترین سے فرزدق کی طرف اشارہ تھا۔

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے کہا: ''نہ میں بہترین ہوں، نہ تم بدترین ہو لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے اس دن کے لئے کیا تیاری کی ہے اور تمہارے پاس اس دن کے لئے کیا زادِ سفر ہے؟''

فرزدق نے برجستہ کہا: ''شَهَادَةُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ''

یعنی کلمہ توحید کی شہادت اور پنج وقتہ نماز کی پابندی، وفات کے بعد فرزدق کو خواب میں کسی نے دیکھ کر پوچھا: ''کیا بنا؟''

کہا...... ''اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرما دی'' دریافت کیا: ''کس بنا پر؟''

کہا: ''اس کلمہ طیبہ کی بنیاد پر جس کا میں نے حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے ساتھ گفتگو میں حوالہ دیا تھا۔''[2]

کسی نے خوب کہا ہے:

اک توشۂ امید کرم لے کے چلا ہوں — کچھ اس کے سوا پاس نہیں زادِ سفر اور

---

[1] الرحمٰن: ۴۶ [2] الکامل للمبرد: ۱/۱۲۴

اس سے معلوم ہوا کسی کلمہ گو اور نمازی کو بھی حقیر نہیں سمجھنا چاہئے، "اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی نگاہِ رحمت و مغفرت کب کسی پر پڑ جائے اور اس کی کایا پلٹ جائے، لہٰذا مسلمان کے گناہوں سے تو نفرت ہو، لیکن نفس مسلمان کو کسی حال میں بھی حقیر کمتر نہیں سمجھنا چاہئے، اس کے لئے دعا کرنی چاہئے ...... اے اللہ! اس کو گناہوں کی زندگی سے نکال کر نیکی والی زندگی نصیب فرمایا۔

گناہوں کی معافی کی عظیم دعا

آپ ﷺ نے ہمیں ایک پیاری دعا سکھائی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی اس طرح مانگو:

"اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ."[1]

ترجمہ: "اے اللہ! آپ بہت معافی دینے والے ہیں اور بہت کریم ہیں۔ معاف کرنے کو پسند کرتے ہیں لہٰذا ہمیں معاف فرمایئے۔"

یعنی نالائقوں کو بھی معاف کرنے والے ہیں، جو اس درجہ نالائق ہو کہ گناہ کرتے کرتے اس قابل ہو گیا ہو کہ معافی کے قابل بھی نہ رہا ہو، ایسوں کو بھی مہربانی سے محروم نہ کرنے کا نام کریم ہے۔

اے اللہ! اگرچہ ہم اپنی مسلسل نالائقیوں سے، مسلسل بے وفائیوں سے اور بے غیرتی کے اعمال سے آپ کو منہ دکھانے کے قابل نہیں ہیں اور اس قابل نہیں ہیں کہ آپ ہمیں معاف فرمادیں لیکن آپ کریم ہیں، اور کریم کے معنی یہ ہیں کہ جو نالائقوں کو بھی اپنی مہربانی سے محروم نہ کرے، اس لئے آپ ہم پر رحم فرما دیجئے۔ اپنے کرم سے ہم کو محروم نہ کیجئے، کیوں کہ آپ کریم ہیں اور کریم نالائقوں کو بھی محروم نہیں کرتا۔

اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ کا محبوب عمل

صرف یہی نہیں کہ آپ بہت معافی دینے والے ہیں بل کہ "تُحِبُّ الْعَفْوَ" اپنے معاف کرنے کے عمل کو آپ بہت محبوب رکھتے ہیں، یعنی جب آپ کسی بندہ کو معافی دیتے ہیں تو آپ کو یہ عمل بہت پیارا، بہت محبوب ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰہ! یہ کس کا جواب ہے؟

مخلوق کا جواب ہے کہ ہم لوگ اپنے ستانے والے کو جب معاف کرتے ہیں تو ہمیں مزہ نہیں آتا، دل میں دکھن رہتی ہے۔

"فَاعْفُ عَنِّیْ"، ہم گناہ گاروں کو معاف فرما کر اپنا محبوب عمل ہم پر جاری کر دیجئے، اپنا محبوب کام کر لیجئے اور ہمارا

---

[1] ترمذی، الدعوات، باب فی فضل سؤال العافیة والمعافاة، رقم: ۳۵۱۳

بیڑا پار کر دیجئے۔

اے اللہ! آپ معاف کرنے کو محبوب رکھتے ہیں، اے اللہ! جب آپ کسی کو معاف کرتے ہیں تو معاف کرنے سے آپ کو تکلیف نہیں ہوتی بل کہ اپنے بندوں کو معافی دینا آپ کو نہایت محبوب ہے۔

محدثِ عظیم ملا علی قاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اس کا ترجمہ کتنا پیارا کیا:

"أَيْ أَنْتَ تُحِبُّ ظُهُوْرَ صِفَةِ الْعَفْوِ عَلٰى عِبَادِكَ"

تَرجَمہ: "اپنے بندوں پر جب اپنی مغفرت کی صفت ظاہر فرماتے ہیں اور ان کو معافی دیتے ہیں تو یہ عمل آپ کو نہایت محبوب ہے۔" [1]

امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا "اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی بارگاہ میں طلبِ عفو کا نرالا انداز۔

إِلَيْكَ إِلٰهَ الْخَلْقِ أَرْفَعُ رَغْبَتِيْ — وَإِنْ كُنْتُ يَا ذَا لْمَنِّ وَالْجُوْدِ مُجْرِمًا

اے الٰہی! آپ ہی کے حضور میں اپنی مرادیں پیش کرتا ہوں — اے احسان و اکرام والے! اگرچہ میں خطاکار ہوں

وَلَمَّا قَسَا قَلْبِيْ وَضَاقَتْ مَذَاهِبِيْ — جَعَلْتُ الرَّجَا مِنِّيْ لِعَفْوِكَ سُلَّمَا

اور جب کہ دل سخت اور راہیں تنگ ہوگئیں — تو میں نے آپ کے عفو کی امید کو نجات کی سیڑھی بنایا

تَعَاظَمَنِيْ ذَنْبِيْ فَلَمَّا قَرَنْتُهٗ — بِعَفْوِكَ رَبِّيْ كَانَ عَفْوُكَ أَعْظَمَا

مجھے میرے گناہ بھاری معلوم ہوئے مگر جب اس کا موازنہ — آپ کے عفو سے کیا تو آپ کا عفو بے حد بھاری ثابت ہوا

خِفِ اللّٰهَ وَارْجُهُ لِكُلِّ عَظِيْمَةٍ — وَلَا تُطِعِ النَّفْسَ اللَّجُوْجَ فَتَنْدَمَا

اللہ سے ڈر اور مصائب میں اسی سے امید وار رہ — اور گناہ میں ڈوبے نفس کی پیروی نہ کر کہ تجھے پچھتانا پڑے

وَكُنْ بَيْنَ هَاتَيْنِ مِنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَا — وَأَبْشِرْ بِعَفْوِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتَ مُسْلِمَا

اور خوف و رجا کے درمیان قلب کی کیفیت رکھ — اور اللہ کی معافی کا امید وار رہ اگر تو مسلمان ہے

فَمَا زِلْتَ ذَا عَفْوٍ عَنِ الذَّنْبِ لَمْ تَزَلْ — تَجُوْدُ وَ تَعْفُوْ مِنَّةً وَتَكَرُّمَا

آپ پہلے بھی ہمیشہ گناہوں کو معاف فرماتے رہے — اور آئندہ بھی از راہِ کرم وعفو بخشش فرماتے رہیں گے [2]

فوائد و نصائح

(۱) اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ مایوس ہونا چھوڑ دے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی

[1] مرقاة شرح مشكوٰة: باب ليلة القدر: ٣٢١/٤

[2] شرح ديوان الإمام الشافعي: ٢٢٠

معافی کے لئے ہر وقت دعا مانگتا رہے اور آئندہ گناہ اور نافرمانی کے کام نہ کرنے کا پختہ عزم کرے۔

۲ جس طرح اپنے آپ کے لئے یہ معافی کو پسند کرتا ہے، اسی طرح دوسروں کے ساتھ بھی عفو و درگذر کا معاملہ کرتا رہے۔ دوسروں کی تکلیف دہ باتوں کو بھلا دے، اپنے دل میں ایک چھوٹا سا قبرستان بنا کر رکھے، اس طرح کہ جس کسی کی بات سے تکلیف پہنچے اس کو قبرستان میں دفن کر دے، اس کا تیجہ، چالیسواں، دسواں نہ منائے، کہ فلاں نے اس وقت مجھے یہ کہا تھا اور فلاں رشتہ دار میری عیادت کرنے نہیں آئے اور فلاں نے میرے خلاف فلاں کو یہ بات کہی تھی۔ یہ سب باتیں دل کے قبرستان میں اس طرح دفن کر دیں کہ دوبارہ یاد نہ آئے، اور معاف کرنے کو اپنی عادت و اخلاق کا لازمی حصہ بنائے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ان معاف کرنے والے اور درگزر کرنے والے بندوں میں شامل ہو جنہیں "العَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" پسند فرماتے ہیں۔

۳ اس اسم مبارک کے تحت دی گئی دعا کو یاد کرکے کثرت سے مانگتا رہے اور چلتے پھرتے اس نام کے وسیلے سے اس طرح دعا مانگے جس طرح لیلۃ القدر میں مانگی جاتی ہے:

"اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ."[1]

اے بہت زیادہ معاف کرنے والے مجھے معاف کر دے۔

یا یوں دعا مانگے:

"يَارَبِّ عَفْوُكَ عَفْوُكَ."[2]

اے میرے پروردگار! تیری بخشش کا طالب ہوں۔

یہ بہت مبارک دعا ہے اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا وہ پیارا نام جو "رب" ہے، اس کے وسیلے سے دعا مانگی گئی ہے اور یہ وہ مبارک نام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں نے اسی نام سے دعائیں مانگی ہیں۔ قرآن کریم میں تقریباً ۳۸ مرتبہ "رَبَّنَا" یا "رَبِّ" کے ذریعہ دعائیں مانگی گئی ہیں۔

---

[1] ترمذی، کتاب الدعوات، باب فی فضل سؤال العافیة والمعافاة، رقم: ۳۵۱۳

[2] کتاب الدعا، شیطانی خیالات اور وہم دور کرنے کی دعا: ۳۴۷

الرؤوف جل جلالہ

(بہت نرمی کرنے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "يُقَالُ إِنَّ الرَّأْفَةَ، وَالرَّحْمَةَ وَاحِدٌ، وَقَدْ فَرَّقُوْا بَيْنَهُمَا أَيْضًا، وَذٰلِكَ أَنَّ الرَّأْفَةَ هِيَ الْمَنْزِلَةُ الثَّانِيَةُ، يُقَالُ: فُلَانٌ رَحِيْمٌ، فَإِذَا اشْتَدَّتْ رَحْمَتُهُ، فَهُوَ رَءُوْفٌ"[1]

ترجمہ: "امام زجاج رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ارشاد فرماتے ہیں: رأفت اور رحمت ایک ہی چیز ہے؛ لیکن بعض کے نزدیک تھوڑا فرق ہے، رافت مہربانی کے بعد والا درجہ ہے، اگر کوئی رحیم ہو تو کہا جائے گا "فُلَانٌ رَحِيْمٌ"، جب اس کی صفتِ رحمت بڑھ جائے تو اسے رؤف کہتے ہیں۔"

❷ الرؤوف: وَمَعْنَاهُ الْمُتَسَاهِلُ عَلٰى عِبَادِهٖ لِأَنَّهٗ لَمْ يُحَمِّلْهُمْ مَا لَا يُطِيْقُوْنَ، بَلْ حَمَّلَهُمْ أَقَلَّ مِمَّا يُطِيْقُوْنَ بِدَرَجَاتٍ كَثِيْرَةٍ.[2]

ترجمہ: "امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "الرؤوف جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں پر آسانی و مہربانی کا معاملہ کرنے والا ہے، اس لئے کہ "الرؤوف جل جلالہ" اپنے بندوں پر ایسا بوجھ نہیں ڈالتا جس کے اٹھانے کی طاقت بندوں میں نہ ہو۔ بل کہ جو کام ان کی طاقت میں ہے اس سے بھی کم ذمہ داریوں کا ان کو مکلّف بنایا ہے۔ قربان جایئے اس رؤف کی مہربانیوں پر اور اس کی عطاؤں پر کہ اس نے گناہوں سے بچنے پر اور نیکیوں کے کرنے پر بے شمار اجر و ثواب کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ حالاں کہ یہ بندوں کی ڈیوٹی تھی، ان کی ذمہ داری تھی، چاہے وہ عطا کرے یا نہ کرے لیکن اس "الرؤوف جل جلالہ" نے بے شمار اجر و ثواب عطا کرنے کا وعدہ کیا ہوا ہے۔"

❸ اسی طرح "الرفیق"، جس کے معنی بھی نرمی کرنے والے کے آتے ہیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، صحیح بخاری سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔[3]

[1] تفسیر الاسماء: ٦٢، بحوالہ النہج الاسمٰی: ٢/٢١٣

[2] المنہاج: ١/٢٠١ بحوالہ النہج الاسمٰی: ٢/٢١٥ [3] بخاری، الاستتابۃ، باب اذا عرض الذمی ...... رقم: ٦٩٢٧

اسم مبارک ”الرؤوف جل جلالہ“ قرآن کریم میں دس مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

۱ ﴿اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾[۱]

ترجمہ: ”یقیناً تمہارا رب بڑا ہی شفیق اور نہایت مہربان ہے۔“

۲ ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾[۲]

ترجمہ: ”بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفقت و نرمی کرنے والا اور مہربان ہے۔“

۳ ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾[۳]

ترجمہ: ”یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نرمی کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔“

صفتِ[۴] ”الرؤوف“ اللہ رب العزت کی خاص صفت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت کئی صورتوں میں ظاہر فرمائی ہے:

۱ اس کی بہترین مہربانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بندوں کے نیک اعمال میں سے کسی بھی عمل کو ضائع نہیں کرتا اور نیکی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

”اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع نہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔“[۵]

۲ یہ بھی اس کی مہربانیوں میں سے ہے کہ اس نے ہم کو اپنی ذات سے ڈرایا ہے، اور اپنی سزاؤں اور اپنے عذابات سے بھی خوف دلایا ہے، اور اپنی نافرمانی سے بھی منع فرمایا ہے، یہ اس وجہ سے کہ جس دن ہم اللہ تعالیٰ سے ملاقات (کریں گے) اس دن کے لئے تیاری کریں اور اس کے غصے اور ناراضگی سے بچیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

”جس دن ہر نفس (شخص) اپنی کی ہوئی نیکیوں کو اور اپنی کی ہوئی برائیوں کو موجود پالے گا تو آرزو کرے گا کہ کاش! اس کے اور برائیوں کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے

---

[۱] النحل: ۷ [۲] الحج: ۶۵ [۳] الحدید: ۹

[۴] وَصْفُ اللّٰهِ تَعَالٰى بِالرَّأْفَةِ وَهِيَ أَشَدُّ الرَّحْمَةِ، وَمِنْ مَظَاهِرِ تِلْكَ الرَّأْفَةِ: أَنَّهُ لَا يُضِيْعُ لِعِبَادِهٖ طَاعَةً أَطَاعُوْهُ بِهَا فَلَا يُثِيْبُهُمْ عَلَيْهَا: أَنَّهُ حَذَّرَنَا نَفْسَهُ سُبْحَانَهُ وَ تَعَالٰى، وَخَوَّفَنَا مِنْ عُقُوْبَتِهٖ وَعَذَابِهٖ وَنَهَانَا عَنْ مَعْصِيَتِهٖ، قَبْلَ أَنْ يُّلْقَى الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لِيَسْتَعِدَّ لِلِقَائِهٖ، وَيَتَجَنَّبُ سَخَطَهٗ وَغَضَبَهٗ.

فَمِنْ رَّحْمَتِهٖ وَرَأْفَتِهٖ فِعْلُ ذٰلِكَ. أَنَّهُ يَقْبَلُ تَوْبَاتِ التَّائِبِيْنَ، وَلَا يَرُدُّ عَنْ بَابِهِ الْعَاصِيْنَ الْمُنِيْبِيْنَ مَهْمَا كَثُرَتْ سَيِّئَاتُهُمْ، وَتَعَاظَمَتْ خَطِيْئَاتُهُمْ.

تَسْخِيْرُهٗ لِمَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِمَصْلَحَةِ الْإِنْسَانِ وَمَنْفَعَتِهٖ، وَخَلْقُهُ الْأَنْعَامَ لِيَرْكَبَ عَلٰى ظَهْرِهَا فَتَحْمِلُهُ الْمَسَافَاتِ الشَّاسِعَةِ، هُوَ وَمَتَاعَهٗ وَزَادَهٗ، وَلَوْ لَا ذٰلِكَ لَأَصَابَهُ الْجُهْدُ الْعَظِيْمُ وَالْمَشَقَّةُ الْبَالِغَةُ. (النهج الاسمٰی: ۲/۲۱۷)

[۵] البقرہ: ۱۴۳

بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔'' [1]

پس اس نے اپنے ہاں کام یاب ہونے کے لئے اور ناراضگی سے بچنے کے لئے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا سلسلہ جاری فرمایا، اور ان کے ذریعے کتابیں اتاریں جس میں انسانوں کے لئے احکامات ہیں تاکہ یہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام لوگوں کو شرک اور جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر توحید اور ہدایت کے نور کی طرف بلائیں۔ جیسے ارشادِ باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

''وہی ہے جو اپنے بندہ پر صاف آیتیں اتارتا ہے تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے اجالے میں لے آئے اور اللہ تعالیٰ تم پر نرمی کرنے والا مہربان ہے۔'' [2]

۳ اس کی صفت ''الرَّءُوْفُ'' میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بندوں سے توبہ کو قبول کرتا ہے۔ اور رجوع کرنے والوں کو اپنے دروازہ پر سے دھتکارتا نہیں ہے۔ اس کے باوجود کہ انہوں نے بہت بڑے بڑے گناہ کئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

''پھر اللہ تعالیٰ ان پر مہربان ہوا۔ بے شک وہ ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا ہے۔'' [3]

۴ اس کی مہربانی کی بدولت ہر چیز کو انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا چاہے وہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو، اور اسی طرح جانوروں کا پیدا کرنا بھی جس کے ذریعے انسان طویل اور مشقت والے راستوں کو طے کرتا ہے۔ ان جانوروں کو بھی مسخر کر دیا گیا ہے۔ اگر یہ جانور نہ ہوتے تو انسان بہت بڑی مشکل میں پڑ جاتا اور یہ سب انسان کے فائدے اور نفع کے لئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

''اور تمہارے بوجھ ان شہروں تک اٹھا لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر آدھی جان کے پہنچ ہی نہیں سکتے تھے، تمہارا رب بڑا شفیق اور بڑا مہربان ہے۔'' [4]

اور اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں میں مزید غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی یہ صفت اس کے بندوں پر کھلتی چلی جائے گی۔

''الرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی شفقتیں

۱ ''الرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی انسانوں پر بے شمار شفقتیں ہیں، ''الرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے بنی آدم کو مختلف حیثیات سے ایسی خصوصیات عطا فرمائی ہیں جو دوسری مخلوقات میں نہیں۔ مثلاً حسنِ صورت، ...... اعتدالِ جسم ...... اعتدالِ مزاج، ...... اعتدالِ قد وقامت ...... جو انسان کو عطا ہوا ہے کسی دوسرے حیوان میں نہیں، اس کے علاوہ عقل وشعور میں اس کو خاص امتیاز بخشا گیا ہے، جس کے ذریعہ وہ تمام کائنات کی چیزوں سے اپنے کام نکالتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی قدرت بخشی ہے کہ مخلوقاتِ الٰہیہ سے ایسے مرکبات اور مصنوعات تیار کرے جو اس کے رہنے سہنے اور نقل وحرکت اور طعام ولباس

---

[1] اٰل عمرٰن: ۳۰ [2] الحدید: ۹ [3] التوبۃ: ۱۱۷ [4] النحل: ۷

میں اس کے کام آئیں۔

❷ نطق و گویائی اور فہم و تفہیم کا جو ملکہ اس کو عطا ہوا ہے وہ کسی دوسرے حیوان میں نہیں، اشارات کے ذریعہ اپنے دل کی بات دوسروں کو بتلا دینا، تحریر اور خط کے ذریعہ بات دوسروں تک پہنچانا یہ سب انسان ہی کے امتیازات ہیں۔

❸ بعض علماء نے فرمایا کہ ہاتھ کی انگلیوں سے کھانا بھی انسان ہی کی صفتِ مخصوصہ ہے اس کے سوا اکثر جانور اپنے منہ کے ذریعے سے کھاتے ہیں۔

❹ اپنے کھانے کی چیزوں کو مختلف اشیاء سے مرکب کر کے لذیذ اور مفید بنانے کا کام بھی انسان ہی کرتا ہے، باقی سب جانور مفرد چیزیں کھاتے ہیں، کوئی کچا گوشت کھاتا ہے، کوئی گھاس، کوئی پھل وغیرہ، بہر حال سب مفردات کھاتے ہیں، انسان ہی اپنی غذا کے لئے ان سب چیزوں کے مرکبات تیار کرتا ہے۔

❺ اور سب سے بڑی فضیلت عقل وشعور کی ہے جس سے وہ اپنے خالق و مالک کو پہچانے اور جن کاموں سے وہ خوش ہوتا ہے انہیں کرے اور جن کاموں سے وہ ناراض ہوتا ہے اُن سے بچے اور عقل وشعور کے اعتبار سے مخلوقات کی تقسیم اس طرح ہے کہ عام جانوروں میں شہوات اور خواہشات ہیں، عقل وشعور نہیں، فرشتوں میں عقل وشعور ہے، شہوات و خواہشات نہیں، انسان میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں، عقل وشعور بھی ہے، شہوات وخواہشات بھی ہیں، اسی وجہ سے جب وہ خواہشات کو عقل وشعور کے ذریعہ مغلوب کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیزوں سے اپنے آپ کو بچا لیتا ہے تو اس کا مقام بہت سے فرشتوں سے بھی اونچا ہو جاتا ہے۔

❻ یہ اُس "اَلرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی رأفت وشفقت ہی ہے کہ انسان کے اندر بھولنے کا مادّہ رکھا ہے، اپنے قریبی عزیز کا انتقال ہو جائے جس کے بغیر یا اس کے فراق میں انسان کا جینا مشکل ہو جائے، ایسے عزیز کے انتقال کے چند دن بعد یہی انسان اس کو بھول جاتا ہے، ورنہ یہ انسان اس دنیا میں کوئی کام نہ کر سکے، اور ہر انسان اپنے غموں میں مبتلا ہی رہتا، لیکن اس "اَلرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی شفقت و رأفت دیکھئے کہ اس نے اپنی مہربانی سے بڑے سے بڑے غم کو بھلا دیا۔

❼ اسی "اَلرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی رأفت وشفقت ہے کہ جہاں بیماری پیدا کی تو وہاں دوا بھی پیدا کی، جس جگہ کے لوگ جہاں رہتے ہیں ان ہی کے مزاج کے موافق وہاں کی غذا، اور وہاں کی دوا پیدا کی۔

"اَلرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی رأفت ورحمت کا عجیب کرشمہ

واقعہ نمبر ۷۴: شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں جنوبی افریقہ میں کیپ ٹاؤن کے علاقے میں ریل گاڑی میں سفر کر رہا تھا۔ راستے میں ایک جگہ پہاڑی علاقے میں گاڑی رک گئی، ہم نماز کے لئے نیچے اترے، وہاں میں نے دیکھا کہ ایک خوب صورت پودا ہے، اس کے پتے بہت خوب صورت تھے اور وہ

پودا بہت حسین وجمیل معلوم ہو رہا تھا۔ بے اختیار دل چاہا کہ اس کے پتے کو توڑ لوں۔ میں نے جیسے ہی اس کے پتے کو توڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میرے جو رہنما تھے، وہ ایک دم زور سے چیخ پڑے کہ حضرت! اس کو ہاتھ مت لگایئے گا، میں نے پوچھا: ''کیوں؟''

انہوں نے بتایا: یہ بہت زہریلی جھاڑی ہے، اس کے پتے دیکھنے میں تو بہت خوش نما ہیں۔ لیکن یہ اتنا زہریلا ہے کہ اس کے چھونے سے انسان کے جسم میں زہر چڑھ جاتا ہے اور جس طرح بچھو کے ڈسنے سے زہر کی لہریں اٹھتی ہیں اسی طرح اس کے چھونے سے بھی لہریں اٹھتی ہیں۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے ہاتھ نہیں لگایا اور پہلے سے معلوم ہو گیا۔ یہ تو بڑی خطرناک چیز ہے، دیکھنے میں بڑی خوب صورت ہے، پھر میں نے ان سے کہا: یہ معاملہ تو بڑا خطرناک ہے۔ اس لئے کہ آپ نے مجھے تو بتا دیا جس کی وجہ سے میں بچ گیا۔ لیکن اگر کوئی اَن جان آدمی جا کر اس کو ہاتھ لگا دے، وہ تو مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہو جائے گا۔

اس پر انہوں نے اس سے بھی زیادہ عجیب بات بتائی، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب کرشمہ ہے کہ جہاں کہیں یہ زہریلی جھاڑی ہوتی ہے۔ اسی کی جڑ میں آس پاس لازماً ایک پودا ہوتا ہے، لہٰذا اگر کسی شخص کا ہاتھ اس زہریلے پودے پر لگ جائے تو وہ فوراً اس دوسرے پودے کے پتے کو ہاتھ لگا دے۔ اسی وقت اس کا زہر ختم ہو جائے گا۔ چناں چہ انہوں نے اسی کی جڑ میں وہ دوسرا پودا بھی دکھایا، یہ اس کا تریاق ہے۔[۱]

غور کیجئے ''اَلرَّؤُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' بندوں پر کتنے مہربان ہیں، کیسی کیسی مہربانیاں کیں ہیں، بندوں کے نقصان، بیماری اور پریشانیوں سے بچانے کے لئے کیسی کیسی جڑی بوٹیاں، دوائیں بنائیں ہیں، ہمیں چاہئے کہ اس مہربان رب ''اَلرَّؤُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کو ناراض نہ کریں، اس کے بندوں کو تکلیف نہ پہنچائیں، جس طرح اس نے ہم پر مہربانیاں کیں ہیں، ہم بھی دوسروں پر مہربان ہو جائیں۔

دل وزبان ''اَلرَّؤُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی دو عظیم نعمتیں

وَاقِعَہ نمبر ۷۵: اس ''اَلرَّؤُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے ہمیں دو عظیم نعمتوں سے نوازا ہے یعنی دل اور زبان سے ہمیں چاہئے کہ ہم ہر وقت اس ''اَلرَّؤُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی مہربانیوں کو زبان سے بھی بیان کریں اور دل میں بھی ان کا استحضار رکھیں اور ان کو اس کی نافرمانی میں نہ استعمال کریں۔

حضرت لقمان حکیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے آقا نے ان سے ایک مرتبہ کہا: ''إِئْتِنِيْ بِأَطْيَبِ مُضْغَتَيْنِ فِي الشَّاةِ'' ''بکری ذبح کر کے اس کے دو بہترین حصے میرے پاس لے آؤ'' انہوں نے بکری ذبح کی اور اس کے دل وزبان

---

[۱] اصلاحی خطبات: گناہوں کا تریاق ''استغفار'' اور توبہ ۳۲/۶

آقا کے پاس لے گئے، آقا نے پھر حکم دیا: ''اِئْتِنِي بِأَخْبَثَ مُضْغَتَيْنِ فِي الشَّاةِ''

''ایک اور بکری ذبح کر کے اس کے دو بدترین ٹکڑے میرے پاس لاؤ'' انہوں نے بکری ذبح کی اور اس مرتبہ بھی اس کے دل و زبان اس کے پاس لے گئے، آقا نے پوچھا: ''میں نے بہترین حصے طلب کئے تو تم یہی لائے، بدترین طلب کئے تب بھی یہی لائے؟'' حضرت لقمان حکیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا: ''میرے آقا! دل و زبان اچھے رہیں تو ان سے بہتر جسم کا کوئی اور عضو نہیں ہوسکتا اور اگر یہ بگڑ جائیں تو ان سے بدتر کوئی عضو نہیں ہوسکتا، یہ بہتر رہیں تو بہترین ہیں، بدتر ہو جائیں تو بدترین ہیں۔''[1]

اس ''اَلرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے انسانوں کی آسائش کے لئے کتنی رحمتیں نازل فرمائی ہیں:

﴿فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ﴾[2] اپنے رب کے آثار رحمت کی طرف دیکھو! جب بارانِ رحمت برستی ہے تو نہ صرف انسانوں پر اس کی مہربانی چھا جاتی ہے بل کہ ساری مخلوق پر اس کی شانِ ''رَأفت'' چھا جاتی ہے ...... پیاسی زمین سیراب ہوتی ہے ...... پتھروں اور چٹانوں کی پیاس بجھ جاتی ہے ...... درخت لہلہانے لگتے ہیں ...... پھول وضو کرنے لگتے ہیں ...... نباتات زمین سے سر نکالتی ہیں ...... درختوں کے پتے گرد و غبار سے پاک ہو جاتے ہیں ......فطرت درختوں کو غسل دیتی ہے ......مینڈک خوشی سے ٹرٹرانے لگتے ہیں۔

جھینگر گانے لگتے ہیں ...... پرندے اپنی پیاس بجھاتے ہیں اور غسل کرتے ہیں ...... تالاب اپنے پیالوں کو بھر لیتے ہیں ......ندی نالے بہہ پڑتے ہیں اور دور و نزدیک کے حشرات الارض ...... چرند پرند اور درخت سیراب ہو جاتے ہیں، جو حشرات الارض زمین کی نمی کو چوسنے کے محتاج ہوتے ہیں وہ سیر ہو جاتے ہیں۔

پھولوں اور پھلوں اور پتیوں پر جو بن آجاتا ہے جن کے رس سے ان گنت مکھیاں شہد چوستی ہیں، بھنورے خوشی سے گنگناتے ہیں اور چڑیاں برکھا کے گیت گاتی ہیں۔

پتوں کی ایک ایک رگ سیراب ہوتی ہے ....اور درختوں کی ایک ایک نس تر ہو جاتی ہے ....طرح طرح کے کیڑے مکوڑے لباس ہستی سے آراستہ ہو کر رونقِ عالم کو دوبالا کرتے ہیں............ وہ پرندے جو پانی نہیں پی سکتے یا انہیں میسر نہیں آسکتا اپنی چونچیں آسمان کی طرف کھول کر دل کی ٹھنڈک حاصل کرتے ہیں .... دلوں میں ایک ولولہ و جوش پیدا ہوتا ہے اور مخلوق گانے لگتی ہے، ...... پہاڑوں کے پتھر اور چٹانیں دھل دھلا کر بارونق ہو جاتی ہیں ...... اور ان کے چہروں سے گرد و غبار دھل جاتی ہے، کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں ......تو جانوروں کو چارے کی افراط ہو جاتی ہے، کسانوں کی محنت بارآور ہوتی ہے ......تو ان کے گھروں میں خوشی کے شادیانے بجنے لگتے ہیں ...... کپاس کے ڈوڈوں پر ابن آدم کے لئے سفید لباس آسمان سے نازل ہوتا ہے، ...... رزق بصورتِ گندم نازل ہوتا ہے، ...... ہر طرف ہریالی نظر آتی ہے

---

[1] تفسیر قرطبی: ٤٦/٧، لقمان: ١٢ [2] الروم: ٥٠

جسے خوشی خوشی جانور کھا کر ہمارے لئے دودھ اور گوشت پیدا کرتے ہیں۔ مکھن دہی گھی اور بالائی اس طرح آسمان سے مخلوق کے لئے نازل کی جاتی ہے، یہی مطلب ہے اس آیت کا:

﴿وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ﴾[1] ''آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔''

الغرض اس ''الرؤف جل جلالہ'' کی مہربانیاں زیرِ زمین دفن ہیں، پہاڑوں میں پوشیدہ ہیں اور سمندر کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾[2]

''لباس تقویٰ سب لباسوں سے بہتر ہے۔''

اس نے ہمارے لئے آسمان سے جو ادنیٰ سوتی کپڑے تن ڈھانپنے کے لئے اتارے ہیں اور جو لباسِ جنگ ہمارے لئے آسمان سے اتارا ہے یہ دونوں قسم کے لباس سفید سیاہ یا نیلے پیلے وغیرہ رنگوں کے ہوتے ہیں، تو دکھائی بھی دیتے ہیں اور چوں کہ یہ دونوں لباس مادی ہیں لہٰذا انہیں چھوا بھی جا سکتا ہے، مگر لباسِ تقویٰ چوں کہ بے رنگ و بو ہے اور مذکورہ بالا دونوں لباس جیسے تراش خراش اور شکل وصورت نہیں رکھتا، لہٰذا دکھائی بھی نہیں دیتا اور غیر مادی ہونے کی وجہ سے اسے چھوا بھی نہیں جا سکتا۔

یہ لباسِ تقویٰ بھی عجیب ہے کہ نہ اسے دیکھا جا سکتا ہے، نہ چھوا جا سکتا ہے اور نہ اس کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے، اس کے باوجود دکھائی دیتا ہے مگر بصارت سے نہیں بصیرت سے دکھائی دیتا ہے۔

کافر ومشرک کو بھی یہ لباسِ تقویٰ نظر آتا ہے، معلوم ہوتا ہے کچھ نہ کچھ بصیرت اللہ تعالیٰ نے کافروں کو بھی عطا کی ہے، یہ بھی اس ''الرؤف جل جلالہ'' کی ''رأفت ورحمت'' کا ایک اثر ہے کہ اس نے سب انسانوں کو اپنے فضل وکرم سے نوازا ہے۔

ایک اور لباس بھی ہے جو انسان، حیوان، چرند، پرند، اور تمام حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) کو عطا فرمایا ہے جس کے بغیر ایک منٹ بھی کوئی جان دار زندہ نہیں رہ سکتا، غذا، پانی اور ہوا کے بغیر کچھ نہ کچھ دیر جان دار زندہ رہ سکتا ہے مگر اس کے بغیر زندگی محال ہے۔ ہر جان دار کو اس ''الرؤف جل جلالہ'' نے ازراہِ ''رأفت ورحمت'' ایسا لباس عطا کیا ہے جو اس کی فضا اور ماحول کے لئے سازگار ہے، اور موسمی تغیرات سے بچاتا ہے، میری مراد کھال ہے کہ وہ ہمیں تکلیف دہ چیزوں سے بچاتی ہے اور ہماری زینت بھی ہے۔

رأفت ''شفقت ومہربانی'' کے معنی میں ہے لہٰذا ''الرؤف جل جلالہ'' اس ذات کو کہیں گے جو شفیق ومہربان ہو اور حد درجہ رحم کرنے والی ہو۔ جو شفیق ومہربان ہوگا وہی رحم کرسکتا ہے، غیر شفیق اور غیر مہربان کیسے رحم کرسکتا ہے۔[3]

---

[1] الذّٰریٰت: ۲۲ [2] الاعراف: ۲۶ [3] شرح اسماء الحسنیٰ (الازہری): ۱۸۹

ہاں! اللہ تعالیٰ ''الرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہے۔ اس کی شفقت اس کا احسان تمام مخلوق پر بلا کسی سبب اور بلا کسی استحقاق اور بلا کسی درخواست کے عام ہے۔ ان حالات کے ساتھ احسان و نوازش انعام و پرورش فرمانا اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا خاصہ ہے۔[1]

شیطان سے بچاؤ کے لئے یہ دعا مانگئے

''الرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے ہم پر اپنی مہربانی، لطف و کرم اور خاص فضل و کرم کی انتہا کر دی کہ ہمیں شیطان جیسے دشمن سے بچاؤ اور اس دشمن کو ذلیل و رسوا کرنے کے نہایت ہی آسان طریقے سمجھا دیئے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ دشمن سے بچاؤ کا آسان طریقہ بتا دیا۔ سب سے کارگر اور بہترین طریقہ تَعَوُّذ کا ہے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، ہر وقت تَعَوُّذ یعنی ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' پڑھتے رہیں اور یہ تَعَوُّذ بھی مانگتے رہیں:

''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ.''[2]

تَرجَمہ: ''میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں، جو سننے والا، جاننے والا ہے، شیطان مردود سے، اس کے وسوسوں سے اور اس کے پھونک مارنے سے۔''

فوائد و نصائح

۱ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ ''الرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے جو مہربانیاں اس پر کی ہیں ان کو زبان سے بھی بیان کرے اور خود بھی دل میں ان نعمتوں اور مہربانیوں کا استحضار کرے اور دل و زبان سے اس مہربان رب کا شکر ادا کرے۔

۲ اپنے ماتحتوں اور متعلقین اور ہر خاص و عام کے ساتھ ہر معاملے میں نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کرے؛ تاکہ اس صفت میں سے کچھ حصہ پائے، سخت دِل ہونے سے بچے اور سخت دل ہونے سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس نام کے ذریعے نرمی مانگتا رہے اور یوں کہے: ''اے اللہ! آپ بندوں پر رحم و کرم کا معاملہ فرماتے ہیں، اے رؤف و رحیم میرے دل کی سختی کو زائل فرما دیجئے اور اس میں نرمی پیدا فرمائیے۔''

۳ اس اسم مبارک کے تحت دی گئی دعا کو حفظ کر کے ترجمہ کے دھیان کے ساتھ مانگنے کا اِہتمام کرے۔

اور اسم مبارک السَّمِيْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ کے آخر میں جو دعا ذکر کی گئی ہے اُسے بھی مانگتا رہے؛ کیوں اس میں ''الرَّءُوْفُ'' اسم

[1] شرح اسماء حُسنیٰ: ۱۵۰ (منصور پوری)

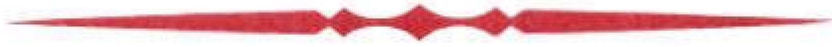
[2] ترمذي، الصلوٰة، باب ما يقول عند افتتاح الصلوٰة: ۵۷/۱

مبارک کے وسیلے سے دعا مانگی گئی ہے اور چلتے پھرتے......

"یَا رَؤُفُ اُرْؤُفْ بِیْ" "اے مہربان میرے ساتھ مہربانی والا معاملہ فرمائیے" بھی پڑھتے رہیں۔

۴ "الرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" یہ نام مبارک ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ ہمیں جو بھی ضرورت اور کسی قسم کی بھی پریشانی ہو تو بار بار اپنے مہربان مولیٰ سے کہہ دینا چاہئے، یہ انتظار نہیں کرنا چاہئے کہ نماز کے بعد یا تلاوت کے بعد دعا مانگوں گا؛ بل کہ جب بھی ضرورت پیش آئے چلتے پھرتے اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے۔

اگر کسی کا افسر یا والدین رحم دل ہوں تو ماتحت کا عملہ درخواست دیتے ہوئے جھجکتا نہیں ہے، اسی لئے ہمارے اللہ جل جلالہ کا نام "الرَّءُوْفُ" ہے کہ ہر قسم کی مخلوق، گناہ گار و نیکوکار اس کو درخواست کرنے میں جھجکتی نہیں۔



مَالِكُ الْمُلْكِ جَلَّ جَلَالُهُ

(سلطنت کا مالک)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلْمَالِكُ لِجَمِيْعِ الْأَشْيَآءِ، اَلْمُتَصَرِّفُ فِيْهَا بِلَا مُمَانَعَةٍ وَلَا مُدَافَعَةٍ."

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ مالک ہیں تمام اشیاء کے اور ان میں بغیر کسی ممانعت اور روک ٹوک کے تصرف کرنے والے ہیں۔"

❷ "اَلْمَلِكُ: هُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى ...... وَتَقَدَّسَ مَلِكُ الْمُلُوْكِ ......، لَهُ الْمُلْكُ ......، وَهُوَ مَالِكُ يَوْمِ الدِّيْنِ وَهُوَ مَلِيْكُ الْخَلْقِ"

ترجمہ: "امام لیث رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے فرمایا: "مَالِكُ الْمُلْكِ جَلَّ جَلَالُهُ" وہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہیں، وہ تمام بادشاہوں کے بادشاہ ہیں، بادشاہت اُسی کی ہے اور وہ قیامت کے دن کا مالک ہے۔"[1]

انسان جس گھر میں آباد ہے اور اس کو بلا شرکت غیرے اپنا مملوک ومقبوض خیال کرتا ہے۔ ذرا تو غور کرے کہ اب سے تقریباً پچاس ساٹھ برس پہلے یہ کس کی مِلک تھا اور وہ آج کہاں ہے۔ اس کے دعویٰ مالکیت کا کیا انجام ہوا۔

متنبّی نے کیا ہی خوب کہا ہے:

تَمَلَّكَ الْاٰتِيْ تَمَلُّكَ سَالِبٍ وَفَارَقَهَا الْمَاضِيْ فِرَاقَ سَلِيْبٍ[2]

ترجمہ: "آنے والا شخص دنیا کا اسی طرح مالک ہوتا ہے جیسے کوئی غاصب دوسرے کی ملک پر قابض ہو جائے اور جانے والا دنیا کو اس طرح چھوڑتا ہے جیسے کسی کا مال لوٹ لیا جائے۔"

کئی مرتبہ دیکھا گیا پچاس سال سے ایک شخص اپنے آپ کو مالک کہتا ہے کہ یہ دکان میری ہے، میں اس کا مالک ہوں، یہ مکان میرا ہے میں اس کا مالک ہوں اور موت آتے ہی وہ ملکیت ختم، دکان پر بورڈ لگا ہوا ہے حاجی عبدالغفار اینڈ کمپنی اب بورڈ بدل گیا حاجی عبدالستار اینڈ کمپنی، کیا یہ بورڈ کا بدلنا غور کرنے والوں کے لئے کافی نہیں ہے؟

---

[1] النهج الاسمٰى: ۹٦/۱

[2] ديوان المتبنى: ۱۵

مالک الملک جلّ جلالہٗ چاہے تو فقراء کو تخت و تاج کا مالک بنا دے

واقعہ نمبر (۷۶): بدر و اُحد میں مشرکینِ مکہ کی مسلسل شکست اور مسلمانوں کے خلاف ہر جدوجہد میں ناکامی کے ساتھ مسلمانوں کی مسلسل ترقی اور اسلام کی روز افزوں اشاعت نے قریشِ مکہ اور تمام غیر مسلموں میں ایک بوکھلاہٹ پیدا کر دی تھی، جس سے وہ اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو رہے تھے، جس کا نتیجہ ایک عام سازش کی صورت میں یہ ظاہر ہوا کہ مشرکینِ عرب اور یہود و نصاریٰ سب کا ایک متحدہ محاذ مسلمانوں کے خلاف بن گیا، اور سب نے مل کر مدینہ پر یک بارگی حملہ اور فیصلہ کن جنگ کی ٹھان لی، اور ان کا بے پناہ لشکر اسلام اور مسلمانوں کو دنیا سے مٹا ڈالنے کا عزم لے کر مدینہ پر چڑھ آیا، جس کا نام قرآن میں غزوۂ احزاب اور تاریخ میں غزوۂ خندق ہے، کیوں کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مشورہ سے یہ طے فرمایا تھا کہ غنیم کے راستہ میں مدینہ سے باہر خندق کھودی جائے۔

بیہقی اور ابونعیم اور ابن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ خندق کھودنے کا کام مجاہدینِ اسلام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سپرد ہوا تو چالیس چالیس ہاتھ لمبی خندق دس دس آدمیوں کے سپرد تھی، یہ خندقیں کئی میل لمبی اور خاصی گہری اور چوڑی تھی، جس کو غنیم عبور نہ کر سکے، اور کھدائی کے لئے تکمیل جلد سے جلد کرنا تھی، اس لئے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بڑی محنت سے اس میں مشغول تھے کہ قضائے حاجت اور کھانے وغیرہ کی ضروریات کے لئے یہاں سے ہٹنا مشکل ہو رہا تھا، مسلسل بھوکے رہ کر یہ کام انجام دیا جا رہا تھا اور یقیناً کام ایسا تھا کہ آج کل کی جدید آلات والی فوج بھی ہوتی تو اس تھوڑے وقت میں اس کام کا پورا کرنا آسان نہ ہوتا، مگر یہاں ایمانی طاقت کام کر رہی تھی جس نے بآسانی تکمیل کرا دی۔

سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک فرد کی حیثیت سے اس کھدائی کے کام میں شریک تھے، اتفاقاً خندق کے ایک حصہ میں پتھر کی بڑی چٹان نکل آئی، جن حضرات کے حصہ میں خندق کا یہ ٹکڑا تھا وہ اپنی پوری قوت صرف کر کے عاجز ہو گئے، تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت تشریف لائے اور کدالِ آہنی خود دستِ مبارک میں لے کر ایک ضرب لگائی تو اس چٹان کے ٹکڑے ہو گئے، اور ایک آگ کا شعلہ برآمد ہوا، جس سے دور تک اس کی روشنی پھیل گئی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس روشنی میں حیرہ ملک فارس کے محلات و عمارات دکھلائی گئیں، پھر دوسری ضرب لگائی اور پھر ایک شعلہ برآمد ہوا تو فرمایا: اس کی روشنی میں مجھے رومیوں کے سرخ محلات و عمارات دکھلائی گئیں، پھر تیسری ضرب لگائی اور روشنی پھیلی تو فرمایا: اس میں مجھے صنعاء یمن کے عظیم محلات دکھلائے گئے اور فرمایا: میں تمہیں خوش خبری دیتا ہوں...... مجھے جبرئیل امین نے خبر دی ہے کہ میری امت ان تمام ممالک پر غالب آئے گی۔

منافقینِ مدینہ نے یہ سنا تو ان کو استہزاء و تمسخر کا موقع ہاتھ آیا، مسلمانوں کا مذاق اڑایا، کہ دیکھو ان لوگوں کو جو حریفِ

مقابل کے خوف سے خندق کھودنے میں اس طرح مشغول ہیں کہ ان کو اپنی ضروریات کا بھی ہوش نہیں، اپنی جانوں کی حفاظت ان کو مشکل ہو رہی ہے، ملکِ فارس و روم اور یمن کی فتوحات کے خواب دیکھ رہے ہیں، حق تعالیٰ نے ان بے خبر ظالموں کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۘ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾[1]

ترجمہ: ''آپ فرما دیجئے اے میرے معبود! اے تمام جہاں کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔''[2]

جس میں مناجات و دعا کے انداز میں قوموں کے عروج و زوال اور ملکوں کے انقلاب میں حق جل شانہ کی قدرتِ کاملہ کا بیان ایک نہایت بلیغ انداز سے کیا گیا ہے اور فارس و روم کی فتوحات کے بارے میں رسولِ کریم ﷺ کی پیش گوئی کے پورا ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا، اس میں دنیا کے انقلابات سے بے خبر قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ سے ناواقف، قومِ نوح اور عاد و ثمود کے واقعات سے غافل اور جاہل، دشمنانِ اسلام کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تم ظاہری شان و شوکت کے پرستار یہ نہیں جانتے ...... دنیا کی ساری طاقتیں اور حکومتیں سب ایک ذات پاک کے قبضۂ قدرت میں ہیں، عزت و ذلت اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ بلاشبہ اس پر قادر ہے کہ غریبوں اور فقیروں کو تخت و تاج کا مالک بنا دے اور بڑے بڑے بادشاہوں سے حکومت و دولت چھین لے، اس کے لئے کچھ مشکل نہیں کہ آج کے خندق کھودنے والے فقیروں کو کل شام و عراق اور یمن کی حکومت عطا فرما دے[3]

ذرّہ ذرّہ دہر کا پابستۂ تقدیر ہے زندگی کے خواب کی جامی یہی تعبیر ہے

ایک دوسری آیت میں آسمانی طاقتوں اور فلکیات پر حق جل شانہ کی قدرت کاملہ کا احاطہ اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ﴾[4] یعنی آپ جب چاہتے ہیں رات کے اجزاء دن میں داخل فرما کر دن کو بڑا کر دیتے ہیں، اور جب چاہتے ہیں دن کے اجزاء رات میں داخل کر کے رات بڑی کر دیتے ہیں۔[5]

اور یہ ظاہر ہے کہ رات اور دن بڑے چھوٹے ہونے کا مدار آفتاب کے طلوع و غروب اور اس کی حرکات پر ہے، اس لئے اس کا حاصل یہ ہوا کہ آسمان اور اس کے متعلق سب سے بڑا سیّارہ شمس اور سب سے معروف سیّارہ قمر سب آپ کے احاطۂ قدرت میں ہیں، پھر عالمِ عناصر اور دنیا کی باقی طاقتوں میں کسی شک و شبہ کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟

---

[1] آل عمرٰن: ۲٦ [2] تفسیر مظھری: ۲۹/۲، آل عمرٰن: ۲٦
[4] آل عمرٰن: ۲۷ [5] معارف القرآن: ۴۵/۲، ۴٦، آل عمرٰن: ۲۷

اسی طرح عالمِ روحانیت پر حق جل شانہ کا احاطۂ قدرت اس طرح بیان فرمایا:

﴿وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ﴾[1] ''یعنی آپ زندہ کو مردہ سے نکال لیتے ہیں، جیسے انڈہ سے بچہ یا نطفہ سے انسان یا دانہ سے درخت کو نکال لیتے ہیں، اور مردہ کو زندہ سے نکال لیتے ہیں۔ جیسے جانور سے بیضہ (انڈہ) اور انسان سے نطفہ یا درخت سے پھل اور دانۂ خشک۔''[2]

اور اگر زندہ اور مردہ کا مفہوم عام لیا جائے تو عالم اور جاہل، کامل و ناقص اور مؤمن و کافر سب کو شامل ہو جاتا ہے، جس سے حق جل شانہٗ کی قدرتِ کاملہ اور اس کے تصرفات تمام عالمِ ارواح اور رُوحانیت پر واضح ہو جاتے ہیں کہ وہ جب چاہیں تو کافر سے مؤمن یا جاہل سے عالم پیدا کر دیں، اور جب چاہیں مؤمن سے کافر یا عالم سے جاہل پیدا کر دیں، آزر کے گھر میں خلیل اللہ پیدا ہو جائے، اور نوح عَلَیْہِ السَّلَامُ کے گھر میں ان کا بیٹا کافر رہ جائے، عالم کی اولاد جاہل رہ جائے اور جاہل کی اولاد عالم ہو جائے۔

اس تفصیل سے آپ نے معلوم کیا ہو گا کہ کیسی بلیغ ترتیب کے ساتھ حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا تمام کائناتِ عالم پر محیط ہونا ترتیب وار بیان فرمایا گیا ہے کہ پہلے عالمِ عناصر اور اس کی قوتوں اور حکومتوں کا ذکر آیا ہے، پھر عالمِ افلاک اور اس کی قوتوں کا اور ان سب کے بعد روح اور روحانیت کا ذکر آیا ہے، جو درحقیقت سارے عالم کی ساری قوتوں میں سب سے بالاتر قوت ہے، اسی طرح مَالِكُ جَلّ جَلَالُهٗ نے آخر آیت میں ارشاد فرمایا: ﴿وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ ''یعنی آپ جس کو چاہیں بے شمار رزق عطا فرما دیں۔'' جس کو کوئی مخلوق نہ معلوم کر سکے، اگرچہ خالق کے علم میں ذرّہ ذرّہ لکھا ہوا ہے۔

مَالِكُ جَلّ جَلَالُهٗ پر بھروسے کی ایک مثال

وَاقِعَہ نمبر (۷۷): حضرت ربیع بن خثیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مشہور تابعی ہیں، ان کے زہد و تقویٰ اور دنیا سے بے رغبتی کے یادگار واقعات تاریخ کی کتابوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں، ایک مرتبہ ان پر فالج کا حملہ ہوا، صاحبِ فراش ہو گئے، انسان بیمار ہو تو خواہشات کا نخل (درخت) ہرا ہو جاتا ہے، انہیں مرغی کے گوشت کھانے کی خواہش ہوئی، چالیس دن تک اس کا اظہار نہیں کیا، اس کے بعد بیوی سے کہہ دیا، انہوں نے مرغی منگوائی، عمدہ پکائی، آپ کے سامنے پیش کی، ابھی آپ نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دروازے پر فقیر نے خیرات کی صدا لگائی، آپ نے ہاتھ کھینچا، اہلیہ سے فرمایا:

''اِدْفَعِیْهِ اِلَی السَّائِلِ'' ''یہ فقیر کو دے آؤ''

اہلیہ نے کہا:

---

[1] آل عمرٰن: ۲۷ [2] تفسیر مظھری: ۳۱/۲، آل عمرٰن: ۲۷

''میں فقیر کو اس سے بہتر چیز دے آتی ہوں'' پوچھا ''وہ کیا؟''
کہنے لگیں: ''اس کی قیمت'' فرمایا ''بہت خوب، قیمت لے آؤ'' وہ قیمت لے آئیں تو آپ نے فرمایا:
''ضَعِيْهِ عَلٰى هٰذَا وَادْفَعِيْهِ جَمِيْعًا إِلَى السَّائِلِ''[1]
''یہ کھانا اور قیمت دونوں اس فقیر سائل کو دے آ ؤ۔''
یہ تھے خواہشات کو کچلنے والے اصحابِ بلند ذوق ونظر، ہوس چھپ چھپ کر ان کے سینوں میں تصویریں کہاں بنا سکتی تھی! انیس نے خوب کہا ہے ؎

امید نہیں جینے کی یاں صبح تا شام
ہستی کو یہ سمجھو کہ ہے خورشیدِ لبِ بام
یاں کام کرو ایسا جو آئے وہاں کام
آجائے خدا جانے کب موت کا پیغام
اپنی کوئی ملک نہ املاک سمجھنا
ہونا ہے تمہیں خاک سب خاک سمجھنا[2]

اس اسمِ مبارک کے وسیلے سے دعا مانگنے کی فضیلت

ایک روایت میں ہے کہ اگر اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی جائے تو وہ دعا قبول ہوتی ہے جو اس آیت میں ہے:
﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ﴾[3]
تَرْجَمَہ: ''آپ کہہ دیجئے اے میرے معبود! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قوت و طاقت کا اظہار ہے، شاہ کو گدا بنا دے، گدا کو شاہ بنا دے، تمام اختیارات کا مالک وہی ہے اور تمام بھلائیاں صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں، اللہ کے سوا کوئی بھلائی دینے والا نہیں۔

امام بغوی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد سورۂ فاتحہ اور آیۃ الکرسی اور آلِ عمران کی دو آیتیں ایک آیت: ﴿شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ﴾[4] آخر تک اور دوسری آیت: ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾[5] سے ﴿بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾[6] تک پڑھا کرے تو میں اس کا ٹھکانا جنت میں بنا دوں گا...... اور اس کو اپنے حظیرۃ القدس میں جگہ دوں گا...... اور ہر روز اس کی طرف ستّر مرتبہ نظرِ رحمت کروں گا...... اور اس کی ستّر حاجتیں پوری کروں گا...... اور ہر حاسد اور دشمن سے پناہ دوں گا...... اور ان پر اس کو غالب رکھوں گا۔[7]

---

[1] صفة الصفوة: ۵۵/۳ [2] کتابوں کی درسگاہ میں: ۶۸ [3] الِ عمرٰن: ۲۶ [4] ال عمران: ۱۸
[5] ال عمران: ۱۸ [6] ال عمران: ۱۸ [7] تفسیر مظھری: ۳۱/۲، الِ عمرٰن: ۲۶

اور سورۂ شوریٰ میں مَالِكُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی اسی ہمہ گیر بادشاہت اور قدرت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ۝۴۹ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝۵۰﴾[1]

تَرجَمہ: ''آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے، یا انہیں جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے، وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔''

یعنی کائنات میں صرف '' مَالِكُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہی کی مشیت اور اسی کی تدبیر چلتی ہے، وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے، جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا، کوئی دوسرا پیر فقیر، ولی نبی اس میں دخل اندازی کرنے کی قدرت و اختیار نہیں رکھتا، جس کو چاہتا ہے بیٹا اور بیٹیاں دونوں دیتا ہے، گویا چار قسمیں ہو گئیں:

۱ کسی کو صرف بیٹے دیتا ہے۔

۲ کسی کو صرف بیٹیاں دیتا ہے۔

۳ کسی کو بیٹے بیٹیاں دونوں دیتا ہے۔

۴ کسی کو نہ بیٹا دیتا ہے اور نہ بیٹی۔

لوگوں کے درمیان یہ فرق و تفاوت اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، اس تفاوتِ الٰہی کو دنیا کی کوئی طاقت بدلنے پر قدرت نہیں رکھتی، یہ تقسیم تو اولاد کے اعتبار سے ہے، باپوں کے اعتبار سے بھی '' مَالِكُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے چار طرح کی تقسیم کی ہے:

۱ آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو صرف مٹی سے پیدا کیا، ان کا باپ ہے نہ ماں۔

۲ حوا کو آدم عَلَیْہِ السَّلَام سے، یعنی مرد سے پیدا کیا ان کی ماں نہیں ہے۔

۳ حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو صرف عورت کے بطن سے پیدا کیا ان کا باپ نہیں ہے۔

۴ باقی تمام انسانوں کو مرد اور عورت دونوں کے ملاپ سے پیدا کیا۔ ان کے باپ بھی ہیں اور مائیں بھی۔ ''سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَلِيْمِ الْقَدِيْرِ.''[2]

یعنی انسان کی پیدائش میں کسی کے ارادہ و اختیار بلکہ علم و خبر کا بھی کوئی دخل نہیں، اور کسی کا دخل تو کیا ہوتا انسان کے ماں باپ، جو اس کی پیدائش کا ظاہری سبب بنتے ہیں، خود ان کے ارادے اور اختیار کا بھی بچے کی پیدائش میں کوئی دخل

[1] الشوریٰ: ۴۹

[2] تفسیر ابن کثیر: ۳/۱۱۹۵، الشوریٰ: ۴۹، ۵۰

نہیں۔ پیدائش میں دخل ہونا تو دور کی بات، بچے کی ولادت سے پہلے ماں کو بھی کچھ خبر نہیں ہوتی کہ اس کے پیٹ میں کیا ...... کیسا ...... اور کس طرح ...... بن رہا ہے۔

سورۂ شوریٰ کی مذکورہ آیات میں بچوں کے اقسام بیان کرنے میں حق تعالیٰ نے پہلے لڑکیوں کا ذکر فرمایا ہے، لڑکوں کا ذکر بعد میں کیا ہے۔ اسی آیت کی تفسیر میں حضرت واثلہ بن اسقع رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: جس عورت کے بطن سے پہلے لڑکی پیدا ہو وہ مبارک ہوتی ہے۔[1]

حقیقی بادشاہ اللہ ہے

سورۂ فاطر میں اللہ تعالیٰ کی شان اور بندوں پر اُس کے انعامات تفصیل سے بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا جس کا ترجمہ ہے:

''یہی ہے اللہ تم سب کا پالنے والا، اسی کی سلطنت ہے۔ جنہیں تم اس کے سوا پکار رہے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے بھی مالک نہیں، اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو فریاد رسی نہیں کریں گے، بل کہ قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا صاف انکار کر جائیں گے۔ آپ کو کوئی بھی حق تعالیٰ جیسا خبردار خبریں نہ دے گا۔ اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز خوبیوں والا ہے اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق پیدا کر دے اور یہ بات اللہ کو کچھ مشکل نہیں۔''[2]

جب اصلی خالق و مالک اور تمام عالم کا چلانے والا اُسی کو مانتے ہو، پھر ڈرتے نہیں کہ اُس کے سوا اور دوسروں کو معبود بناؤ۔ معبود تو وہ ہی ہونا چاہیے جو خالقِ کل، مَالِكُ، رَبِّ مطلق اور متصرف علی الاطلاق ہو۔ اُس کا اقرار کر کے کہاں اُلٹے پاؤں واپس جا رہے ہو۔ جب سچا وہ ہی ہے تو سچ کے بعد بجز جھوٹ کے کیا رہ گیا۔ سچ کو چھوڑ کر جھوٹے اوہام میں بھٹکنا عاقل کا کام نہیں ہو سکتا۔

مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''یعنی یہ بت ...... یا بعض انبیاء ...... یا فرشتے ...... جن کو تم خدا سمجھ کر پرستش کرتے ہو اگر ان کو مصیبت کے وقت پکارو گے تو اولاً یہ تمہاری بات ہی نہ سن سکیں گے۔''

کیوں کہ بتوں میں سننے کی صلاحیت ہے ہی نہیں، انبیا اور فرشتوں میں اگرچہ صلاحیت ہے مگر نہ وہ ہر جگہ موجود ہیں نہ ہر ایک کے کلام کو سنتے ہیں۔ آگے فرمایا: اگر بالفرض وہ سُن بھی لیں جیسے فرشتے اور انبیا، تو پھر بھی وہ تمہاری درخواست پوری نہ کریں گے، کیوں کہ ان کو خود قدرت نہیں اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس سے کسی کی سفارش نہیں کر سکتے۔[3]

---

[1] قرطبی: ۳٦/۸، الشوریٰ: ٤۹ [2] ترجمة سورة الفاطر: ۱۳ تا ۱٦ [3] معارف القرآن: ۳۲۹/۷، فاطر: ۱۳ تا ۱۵

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

❶ یعنی جس کی صفات وشئون ان آیات میں بیان ہوئیں حقیقت میں یہ ہے تمہارا سچا پروردگار، اور کل زمین وآسمان کا بادشاہ ہے، باقی جنہیں تم خدا قرار دے کر پکارتے ہو وہ مسکین بادشاہ تو کیا ہوتے کھجور کی گٹھلی پر جو باریک جھلی سی ہوتی ہے اُس کے بھی مالک نہیں۔

❷ یعنی جن معبودوں کا سہارا ڈھونڈتے ہو وہ تمہاری پکار نہیں سُنتے اور توجہ کرتے بھی تو کچھ کام نہ آسکتے، بل کہ قیامت کے دن تمہاری مشرکانہ حرکات سے علانیہ بیزاری کا اظہار کریں گے اور بجائے مددگار بننے کے دشمن ثابت ہوں گے۔

❸ یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادہ احوال کون جانے، وہ ہی فرماتا ہے کہ یہ شریک غلط ہیں جو کچھ کام نہیں آسکتے، ایسی ٹھیک اور پکی باتیں اور کون بتلائے گا؟

❹ یعنی سب لوگ اُسی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں جسے کسی کی احتیاج نہیں کیوں کہ تمام خوبیاں اور کمالات اُس کی ذات میں جمع ہیں، پس وہ ہی مستحق عبادت واستعانت ہوا۔[1]

حقیقی مالک تو وہی تھا، وہی ہے اور وہی رہے گا

کبھی قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان اور صفتِ ملوکیت سمجھانے کے لئے یہ عنوان بھی اختیار کیا ہے کہ وہ ''مَالِكُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہے، سب چیزیں پیدا کرنے کے بعد ان کو آزاد نہیں چھوڑ دیتا، بل کہ وہ سب اس کی قدرت میں ہے، وہ ان کا جس طرح خالق ہے اسی طرح ان کا مالک بھی ہے۔ ایک بندوق بنانے والے انسان پر اسی بندوق کی گولی چلا دی جائے تو وہ گولی اُسے بھی زخمی یا موت کے گھاٹ اتار دے گی، وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میری بندوق ہے، میں نے اس کو بنایا ہے، میرے نقصان کے لئے کیوں استعمال ہوئی...... نہیں وہ اس بندوق کا صانع تو ہے لیکن اس پر اس کا مکمل قبضہ نہیں، اللہ تعالیٰ جس طرح ہر مخلوق کا خالق ہے اسی طرح اس کا مالک بھی ہے، اس پر اس کو مکمل قدرت ہے، وہ مخلوق پیدا ہونے میں عدم سے وجود میں آنے کے لئے جس طرح محتاج ہے، اسی طرح پیدا ہونے کے بعد استعمال ہونے میں بھی وہ حکمِ ربی کی محتاج ہے، اس مخلوق سے وہ نہیں ہوگا جو وہ خود چاہے گی، بل کہ وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ چاہیں گے، یہ مخلوق اپنے پیدا ہونے میں...... اپنے استعمال میں......، نفع نقصان کے اثر کو ظاہر کرنے میں...... ہر ہر مرحلہ میں ''مَالِكُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی محتاج ہے اسی کو اس آیت میں سمجھایا گیا ہے:

﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا

---

[1] تفسیرِ عثمانی: ۵۸۲، سورۂ فاطر آیت نمبر ۱۵ کی تشریح

نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝ [1]

تَرجمہ: ”ان لوگوں نے اللہ کے سوا جنہیں اپنے معبود ٹھہرا رکھے ہیں، وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بل کہ وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، یہ تو اپنی جان کے نقصان نفع کا بھی اختیار نہیں رکھتے، اور نہ موت وحیات کے اور نہ دوبارہ جی اٹھنے کے وہ مالک ہیں۔“

یعنی کس قدر ظلم اور تعجب وحیرت کا مقام ہے کہ ایسے قادرِ مطلق، ”مَالِكُ الْكُلِّ حَكِيْمٌ عَلَى الْاِطْلَاقِ“ کی زبردست ہستی کو کافی نہ سمجھ کر دوسرے معبود اور حاکم تجویز کر لئے گئے۔ جو گویا اللہ تعالیٰ کی حکومت میں حصّہ دار ہیں۔ حالاں کہ اُن بے چاروں کا خود اپنا وجود بھی اپنے گھر کا نہیں، نہ وہ ایک ذرّہ کے پیدا کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، نہ مارنا جلانا اُن کے قبضہ میں ہے، نہ اپنے مستقل اختیار سے کسی کو ادنیٰ ترین نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں، بل کہ خود اپنی ذات کے لئے بھی ذرّہ برابر فائدہ حاصل کرنے یا نقصان سے محفوظ رہنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ ایسی عاجز ومجبور ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا کس قدر سفاہت اور بے حیائی ہے۔

سوچنے کی بات ہے جب ہم دنیا میں آئے تو بالکل خالی ہاتھ تھے، نہ ہمارے قبضہ میں کوئی زمین تھی ...... نہ مکان ...... نہ باغ ...... نہ ہماری مٹھی میں کوئی دمڑی تھی ...... ہم قبضہ کے اعتبار سے ایک پھوٹی کوڑی کے مالک بھی نہ تھے ...... اور جب اس دنیا سے جائیں گے ہمارے ساتھ نہ ہماری دکان جائے گی، نہ مکان، نہ روپیہ، بل کہ بدن پر موجود کپڑے بھی اُتار لئے جائیں گے۔

پھر جب ہم بڑے ہوگئے تو مکان اور باغ کے مالک ہوگئے نہ صرف دکان، مکان اور باغ بل کہ سینکڑوں چیزوں کے عارضی مالک بن گئے، کیا یہ چیزیں ہم ساتھ لائے تھے؟ اور ساتھ لے جائیں گے؟

تو پھر ہم کیا مالک ہوئے، اگر ہم ان چیزوں کے مالک ہوتے تو انہیں اپنے ساتھ لے جاتے دوسروں کے لئے ہرگز نہ چھوڑ کر جاتے، اور اگر ہم مالک ہوتے تو ان چیزوں کو اپنے ساتھ لاتے۔ معلوم ہوا مالکِ حقیقی کوئی اور ہی ذات ہے، نہ ہمارے باپ دادا اصلی وحقیقی مالک تھے اور نہ ہمارے بیٹے پوتے اصلی وحقیقی مالک ہیں، اصلی اور حقیقی مالک وہی تھا وہی ہے اور وہی رہے گا۔

جس کا بھروسہ مَالِكُ جَلَّ جَلَالُهٗ پر ہو اس کو پریشانی کیسے چھوئے؟

واقعہ نمبر ۷۸: ایک مرتبہ بلخ میں سخت قحط پڑا یہاں تک کہ انسانوں نے ہر گری پڑی چیز کو کھانا شروع کر دیا۔ سب لوگ سخت غم زدہ اور متوحش تھے لیکن ایک غلام بازار میں خوشی سے ہنستا پھر رہا تھا۔ لوگوں نے اسے ملامت کرتے ہوئے

---

[1] الفرقان:۳

کہا: کیا تمہیں شرم نہیں آتی کہ لوگ ہر طرف فاقوں سے مر رہے ہیں اور سخت رنجیدہ ہیں اور تو خوشی مناتا اور ہنستا پھر رہا ہے؟

غلام نے جواب دیا:

"مَالِيْ وَالْحُزَنَ وَلِسَيِّدِيْ قَرْيَةٌ مَمْلُوكَةٌ"

تَرجَمَہ: "مجھے کوئی غم نہیں اس لئے کہ میرا مالک ایک پورے گاؤں کا (بلا شرکتِ غیرے) مالک ہے، (اس چیز نے میرے دل کو ہر قسم کی پریشانی سے آزاد کر دیا ہے اور میرے سب غم مٹا دیئے ہیں)۔"

غلام کی اس بات کو سن کر حضرت ابوعلی شقیق بن ابراہیم ازدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی گویا آنکھیں کھل گئیں، آپ سخت شرمندگی کے احساس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا:

"اے اللہ! یہ غلام اس شخص کا ہے جس کی ملک میں صرف ایک گاؤں ہے، اور یہ اتنی خوشی منا رہا ہے اور ہم بھی "مَالِكُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کو اپنا پروردگار کہتے ہیں اور اپنی روزی کے لئے اس درجہ فکرمند ہیں جس کا کوئی شمار نہیں۔ پس یہ خیال آتے ہی آپ نے دنیا کے مشاغل اور فضول فکروں سے منہ موڑ لیا، اور حدِ اعتدال کے ساتھ دنیوی اسباب اپناتے ہوئے دین کے کام میں لگ گئے۔ فرماتے ہیں: اس کے بعد سے میں پھر کبھی روزی کے لئے غم زدہ نہیں ہوا اور فرمایا کرتے تھے:

"میں تو اس غلام کا شاگرد ہوں، میں نے جو کچھ پایا ہے اسی سے پایا ہے۔" [۱]

فوائد و نصائح

❶ اس اسمِ مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ خود کو ادنیٰ غلام سمجھے۔ ہر شے کا مالکِ حقیقی، ہر شخص کا مالکِ حقیقی اسی کو سمجھے جس کی سلطنت ازل و ابد پر غالب ہے۔ جو فقیر کو تاج پہناتا ہے اور تخت نشینوں کو دم بھر میں خاکِ مذلت پر بٹھا دیتا ہے۔ [۲]

❷ اس بات کو بار بار سوچے کہ اللہ تعالیٰ "مَالِكُ" کے علاوہ کوئی نہ خالق ہے نہ روزی دینے والا، نہ دینے پر قدرت رکھتا ہے، نہ منع کرنے پر، نہ زندہ کرسکتا ہے نہ مار سکتا ہے۔ ایک ذرّہ بھی اس کی چاہت کے بغیر نہیں ہل سکتا، نہ ہی کوئی پتہ بغیر اجازت گر سکتا ہے۔ لہٰذا عبادت اور دعا صرف اسی "مَالِكُ" سے کرنی ہے۔ اور کسی سے کچھ نہیں مانگنا ہے۔ [۳]

❸ اس اسمِ مبارک کے وسیلے سے دعا مانگنے کی فضیلت کو مدِنظر رکھتے ہوئے دعائیں مانگنے کا اہتمام کرے۔

---

[۱] طیبی شرح مشکوٰۃ، الدعوات، باب الاسماء الحسنیٰ: ۱۵/۵

[۲] شرح اسماء حُسنیٰ: ۱۸۶ (منصور پوری)

[۳] منہج الامام الجوزی: ۳۷۹

۴ اکیلے میں بیٹھ کر سوچے اور مجلس میں لوگوں کو اس کی دعوت دے کہ ساری کائنات کا مالک ایک اکیلا اللہ ہے اور کائنات میں جو کچھ ہے اس کا بھی مالک اکیلا اللہ ہے۔ جس شخص کو اس نام کی معرفت حاصل ہوگئی وہ لوگوں سے جھگڑا نہیں کرے گا کہ فلاں نے میری یہ چیز چھین لی، فلاں نے مجھ سے لے لیا، فلاں نے مجھے نہیں دیا؛ بل کہ یقین رکھے گا ''مَالِكُ'' سے میں یہ مزید لے لوں گا، ''مَالِكُ'' ارادہ فرمالے دینے کا، تو کوئی روک نہیں سکتا، ''مَالِكُ'' دینا نہ چاہے، تو کوئی دے نہیں سکتا، پھر مخلوق سے کیا گلہ وشکوہ۔

اور اپنے آپ کو اور جو کچھ اپنی ملکیت میں ہے اسے مملوک سمجھے کہ یہ میرے پاس عارضی ملکیت ہے، اس لئے اس عارضی ملکیت کا فائدہ اٹھا کر میں ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کروں۔

جان، وقت، مال یہ انسان اِن دنیوی نعمتوں کے بارے میں دھوکہ کھاتا ہے کہ میری ملکیت ہیں! حالاں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت ہے۔



ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ جَلَّ جَلَالُہٗ

(بزرگی والا، تعظیم والا)

اس اسم کے تحت پانچ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ ''ذُوالْجَلَالِ: أَنَّهُ الْمُسْتَحِقُّ لِأَنْ يُّجَلَّ وَيُكْرَمَ ''[۱]

تَرْجَمَہ: ''امام زجاج رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ارشاد فرماتے ہیں: '' ذُوالْجَلَالِ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو اس بات کے لائق ہے کہ اسی کی تعظیم کی جائے اور ہر عیب سے پاک سمجھا جائے۔''

❷ امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ارشاد فرماتے ہیں: '' ذوالجلال میں لفظِ '' جلال ''، جلیل کا مصدر ہے۔ اور '' اکرام '' یہ مصدر ہے بابِ افعال کا۔ اب ''ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ'' کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ ربُّ العزت کی ذات ہی اس لائق ہے کہ اس کی پوری پوری تعظیم کی جائے اور ہر عیب سے پاک سمجھا جائے اس طور پر کہ اس کو نہ جھٹلایا جائے اور نہ اس کا انکار کیا جائے۔''

امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ارشاد فرماتے ہیں: ''اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ '' الاکرام جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہے، اس وجہ سے کہ وہ فرماں برداروں کا اکرام کرتا ہے اور دنیا میں ان کی فرماں برداری کی وجہ سے ان کے درجات کو بلند فرماتا ہے۔ '' اَلْجَلَالُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہے اس وجہ سے کہ ان کے اعمال کو قبول کرتا ہے اور جنت میں ان کے درجات کو بلند فرماتا ہے۔''[۲]

❸ '' ''ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ'': وَمَعْنَاهُ الْمُسْتَحِقُّ لِأَنْ يُّهَابَ لِسُلْطَانِهٖ، وَيُثْنٰى عَلَيْهِ بِمَا يَلِيْقُ بِعُلُوِّ

---

[۱] تفسير الأسماء: ٦٢، بحواله النهج الاسمٰى: ٢/٢٢٢

[۲] ''قَالَ الْخَطَّابِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: ''ذُوالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ'' اَلْجَلَالُ مَصْدَرُ الْجَلِيْلِ، يُقَالُ: جَلِيْلٌ بَيْنَ الْجَلَالَةِ وَالْجَلَالِ، وَالْإِكْرَامُ: مَصْدَرُ أَكْرَمَ يُكْرِمُ إِكْرَامًا وَالْمَعْنٰى: أَنَّ اللّٰهَ جَلَّ وَعَزَّ مُسْتَحِقٌّ أَنْ يُّجَلَّ وَيُكْرَمَ فَلَا يُجْحَدُ، وَلَا يُكْفَرُ بِهٖ، وَقَدْ يَحْتَمِلُ أَنْ يَّكُوْنَ الْمَعْنٰى أَنَّهٗ يُكْرِمُ أَهْلَ وَلَايَتِهٖ، وَيَرْفَعُ دَرَجَاتِهِمْ بِالتَّوْفِيْقِ لِطَاعَتِهٖ فِي الدُّنْيَا، وَيُجِلُّهُمْ بِأَنْ يَّتَقَبَّلَ أَعْمَالَهُمْ وَيَرْفَعَ فِي الْجِنَانِ دَرَجَاتِهِمْ'' (شان الدعاء: ٩١، ٩٢، بحواله النهج الاسمٰى: ٢/٢٢٢)

شَانِہٖ.“ [۱]

ترجمہ: ”امام حلیمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”ذُوالجلال جل جلالہ“ وہ ذات ہے کہ جس سے اس کی بادشاہت کی وجہ سے ڈرا جائے اور ان چیزوں (الفاظ) سے اس کی تعریف کی جائے جو اس کے شان کے مناسب ہو۔“

۴ ”ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ“: هُوَ الَّذِيْ لَا جَلَالَ وَلَا كَمَالَ إِلَّا وَهُوَ لَهُ ......، وَلَا كَرَامَةَ وَلَا مَكْرُمَةَ إِلَّا وَهِيَ صَادِرَةٌ مِنْهُ......“ [۲]

ترجمہ: امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”ذُوالجلال جل جلالہ“ وہ ذات ہے کہ جس کے علاوہ کسی اور کے لئے نہ بڑائی ہے اور نہ سخاوت، یہ افعال صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہی مناسب ہیں اور نہ شرافت اور عزت والی کوئی ذات ہے سوائے اس عظیم ذات کہ جس سے یہ افعال صادر ہوئے ہیں۔

۵ ”شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”ذُوالجلال جل جلالہ“ وہ ذات ہے جو عظمت والی اور کبریائی والی، رحمت والی، سخاوت والی اور ہر عام اور خاص پر احسان کرنے والی ہے اور ان محبوبوں اور منتخب حضرات کے ساتھ مہربانی کرنے والی ذات ہے جنہوں نے اس کی پوری پوری تعظیم کی اور اس کو اپنا محبوب بنایا۔“ [۳]

اس اسمِ مبارک کے وسیلے سے دعا مانگنا

”آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنی امت کو ان دو عظیم ناموں کے ذریعے سے دعا کرنے کی ترغیب دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”أَلِظُّوْا بِيَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ“ [۴] ”أَلِظُّوْا“ کے معنی یہ ہیں کہ اس دعا کو لازم پکڑ لو اور اکثر یہ دعا مانگو۔ اور اپنی دعاؤں میں اور اپنی حاجتوں میں اس دعا کی مداومت کرو۔ یعنی دعا کرتے ہوئے:

”يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ“ بار بار کہنا چاہئے، کیوں کہ أَقْرَبُ إِلَى الْقَبُوْلِ ہے۔ [۵]

”سورۃ الرحمن“ کے پہلے رکوع اور تیسرے رکوع کے ختم پر اللہ تعالیٰ کی صفت ”ذُوالجلال“ بیان ہوئی ہے، اللہ جل شانہ، عظمت والا ہے اور اکرام والا ہے یعنی اپنے بندوں کے ساتھ احسان کا معاملہ فرماتا ہے اور انعام سے نوازتا ہے۔

[۱] المنہاج: ۲۱۰/۱

[۲] المقصد: ۹۰، بحوالہ النہج الاسمیٰ: ۲۲۳/۲

[۳] ”ذُوالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ“: أَيْ ذُو الْعَظَمَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ، وَذُوالرَّحْمَةِ وَالْجُوْدِ وَالْإِحْسَانِ الْعَامِّ وَالْخَاصِّ، اَلْمُكْرِمَةُ لِأَوْلِيَائِهِ وَأَصْفِيَائِهِ الَّذِيْنَ يُجِلُّوْنَهُ وَيُعَظِّمُوْنَهُ وَيُحِبُّوْنَهُ“ (تیسیر الکریم: ۳۰۲/۵)

[۴] جامع الترمذی، الدعوات، باب [قول: ”یا حي یا قیوم“]، رقم: ۳۵۲٤

[۵] وَمَعْنَى أَلِظُّوْا: اَیْ اَلْزِمُوْا هٰذِهِ الدَّعْوَةَ وَأَكْثِرُوْا مِنْهَا، وَدُوْمُوْا عَلٰى قَوْلِكُمْ ذٰلِكَ فِيْ دُعَائِكُمْ وَسُؤَالِكُمْ لِرَبِّكُمْ جَلَّ شَانُهٗ. (النہج الاسمیٰ: ۲۲٦/۲)

نماز کے بعد کی دعا

حضرت ثوبان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے: رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جب نماز سے فارغ ہوتے تھے تو تین بار استغفار کرتے تھے اور یہ دعا فرماتے تھے:

''اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ''[1]

اے اللہ! تو باسلامت ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی ملتی ہے تو بابرکت ہے، اے جلال اور اکرام والے۔''

ذُو الْجَلَالِ اسمِ اعظم

❶ ''حضرت معاذ بن جبل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے: حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا ''یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ'' (اے بزرگی اور عظمت والے)

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے یہ سن کر فرمایا: تیری دعا قبول کر لی گئی لہٰذا تو سوال کر لے۔''[2]

❷ حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بیان فرمایا: میں حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا، اس شخص نے نماز کے بعد یہ الفاظ ادا کیے:

''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدَ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ الْمَنَّانُ یَا بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَاحَیُّ یَا قَیُّوْمُ.''[3]

تَرْجَمَہ: ''اے اللہ! بے شک میں آپ کو اس بات کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ بلا شبہ آپ کے لئے سب تعریف ہے، کوئی معبود آپ کے سوا نہیں ہے، آپ بہت زیادہ دینے والے ہیں، اے آسمانوں اور زمین کو بلا مثال پیدا فرمانے والے، اے عظمت والے، اے عطا فرمانے والے، اے زندہ اے قائم رکھنے والے۔''

یہ سن کر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ''دَعَا اللّٰہَ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ الَّذِيْ إِذَا دُعِيَ بِهٖ أَجَابَ، وَ إِذَا سُئِلَ بِهٖ أَعْطٰی.'' ''اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے اس بڑے نام کے ذریعہ دعا کی ہے کہ جب اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ عطا فرما دیتا ہے۔''

''ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام'' یعنی وہ رب صاحبِ عظمت وجلال بھی ہے اور صاحبِ اکرام بھی، صاحبِ اکرام ہونے کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ درحقیقت ہر اکرام و اعزاز کا مستحق تنہا وہی ہے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ خود صاحبِ

[1] مسلم: الصلاۃ، باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ ......: ۲۱۸/۱

[2] الترمذی: ابواب الدعوات: ۱۹۲/۲

[3] مسند احمد: ۲۴۵/۳، رقم: ۱۳۱۵۸

عظمت وجلال ہونے کے باوجود عام دنیا کے بادشاہوں اور عظمت والوں کی طرح نہیں کہ ان کو دوسروں کی اور غریبوں کی طرف التفات وتوجہ نہ ہو، بل کہ وہ عظمت وجلال کے ساتھ اپنی مخلوقات کا بھی اکرام کرتا ہے کہ ان کو عطاءِ وجود کے بعد طرح طرح کی بے شمار نعمتوں سے نوازتا ہے اور ان کی درخواستیں اور دعائیں سنتا ہے، اگلی آیت اسی دوسرے معنی کی شہادت دیتی ہے اور یہ لفظ: ''ذُوالجَلَالِ وَالۡاِکۡرَامِ'' حق تعالیٰ کی ان خاص صفات میں سے ہے کہ ان کو ذکر کر کے انسان جو دعا مانگتا ہے قبول ہوتی ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿تَبٰرَكَ اسۡمُ رَبِّكَ ذِی الۡجَلٰلِ وَالۡاِكۡرَامِ﴾[2]

''أَيْ هُوَ أَهْلٌ أَنْ يُّجَلَّ فَلَا يُعْصٰى وَأَنْ يُّكْرَمَ فَيُعْبَدُ وَيُشْكَرَ فَلَا يُكْفَرُ وَأَنْ يُّذْكَرَ فَلَا يُنْسٰى''[3]

ترجمہ: علامہ ابنِ کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ''ذُوالجلال'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اللہ ربُّ العزت اس بات کے اہل ہیں کہ ان کی بڑائی بیان کی جائے، ان کی نافرمانی نہ کی جائے، اس کی تعظیم وتکریم اس طرح کی جائے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے، ناشکری نہ کی جائے اور اسے یاد کیا جائے، بھلایا نہ جائے۔

''ذُوالجلال''، محققین عارفین نے کہا: صفتِ جلال میں اشارہ ہے اِفناءِ عالم کی طرف، ...... اور صفتِ اکرام اِبقاء کی طرف مشیر ہے جس کا تعلق نشاۃِ ثانیہ سے ہے۔[4]

فوائد ونصائح

۱ اس اسمِ مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ اس عظمت وجلال والے ربّ کی ہر وقت بڑائی بیان کرے تاکہ ذُوالجلال جَلّ جَلَالُہٗ کے اکرام کا مستحق ٹھہرے۔

۲ ذُوالجلال جَلّ جَلَالُہٗ کے نیک بندوں اور اہلِ علم کا اکرام کرے، کبھی کسی کی حقارت دِل میں نہ لائے۔

۳ اسمِ مبارک ذُوالجلال اسمِ اعظم ہے اس کے وسیلے سے دُعا مانگے۔

---

[1] معارف القرآن: ۲۵۲/۸ [2] الرحمن: ۷۸ [3] تفسیر ابن کثیر: ۴۲۵/۳، الرحمٰن: ۷۸ [4] تفسیر ماجدی: ۱۰۶۳/۲

اَلْمُقْسِطُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(انصاف کرنے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ فِيْ أَسْمَآءِ اللّٰهِ الْحُسْنٰى "اَلْمُقْسِطُ" بِمَعْنَى الْعَادِلِ.[1]

"المقسط" عادل کے معنی میں ہے۔

❷ هُوَ الْمُعْطِيْ عِبَادَهُ الْقِسْطَ وَهُوَ الْعَدْلُ مِنْ نَّفْسِهٖ.[2]

"امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: وہ ذات "اَلْمُقْسِطُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے جو اپنے بندوں کو انصاف دینے والی ہے اور بذاتِ خود بھی بہت زیادہ انصاف والی ہے۔"

اس طرح اگر نظامِ کائنات پر غور کیا جائے تو اس کا نظامِ عدل تمام کائنات میں جاری و ساری ہے۔

﴿مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ﴾[3]

تَرْجَمَہ: "تم رحمٰن کے تخلیقی نظام میں کسی طرح کا تفاوت نہ دیکھو گے۔"

عادل و منصف صرف اور صرف اَلْمُقْسِطُ جَلَّ جَلَالُہٗ ہی ہیں

وَاقِعَہ نمبر (۷۹): مقسط وہ ہے جو مظلوم کو ظالم سے نجات دلاتا ہے اور اس کا کمال یہ ہے کہ مظلوم کی خوش نودی کے ساتھ ظالم کی خوش نودی کو شامل کر دے اور یہ اعلیٰ درجہ کا عدل و انصاف ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی قادر نہیں۔ مثال اس کی یہ روایت ہے:

ایک بار رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بیٹھے بیٹھے ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے سامنے کے دندان مبارک ظاہر ہو

---

[1] نضرة النعيم: ۳۱۵۳/۸ [2] ايضًا [3] الملك: ۳

گئے۔ پس حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کس بات سے ہنسے؟ فرمایا: میری امت میں سے دو آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے دو زانوں بیٹھے ہوں گے، ایک کہے گا: یا رب! اس شخص سے میرا بدلہ دلا دے۔ اللہ تعالیٰ دوسرے کو فرمائے گا: اپنے بھائی کو بدلہ دے۔ وہ عرض کرے گا: اے ربّ العزت! میری کوئی بھی نیکی نہ رہی، اللہ تعالیٰ دعوے دار، حریف کو فرمائے گا، اب تو اپنے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتا ہے، اب تو اس کے پاس کوئی بھی نیکی نہ رہی، وہ عرض کرے گا، یا رب! میرے گناہ اس پر لاد دے۔

اس وقت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ آب دیدہ ہو کر فرمانے لگے کہ یہ دن بڑا خطرناک ہوگا جب کہ لوگ یہ بھی چاہنے لگیں گے کہ کوئی ان کے گناہ اٹھا لے۔

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ مدعی سے کہے گا: آنکھ اٹھا کر دیکھ، وہ کہے گا: اے پروردگار! میں چاندی کے شہر اور سونے کی عمارتیں دیکھ رہا ہوں، جن پر موتیوں کے ہار پڑے ہیں۔ یہ کس نبی یا کس ولی یا کس شہید کے لئے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جو اس کی قیمت ادا کرے۔ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! میں کس چیز کے عوض میں اس کو خرید سکتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اپنے بھائی کو معاف کرنے کے عوض میں۔ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! میں نے معاف کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور اس کو جنت میں لے جا۔

پھر آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مؤمنوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔ انصاف کا اصلی راستہ یہی ہے جس پر ربّ الارباب کے سوا کوئی قادر نہیں۔[1]

اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ اَوِ الۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ‌ ۚ اِنۡ يَّكُنۡ غَنِيًّا اَوۡ فَقِيۡرًا فَاللّٰهُ اَوۡلٰى بِهِمَا‌ فَلَا تَتَّبِعُوا الۡهَوٰٓى اَنۡ تَعۡدِلُوۡا‌ ۚ وَاِنۡ تَلۡوٗۤا اَوۡ تُعۡرِضُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا﴾[2]

تَرجَمۂ: ''اے ایمان والو! عدل و انصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور مولیٰ کی خوش نودی کے لئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتہ دار عزیزوں کے، وہ شخص اگر امیر ہو یا فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے اس لئے تم خواہشِ نفس کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑ دینا اور اگر تم زبان ملو گے یا بچا جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔''

اللہ ربّ العزت نے ان آیاتِ مبارکہ میں اپنے بندوں کو عدل و انصاف قائم کرنے کا حکم فرمایا ہے کہ بندے عدل

---

[1] المقصد الأسنٰی للغزالي: ۱۳۳ [2] النساء: ۱۳۵

قائم کرنے میں ذرہ برابر بھی روگردانی نہ کریں، کسی کی ملامت اور روک ٹوک قیامِ عدل میں ہرگز مانع نہ بنے اور اس کام میں وہ ایک دوسرے کے معاون و مددگار ثابت ہوں۔

﴿شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ یعنی ان کی شہادت خالص اللہ ربّ العزت کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہونی چاہئے تاکہ اس کی شہادت حق کے مطابق ہو اور تبدیلی اور تحریف سے پاک ہو۔

﴿وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ﴾ یعنی حق گواہی دو خواہ ظاہراً اس سے تمہیں نقصان ہی کیوں نہ پہنچتا ہو، جب تم سے کسی معاملہ کے بارے میں پوچھا جائے تو اس میں حق بات کہو اگرچہ تمہیں اس سے نقصان کا اندیشہ ہو، لیکن اللہ ربّ العزت اطاعت گزاروں کے لئے ہر تنگی سے خلاصی کی راہ پیدا فرما دیتے ہیں۔

﴿اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ﴾ یعنی اگر گواہی والدین یا قرابت داروں کے خلاف دینی پڑے، تب بھی حق کا ساتھ دو اور حق کے مقابلہ میں قرابت کا لحاظ نہ رکھو، اس لئے کہ حق ہی سب پر حاکم ہے اور وہ ہر چیز پر مقدم ہے۔

﴿اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا﴾ یعنی شہادت کے معاملہ میں کسی کی مال داری سے مرعوب نہ ہو اور کسی کے فقر کی وجہ سے اس کے لئے نرم گوشہ پیدا نہ کرو کیوں کہ ان دونوں کا والی و نگراں اللہ تعالیٰ ہے اور وہی ان دونوں سے تمہارے مقابلے میں زیادہ قریب ہے اور وہی ان کی بہتری کو زیادہ جاننے والا ہے۔

"فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا" یعنی تمہیں نفسانی خواہش عصبیت اور کسی سے بغض اپنے معاملات میں عدل و انصاف کی باگ چھوڑ دینے پر برانگیختہ نہ کرے۔ عدل کو ہر حال میں لازم پکڑو جیسا کہ اللہ ربّ العزت کا دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾[1]

تَرْجَمَہ: "کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ تم اس کے ساتھ انصاف ہی نہ کرو، انصاف کرتے رہو (کہ) وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے۔"

تمام مسلمانوں کو عدل وانصاف پر قائم رہنے کی ہدایت کی گئی ہے

سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۳۵ کے مضمون سے متعلق حضرت عبداللہ بن رواحہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کا قول ہے: جب نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے انہیں اہل خیبر کی جانب ان کے پھلوں اور اناج کا اندازہ لگانے کے لئے بھیجا تو انہوں نے چاہا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کو رشوت دے دیں تاکہ وہ ان کے ساتھ نرمی برتیں لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! میں تمہارے پاس ایسی ہستی کی جانب سے بھیجا گیا ہوں جو مجھے ساری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے

[1] المائدة: ۸

اور بے شک تمہارے مال و اسباب میرے نزدیک بندروں اور خنزیروں سے بھی زیادہ مبغوض ہیں لیکن میرے محبوب کی محبت اور تم سے بغض مجھے عدل و انصاف کرنے سے روک نہیں سکتا۔"

یہ سن کر اہلِ خیبر کہنے لگے: "یہی وہ بات ہے جس کی وجہ سے آسمان و زمین قائم ہیں۔"[1]

دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابیں بھیجنے کا اصل مقصد عدل و انصاف کا قیام ہے اسی سے دنیا کا امن قائم رہ سکتا ہے اس آیت میں تمام مسلمانوں کو عدل و انصاف پر قائم رہنے اور سچی گواہی دینے کی ہدایت کی گئی ہے، اور جو چیزیں قیامِ عدل یا سچی گواہی میں رکاوٹ ہوسکتی ہیں ان کو نہایت بلیغ انداز میں دور کیا گیا ہے، اور سورۂ حدید کی آیت سے جو نیچے ذکر کی گئی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں آدم علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ بنا کر بھیجنے کا اور پھر ان کے بعد دوسرے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو یکے بعد دیگرے بحیثیتِ خلیفۃ اللہ بھیجتے رہنے کا اور ان کے ساتھ بہت سی کتابیں اور صحیفے نازل فرمانے کا اہم مقصد یہی تھا، کہ دنیا میں انصاف اور اس کے ذریعہ امن و امان قائم ہو، ہر فرد انسانی اپنے اپنے دائرہ اختیار میں انصاف کو اپنا شعار بنالے، اور جو سرکش لوگ وعظ و پند اور تعلیم وتبلیغ کے ذریعہ عدل و انصاف پر نہ آئیں، اپنی سرکشی پر اڑے رہیں، ان کو قانونی سیاست اور تعزیر و سزا کے ذریعہ انصاف پر قائم رہنے کے لئے مجبور کیا جائے۔

سورۂ حدید کی آیت میں اس حقیقت کو اس طرح واضح فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾[2]

ترجمہ: "یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمائی تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں سخت ہیبت وقوت ہے اور لوگوں کے لئے اور بھی (بہت سے) فائدے ہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو بھیجنا اور آسمان سے نازل کردہ کتابوں کا سارا نظام انصاف ہی کے لئے کھڑا کیا گیا ہے، رسولوں کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل کرنا اسی مقصد کے لئے عمل میں آیا ہے اور آخر میں لوہا اتارنے کا ذکر کر کے اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ سب لوگوں کو انصاف پر قائم رکھنے کے لئے صرف وعظ ونصیحت ہی کافی نہ ہوگی، بل کہ کچھ شریر لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کو لوہے کی زنجیروں اور دوسرے ہتھیاروں سے مرعوب کر کے انصاف پر قائم کیا جائے گا۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۳٦۸، النساء: ۱۳۵

[2] الحدید: ۲۵

عدل وانصاف پر قائم رہنا ہر خاص و عام کا فریضہ ہے

سورۂ حدید کی آیات مذکورہ میں اوراسی طرح سورۂ مائدہ کی آیت ذیل میں انصاف کرنے کا حکم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُونُوا قَوّٰمِينَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اِعْدِلُوا ۖ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ ۢبِمَا تَعْمَلُونَ ﴾[1]

ترجمہ: ”تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ۔ کسی قوم کی عداوت تمہیں خلافِ عدل پر آمادہ نہ کردے، عدل کیا کرو جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یقین مانو کے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔“

اس آیت سے واضح طور پر ہدایت دی گئی ہے کہ انصاف قائم کرنا اور اس پر قائم رہنا صرف حکومت اور عدالت کا فریضہ نہیں، بل کہ ہر انسان اس کا مکلّف ومخاطب ہے کہ وہ خود انصاف پر قائم رہے اور دوسروں کو انصاف پر قائم رکھنے کے لئے کوشش کرے، ہاں! انصاف کا صرف ایک درجہ حکومت اور حکام کے ساتھ مخصوص ہے، وہ یہ کہ شریر اور سرکش انسان جب انصاف کے خلاف اڑ جائیں، نہ خود انصاف پر قائم رہیں نہ دوسروں کو عدل وانصاف کرنے دیں تو حاکمانہ تعزیر اور سزا کی ضرورت ہے، یہ اقامتِ عدل وانصاف ظاہر ہے کہ حکومت ہی کرسکتی ہے جس کے ہاتھ میں اقتدار ہے۔

آج کی دنیا میں جاہل عوام چھوڑیئے، لکھے پڑھے تعلیم یافتہ حضرات بھی یہ سمجھتے ہیں کہ انصاف کرنا صرف حکومت و عدالت کا فریضہ ہے، عوام اس کے ذمہ دار نہیں ہیں اور یہی وہ سب سے بڑی وجہ ہے جس نے ہر ملک ہر سلطنت میں حکومت اور عوام کو دو متضاد فریق بنا دیا ہے، راعی اور رعیت کے درمیان خلاف واختلاف کی وسیع خلیج حائل کردی ہے۔

ہر ملک کے عوام اپنی حکومت سے عدل وانصاف کا مطالبہ کرتے ہیں، لیکن خود کسی انصاف پر قائم رہنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، اسی کا نتیجہ ہے جو دنیا آنکھوں سے دیکھ رہی ہے کہ قانون معطل ہے، جرائم کی روز افزوں ترقی ہے، آج ہر ملک میں قانون سازی کے لئے اسمبلیاں قائم ہیں، ان پر کروڑوں روپیہ خرچ ہوتا ہے، ان کے نمائندے منتخب کرنے کے لئے الیکشن میں اللہ تعالیٰ کی پوری زمین ہل جاتی ہے اور پھر یہ پورے ملک کے دل ودماغ کی ضروریات اور لوگوں کے جذبات واحساسات کو سامنے رکھتے ہوئے بڑی احتیاط کے ساتھ قانون بناتے ہیں اور پھر رائے عامہ کے لئے شائع کرتے ہیں، رائے عامہ معلوم کرنے کے بعد یہ قانون قابلِ تنفیذ سمجھا جاتا ہے پھر اس کے نفاذ کے لئے حکومت کی لاتعداد مشینری حرکت میں آتی ہے جس کے ہزاروں، بل کہ لاکھوں شعبے ہوتے ہیں اور ہر شعبہ میں ملک کے بڑے

[1] المائدۃ: ۸

بڑے آزمودہ کارلوگوں کی محنتیں بروئے کار آتی ہیں، لیکن چلی ہوئی رسوم کی دنیا سے نظر کو ذرا اونچا کر کے دیکھا جائے اور جن لوگوں کو خواہ مخواہ تہذیب اور شائستگی کا ٹھیکہ دار مان لیا گیا ہے تھوڑی دیر کے لئے ان کو دانۂ تقلید سے نکل کر حقیقت کا جائزہ لیا جائے تو ہر شخص بے ساختہ یہ کہنے پر مجبور ہوگا: ؎

نگاہِ خلق میں دنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے — مری نظروں میں پھیکا رنگِ محفل ہوتا جاتا ہے

اب سے سوسال پہلے ۱۸۵۷ء سے ۱۹۵۷ء تک کا ہی موازنہ کریں، اعداد و شمار محفوظ ہیں وہ گواہی دیں گے کہ جوں جوں قانون سازی بڑھی، قانون میں عوام کی مرضی کی نمائش بڑھی اور تنفیذِ قانون کے لئے مشینری بڑھی، ایک پولیس کے بجائے مختلف اقسام کی پولیس بروئے کار آئی، اتنے ہی روز بروز جرائم بڑھے، اور لوگ انصاف سے دور ہوتے چلے گئے، اور اسی رفتار سے دنیا کی بدامنی بڑھتی چلی گئی۔[1]

مذکورہ آیت میں: ﴿كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ﴾[2] فرمایا گیا: قسط کے معنی ہیں عدل و انصاف اور عدل و انصاف کی حقیقت یہ ہے کہ ہر صاحب کا حق پورا ادا کیا جائے، اس کے عموم میں اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی داخل ہیں اور سب قسم کے انسانی حقوق بھی، اس لئے "قِیَامٌ بِالْقِسْط" کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے اور یہ بھی داخل ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکا جائے، مظلوم کی حمایت کی جائے اور یہ بھی داخل ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکنے اور مظلوم کا حق دلوانے کے لئے شہادت کی ضرورت پیش آئے تو شہادت سے گریز نہ کیا جائے اور یہ بھی داخل ہے کہ شہادت میں حق اور حقیقت کا اظہار کیا جائے، خواہ وہ کسی کے موافق پڑے یا مخالف، یہ بھی داخل ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت اور انتظام ہے، جب دو فریق کا کوئی مقدمہ ان کے سامنے پیش ہو تو فریقین کے ساتھ برابری کا معاملہ کریں، کسی ایک طرف کسی طرح کا میلان نہ ہونے دیں، گواہوں کے بیانات غور سے سنیں، معاملہ کی تحقیق میں اپنی پوری کوشش خرچ کریں پھر فیصلہ میں پورے پورے عدل و انصاف کا معاملہ رکھیں۔

عدل و انصاف کے قیام میں رکاوٹ بننے والے اسباب

سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۳۵ اور سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۸ دونوں آیتیں اگرچہ مختلف سورتوں کی ہیں، لیکن مضمون دونوں کا تقریباً مشترک ہے، دونوں آیتوں کے مفہوم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عدل و انصاف کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والی عادۃً دو چیزیں ہوا کرتی ہیں:

❶ کسی کی محبت و قرابت یا دوستی و تعلق جس کا تقاضا شاہد (گواہی دینے والے) کے دل میں یہ ہوتا ہے کہ شہادت ان کے موافق دی جائے تاکہ یہ نقصان سے محفوظ رہیں یا ان کو نفع پہنچے اور فیصلہ کرنے والے قاضی یا جج کے دل میں اس تعلق

---

[1] معارف القرآن: ۵۷۲/۲، ۵۷۳، المائدة: ۸ [2] النساء: ۱۳۵

کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ فیصلہ ان کے حق میں دے۔

❷ دوسری چیز کسی کی عداوت و دشمنی ہے، جو شاہد کو اس کے خلاف شہادت پر آمادہ کر سکتی ہے اور قاضی اور جج کو اس کے خلاف فیصلہ دینے کا سبب ہو سکتی ہے، غرض محبت و عداوت دو ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو عدل و انصاف کی راہ سے ہٹا کر ظلم و جور میں مبتلا کر سکتی ہیں، سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ کی دونوں آیتوں میں انہی دونوں رکاوٹوں کو دور کیا گیا ہے، سورۂ نساء کی آیت میں قرابت و تعلق کی رکاوٹ دور کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، ارشاد ہے: ﴿اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ﴾[1] یعنی اگر چہ تمہاری شہادت اپنے ماں باپ یا قریبی رشتہ داروں ہی کے خلاف پڑے تو بھی حق بات کہنے اور سچی شہادت دینے میں اس تعلق کا لحاظ نہ کرو۔

پھر ان دونوں آیتوں میں پوری دنیا کو عدل و انصاف پر قائم کرنے اور قائم کرانے کے لئے جو زریں اصول اختیار کئے گئے ہیں وہ بھی قرآن عظیم ہی کی خصوصیات میں سے ہیں۔

❶ ان میں سے ایک اہم چیز تو یہ ہے کہ حکام اور عوام سب کو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ اور روز جزا کے حساب سے ڈرا کر اس کے لئے تیار کیا گیا ہے کہ عوام خود بھی قانون کا احترام کریں، اور حکام جو تنفیذِ قانون کے ذمہ دار ہیں وہ بھی تنفیذِ قانون میں اللہ تعالیٰ و آخرت کو سامنے رکھ کر خلقِ خدا کے خادم بنیں ...... قانون کو خدمتِ خلق اور اصلاحِ عالم کا ذریعہ بنائیں ...... لوگوں کی پریشانیوں میں اضافہ اور مظلوم کو دفتروں کے چکر میں پھنسا کر مزید ظلم پر ظلم کا سبب نہ بنائیں ...... قانون کو اپنی ذلیل خواہشات یا چند ٹکوں میں فروخت نہ کریں ...... ﴿قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ﴾[2] یا ﴿شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾[3] فرما کر حکام و عوام دونوں کو للّٰہیت اور اخلاصِ عمل کی دعوت دی گئی ہے۔

❷ دوسری بنیادی چیز یہ ہے کہ عدل و انصاف کے قیام کی ذمہ داری پورے افراد انسانی پر ڈال دی گئی ہے، سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ میں تو اس کا مخاطب ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾[4] فرما کر پوری امتِ مسلمہ کو بنا دیا گیا ہے، اور سورۂ حدید میں ﴿لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾[5] فرما کر اس فریضہ کو تمام افراد انسانی پر عائد کر دیا گیا ہے۔

سورۂ نساء کی آیت میں: ﴿وَلَوْ عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ﴾[6] فرما کر اس طرف ہدایت فرما دی کہ انصاف کا مطالبہ صرف دوسروں سے ہی نہ ہو، بل کہ اپنے نفس سے بھی ہونا چاہئے، اپنے نفس کے خلاف کوئی بیان یا اظہار کرنا پڑے تو بھی حق و انصاف کے خلاف کچھ نہ بولے، اگر چہ اس کا نقصان اس کی ذات ہی پر پڑتا ہو، کیوں کہ یہ نقصان حقیر و قلیل اور عارضی ہے، اور جھوٹ بول کر اس کی جان بچالی گئی تو قیامت کا شدید عذاب اپنی جان کے لئے خرید لیا۔[7]

---

[1] النسآء:۱۳۵ [2] المائدة:۸ [3] النسآء:۱۳۵ [4] النسآء:۱۳۵ [5] الحديد:۲۵

[6] النسآء:۱۳۵ [7] معارف القرآن: ۵۷۷/۲، المائدة:۸

ایک گھڑی کے عدل کا ثواب

واقعہ نمبر (۸۰): ایک بادشاہ کا ارادہ ہوا کہ نفل حج ادا کرے، ارکانِ دولت سے مشورہ کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ بادشاہ مثل جان کے ہے اور سلطنت جسم کے ہے۔ جس وقت بادشاہ کا سایہ ملک سے اٹھ جائے گا۔ بہت سی خرابیاں واقع ہوں گی۔ بادشاہ نے کہا: ''پھر یہ ثواب حج کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟''

ارکان دولت نے عرض کیا:

''اس ولایت میں ایک درویش ہے، جو ساٹھ حج ادا کرچکا ہے اور گوشئہ تنہائی میں بیٹھا ہے۔ ممکن ہے کہ ایک حج کا ثواب آپ کے ہاتھ فروخت کر دے۔'' بادشاہ فقیر کی خدمت میں گیا اور کہا:

''میرا ارادہ حج کا ہے، مگر ارکانِ دولت خرابی مملکت کے خیال سے منع کرتے ہیں۔ کیا ایک حج کا ثواب میرے ہاتھ فروخت کر سکتے ہو؟''

فقیر نے کہا: ''میں سب حجوں کا ثواب فروخت کرتا ہوں۔'' بادشاہ نے کہا: ''ہر حج کی کیا قیمت لو گے؟''

کہا: ''ہر حج کے لئے جو قدم میں نے اٹھایا ہے، تمام دنیا کی قیمت کے برابر ہے۔'' بادشاہ نے کہا: ''میرے قبضے میں تو دنیا کا تھوڑا سا ملک ہے اور آپ ایک قدم کی اتنی قیمت مانگتے ہیں، تو پھر کیسے معاملہ ہوسکتا ہے؟''

درویش نے کہا: ''اے بادشاہ! میرے تمام حجوں کی قیمت آپ کے نزدیک بہت آسان ہے۔''

بادشاہ نے کہا: ''وہ کس طرح؟''

فقیر نے کہا: ''جس کسی مظلوم کی تم نے دادرسی کی ہے، اس گھڑی کے عدل کا ثواب تم مجھ کو دے دو میں تمہیں ساٹھ حجوں کا ثواب بخشے دیتا ہوں؟'' پس معلوم ہوا کہ بادشاہ (حاکم، منیجر، ڈائریکٹر، گورنر، پرنسپل، مہتمم، استاذ، والدین) کے لئے ماتحتوں کے ساتھ عدل وانصاف نفل عبادت سے بسا اوقات برتر ہے۔[1]

عدل وانصاف برکت کا ذریعہ ہے

واقعہ نمبر (۸۱): جہانگیر بادشاہ اپنی ''توزک''[2] میں لکھتا ہے:

''ایک سلطان گرمی کے موسم میں ایک باغ کے دروازہ پر پہنچا، وہاں ایک بوڑھا باغبان کھڑا تھا، اس کو دیکھ کر سلطان نے پوچھا: کیا اس باغ میں انار ہے؟ باغبان نے کہا: ''ہے'' سلطان نے کہا ''ایک پیالہ انار کا رس لاؤ'' باغبان کی ایک لڑکی صورت کے جمال اور سیرت کے حسن سے آراستہ تھی۔ باغبان نے اس سے انار کا رس لانے کو کہا، وہ گئی اور ایک پیالہ بھر

---

[1] مخزن اخلاق: ۴۰۶

[2] توزک، تزک: قاعدہ، قانون، شاہی روزنامچہ: فیروز اللغات: ۳۵۹

کر انار کا رس لے آئی۔ پیالہ پر انار کی کچھ پتیاں رکھی ہوئی تھیں، سلطان نے اس کے ہاتھ سے پیالہ لیا اور پورا پی گیا، پھر لڑکی سے پوچھا، پیالہ کے رس کے اوپر تم نے پتیاں کس لئے رکھ دی تھیں؟

لڑکی نے عرض کیا: اس گرمی میں آپ پسینہ میں غرق تھے، رس کا ایک سانس میں پی جانا آپ کے لئے مناسب نہ تھا، میں نے احتیاطاً اس پر پتیاں ڈال دی تھیں کہ آپ آہستہ آہستہ اس کو نوش جان فرمائیں، سلطان کو یہ حسنِ ادا بہت پسند آئی، اس کے بعد اس باغبان سے پوچھا کہ تم کو ہر سال اس باغ سے کیا حاصل ہوتا ہے، اس نے جواب دیا ''تین سو دینار'' سلطان نے پوچھا: حکومت کو کیا دیتے ہو؟

باغبان نے کہا: میرا بادشاہ درخت سے کچھ نہیں وصول کرتا ہے، بل کہ کھیتی سے عشر لیتا ہے۔

سلطان کے دل میں یہ خیال گزرا کہ میری مملکت میں بہت سے باغ اور درخت ہیں اگر باغ سے بھی عشر لیا جائے تو کافی رقم جمع ہوسکتی ہے اور رعیت کو بھی زیادہ نقصان نہیں پہنچے گا، اس لئے میں حکم دوں گا کہ باغات کے محصولات سے بھی خراج لیا جائے، یہ سوچ کر اس نے انار کا رس پھر پینے کو مانگا، لڑکی رس لانے گئی تو بہت دیر میں آئی۔

جب پیالہ لائی تو سلطان نے کہا: ''پہلی بار تم گئیں تو بہت جلد آئیں، اس بار دیر بھی کی اور رس بھی کم لائیں؟''

لڑکی نے کہا: ''پہلی بار ایک انار میں پیالہ بھر گیا تھا، اس مرتبہ میں نے پانچ چھ انار نچوڑے، پھر بھی رس پورا نہیں ہوا'' یہ سن کر سلطان کو حیرت ہوئی۔

باغبان نے عرض کیا...... ''محصول کی برکت بادشاہ کی نیک نیت پر منحصر ہے، میرا خیال ہے کہ آپ بادشاہ ہیں، آپ نے جس وقت باغ کی آمدنی مجھ سے پوچھی، اسی وقت آپ کی نیت میں تبدیلی پیدا ہوئی اور پھل سے برکت چلی گئی۔''

یہ سن کر سلطان متاثر ہوا اور دل سے باغ کی آمدنی کا خیال دور کر دیا، اس کے بعد پھر انار کا رس مانگا، لڑکی گئی اور جلد ہی پیالہ بھر کر انار کا رس لے آئی، تب سلطان نے باغبان کی فراست کی داد دی۔'' [1]

فوائد و نصائح

❶ ان دو واقعات سے انصاف کی اہمیت ہمیں سمجھنی چاہئے، والد کو چاہئے کہ اپنی اولاد کے درمیان انصاف والا معاملہ رکھے، ہرگز کسی ایک فریق کی بات سن کر دوسرے کے خلاف فیصلہ نہ کیجئے، اولاد کے درمیان عدل و انصاف کے لئے ہر والد کو چاہئے کہ ''مثالی باپ'' کتاب کا مطالعہ کرے اور والدہ ''مثالی ماں'' کا مطالعہ کرے، اور شاگردوں میں انصاف قائم رکھنے کے لئے ''مثالی استاذ'' کا مطالعہ کرے۔

---

[1] بزم رفتہ کی سچی کہانیاں: ۲/۴۱۹ بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۱۶۵

۲ اس اسم میں سے بندہ کا اعلیٰ حصہ یہ ہے کہ پہلے اپنے نفس سے دوسروں کو انصاف دلائے پھر کسی دوسرے شخص سے کسی اور شخص کو انصاف دلائے۔[1] اور یہ یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ انصاف کرنے والا کوئی نہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے انصاف کی امید نہ لگائے)۔

۳ اللہ تعالیٰ سے ہر معاملہ میں انصاف کی دعا بھی مانگتا رہے، حدیث شریف میں یہ دعا آئی ہے:

''اَللّٰھُمَّ اَسْاَلُكَ الْقَصْدَ فِی الْفَقْرِ وَالْغِنٰی.''[2]

تَرجَمہ: ''اے اللہ میں مالداری اور غریبی ہر حال میں آپ سے میانہ روی اور عدل کا سوال کرتا ہوں۔''



---

[1] المقصد الأسنیٰ فی شرح اسماء اللّٰہ الحسنیٰ للغزالي: ۱۳۳

[2] النسائي، السھو، نوع اخر ٦٢، الرقم: ١٣٠٦

الجامع جل جلالہ

(ساری مخلوق کو قیامت کے دن یکجا کرنے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلْجَامِعُ: هُوَ الَّذِيْ يَجْمَعُ الْخَلَائِقَ لِيَوْمٍ لَّارَيْبَ فِيْهِ بَعْدَ مُفَارَقَةِ الْاَرْوَاحِ الْاَبْدَانَ."[1]

"الجامع جل جلالہ" وہ ذات ہے جو جسموں کے روح سے جدا ہونے کے بعد تمام مخلوقات کو ایسے دِن جمع کرے گا جس کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں۔

❷ "اَلْجَامِعُ هُوَ الَّذِيْ جَمَعَ الْفَضَائِلَ وَحَوَى الْمَآثِرَ وَالْمَكَارِمَ"[2]

"الجامع جل جلالہ" وہ ذات ہے جو تمام فضائل کو جمع کرتا ہے اور اچھے اعمال و اخلاق کی حفاظت کرتا ہے۔

مندرجہ ذیل آیات میں یہ اسم مبارک مذکور ہے:

❶ ﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّارَيْبَ فِيْهِ﴾[3]

تَرجَمہ: "اے ہمارے رب! تو یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔"

❷ ﴿اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا﴾[4]

تَرجَمہ: "یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔"

"مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے"، اور "آخرت کی زندگی" پر سب سے بڑا اعتراض منکرین کو یہی ہوتا ہے کہ انسان مرنے کے بعد مٹی ہو جاتا ہے، پھر یہ مٹی ہوا کے ساتھ اُڑ جاتی ہے کہیں پانی کے ساتھ بہہ جاتی ہے، کہیں درختوں اور کھیتوں کی شکل میں برآمد ہوتی ہے، پھر اس کا ذرہ ذرہ دنیا کے اطرافِ بعیدہ میں پھیل جاتا ہے، ان منتشر ذرّوں اور اجزاء انسانی کو جمع کر دینا اور پھر ان میں روح ڈال دینا سطحی نظر والے انسان کی سمجھ میں اس لئے نہیں آتا کہ وہ سب کو اپنی

---

[1] شان الدعا: ۹۲ [2] شان الدعا: ۹۲

[3] آل عمرٰن: ۹ [4] النساء: ۱۴۰

قدرت اپنی حیثیت پر قیاس کرتا ہے، وہ اپنے سے مافوق اور ناقابل قیاس قدرت میں غور نہیں کرتا۔[1]

حالاں کہ اگر وہ ذرا سا اپنے ہی وجود میں غور کرلے تو اسے نظر آئے کہ آج بھی اس کا وجود ساری دنیا میں بکھرے ہوئے اجزاء وذرّات کا مجموعہ ہی ہے۔ انسان کی پیدائش جن ماں اور باپ کے ذریعے ہوتی ہے اور جن غذاؤں سے اُن کا خون اور جسم بنتا ہے، وہ خود جہاں کے مختلف گوشوں سے سمٹے ہوئے ذرّات ہوتے ہیں، پھر پیدائش کے بعد انسان جس غذا کے ذریعے نشوونما پاتا ہے، جس سے اس کا خون اور گوشت پوست بنتا ہے، اس میں غور کرے تو اس کی غذا میں ایک ایک چیز ایسی ہے جو تمام دنیا کے مختلف ذرّات سے بنی ہوئی ہے۔

دودھ پیتا ہے تو وہ کسی گائے، بھینس یا بکری کے اجزاء ہیں، اور ان جانوروں میں یہ اجزاء اُس گھاس دانے سے پیدا ہوئے جو انہوں نے کھائے ہیں، یہ گھاس دانے معلوم نہیں کس کس خطۂ زمین سے آئے ہیں اور ساری دنیا میں پھرنے والی ہواؤں نے کہاں کہاں کے ذرّات کو ان میں شامل کر دیا ہے، اسی طرح دنیا کا دانہ دانہ اور پھل اور ترکاریاں اور انسان کی تمام غذائیں اور دوائیں جو اس کے بدن کا جُزو بنتی ہیں، وہ کس کس گوشۂ عالم سے کس کس طرح ”اَلْجَامِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی قدرتِ کاملہ اور مضبوط نظام نے ایک انسان کے بدن میں جمع فرما دیئے، اگر غافل اور کوتاہ نظر انسان دنیا کو چھوڑ کر اپنے ہی تن بدن کی تحقیق (ریسرچ) کرنے بیٹھ جائے تو اس کو یہ نظر آئے گا کہ اس کا وجود خود ایسے بے شمار اجزاء سے مرکب ہے جس میں سے کوئی جزو مشرق کا ہے کوئی مغرب کا، کوئی جنوبی دنیا کا کوئی شمالی حصہ کا، آج دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اجزاء، قدرت کے نظامِ محکم نے اس کے بدن میں جمع فرما دیئے ہیں اور مرنے کے بعد یہ اجزاء پھر اسی طرح منتشر ہو جائیں گے، تو اب دوسری مرتبہ پھر ان کا جمع فرما دینا اس کی قدرتِ کاملہ کے لئے کیا دشوار ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۚ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾[2]

ترجمہ: ”آپ کا رب سب لوگوں کو جمع کرے گا یقیناً وہ بڑی حکمتوں والا بڑے علم والا ہے۔“

یعنی ایک ایک ذرّہ اُس کے علم میں ہے، جب وہ ”اَلْجَامِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ سب کو بیک وقت اکھٹا کرنے کا ارادہ فرمائے گا، تو اس کو کچھ دشواری نہ ہوگی ...... قبر کی مٹی ......، جانوروں کے پیٹ ...... سمندر کی تہہ ...... ہوائی فضائیں ...... یا جہاں

---

[1] قَالَ الطِّيْبِي رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى:

اَلْجَامِعُ جَلَّ جَلَالُهٗ هُوَ الْمُؤَلِّفُ بَيْنَ أَشْتَاتِ الْحَقَائِقِ الْمُخْتَلِفَةِ وَالْمُتَضَادَّةِ، مُتَجَاوِرَةً وَمُمْتَزِجَةً فِي الْأَنْفُسِ وَالْاٰفَاقِ. وَيَسْتَجْمِعُ لِحَشْرِ الْأَجْزَآءِ الْمُتَفَرِّقَةِ الْمُتَبَدِّدَةِ، وَيُعِيْدُ مِنْ تَأْلِيْفِهَا الْأَبْدَانَ كَمَا كَانَ. ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ أَرْوَاحِهَا الْمُفَارِقَةِ، فَيُحْيِيْهَا، ثُمَّ يَجْمَعُهُمْ لِلْجَزَآءِ فِيْ مَوْقِفِ الْحِسَابِ.

فَمَنْ جَمَعَ الْعِلْمَ وَالْعَمَلَ، وَوَافَقَ الْكَمَالَاتِ النَّفْسَانِيَّةِ بِالْاٰدَابِ الْجِسْمَانِيَّةِ فَلَهٗ حَظٌّ مِنْ ذَالِكَ. (مرقاة المفاتيح: ٩٨/٥)

[2] الحجر: ٢٥

کہیں کسی چیز کا جزو ہو گا وہ اپنے علم محیط اور قدرتِ کاملہ سے جمع کر دے گا۔

''الجامع جل جلالہٗ'' سے گمان اچھا رکھیئے

واقعہ نمبر (۸۲): انسان کو چاہئے کہ اپنی تمنائیں، خواہشات نیک رکھے اور اللہ تعالیٰ سے اچھی اچھی امیدیں باندھے۔ اپنے لئے، اپنی اولاد کے لئے، اپنے رشتہ داروں کے لئے۔ دین کے عالی درجات اور دنیاوی ضروریات و حاجات سہولت کے ساتھ پوری ہوسکیں۔ یہ مانگتا بھی رہے اور امیدیں بھی رکھے۔ ''الجامع جل جلالہٗ'' آپ کی امیدوں اور نیک خواہشات کو ایک دن جمع فرما دیں گے۔ کیوں کہ وہ ''الجامع جل جلالہٗ'' ہے۔ آپ نے امید رکھی کہ میرا بیٹا، میری بیٹی حافظ عالم بنے اور اللہ تعالیٰ اُن سے دین کا کام لے، دور اور دیر کے لئے، عالم بھر میں دین کو پھیلانے کے لئے پھرنے والا اور پھرانے والا بنائے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ ایک دن آئے گا کہ آپ اپنی منزل تک پہنچ جائیں گے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں عبدالملک بن مروان، حضرت عبداللہ بن زبیر اور ان کے دونوں بھائی مصعب بن زبیر اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک مرتبہ مسجدِ حرام میں مل بیٹھے تو ان میں سے کسی نے کہا:

''آج آپس میں اپنی اپنی خواہشات کا اظہار کرنا چاہئے۔''

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ابتدا کرتے ہوئے کہا:

''میری خواہش ہے کہ میں حرمین پر قبضہ کر کے خلافت حاصل کرلوں۔''

مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا:

''میری آرزو ہے کہ دونوں عراقوں کا امیر بنا دیا جاؤں اور قریش کی دو عورتوں سکینہ بنت حسین اور عائشہ بنت طلحہ کو اپنے عقدِ نکاح میں لے آؤں۔''

عبدالملک بن مروان نے کہا:

''میری خواہش ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جانشین بن جاؤں اور ساری دنیا پر بادشاہت کروں۔''

جب سب اپنی خواہشات کا اظہار کر چکے تو حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا:

''تمہاری خواہشات تمہیں مبارک، میری تو صرف یہ تمنا ہے کہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت میں جنت کا پروانہ مل جائے اور مجھ سے اس علم (یعنی علم حدیث) کا فیضان جاری ہو جائے۔''

نیرنگیٔ تقدیر دیکھئے کہ ہر ایک کی خواہش و تمنا کی تکمیل ہوگئی اور ہر ایک نے اپنی آرزو کو پا لیا، حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو علم حدیث میں اللہ تعالیٰ نے جو مقام عطا فرمایا اور ان کا جو فیض جاری ہوا، وہ اہلِ علم جانتے ہیں، ان کی یہ ایک تمنا تو بر آئی، دوسری تمنا جنت کی تھی، عبدالملک بن مروان کہا کرتا تھا جو شخص کسی جنتی کو دیکھنا چاہے تو عروہ بن زبیر

رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھے۔ (کیوں کہ انہوں نے جنت کی خواہش کی تھی)۔[1]

گم شدہ چیز واپس ملنے کے لئے یہ دُعا مانگئے

﴿رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّارَيْبَ فِيْهِ﴾[2]

اس آیت کی تفسیر میں دُرِّ منثور میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اگر کسی سے کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ اس آیت (اور اس کے بعد والی دعا) کو پڑھے تو اللہ تعالیٰ گم شدہ چیز کو لوٹا دیں گے۔''

''رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّارَيْبَ فِيْهِ...... اَللّٰهُمَّ يَا جَامِعَ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّارَيْبَ فِيْهِ...... اِجْمَعْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ مَالِيْ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.''[3]

تَرْجَمَہ: ''اے ہمارے رب! آپ یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والے ہیں جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ اے اللہ! اے لوگوں کو جمع کرنے والے اس دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، مجھے اور میرے مال کو جمع فرما دیجئے، بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔''

فوائد و نصائح

❶ اس اسم مبارک سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ وہ اس دن کے لئے تیاری کرے جس دن کوئی دوست، کوئی رشتہ دار کام نہیں آئے گا۔ اور ہر شخص یہ چاہے گا کہ میرے گناہ کوئی اور اٹھا لے۔

❷ اپنی زندگی کو اچھائیوں اور نیکیوں سے خوب صورت بنائے اور خوب نیک اعمال کر کے آخرت کے لئے بہت سا ثواب جمع کرے۔

❸ جب کوئی چیز گم ہو جائے تو اس اسم مبارک کے آخر میں دی گئی آیت اور دعا کو مانگنے کا اہتمام کرے۔

[1] وفیات الاعیان: ۲۵۸/۳، بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۱۱۲ [2] اٰل عمرٰن: ۹

[3] در منثور: ۱۵۵/۲، اٰل عمرٰن: ۹

اَلْغَنِيُّ جَلَّ جَلَالُہٗ

(بڑا بے نیاز اور بے پروا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں :

❶ اَلْغَنِيُّ فِيْ كَلَامِ الْعَرَبِ: اَلَّذِيْ لَيْسَ بِمُحْتَاجٍ إِلٰى غَيْرِهٖ، وَكَذٰلِكَ اللّٰهُ لَيْسَ بِمُحْتَاجٍ إِلٰى أَحَدٍ جَلَّ وَتَعَالٰى عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا كَمَا قَالَ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾[1]

تَرْجَمَہ: امام زجاجی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ کلام عرب میں ''اَلْغَنِيُّ'' کے معنی یہ ہیں: غنی وہ ہے جو اپنے غیر کا محتاج نہ ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ وہ غنی ہے جو بلند مرتبے اور شان کی وجہ سے اپنی مخلوق میں سے کسی ایک کے بھی محتاج نہیں ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ سارے عالم سے بے نیاز ہے۔''

یعنی جو نیک عمل کرے گا اس کا فائدہ اسی کو ہوگا ورنہ اللہ تعالیٰ تو بندوں کے افعال سے بے نیاز ہے، اگر سارے کے سارے متقی بن جائیں تو اس سے اس کی سلطنت میں قوت و اضافہ نہیں ہوگا اور سب نافرمان ہو جائیں تو اس سے اس کی بادشاہی میں کمی نہیں ہوگی، بل کہ نافرمانی سے انسانوں کا اپنا ہی نقصان ہے اور اس کی عبادت و اطاعت سے انسانوں کا اپنا ہی فائدہ ہے، لیکن اس شانِ تمنا کے ساتھ وہ اپنی مخلوق کے لئے رحیم بھی ہے، اس کی بے نیازی اپنی مخلوق پر رحمت کرنے میں مانع نہیں ہے۔

وَكُلُّ الْخَلْقِ إِلَيْهِ. جَلَّ اسْمُهٗ. مُحْتَاجٌ، كَمَا قَالَ: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾[2]

فَاللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَيْسَ بِمُحْتَاجٍ إِلٰى أَحَدٍ فِيْمَا خَلَقَ وَيَخْلُقُ، وَدَبَّرَ وَيُدَبِّرُ وَيُعْطِيْ وَيَرْزُقُ وَيَقْضِيْ وَيَمْضِيْ، لَا رَآدَّ لِأَمْرِهٖ وَهُوَ عَلٰى مَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ.[3]

اور ہر مخلوق اس'' اَلْغَنِيُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ذات کی محتاج ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] عنکبوت: ٦　[2] فاطر: ١٥　[3] اشتقاق الاسماء: ١١٧، بحوالہ النہج الاسمیٰ: ٢/٢٢٩

’’اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے پروا تعریفوں والا ہے، بے نیاز خوبیوں والا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جنہیں پیدا فرما چکے یا جنہیں پیدا فرمائیں گے، ان میں سے کسی کے بھی محتاج نہیں ہیں، اسی طرح جن چیزوں کی تدبیر فرما چکے یا جن کی تدبیر فرمائیں گے، ان میں سے بھی کسی چیز کے محتاج نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کو رزق عطا فرماتے ہیں، سب کے فیصلے فرماتے ہیں اور سب کے کام بناتے ہیں، اس کے حکم کو کوئی بھی ٹال نہیں سکتا اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

۲ امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ارشاد فرماتے ہیں: ’’اَلْغَنِیُّ‘‘ وہ ذات ہے جو اپنی مخلوق سے بالکلیہ مستغنی ہو اور ان کی نصرت سے بھی مستغنی ہو اور ان کی تائید سے بھی مستغنی ہو۔ اس کو اپنی مخلوق کی کوئی حاجت نہیں ہے اور مخلوق اس ذات کی طرف احتیاج رکھتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کو خود بیان فرمایا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

’’اللہ تعالیٰ غنی ہے اور تم فقیر (اور محتاج) ہو۔‘‘ [1]

۳ امام زجاج رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ’’اللہ ربّ العزت ’’اَلْغَنِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ ہیں یعنی وہ اپنی قدرت اور غلبہ قوت کی وجہ سے ساری مخلوق سے بے پروا ہے اور مخلوق ساری کی ساری اس کے احسان واکرام کی محتاج ہے جیسا کہ اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے:

’’اور اللہ تعالیٰ تو کسی کا محتاج نہیں، بل کہ تم (سب اس کے) محتاج ہو۔‘‘ [2]

لہٰذا اللہ رب العزت کی ذات کسی چیز کی بھی محتاج نہیں ان معاملات میں جس کو اس نے پیدا کر لیا ہے، یا وہ آئندہ عدم سے وجود میں لائے گا، اور ان معاملات میں بھی جن کے لئے تدبیر کر چکا ہے یا تدبیر کرے گا، اور دینے اور فیصلے کرنے کے معاملات میں بھی کسی کا محتاج نہیں ہے، اس کے امر کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور وہ اپنی ہر چاہت پوری کرنے والا ہے۔

قرآن کریم میں یہ اسم مبارک کئی جگہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

۱ ﴿قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ﴾ [3]

۲ ﴿وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ﴾ [4]

---

[1] "قَالَ الْخَطَّابِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: (اَلْغَنِيُّ) هُوَ الَّذِي اسْتَغْنٰى عَنِ الْخَلْقِ وَعَنْ نُصْرَتِهِمْ وَتَأْيِيْدِهِمْ لِمُلْكِهِ، فَلَيْسَتْ بِهٖ حَاجَةٌ إِلَيْهِمْ، وَهُمْ إِلَيْهِ فُقَرَاءُ مُحْتَاجُوْنَ كَمَا وَصَفَ نَفْسَهٗ تَعَالٰى فَقَالَ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ﴾ (محمد:۳۸) (النهج الأسمٰى: ۲/۲۲۹)

[2] قَالَ الزُّجَاجُ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: وَهُوَ (الْغَنِيُّ) وَالْمُسْتَغْنِي عَنِ الْخَلْقِ بِقُدْرَتِهٖ وَعَزِّ سُلْطَانِهٖ وَالْخَلْقُ فُقَرَاءُ إِلٰى تَطَوُّلِهٖ وَ إِحْسَانِهٖ، كَمَا قَالَ تَعَالٰى: ﴿وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ﴾ (محمد: ۳۸) (النهج الاسمٰى: ۲/۲۲۹)

[3] البقرة: ۲۶۳ [4] الانعام: ۱۳۳

۳ ﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ هُوَ الْغَنِيُّ﴾[1]

اللہ ربّ العزت نے اپنے بندے کو جب پیدا فرمایا تو اس کا حال یہ تھا کہ اسے نہ کسی چیز کی سمجھ تھی، نہ وہ کچھ کرسکتا تھا، نہ اپنے ساتھ کچھ لے کر آیا تھا جس کا وہ مالک ہوتا، نہ کسی کو کچھ دے سکتا تھا اور نہ ہی کسی سے کچھ روک سکتا تھا، نہ نفع کا مالک تھا، نہ نقصان کا، ایسی حالت میں اس کا کسی کامل القدرت ذات کا محتاج ہونا بالکل ظاہر اور واضح ہے، جسے ہر کوئی محسوس کرسکتا ہے، اور یہ بات بھی واضح ہے کہ بچے کا اس طرح محتاج ہونا ایک امرِ ذاتی ہے جو اس سے جدا نہیں ہوسکتا بل کہ وہ ہمیشہ اُس پیدا کرنے والے کا محتاج رہے گا، ایسا نہیں ہوسکتا کہ دوسری حالت پر منتقل ہونے کے بعد اس سے فقر واحتیاج زائل ہوجائے اور وہ بذاتِ خود کامل ومکمل ہوجائے، بل کہ وہ ہمیشہ اپنے خالق کا محتاج ہی رہے گا۔

لیکن جب رب تعالیٰ نے اسے اپنے انعامات سے نوازا، اس پر اپنی رحمت نچھاور فرمائی اور اس کے وجود کو ظاہری و باطنی طور پر کمال بخشا، اسے عمدہ پوشاک پہنائی، سوچنے سمجھنے اور دیکھنے کی صلاحیت عطا فرمائی، اسے علم دیا، قدرت و طاقت دی، حتیٰ کہ اپنے ہی جیسوں سے کام لینے اور خدمت لینے کے گُر سکھلائے، اونٹ، خچر اور دیگر بہت سے جانور اس کے تابع کردیئے، پانی میں تیرنے والے جانور، ہوا میں اڑنے والے پرندے اور جنگل کے وحشی جانور اس کی دسترس سے باہر نہ رہے۔ یہ انسان زمین کھود کر نہریں نکالنے لگا۔

درخت لگا کر باغات بنا لئے، زمین چیر کر اس میں اونچی اونچی عمارتوں کی بنیادیں ڈال دیں اور اپنے مصالح میں سوچ و بچار کرنے لگا، موذی چیزوں سے تحفظ اور بچاؤ کے طریقے اختیار کرنے لگا، یہ سب باتیں اسے اللہ ربّ العزت کی توفیق سے حاصل ہوئیں۔

لیکن یہ بے چارہ مسکین یہ سوچنے لگا کہ ان سب چیزوں کی ملکیت میں اس کا حصہ ہے اور اللہ ربّ العزت کے ساتھ بادشاہت میں اپنے لئے شرکت کا دعویٰ کرنے لگا، حالاں کہ یہ اپنی پہلی حالت سے بخوبی واقف ہے، لیکن اب پہلے کی بے بسی اور فقر و احتیاج کو بھلا بیٹھا یہاں تک کہ گویا وہ کبھی فقیر و محتاج تھا ہی نہیں، بل کہ فقیر و محتاج تو کوئی اور ہی تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک اس انسانی کیفیت کو بتلاتی ہے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہتھیلی مبارک پر تھوک ڈالا اور پھر اس پر انگلی رکھ کر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے آدم کے بیٹے! تو مجھ سے کیسے بھاگ سکتا ہے حالاں کہ میں نے تجھے اس تھوک جیسی چیز (منی) سے پیدا کیا ہے، یہاں تک کہ جب میں نے تجھے مکمل پیدا کردیا اور مناسب سانچے میں ڈھال دیا، تو تو دو چادروں میں اس طرح چلنے لگا کہ تیری چال کی وجہ سے زمین میں دھمک پیدا ہونے لگی، پھر تو نے مال جمع کیا اور روک کے رکھا اور جب جان ہنسلی کی ہڈی تک

---

[1] یونس: ٦٨

جا پہنچی تو تو کہنے لگا: ''میں صدقہ کرتا ہوں'' حالاں کہ اب کہاں صدقہ کا وقت رہا۔''[1]

یہی وہ وجہ ہے جو کامیابی اور ناکامی کی بنیاد بنتی ہے، کیوں کہ جو شخص اپنے نفس کی حقیقت اور اپنے مولیٰ کی جانب اپنے فقر و احتیاج کو بھلا بیٹھتا ہے اور سرکشی و نافرمانی کرنے لگتا ہے تو ایسے شخص کے لئے بدبختی کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝﴾[2]

ترجمہ: ''سچ مچ انسان تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو بے پروا (یا تونگر) سمجھتا ہے۔''

یعنی اپنے آپ کو محتاج نہیں سمجھتا، جب کہ حقیقت میں یہ محتاج ہے اور بے پروا اور مستغنی ذات صرف ''الغنیُّ جلّ جلالہٗ'' کی ہے۔

مخلوق میں سب سے کامل وہ لوگ ہیں جو عبادت کرنے میں کامل ہیں اور اپنی ہر ضرورت و حاجت میں اپنے ربّ کے محتاج ہونے کا ہر وقت استحضار رکھتے ہیں اور اس بات کا بھی استحضار رکھتے ہیں کہ وہ پلک جھپکنے کی مقدار بھی اپنے ربّ کی رحمت سے مستغنی نہیں ہیں۔[3]

غنا کے اسباب میں سے ایک سبب صلہ رحمی ہے

حصولِ رزق کے اسباب میں سے ایک سبب صلہ رحمی ہے۔

❶ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص اپنے رزق میں فراخی اور اپنی عمر میں اضافہ پسند کرے، وہ صلہ رحمی کرے۔''[4]

مذکورہ بالا حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے صلہ رحمی کے ذریعے حاصل ہونے والے دو پھلوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک پھل رزق کی وسعت اور دوسرا پھل عمر میں اضافہ ہے۔

اور یہ کھلی پیشکش ہے اور اس کے پیش کرنے والے اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سے سب سے زیادہ سچے انسان اللہ تعالیٰ کے حبیب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور وہ ایسی پیشکش اپنی طرف سے نہیں بل کہ وحی الٰہی سے ہی کر سکتے ہیں۔ پس جو بھی ان دو پھلوں (کشادگی رزق اور عمر میں اضافہ) کا خواہش مند ہو، وہ صلہ رحمی کا بیج بوئے، یقیناً ان دو پھلوں کو حاصل کرے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

[1] مسند احمد: ۲۴۱/۵، رقم: ۱۷۳۸۷ [2] العلق: ۶، ۷ [3] النهج الأسمٰى: ۲۳۵/۲

[4] ''عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُّبْسَطَ فِيْ رِزْقِهٖ وَأَنْ يُّنْسَأَلَهٗ فِيْ أَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ))'' (بخاري، كتاب الادب، باب من بسط له فى الرزق لصلة الرحم: ۸۸۵/۲)

❷ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے قرابت داروں کے متعلق معلومات حاصل کرو تا کہ صلہ رحمی کر سکو، بلاشبہ صلہ رحمی سے خاندان میں محبت، مال میں کثرت اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔'' [1]

جناب رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث مبارک میں صلہ رحمی کے تین فائدے بیان فرمائے ہیں اور ان تین میں سے دوسرا ثمرہ اور فائدہ مال میں اضافہ ہے۔

❸ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ اس کی عمر میں اضافہ ہو، اس کے رزق میں وسعت ہو اور اس سے بری موت دور کی جائے، وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور صلہ رحمی کرے۔'' [2]

جناب نبی کریم ﷺ نے اس حدیث شریف میں اس بات کی خبر دی ہے کہ جس میں دو خصلتیں...... ایک اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور دوسری صلہ رحمی ...... پائی جائیں اس کو تین فوائد حاصل ہوتے ہیں اور ان تین میں سے ایک فائدہ رزق کی کشادگی اور وسعت ہے۔

❹ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تمام نیکیوں میں سب سے زیادہ جلدی ثواب صلہ رحمی کا ملتا ہے۔ یہاں تک کہ جب کسی برے اور نافرمان گھرانے کے لوگ صلہ رحمی کرتے ہیں تو ان کے مالوں میں افزائش اور تعداد میں اضافہ ہوتا ہے، کسی بھی صلہ رحمی کرنے والے کے کنبے کے لوگ محتاج نہیں ہوتے۔'' [3]

صلہ رحمی کس چیز کے ذریعے کی جائے؟

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ صلہ رحمی صرف مال کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ یہ صلہ رحمی کا ادھورا اور ناقص تصور ہے۔ صلہ رحمی کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اعزہ و اقارب کو خیر پہنچانے اور ان سے شر دور کرنے کی غرض سے کوشش کرنے کا نام صلہ رحمی ہے، خواہ یہ مال کے ساتھ ہو یا کسی اور ذریعے سے۔

امام ابن ابی جمرہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''صلہ رحمی چند چیزوں کے ذریعے ہوتی ہے (۱) ضرورت کے وقت تعاون کرنے سے (۲) مصیبت دور کرنے کے لئے کوشش کرنے سے (۳) خندہ پیشانی سے ملاقات کرنے سے (۴) اور

---

[1] ''عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((تَعَلَّمُوْا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُوْنَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِى الْأَهْلِ مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ، مَنْسَأَةٌ فِي أَثَرِهِ))'' (مسند احمد: ٢/٣٧٤، رقم الحديث: ٨٦٥١)

[2] ''عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُمَدَّ لَهُ فِي عُمُرِهِ وَيُوَسَّعَ عَلَيْهِ فِي رِزْقِهِ وَيُدْفَعَ عَنْهُ مَنِيَّةُ السُّوْءِ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ وَلْيَصِلْ رَحِمَهُ'' (مسند احمد: ١/١٤٣، رقم الحديث: ١٢١٧)

[3] ''عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَعْجَلَ الطَّاعَةِ ثَوَابًا صِلَةُ الرَّحِمِ، حَتّٰى إِنَّ أَهْلَ بَيْتٍ لَيَكُوْنُوْا فَجَرَةً، فَتَنْمُوْا أَمْوَالُهُمْ وَيَكْثُرُ عَدَدُهُمْ إِذَا تَوَاصَلُوْا، وَمَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ يَتَوَاصَلُوْنَ فَيَحْتَاجُوْنَ'' (صحيح ابن حبان: ١/٢٤٠، البر والاحسان، صلة الرحم وقطعها، رقم: ٤٤٢)

دعا کے ذریعے سے۔‘‘

صلہ رحمی کا جامع مفہوم یہ ہے: ’’......جس قدر ممکن ہو خیر پہنچانا اور شر کو دور کرنا۔‘‘ [1]

رشتہ داروں کو ناراض رکھنا بے برکتی کا سبب ہے

واقعہ نمبر (۸۳): ایسے ہی ’’صلہ رحمی‘‘ رزق کی کنجیوں میں سے ایک کنجی ہے، خصوصاً بڑے بھائی/ بڑی بہن کا ادب و احترام، ان کی منشاء و مرضی کی حتی الامکان رعایت رکھتے ہوئے کام کرنا، یہ برکت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، ہاں جب دینی حکم کے خلاف ان کی کوئی بات ہو تو ہرگز ہرگز ان کی بات نہ مانی جائے۔

مفکر اسلام مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنی سوانح حیات میں لکھتے ہیں:

’’۱۹۴۶ء کی ابتداء میں جب دارالعلوم سے ملازمت کا تعلق منقطع کر چکا تھا اور اپنے شوق سے بعض درجوں میں کچھ اسباق پڑھا دیا کرتا تھا، معلوم نہیں کیا خیال پیدا ہوا کہ دارالعلوم کی مسجد سے متصل جو چھوٹا سا مکان تعمیر ہوا تھا اس میں میں نے بھائی صاحب سے ضابطہ کی اجازت لے کر رہنا شروع کر دیا اور والدہ صاحبہ اور گھر والوں کو لے آیا۔ اس وقت معاش کا کوئی ذریعہ نہ تھا، نہ کتابوں کے معاوضہ اور نفع کا کوئی سلسلہ۔ یہ سال اقتصادی طور پر سخت پریشانی کا گزرا۔

مجھے یاد ہے ایک مرتبہ امین آباد کے چوراہے پر نظیر آباد جانے والی سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر میں نے جیب سے کئی مرتبہ گھڑی نکالی کہ اس کو کسی گھڑی کی دکان پر آدھے پونے دام پر بیچ دوں، اس سے کچھ دن کام چلے لیکن پھر اس خیال سے ہمت نہیں ہوئی کہ دکان دار کہیں چوری کی نہ سمجھے۔ یہ پورا سال پریشانی میں گزرا اور سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ بے برکتی کیوں ہے؟

ایک دن معلوم ہوا کہ بھائی صاحب میرے اس علیحدہ قیام پر بہت مغموم اور متاثر ہیں، ان کو بڑا قلق ہے کہ ان کی زندگی میں میں نے لکھنؤ میں رہتے ہوئے علیحدہ قیام کا انتظام کیا۔ میں نے ان سے رو کر معافی مانگی اور جب کہ تقریباً ایک سال گزر رہا تھا، میں پھر اپنے اسی قدیم مکان میں آگیا، پھر یاد نہیں کہ کبھی ایسی تنگی اور پریشانی پیش آئی ہو۔‘‘ [2]

یاد رکھئے! ہم کسی کو سگا بھائی یا بہن نہیں بنا سکتے، یہ رشتے قدرت نے ہمارے لئے طے کئے ہیں جس طرح ہمیں ان قدرتی رشتوں کو بنانے کا اختیار نہیں دیا گیا اسی طرح ان رشتوں کو توڑنے کا بھی اختیار ہمیں نہیں دیا گیا۔

صلہ رحمی کا عجیب اور پیارا طریقہ

واقعہ نمبر (۸۴): حضرت حسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ان کے باپ شریک بھائی محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی (ماں کی

[1] تحفة الاحوذی، باب ماجاء فی صلة الرحم: ۳۰/۶

[2] کاروان زندگی: ۳۶۷/۱

طرف سے نسبت ہے جو بنو حنفیہ سے تھیں) میں کسی بات پر تلخی پیدا ہوگئی اور دونوں آپس میں ناراض ہو کر چل دیئے، محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے گھر پہنچ کر درج ذیل مضمون پر مشتمل ایک مکتوب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں روانہ کیا:

محمد بن علی کی طرف سے اس کے بھائی حسین بن علی کی طرف

''سلام مسنون کے بعد...... آپ کو ایسا مقام و مرتبہ اور شرف وفضیلت حاصل ہے جس تک میری رسائی ممکن نہیں، اس لئے کہ میری والدہ بنو حنفیہ کی ایک خاتون ہیں اور آپ کی والدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا دخترِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، اگر میری والدہ جیسی عورتوں سے زمین بھر جائے، پھر بھی آپ کی والدہ کے برابر نہیں ہوسکتیں، لہٰذا اس مقام و مرتبہ کی بنا پر میرا مکتوب پڑھتے ہی مجھے راضی کرنے میرے ہاں چلے آیئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ جس فضیلت کو پانے کے لئے آپ مجھ سے زیادہ حق دار ہیں میں اس میں پہل کر جاؤں، والسلام۔''

ادھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب خط پڑھا تو فوراً محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے گھر آئے اور انہیں راضی کیا، باہمی رضامندی کا یہ کس قدر انوکھا انداز ہے۔[1]

الغنی جل جلالہ فقیر کو غنی بناتا ہے

واقعہ نمبر ۸۵: قاضی ابوبکر محمد بن عبدالباقی الانصاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ بغداد کے ایک رئیس نے حج کے دنوں میں بغداد میں اعلان کرایا کہ جس شخص کو حج کرنے کا شوق ہو، وہ ہمارے ساتھ چلے، راستے کے تمام اخراجات میرے ذمے مگر واپسی کا انتظام وہ خود کرے گا، واپسی کے اخراجات نہیں دیئے جائیں گے۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں: ان دنوں میری حالت بہت خستہ تھی، غربت کا شکار تھا۔ میں نے ارادہ کرلیا کہ چلو حج تو ادا کرو، واپسی کا دیکھا جائے گا۔ فرماتے ہیں: حج ادا کرنے کے بعد لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور میں اکیلا حرم میں پڑا رہا، نہ کھانے کے لئے کچھ تھا نہ رقم تھی، سخت بھوک کی حالت تھی، حرم خالی تھا۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کو جاچکے تھے کہ اتفاق سے مجھے ایک ریشم کی تھیلی پڑی ہوئی ملی، وہ بڑی نفیس قسم کی تھی۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا تو اس میں موتیوں کا انتہائی نفیس ہار تھا، میں نے زندگی میں ایسا ہار کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے وہ ہار نعمتِ خداوندی سمجھ کر رکھ لیا مگر ہوا کیا کہ تھوڑی دیر بعد ایک بوڑھا آدمی آوازیں لگا رہا تھا اور کہہ رہا تھا، میری تھیلی کھوگئی ہے، ایسی ایسی تھی اور اس میں ہار تھا واپس کرنے والے کو پانچ سو دینار دوں گا اور دینار اس نے ہاتھوں میں اٹھا رکھے تھے۔ میں نے سوچا:

''أَنَا مُحْتَاجٌ، وَأَنَا جَائِعٌ، فَآخُذُ الدَّنَانِيرَ أَنْتَفِعُ بِهِ''

---

[1] رفیق المسلم فی الاسفار: ۳۲، بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۷۴

کہ چلو واپس کر دوں اور انعام کی رقم لے لوں، چوں کہ مجھے ضرورت بھی رقم کی تھی تاکہ اپنی بھوک مٹاؤں اور واپس گھر جاسکوں، چناں چہ میں نے اس بوڑھے آدمی کو بلایا اور وہ تھیلی اسے واپس کر دی، وہ بہت خوش ہوا اور دعائیں دیں اور وعدے کے مطابق انعام کے پانچ سو دینار مجھے دے دیئے مگر میں نے یک دم لینے سے انکار کر دیا کہ نہیں۔

''يَجِبُ عَلَيَّ أَنْ أُعِيدَهٗ إِلَيْكَ وَلَا اٰخُذُ لَهٗ جَزَاءً''

یہ تھیلی میرے پاس امانت تھی، اس کا واپس کرنا میرا فرض تھا، میں اس پر کوئی بدلہ لینا نہیں چاہتا، میں اللہ تعالیٰ سے بدلے کا امیدوار ہوں۔

''فَأَلَحَّ عَلَيَّ كَثِيْرًا فَلَمْ أَقْبَلْ ذٰلِكَ مِنْهُ، فَتَرَكَنِيْ وَمَضٰى''

اس نے بہت اصرار کیا مگر میں نے لینے سے انکار کر دیا اور آخر تنگ آکر وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ بحری سفر کرنا چاہئے، جہاز میں کوئی کام کرنے کی نوکری مل جائے گی یوں سفر بھی طے ہو جائے گا اور کچھ کھانے پینے کا انتظام بھی۔

چناں چہ میں بندرگاہ پہنچا، جہاز کے عملہ سے بات کی، مجھے جہاز میں صفائی کرنے کا کام مل گیا، میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اپنا کام شروع کر دیا۔ اس طرح میں جہاز کے عملے میں شامل ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ راستے میں طوفان نے آ گھیرا، جہاز غرق ہو گیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، تمام مسافر اور عملہ ڈوب گیا مگر میں ایک تختے پر بیٹھا عرصے تک تیرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ تیز ہوا چلی اور اس تختے کو ایک طرف بہا کر لے گئی۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ کہاں جا رہا ہوں، کون سا علاقہ اور کون سی جگہ ہے؟ اللہ اللہ کر کے تختہ ایک جزیرے کے کنارے جا لگا جہاں پر کچھ آبادی تھی۔ میں سخت سردی کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔

فوراً خشکی پر اترا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ قریب ہی ایک مسجد پر نظر پڑی، وہاں جا کر بیٹھ گیا، نمازِ فجر کا وقت ہوا، کچھ لوگ مسجد میں آ گئے۔ وہ سارے نومسلم تھے۔ ان میں کوئی قرآن پڑھنا نہیں جانتا تھا، جب انہوں نے مجھے دیکھا تو پوچھا: کیا آپ قرآن پڑھنا جانتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ!''...... چناں چہ انہوں نے نماز پڑھانے کو کہا۔

نماز کے بعد وہ لوگ بہت خوش ہوئے، انہوں نے مجھ سے قرآن سیکھنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ ایک طویل عرصہ گزر گیا اور اس جزیرے کا کوئی مرد عورت اور بچہ ایسا نہ رہا جس نے مجھ سے نماز یا قرآن نہ سیکھا ہو۔ مجھے وہاں بہت آسائش مل گئی، مال و دولت سب کچھ مل گیا، پھر انہوں نے مجھ سے کہا: آپ لکھنا جانتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں، انہوں نے کہا: ہمیں بھی لکھنا پڑھنا سکھائیں، غرض وہ اپنے بچوں اور جوانوں کو میرے پاس لائے، میں عرصے تک انہیں لکھنا پڑھنا سکھاتا رہا، اس طرح میری کافی مالی امداد بھی ہوئی۔ مجھے اب کافی خوش حالی میسر ہو گئی۔ اس دوران نہ انہوں نے مجھ سے میرے حالات پوچھے اور نہ میں نے بتائے کہ میں کون ہوں، کہاں سے آیا ہوں اور کیسے آیا؟

ایک دن میں اپنے مکان میں بیٹھا تھا، کچھ لوگ میرے پاس آ گئے اور کہنے لگے: ہمارے یہاں ایک یتیم بچی ہے، اس کے پاس کافی مال ومتاع بھی ہے، تم اس سے نکاح کر لو میں نے انکار کیا مگر وہ میرے پیچھے ہی پڑ گئے۔ مجبوراً مجھے ان کی بات ماننا پڑی۔

چناں چہ نکاح ہو گیا، جب میں اپنی بیوی سے ملنے گیا تو اس کے گلے میں وہی ہار دیکھا، جو میں نے مکہ میں بوڑھے کو واپس کیا تھا، میں بھونچکا (حیران) رہ گیا۔ میں اس ہار کو دیکھتا رہا اور ذہن میں گزرے ہوئے تمام حالات گھوم رہے تھے۔ میرے اردگرد بیٹھے خاندان کے لوگوں نے مجھے اس حالت میں دیکھ کر پوچھا: کیا بات ہے! آپ اپنی بیوی کو دیکھنے کے بجائے صرف ہار کو ہی دیکھے جا رہے ہیں؟ ان کے متوجہ کرنے پر میں چونکا، اور انہیں ہار کے قصے سے لے کر یہاں تک پہنچنے کا سارا واقعہ سنا دیا، سب نے ایک ساتھ مل کر نعرہ تکبیر اتنی زوردار آواز سے بلند کیا کہ تمام جزیرہ ہل کر رہ گیا۔

میں نے پوچھا: کیا ہوا خیریت تو ہے؟ تو انہوں نے مجھے بتایا کہ جن بڑے میاں نے تم سے ہار لیا تھا، وہ اس بچی کے باپ تھے اور حج سے واپسی پر وہ کہا کرتے تھے:

"مَا وَجَدْتُّ فِي الدُّنْيَا مُسْلِمًا إِلَّا هٰذَا الَّذِيْ رَدَّ عَلَيَّ هٰذَا الْعِقْدَ"

تَرجَمَہ: "مجھے دنیا میں صرف ایک پکا اور سچا مسلمان ملا جس نے مجھے ہار واپس کر دیا اور انعام بھی نہ لیا۔"

اور وہ دعا کرتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ اجْمَعْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ حَتّٰى أُزَوِّجَهٗ بِابْنَتِيْ"

"خدایا، اگر وہ شخص مجھے پھر مل جائے تو اس سے اپنی بیٹی بیاہ دوں۔"

اسی حسرت کو دل میں لئے وہ اس دنیا سے چلے گئے، مگر ان کی دعا ایسے قبول ہوئی کہ وہ بچی آپ کو مل گئی۔

یہ سن کر میں بھی رہ نہ سکا اور نعرہ تکبیر بلند کیا، اللہ تعالیٰ کی قدرت پر حیران ہوتا رہا۔ قاضی ابوبکر بغدادی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کہتے ہیں: ایک مدت تک میں اس کے ساتھ رہا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے دو بیٹے دیئے، پھر اس کا انتقال ہو گیا اور ہار کے وارث میرے بیٹے ہوئے۔ پھر وہ دونوں لڑکے بھی فوت ہو گئے اور ہار میرے پاس آ گیا اور میں اپنا تمام مال لے کر اس جزیرے سے رخصت ہوا اور بغداد پہنچا۔ وہ ہار میں نے ایک لاکھ دینار میں فروخت کیا اور اب جو مال و دولت تمہیں نظر آتا ہے سب اسی ہار کا باقی ماندہ حصہ ہے۔[1]

ہر رات سورۂ واقعہ پڑھنا اور موجودہ نعمتوں پر شکر غنا کا سبب ہے

واقِعَہ نمبر (۸۶): حافظ ابن کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے ابن عساکر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے حوالہ سے لکھا ہے: حضرت

[1] ماخوذ از ذیل طبقات الحنابلہ: ۱۹۶/۱

عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مرضِ وفات میں حضرت عثمان بن عفان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ان کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے اور فرمایا:

''مَا تَشْتَكِيْ؟'' ''آپ کو کیا تکلیف ہے؟''

حضرت عبداللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا: ''ذُنُوْبِيْ!'' (اپنے گناہوں کے وبال کی تکلیف ہے)۔

حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: ''فَمَا تَشْتَهِيْ'' (آپ کی خواہش کیا ہے؟)

حضرت عبداللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: ''رَحْمَةُ رَبِّيْ'' (اپنے پروردگار کی رحمت چاہتا ہوں)۔

حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے پوچھا: ''آپ کے لئے کوئی طبیب بھیج دوں؟''

حضرت عبداللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا: ''طبیب ہی نے تو مجھے بیمار کیا ہے۔''

حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: ''تو پھر اخراجات کے لئے کچھ رقم بھجوا دوں؟''

حضرت عبداللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا: ''نہیں، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔''

حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: ''یہ رقم آپ کے بعد آپ کی صاحب زادیوں کے کام آجائے گی۔''

حضرت عبداللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا:

''کیا آپ کو میری بیٹیوں پر فقر و فاقہ کا اندیشہ ہے؟ میں نے تو انہیں ہر رات سورۂ واقعہ کی تلاوت کی تاکید کر رکھی ہے، کیوں کہ میں نے آں حضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھے اسے کبھی فاقہ کی مصیبت نہیں آئے گی۔'' [1] لہٰذا ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔

''اَلْغَنِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے جتنا دیا ہے اس پر دل سے شکر کریں

واقعہ نمبر ۸۷: حضرت ابراہیم بن ادہم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے کسی شخص نے کہا: ''میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ سے یہ جبہ ہدیہ میں قبول فرمائیں ...... ابراہیم بن ادہم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے جواب دیا: ''اگر آپ غنی اور مال دار ہیں پھر تو میں قبول کر لیتا ہوں اور اگر آپ فقیر ہیں تو میں قبول کرنے سے معذرت کرتا ہوں'' اس شخص نے کہا: ''جی میں غنی ہوں''

ابراہیم بن ادہم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے کہا: ''آپ کے پاس کتنا مال ہے؟'' اس نے کہا: ''دو ہزار درہم''

ابراہیم بن ادہم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے کہا: مزید مال بڑھانے کے لئے آپ بے چین رہتے ہیں یعنی دل میں شدید لالچ ہے کہ اگر آپ کے پاس چار ہزار ہو جائیں تو آپ کو بہت زیادہ خوشی ہوگی ......؟ اس نے کہا: ''جی ہاں کیوں نہیں''

ابراہیم بن ادہم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے کہا: ''معلوم ہوا کہ آپ فقیر ہیں، لہٰذا میں آپ سے ہدیہ قبول نہیں کرتا۔'' [2]

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۴۲۶/۳، الواقعة

[2] عیون الاخبار: ۳۶۲/۲، بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۷۶

یعنی جتنا اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس پر تو طبیعت خوش رہے، طبیعت بھری رہے اور اس پر خوب شکر گزار رہے اور یہ کیفیت ہو کہ میں تو اس کا بھی مستحق نہیں تھا، میرے مالک نے کرم فرمایا کہ اتنی ساری نعمتیں عطا فرمادی ہیں۔

بندوں کو رزق دینا ”اَلْغَنِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کے ذمہ ہے

وَاقِعَہ نمبر ۸۸: بہلول رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ ایک مرتبہ کسی قبر میں پاؤں لٹکائے مٹی سے کھیل رہے تھے، کسی نے پوچھا:
”بہلول! یہاں کیا کر رہے ہو؟“ کہنے لگے:
”ایسے لوگوں کے پاس ہوں کہ اگر ان کی صحبت میں رہوں تو مجھے تکلیف نہیں دیتے اور ان سے دور رہوں تو میری غیبت نہیں کرتے۔“
پوچھنے والے شخص نے کہا:
”مہنگائی بہت بڑھ گئی ہے، اس کی کمی کے لئے دعا کریں۔“...... کہنے لگے:
”اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے تو کوئی پروا نہیں، چاہے گندم کے ایک دانے کی قیمت ایک دینار ہی کیوں نہ ہو جائے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر یہ حق ہے کہ اس کے حکم کے مطابق اس کی عبادت کریں اور اللہ تعالیٰ پر ہمارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے وعدے کے مطابق ہمیں رزق دے۔ جب رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی ہے تو فکر کرنے کی مجھے کیا ضرورت؟“[1]

فَوَائِد و نَصَائِح

❶ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو لازم ہے کہ اپنے آپ کو غنی مطلق کے دروازے کا فقیر سمجھے۔ اہلِ دنیا کو محتاج و گدا سمجھے اور خیر و شر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے ہاتھ میں نہیں اس بات کا یقین پختہ رکھے۔[2]

❷ صرف ”اَلْغَنِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کے سامنے اپنی محتاجگی کو ظاہر کرے، جو اس کو اوروں سے مستغنی کرسکتا ہے اور مخلوق سے کسی قسم کی امید نہ رکھے، جو نعمتیں ملی ہیں ان پر شکر کرے اور مال و دولت کی حرص کو دِل سے نکال دے۔

❸ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھنے کا اہتمام کرے۔

مال داری کے فتنہ سے حفاظت کی دعا مانگئے

”اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْغِنٰی وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْفَقْرِ.“[3]

---

[1] فوات الوفیات، لمحمد بن شاکر: ۲۲۹/۱، بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۱۷۷

[2] شرح اسماء حُسنیٰ: ۱۵۳ (منصور پوری)

[3] بخاری، الدعوات، باب الاستعاذة من فتنة الغنٰی: ۹۴۳/۲

تَرْجَمَۃ: ’’اے اللہ! میں غنی (مال داری) کے فتنہ، اور فقر کے فتنہ سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔‘‘

اس دعا میں دولت مندی کے فتنہ سے، اور اس کے ساتھ فقر و محتاجگی کے فتنہ سے بھی اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے دولت و ثروت بذاتِ خود کوئی بری چیز نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اگر اس کا حق ادا کرنے اور اس کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی توفیق ملے۔

حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنی دولت ہی سے وہ مقام پایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اُن کے بارے میں اعلان فرمایا: ’’عثمان اس کے بعد جیسے بھی عمل کریں ان پر کوئی عتاب نہ ہوگا اور اُن سے کوئی باز پرس نہ ہوگی ’’مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذَا.‘‘[1] اسی طرح فقر کے ساتھ اگر صبر و قناعت نصیب ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے فقر ہی کی زندگی پسند فرمائی، اور فقر اور اہلِ فقر کے بڑے فضائل بیان فرمائے لیکن اگر بدقسمتی سے دولت مندی و خوش حالی تکبر و غرور پیدا کرے اور مال و متاع کے صحیح استعمال کی توفیق نہ ملے تو پھر وہ قارونیت ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اسی طرح اگر فقر و محتاجگی کے ساتھ صبر و قناعت نہ ہو اور اس کی وجہ سے آدمی نافرمانی کرنے لگے تو وہ اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب ہے، اور اسی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا‘‘[2] (محتاجگی اور مفلسی آدمی کو کفر تک بھی پہنچا سکتی ہے) اس دعا میں غنا اور فقر (دولت مندی اور ناداری) کے جس شر و فتنہ سے پناہ مانگی گئی ہے وہ یہی ہے، اور وہ ایسی ہی چیز ہے کہ اُس سے ہزار بار پناہ مانگی جائے۔

---

[1] ترمذی، المناقب، باب فی عد عثمان ...... رقم: ۳۷۰۰

[2] حلية الأولياء، يزيد بن أبان الرقاشي، الرقم: ٣١٦٩

المُغْنِي جلّ جلالہٗ

(بے نیاز وغنی بنانے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ ”اَلْمُغْنِي الَّذِيْ يُغْنِي مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ بِمَا شَآءَ ......وَقِيْلَ هُوَ الَّذِيْ أَغْنٰى خَوَّاصَّ عِبَادِهٖ عَمَّا سِوَاهُ ...... بِأَنْ لَّمْ يَبْقَ لَهُمْ حَاجَةٌ إِلَّا إِلَيْهِ“[1]

ترجمہ: ”ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”المغنی“ وہ ذات ہے کہ جو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اور جس چیز سے چاہے غنی بنا دے اور بعض حضرات فرماتے ہیں: ”المغنی“ وہ ذات ہے کہ جو اپنے مخصوص بندوں کو اپنے ماسوا سے ایسا غنی بنا دیتا ہے کہ انہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی حاجت رہتی ہے۔“

❷ ”إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُغْنِي عِبَادَهٗ بَعْضَهُمْ عَنْ بَعْضٍ عَلَى ...... الْحَقِيْقَةِ لِأَنَّ الْحَوَائِجَ لَا تَكُوْنُ إِلَّا إِلَى اللّٰهِ......“[2]

ترجمہ: شیخ ابوالقاسم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو دیگر بعض بندوں سے بایں طور غنی بنا دیتا ہے کہ ان کو بس صرف اللہ کی حاجت رہتی ہے۔“

❸ ﴿وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى﴾ أَيْ كُنْتَ فَقِيْرًا ذَا عِيَالٍ فَأَغْنَاكَ اللّٰهُ عَمَّنْ سِوَاهُ...... فَجَمَعَ لَهٗ بَيْنَ مَقَامَيِ الْفَقِيْرِ الصَّابِرِ وَالْغَنِيِّ الشَّاكِرِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ“[3]

ترجمہ: ”علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ ﴿وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”اے محمد! آپ فقیر تھے اہل وعیال والے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی نعمتیں دیں کہ آپ مخلوق میں کسی کے محتاج نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے فقیر صابر اور غنی شاکر کے دونوں مراتب کے درمیان درجہ عنایت فرمایا ہے۔“

”المغنی جل جلالہٗ“ جس ذات کے بارے میں بتائے کہ ہم نے تمہیں غنی کر دیا اس کے غنا کی کیا حد ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ جسے بے پروا فرما دے اس سے بڑا بے پروا کون ہو سکتا ہے؟

[1] مرقاۃ شرح مشکوۃ: کتاب اسماء اللہ تعالیٰ: ۹۸/۵ [2] طیبی شرح مشکوٰۃ: ۶۱/۵ [3] تفسیر ابن کثیر: ۶۵۰/۳، الضّحٰی: ۸

غنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

واقعہ نمبر (۸۹): حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کھجور کا ڈھیر تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بلال! یہ کیا ہے؟

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کل کے لئے کچھ جمع کیا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا آپ اس بات سے نہیں ڈرتے کہ کل قیامت کے دن اسے جہنم کا دھواں دیکھیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

"أَنْفِقْ بِلَالُ! وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا"[1]

"اے بلال! خرچ کرو اور عرش والے (اللہ تعالیٰ) سے فقر کی توقع نہ کرو۔" (یعنی خرچ کرو اور فقر سے مت ڈرو)۔

وہ ہستی جو اگر یہ چاہتی کہ اُحد پہاڑ سونا بن کر ساتھ چلے، اس کے لئے کھجور کا تھوڑا سا ذخیرہ کیا وُقعت رکھتا ہے، مگر بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اس کی بڑی اہمیت تھی۔ غور کیجئے فقرِ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرق۔

واقعہ نمبر (۹۰): حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی، چناں چہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیر چکے تو بڑی تیزی کے ساتھ کھڑے ہوئے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے اپنی ازواجِ مطہرات کے حجروں کی طرف چلے گئے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جلدی پن سے گھبرا گئے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرے سے باہر تشریف لائے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنے اس کام پر متعجب دیکھا تو فرمایا: "اچانک مجھے یاد آیا کہ ہمارے پاس سونے کی ایک چیز موجود ہے اور میں نے اسے ناپسند کیا کہ وہ مجھے مقامِ قرب سے روکے، لہٰذا فوراً جا کر اہلِ بیت کو میں نے حکم دیا کہ سونے کی وہ چیز تقسیم کر دی جائے۔"[2]

اندازہ کیجئے! غنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ انہیں "اَلْمُغْنِيْ جَلَّ جَلَالُهٗ" نے دنیا کے ساز و سامان سے کیسا مستغنی کر دیا تھا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے "اَلْمُغْنِيْ جَلَّ جَلَالُهٗ" پر بھرپور بھروسہ تھا کہ اگر وہ دنیا سے غنا کا معاملہ فرماتے ہوئے سارا مال خرچ بھی کر لیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بدل عطا فرمائیں گے۔ کاش یہی بات ہماری سمجھ میں بھی آجائے تو اللہ تعالیٰ آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا کے خزانے بھی ہمارے قدموں میں ڈال دیں گے۔[3]

---

[1] "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى بِلَالٍ وَعِنْدَهُ صُبْرَةٌ مِنْ تَمْرٍ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا بِلَالُ قَالَ شَيْءٌ إِدَّخَرْتُهُ لِغَدٍ فَقَالَ أَمَا تَخْشَىٰ أَنْ تَرَىٰ لَهُ غَدًا بُخَارًا فِي نَارِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَنْفِقْ بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا"
(بیهقی، شعب الایمان: ۲/٤٨٤، رقم: ۱۲۸۳)

[2] "عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ فَقَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ إِلَى بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهِ فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهِ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَرَاٰى أَنَّهُمْ قَدْ عَجِبُوْا مِنْ سُرْعَتِهِ قَالَ ذَكَرْتُ شَيْئًا مِنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ أَنْ يَحْبِسَنِي فَأَمَرْتُ بِقِسْمَتِهِ" (بخاری، الاذان، باب من صلی بالناس، رقم: ۸۵۱) [3] مظاہر حق: ۲/۲۵٦

امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے غنا اختیار کرتے ہوئے صرف ''اَلْمُغْنِیُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' پر بھروسہ کرکے کیا ہی خوب اشعار فرمائے ہیں:

تَوَكَّلْتُ فِيْ رِزْقِيْ عَلَى اللّٰهِ خَالِقِيْ
میرا روزی کے معاملے میں اپنے خالق پر بھروسہ ہے

وَأَيْقَنْتُ أَنَّ اللّٰهَ لَا شَكَّ رَزِقِيْ
اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ یقیناً میرا رازق ہے

وَمَا يَكُ مِنْ رِزْقِيْ فَلَيْسَ يَفُوْتُنِيْ
اور میرے مقدر کی روزی مجھ سے فوت نہیں ہوسکتی

وَلَوْ كَانَ فِيْ قَعْرِ الْبِحَارِ الْعَوَامِقِ
چاہے وہ گہرے سمندر کی تہہ میں ہو

سَيَأْتِيْ بِهِ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ بِفَضْلِهٖ
مقدر کی روزی اللہ اپنے فضل سے پہنچائے گا

وَلَوْ لَمْ يَكُنْ مِنِّي اللِّسَانُ بِنَاطِقِ
اگرچہ میری زبان سے اس کا مطالبہ نہ ہو

فَفِيْ أَيِّ شَيْءٍ تَذْهَبُ النَّفْسُ حَسْرَةً
پھر کس وجہ سے نفس حسرت کرتا ہے

وَقَدْ قَسَمَ الرَّحْمٰنُ رِزْقَ الْخَلَائِقِ
جب کہ رحمٰن نے روزی خود ہی تقسیم فرما دی ہے[1]

''اَلْمُغْنِیُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی قدرت کے کرشمے

''اَلْمُغْنِیُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے بعض لوگوں کو ساری دنیا سے ایسا مستغنی کردیا ہے جیسے سورج کو ستاروں سے کہ وہ اس کے محتاج ہیں مگر وہ کسی کا محتاج نہیں۔

چاند سورج کا محتاج ہے گو وہ دوسرے ستاروں سے مستغنی ہے، بعض لوگ چاند کی طرح کسی ایک کے محتاج ہیں مگر اس کے علاوہ سب سے مستغنی ہیں۔

بعض ستارے بعض ستاروں کے محتاج ہیں مگر اس کے علاوہ سب سے مستغنی ہیں۔

اسی طرح بعض انسان بعض افراد کے محتاج ہیں، مگر دوسرے انسانوں سے بے نیاز ہیں۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ''وہ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے'' جسے چاہتا ہے کسی کا محتاج بنا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کسی کا محتاج نہیں بناتا، بل کہ دوسروں کو اس کا محتاج بنا دیتا ہے۔

''اَلْمُغْنِیُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی طرح دوسروں کے کام آنے والے بنو جس قدر دوسروں کے کام آؤ گے شانِ بے نیازی پیدا ہوتی جائے گی، سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ گے، تو وہ ''اَلْمُغْنِیُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' آپ کو سب سے زیادہ غنی و مستغنی کردے گا۔

دستِ سوال سینکڑوں عیبوں کا عیب ہے
اے خانماں خراب نہ احسان اٹھائیے[2]

[1] شرح دیوان الامام الشافعی: ۱۹۲
[2] ماخوذ شرح اسماء الحسنیٰ (الازہری): ٤٤٦

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى﴾[1] مراد آیت کی یہ ہے: ”اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کو مال دار اور غنی بناتا ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا اور اس کی تمام ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں، وہی جس کو چاہتا ہے اتنا سرمایہ دیتا ہے کہ اس کو محفوظ رکھ سکے۔“

﴿وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى﴾[2] شِعْرٰی بکسر شین، ایک ستارے کا نام ہے جو جوزاء کے پیچھے ہے، عرب کی بعض اقوام اس ستارے کی پرستش کرتی تھیں، اس لئے خصوصیت سے اس کا نام لے کر بتلایا کہ اس ستارے کا مالک اور پروردگار بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے، اگرچہ وہ سارے ہی ستاروں، آسمانوں، زمینوں کا خالق و مالک ہے۔

اس کا ازلی و ذاتی علم ہر اس واقعہ کو جو وجود میں آچکا ہے، یا آئے گا محیط ہے، وہی واقعات کو ان کے وجود سے پہلے قابلِ وجود بناتا ہے، اس کے بلند مرتبہ اور مقرب فرشتے ہیں اور دوسرے وہ فرشتے ہیں، جن کو بندوں کے اعمال لکھنے اور مصیبتوں اور آفتوں سے ان کی حفاظت کرنے اور خیر کی طرف بلانے پر مامور کیا گیا ہے، وہ بندے کے لئے خیر کا سبب بنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق شیاطین بھی ہیں، جو آدمیوں کے لئے شر کا سبب بنتے ہیں اور اس کی مخلوقات میں سے جنات بھی ہیں۔

قرض کی ادائیگی کے لئے دعا

واقعہ نمبر ۹۱: ”حضرت ابووائل رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: ایک مکاتب (غلام) نے حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: میں (بدلِ کتابت میں) طے شدہ مال ادا نہیں کر پا رہا۔ آپ اس بارے میں میری مدد فرمائیں۔ حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ کلمات نہ سکھلا دوں جو مجھے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے سکھائے تھے؟ اگر تم پر (یمن کے صِیر) پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو تو بھی اللہ تعالیٰ اس قرض کو ادا کرا دیں گے۔ تم یہ دعا مانگا کرو:

”اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ.“[3]

تَرجَمہ: ”اے اللہ! حرام کے بدلے تو مجھے میری ضرورت کے مناسب حلال روزی عطا فرما اور اپنے فضل سے اپنے ماسوا سے بے نیاز کر دے۔“

واقعہ نمبر ۹۲: کسی بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کی خدمت میں ایک بادشاہ کسی جاننے والے کے ساتھ حاضر ہوا، بزرگ جس طرح پاؤں پھیلائے بیٹھے تھے، بیٹھے ہی رہے، کسی نے پوچھا: پاؤں کیوں پھیلائے رکھے (بادشاہ آیا تھا) جواباً فرمایا: ”میاں جب سے ہاتھ سمیٹ لئے ہیں پاؤں پھیلائے رکھتا ہوں ورنہ جب تک (اہل دنیا کے سامنے) ہاتھ پھیلائے ہوئے تھے تو پاؤں سمیٹ کر رکھتا تھا۔“

---

[1] النجم: ٤٨ [2] النجم: ٤٩ [3] مسند احمد: ٢٤٨/١، رقم: ١٣٢١

خلاصہ یہ ہے کہ وہ غنی ذات جب اپنا تعلق اور اپنی صفاتِ خاصہ کا استحضار نصیب فرما دیتی ہے تو ہر وہ دل بھی غنی ہو جاتا ہے جس کو یہ دولت ملے اور حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ کا مبارک ارشاد ہے:

"لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ"[1]

تَرْجَمَہ: "سامان کا زیادہ ہونا غنا نہیں ہے بل کہ اصل غنا تو دل کا غنا ہے۔"

یعنی مال دار ہونا یہ غنی ہونے کی علامت نہیں ہے، بل کہ اصل غنی وہ ہے "جو جتنا اللہ نے دیا اس پر راضی رہے"، مال ومتاع کی حرص اس میں نہ ہو، کیوں کہ مال ہونے کے باوجود اکثر مزید مال کی طلب بڑھتی ہے جو مطلوب نہیں۔

مال نہ چاہنا، یہی دولت نبی اکرم ﷺ نے دعاؤں میں مانگی اور ہمیں بھی یوں ہی مانگنا سکھایا، چناں چہ حضور اکرم ﷺ کی دعا میں ہے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ غِنَایَ وَغِنَا مَوْلَایَ."[2]

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! مانگتا ہوں تجھ سے سیر چشمی اپنے لئے اور سیر چشمی (طبیعت کا بھرا ہونا) اپنے گھر والوں کے لئے۔"

شیخ ملا علی قاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ سے مانگ ...... یعنی صرف اللہ تعالیٰ سے مانگ ...... اس لئے کہ عطیات کے خزانے اسی کے پاس ہیں ...... اور عطاء وبخشش کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں ...... ہر نعمت یا مصیبت، خواہ دنیا کی ہو یا آخرت کی، جو بندے کو پہنچتی ہے یا اس سے دفع ہوتی ہے وہ بغیر کسی شائبۂ غرض یا ضمیمہ علت کے صرف اور صرف اسی کی رحمت سے ملتی ہے ...... کیوں کہ وہ جوادِ مطلق ہے اور وہ ایسا غنی ہے کہ کسی کا محتاج نہیں ...... اس لئے امید صرف اسی کی رحمت سے ہونی چاہئے ...... چھوٹی بڑی پریشانیوں میں التجا اسی کی بارگاہ میں ہونی چاہئے ...... اور تمام امور میں اعتماد اسی کی ذات پر ہونا چاہئے، اس کے سوا کسی سے نہ مانگے ...... کیوں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا نہ دینے پر قادر ہے نہ روکنے پر ...... نہ مصیبت ٹالنے پر، نہ نفع پہنچانے پر۔ کیوں کہ اس کے ماسوا خود اپنی ذات کے نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ وہ موت وحیات اور جی اُٹھنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

اور آگے لکھتے ہیں:

"بے شک ساری امت ...... یعنی تمام مخلوق، خاص و عام، انبیاء و اولیاء اور ساری امت بالفرض ...... اس بات پر متفق ہو جائیں کہ دنیا یا آخرت کے کسی معاملے میں تجھے کسی چیز کا نفع پہنچائیں تو بغیر مشیت الٰہی کے تجھے نفع پہنچانے پر قادر نہیں۔"[3]

---

[1] بخاری، الرقاق، باب الغنی غنی النفس: ۹۵٤/۲
[2] مسند احمد: ٤٥٣/۳، رقم: ۱۵۳۲۷
[3] مرقاۃ المفاتیح، شرح مشکوۃ: ۹۱/۵

فوائد و نصائح

❶ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ اپنا یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کو دوسروں سے بے پروا اور مستغنی کرسکتا ہے، لہٰذا فقر و احتیاج میں رجوع صرف اسی "المغنی جل جلالہ" ہی کی طرف ہو۔

❷ جتنا اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس پر صبر و شکر کے ساتھ اپنے اندر غنائے ظاہری اور غنائے باطنی پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اللہ کے سوا کسی کے در پر نہ جائے تمام مخلوق سے اپنے آپ کو مستغنی کرے۔

❸ اس اسم مبارک کے تحت دی گئی دو دعاؤں کو یاد کرے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے...... اور ان اشعار کو اپنی میز پر لکھ کر لگائے یا یاد کرلے اور وقتاً فوقتاً پڑھ کر ایمان تازہ رکھے۔



المانع جلّ جلالہٗ

(روکنے والا)

اس اسم کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

❶ هُوَ الَّذِيْ يَمْنَعُ أَسْبَابَ الْهَلَاكِ وَالنُّقْصَانِ فِي الْأَبْدَانِ وَالْأَدْيَانِ بِمَا يَخْلُقُهُ مِنَ الْأَسْبَابِ الْمُعَدَّةِ لِلْحِفْظِ وَقَدْ يَكُوْنُ الْمَانِعُ مِنَ الْمَنْعِ وَالْحِرْمَانِ لِمَنْ لَّا يَسْتَحِقُّ الْعَطَاءَ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ.''[1]

فَهُوَ سُبْحَانَهُ يَمْلِكُ الْمَنْعَ وَالْعَطَاءَ وَلَيْسَ مَنْعُهُ الشَّيْءَ بُخْلًا بِهِ، وَلٰكِنْ مَنْعُهُ حِكْمَةٌ وَعَطَاؤُهُ جُوْدٌ وَرَحْمَةٌ.[2]

ترجمہ: ''المانع جلّ جلالہٗ'' وہ ہے جو حفاظت کے خاص خاص اسباب مہیا کر کے ادیان وابدان سے نقصان و ہلاکت کے اسباب دور کرتا ہے، اور ''المانع جلّ جلالہٗ'' کبھی کبھی بخشش وعطا سے اس شخص کو بھی محروم رکھتا ہے جو بخشش کا مستحق نہیں ہوتا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے یہ دعائیہ کلمات ہیں: (اے اللہ) جو نعمت تو دے تو اس کا روکنے والا کوئی نہیں اور جسے منع کرے اُس کا دینے والا کوئی نہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ بخشش دینے اور روکنے کا مالک ہے۔ اُس کا بخشش روک لینا بخل نہیں، بل کہ اس کی حکمت ہے اور اس کی نوازش وعطا سخاوت اور رحمت ہے۔

شیخ عبدالصمد الازہری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں:

اس ''المانع جلّ جلالہٗ'' نے ہمیں چوری، زنا شراب نوشی اور حرام خوری وغیرہ سے منع کر دیا ہے۔

اس ''المانع جلّ جلالہٗ'' نے ہمیں قتل و غارت گری، جھوٹ، فریب کاری، دھوکا دہی، ظلم وستم وغیرہ اخلاقِ بد کے ارتکاب سے منع کر دیا ہے اور ہر جرم کے لئے ایک خاص سزا مقرر کی ہے۔

اس ''المانع جلّ جلالہٗ'' نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روک دیا ہے، سورج کو ہماری زمین کے قریب آنے سے

[1] ترمذی، ابواب الدعوات: ۱۹۱/۲
[2] سلاح المؤمن: ٢٥٦

روک دیا ہے، چاند کو سورج کے ساتھ ٹکرانے سے روک دیا ہے۔ کہکشاں کو چاند اور سورج کے قریب آنے سے روک دیا ہے، اسی طرح اس نے فضائے آسمانی میں جگہ جگہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں کہ ایک ستارہ دوسرے ستارے سے نہ ٹکرانے پائے۔

اس "اَلْمَانِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے مذکر کو مؤنث، گیہوں کو جو، بھلائی کو برائی، نیکی کو بدی، حیوان کو جماد اور جماد کو انسان بننے سے روک دیا ہے، اسی طرح مخلوقات کے درمیان طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں۔ ﴿مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ﴾[1] دو سمندروں کا پانی سنگم پر آپس میں ملتا ہے، پھر بھی دونوں کے دھارے ایک دوسرے سے جدا رہتے ہیں کیوں کہ ان دونوں کے درمیان ایک رکاوٹ ہے جو ایک کو دوسرے پر غالب نہیں آنے دیتی۔

اس طرح اگر کارخانۂ قدرت پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس "اَلْمَانِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی بیشتر قائم کردہ رکاوٹیں دکھائی نہیں دیتیں۔[2]

اللہ ربّ العزت کی اطاعت ہر حال میں کی جائے، کوئی خوف ولالچ ہمیں اس کی فرماں برداری سے نہ روکے، وہ چاہے تو تنگ وتاریک راہوں کو آسان بنا دے اور آسان راہوں کو پرخار کر دے، وہ چاہے تو دشمنوں کو دوست بنا دے، دوستوں کو دشمن بنا دے، وہ چاہے تو دور کو نزدیک کر دے، نزیک کو دور کر دے، وہ چاہے تو جو نعمتیں موجود ہیں ان کے استعمال سے بھی روک دے اور وہ چاہے تو جو ملکیت میں نہیں ہے اس کو بھی گود میں لا کر دے دے، بہر حال اصل کامیابی اس کی اِطاعت ورضا جوئی میں ہے خواہ ظاہری نقشے اس کے خلاف کیوں نہ ہوں، وہی مشکلات سے آسانیاں نکالتا ہے اور اپنے مخلص بندوں کی دستگیری فرماتا ہے، اسبابِ حفاظت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ موت کے نقشوں میں زندگی اور زندگی کے نقشوں میں موت دینا اسی کی شان ہے۔

جب "اَلْمَانِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے موت کو رکنے کا حکم دیا

وَاقِعَہ نمبر (۹۳): بنان حمال رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی چوتھی صدی ہجری کے بزرگوں میں سے ہیں، اصل بغداد کے تھے لیکن مصر میں رہنے لگے تھے، عوام وخواص دونوں میں ان کی بڑی مقبولیت تھی، اللہ والوں کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے، وہ دلوں کے بے تاج بادشاہ ہوتے ہیں، حمال رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بادشاہ مصر ابن طولون کو ایک مرتبہ نصیحت فرمائی، ابن طولون تاب سخن نہ لا سکا اور ناراض ہو کر اس نے حکم دیا کہ انہیں خونخوار شیر کے سامنے ڈال دیا جائے۔

انسان اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کے لئے سزا کے بھی عجیب طریقے ایجاد کرتا ہے، سزا کا جو طریقہ جس قدر سخت ہوگا، اس کے جذبۂ انتقام کو اسی قدر ٹھنڈک پہنچے گی، بنان حمال رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو خونخوار شیر کے سامنے ڈال دیا گیا، شیر

---

[1] الرحمٰن: ۱۹ [2] شرح اسماء الحسنیٰ (الازھری): ۳۸۳، ۳۸۴

لپکا پھر رک کر ان کے جسم کو سونگھنے لگا، دیکھنے والے ان کے جسم کی چیر پھاڑ ہونے کا انتظار کر رہے تھے لیکن ...... اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! جب دیکھا کہ شیر انہیں کچھ نہیں کہہ رہا، تب انہیں شیر کے سامنے سے اٹھا دیا۔ اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہوئی کہ جب ان سے پوچھا گیا: ''شیر کے سونگھتے وقت آپ کے دل پر کیا گزر رہی تھی؟''

فرمانے لگے: ''میں اس وقت درندے کے جھوٹے کے متعلق علماء کے اختلاف کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک۔'' [1]

موت آدمی کے سامنے ہو اور وہ بھی اس ہیبت ناک منظر کے ساتھ، لیکن ذہن، فقہ کے ایک اختلافی مسئلہ میں مگن رہے، یہ ''المانع جل جلالہ'' کی ذات پر یقینِ کامل کا نتیجہ ہے، کہ شیر بھی مخلوق ہے، اپنے سے نفع و نقصان پہنچانے میں ''المانع جل جلالہ'' کے حکم کے تابع ہے، جس دل میں یہ یقین جتنا مضبوط ہوگا، اسی قدر مخلوق کا خوف اس کے دل سے نکل جائے گا، پھر شیر و چیونٹی عطا و منع میں نفع و ضرر میں اس کی نگاہ میں برابر ہوں گی، ایسے بڑے لوگوں سے انسان کیا، درندے بھی محبت کریں گے۔

یقیناً اللہ تعالیٰ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی (بزدلی) ......، جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ! [2]

''المانع جل جلالہ'' مخلوقات کے شر کو روکنے والا

واقعہ نمبر ۹۴: ایک مرتبہ ابن ہبیرہ نے خط لکھ کر حضرت حسن بصری، ابن سیرین اور امام شعبی رحمہم اللہ تعالیٰ کو طلب کیا اور کہا: ''امیر المؤمنین یزید نے مجھے ایک ایسا حکم لکھ بھیجا ہے کہ اگر اس پر عملدر آمد کرتا ہوں تو دین و ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے اور اگر عمل نہ کروں تو جان سے جانے کا خوف ہے، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟''

امام ابن سیرین اور امام شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے جواب میں ایسی بات کہی جس میں مصلحت کا لحاظ کیا گیا تھا، لیکن حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے ابن ہبیرہ! اللہ تعالیٰ تجھے یزید سے بچا سکتا ہے مگر یزید تجھے اللہ تعالیٰ سے نہیں بچا سکتا۔

اے ابن ہبیرہ! یزید کی اطاعت کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے میں یزید کا خوف مت کر۔

اے ابن ہبیرہ! عن قریب موت کا فرشتہ تجھے تیرے تخت سے اتار کر تیرے محل کی وسعت و کشادگی میں لے جائے گا، پھر تجھے وہاں سے نکال کر تیری قبر کی تنگی و تاریکی میں پہنچا دے گا، اس وقت سوائے تیرے عمل کے کوئی چیز تجھے نجات نہیں دلا سکتی۔

---

[1] حلية الأولياء: ۳۲٤/۱ [2] کتابوں کی درسگاہ میں: ۴۹

اے ابن ہبیرہ! خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت کرنا جائز نہیں۔"

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا جواب سن کر ابن ہبیرہ نے ان کے لئے چار ہزار درہم کا حکم دیا جب کہ ابن سیرین اور شعبی رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی کے لئے دو دو ہزار درہم کا حکم دیا، تو انہوں نے فرمایا:

"ہم نے ہلکا انداز اختیار کیا، اس لئے ہمیں انعام بھی ہلکا دیا گیا۔" [1]

ان واقعات سے ہمیں اپنا یقین مضبوط کرنا چاہئے اور عقیدہ صحیح کرنا چاہئے کہ کوئی بھی بیماری ہو، جنات ہوں یا جادو ہو یہ تمام چیزیں ہمیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتیں، غلط قسم کے غیر شرعی تعویذ یا مزاروں میں جا کر منتیں ماننا، غلط عامل، پروفیسر، جوتشی اور نجومی کے پاس جا کر ہم اپنی اور اپنے رشتہ داروں کی زندگی میں اضافہ نہیں کر سکتے، جب تک انسان کا ایک سانس بھی باقی ہو سارے جنات، سارے شیاطین، سارے جادوگر، مل کر بھی اس کو نہیں مار سکتے، اس کو معمولی سے معمولی قسم کی بھی کوئی تکلیف اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں پہنچا سکتے پھر غلط جگہوں پر جا کر اپنا عقیدہ خراب کرنا اور شرک کی حالت میں اس دنیا سے جانا کتنے افسوس کی بات ہے۔

عطا و منع کرنے والا صرف "اَلْمَانِعُ جَلَّ جَلَالُهٗ"

حضرت مغیرہ ابن شعبہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

"لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ." [2]

تَرجَمہ: "اللہ تعالیٰ کے سوا معبود کوئی نہیں، بس وہی ہے، اس کا شریک کوئی نہیں، ساری بادشاہت اسی کی ہے اور سب تعریفیں اسی کے لئے ہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! جو نعمت تو بخش دے پھر اس کا روکنے والا کوئی نہیں اور جو تو روک لے پھر اس کا دینے والا کوئی نہیں اور تیرے سامنے کسی مال دار کو اس کی دولت کچھ کام نہیں دیتی (بل کہ وہاں اعمال کی پوچھ ہے)۔"

فَإِنَّ مَنْ لَّا يَدْفَعُ عَنْ نَّفْسِهِ الْفَأْسَ كَيْفَ يَدْفَعُ عَنْ عَابِدِيْهِ الْبَأْسَ

وَاقِعَہ نمبر ۹۵: یہ واقعہ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کا ہے جو اہلِ عرب اور اہلِ کتاب کے مسلم بزرگ ہیں اور ابتدائے عمر سے توحید کے دل دادہ اور شرک اور بت پرستی کے دشمن تھے، اور حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَامُ اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں، ان کا واقعہ بہت سی حکمتوں اور نصائح پر مشتمل ہے، اہلِ توحید کے لئے یہ واقعہ مشعلِ راہ ہے اور مشرکین کے

---

[1] عیون الأخبار: ۲/۳۴۳، بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۷۵

[2] بخاري، الاذن، باب الذکر بعد الصلاۃ، رقم: ۸۴۴

لئے دلائلِ توحید سے پُر ہے۔

چناں چہ ان کے زمانے میں بت پرستی عام تھی اور بچپن ہی سے انہیں بت پرستی سے نفرت تھی۔ جب بلوغ کی عمر کو پہنچے تو بت پرستی سے برملا نفرت کا اظہار فرمانے لگے اور ایک مرتبہ اپنی قوم اور قبیلے سے کہنے لگے: یہ مورتیاں کیا ہیں جن کے آگے تم مجاور بنے بیٹھے ہو اور ان کی عبادت پر جمے ہوئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ''ہم نے اپنے آباء واجداد کو اسی طرح کرتے پایا ہے، لہٰذا ہم بھی ایسا ہی کر رہے ہیں۔''

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''تم اور تمہارے آباء واجداد کھلی گمراہی میں پڑے رہے۔''

حقیقت تو یہ ہے کہ تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور وہ ہی ذرہ ذرہ کا حقیقی مالک و پروردگار ہے، قوم نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے جب یہ تاثرات ونظریات دیکھے تو وہ سمجھ گئے کہ یہ ہمارے آباء واجداد کے دین کا مخالف ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی دل میں یہ سوچ لیا کہ موقع ملنے پر ان کے بتوں کا برا حال بناؤں گا تاکہ انہیں اس کا احساس ہو کہ وہ خدا جو اپنی ذات سے کسی آفت کو نہ روک سکیں، وہ دوسروں کے خدا کہاں ہو سکتے ہیں؟ چناں چہ ان لوگوں کے سالانہ عید اور خوشی کا ایک تہوار منایا جاتا تھا جس میں ساری قوم ایک جگہ جمع ہو کر خوشیاں مناتی تھی، جب یہ موقع آیا تو ساری قوم میلہ میں شرکت کے لئے ایک مخصوص جگہ جمع ہوئی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام ان کے ساتھ نہ گئے اور پیچھے رہ گئے، جب سب چلے گئے تو ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام ان کے بت خانہ میں داخل ہوئے اور دیکھا کہ ایک بڑا بت رکھا ہوا ہے اس کے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے بت ہیں اور ان کے سامنے کھانا رکھا ہوا ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے بطور استہزاء ان سے خطاب کیا:

﴿اَلَا تَاْكُلُوْنَ﴾[1] تم کھاتے کیوں نہیں؟ پھر کہا: ﴿مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ﴾[2] تم کو کیا ہوا کہ بولتے نہیں؟ اس کے بعد ایک کلہاڑے سے ان کو توڑنا شروع کر دیا ﴿فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًاۢ بِالْيَمِيْنِ﴾[3] اور سوائے ایک بت کے جو سب سے بڑا تھا سب کو توڑ ڈالا اور کلہاڑا اس بڑے بت کی گردن پر رکھ دیا۔

مشرکین نے جب اپنی عید سے واپس آکر دیکھا کہ بت ٹوٹے پڑے ہیں تو ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے پوچھا: کیا یہ کام تو نے کیا ہے؟ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے جواب دیا: ﴿بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ﴾[4] ''بل کہ اس کام کو ان کے بڑے نے کیا ہے۔''

علامہ نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہاں کیا خوب نکتہ بیان فرمایا ہے:

''فَإِنَّ مَنْ لَّا يَدْفَعُ عَنْ نَّفْسِهِ الْفَأْسَ كَيْفَ يَدْفَعُ عَنْ عَابِدِيْهِ الْبَأْسَ''

---

[1] الصّٰفّٰت: ۹۱ [2] الصّٰفّٰت: ۹۲ [3] الصّٰفّٰت: ۹۳ [4] الانبیاء: ۶۳

ترجمہ: ”غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جو ذات اپنے سر سے کلہاڑے کو دفع نہ کر سکے وہ اپنے پرستاروں اور پوجا کرنے والوں سے بلا اور مصیبت کو کیسے دفع کر سکتی ہے؟“

غرض یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ خاموش کر دینے والا جواب سن کر سب پریشان ہو گئے۔

وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی حجت اور دلائل سے جب لاجواب ہو گئے تو جھنجھلا کر یہ طے کیا کہ ان کو آگ میں ڈال کر جلا دیا جائے۔ سو انہوں نے ایک بلند اور بند مکان میں بے شمار ایندھن جمع کیا اور اس پر تیل چھڑک کر اس میں آگ لگا دی، پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی گردن میں طوق اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں ڈال کر منجنیق (وہ آلہ جس کے ذریعہ کسی چیز کو دور پھینکا جائے) کے ذریعے ان کو آگ میں پھینک دیا گیا۔

فرشتوں نے عرض کیا: ”اے پروردگار! آپ کا دوست آگ میں ڈالا جا رہا ہے، ہمیں اجازت دیجئے کہ اس کی مدد کریں۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وہ میرا دوست ہے اگر تم سے کوئی مدد چاہے تو میری طرف سے اجازت ہے کہ تم اس کی مدد کرو۔“

چناں چہ جبرئیل امین علیہ السلام ان کے پاس پہنچے اور پوچھا: تم کو کچھ حاجت ہے؟ فرمایا: تمہاری تو مجھے حاجت نہیں اور اللہ تعالیٰ کو میرے حال کا علم ہے، وہ میرے لئے کافی ہے، وہ میرا رب ہے میرے سوال سے پہلے میرا حال جانتا ہے، وہ میرے لئے کافی ہے اور اس کا میرے حال کو جاننا میرے سوال کرنے سے کافی ہے اور ”حَسْبِيَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ“ پڑھا۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمام آگ اسی وقت برد وسلام (ٹھنڈی اور سلامتی والی) بن گئی اور آگ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے بدن سے بندھن اور طوق اور بیڑیاں اور ہتھکڑیاں تو جلا دیں مگر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے جسم کو آنچ تک نہ پہنچی۔ کہا جاتا ہے کہ سات دن تک حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اسی آگ کے مقام میں رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا بیان ہے کہ جیسا سکون مجھے اس آگ میں نصیب ہوا ایسا سکون مجھے عمر بھر میں کبھی نصیب نہیں ہوا۔

ایک فرشتہ ان کی تسلی کے لئے ان کے پاس آبیٹھا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام جنت سے ریشم کی ایک قمیص اور ایک بستر لائے اس قمیص کو حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو پہنا دیا اور اس بستر کو بچھا دیا اور ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگے: اور کہا: اے ابراہیم! تیرا پروردگار فرماتا ہے کہ کیا تجھے یہ بات معلوم نہیں کہ آگ میرے دوستوں کو نقصان نہیں پہنچاتی۔

پھر نمرود نے اپنے محل پر چڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف جھانکا تو دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام ایک گلزار اور سبزہ زار میں بیٹھے ہیں اور آتش کدہ ان کے لئے گلستان اور بوستان بنا ہوا ہے اور ان کے پاس

ایک فرشتہ بیٹھا ہوا ہے اور ان کے چاروں طرف وہ آگ لکڑیوں کے انبار کو جلا رہی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام درمیان میں نہایت اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو آواز دی کہ کیا تم اس آگ سے باہر نکل سکتے ہو۔

جواب دیا: ہاں اور کھڑے ہو گئے اور آگ میں چلنے لگے حتیٰ کہ اس سے باہر نکل آئے اور نمرود اور اس کے ارکانِ دولت نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا استقبال کیا اور کہا: اے ابراہیم! تیرا سحر (جادو) بہت ہی عجیب ہے جو آگ پر بھی چل گیا۔ نمرود یہ دیکھ کر سمجھ گیا کہ اس شخص کا مقابلہ ممکن نہیں اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا پیچھا چھوڑ دیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو کامیاب فرمایا اور دشمنوں کی تمام کوششوں کو ناکام بنایا اور ادھر نمرود کے دماغ میں ایک مچھر گھس گیا جس نے اس کو ہلاک کیا۔[1]

اس طرح آگ کا ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جانا حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا معجزہ تھا اور یہ کام کوئی مشکل نہیں۔ تمام کائناتِ عالم حق تعالیٰ کے تصرف میں ہے، اندرونی طور سے ان پر حکم نافذ کرتا ہے کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو، جس طرح ہمارے اعضاء ہمارے احکام کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے معدہ کے اندر ایک خاص حرارت اور آتشی مادہ رکھا ہے جو کھانے کو ہضم کرتا ہے اور اس کو پکاتا ہے اور گلا دیتا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز بھی ویسی نہیں گلتی اور معدہ اس چیز کو ایسا گلا دیتا ہے کہ اس کا نام و نشان بھی نہیں رہتا جیسا کہ بول و براز سے ظاہر ہے۔ انسان گوشت روٹی وغیرہ کھاتا ہے مگر یہ امتیاز نہیں ہوتا کہ یہ فضلہ کس چیز کا ہے۔ معدہ میں پہنچ کر غذا کی صورت ختم ہو جاتی ہے اور معدہ کی حرارت بلا کی حرارت ہے، گوشت کیا ریت اور کنکر بھی وہاں جا کر پس جاتے ہیں، جیسا کہ پرندوں کی بیٹ (پرندوں کا فضلہ) سے ظاہر ہے جن کی غذا کنکر وغیرہ ہے، غرض یہ کہ معدہ میں اس بلا کی حرارت ہے کہ سخت سے سخت غذا کو گلا کر اور باریک کر کے نکالتی ہے، مگر انتڑیوں اور بدن کے پٹھوں کو نہیں جلاتی، معدہ کی حرارت عجیب الخلقت حرارت ہے کہ کسی چیز کو جلاتی ہے اور کسی چیز کو نہیں۔

پس جس آگ کے پیدا کرنے والے نے معدہ کی آگ کو بدن کی انتڑیوں اور بدن کے پٹھوں کو جلانے سے روک دیا اسی خالق نے نمرود کی آگ کو حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے جلانے سے روک دیا۔ بہر حال آگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور اسی کے حکم کے تابع ہے، جس کے جلانے کا حکم ہوتا ہے اس کو جلاتی ہے اور جس کی حفاظت کا حکم ہوتا ہے اس کی حفاظت کرتی ہے جیسا کہ معدہ کی آگ کے متعلق ابھی آپ نے مطالعہ کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ توحید کو ثابت کرنے میں اصل کی حیثیت رکھتا ہے، اللہ ربّ العزت اکیلے پوری کائنات کے نظام کو چلا رہے ہیں، قرآن مجید نے توحید کو ثابت کرنے کے لئے مختلف انداز میں دلائل ذکر کئے ہیں

---

[1] تفسیر مظهری، عربی: ۲۰۶/٦ تا ۲۰۸

ان دلائل سے ایک اَن پڑھ آدمی کو بھی اسی طرح اطمینان حاصل ہوتا ہے جیسا کہ ایک تعلیم یافتہ منطقی اور پروفیسر کو۔

اس سے آج کے معاشرے کا فرد بھی اسی طرح فائدہ اٹھا سکتا ہے جس طرح آج سے چودہ صدیاں پہلے کے معاشرے کا انسان فائدہ اٹھاتا تھا۔

''اَلْمُبَلِّغُ جَلَّ جَلَالُهٗ'' کی قدرت کے کرشمے

واقعہ نمبر (۹۶): عارف رومی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے مثنوی میں ایک حکایت نقل کی جس کا خلاصہ یہ ہے: ایک بت پرست بادشاہ تھا لوگوں کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا، اس نے ایک آگ جلائی اور اس کے پاس ایک بت رکھا اور کہا: ''جو اس بت کو سجدہ کرے گا وہ آگ سے نجات پائے گا''

اسی دوران ایک بچے والی عورت لائی گئی اور اس سے کہا گیا: ''اس بت کو سجدہ کر۔''

وہ عورت مؤمنہ تھی، اس نے بت کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اس عورت کی گود میں ایک بچہ تھا وہ اس سے چھین لیا گیا، کہ شاید عورت اپنے بچے کی جان بچانے کے لئے بت کو سجدہ کرے، پھر بھی اس نے سجدہ نہ کیا تو بچے کو آگ میں ڈال دیا گیا۔ ماں بے تاب ہوگئی، یکا یک اس آگ میں سے بچہ نے آواز دی:

اے ماں! تم بھی یہاں آجاؤ یہ تو عشرت کی جگہ ہے، یہاں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو رہی ہے، اندر آکر حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے اسرار کا جلوہ دیکھو۔ جنہوں نے نمرود کی آگ میں گلاب اور چنبیلی کے پھول پائے تھے، میں تجھے حق مادری کا واسطہ دیتا ہوں اندر آجا...... یہاں تو شہنشاہ حقیقی کا خوانِ کرم بچھا ہوا ہے۔

اور اے مسلمانو! تم سب اندر آجاؤ پروانہ کرو...... کسی طرح اس آگ میں کود پڑو، ماں اپنے بچے کی یہ بات سن کر فوراً آگ میں کود پڑی اور آگ میں کودنے کے بعد اس عورت نے بھی چلا چلا کر یہی کہنا شروع کیا: اے مسلمانو! تم بھی اسی باغ میں آجاؤ، یہ سنتے ہی لوگ ذوق وشوق کے ساتھ آگ میں کودنے لگے۔ آخر کار معاملہ یہاں تک پہنچا کہ جو سپاہی پہرہ پر مقرر تھے وہ لوگوں کو منع کرنے لگے، بادشاہ یہ منظر دیکھ کر پشیمان ہوا اور حیران رہ گیا، وہ تو چاہتا تھا کہ لوگوں کو آگ سے ڈرا کر ایمان سے روکے، لیکن تقدیرِ الٰہی نے اس کی تدبیر کو بالکل الٹ دیا، یہ دیکھ کر بادشاہ کو جوش آگیا اور آگ سے خطاب اور عتاب شروع کیا۔

کافر بادشاہ کا آگ کو عتاب کرنا کہ تو کیوں نہیں جلاتی اور آگ کا جواب

رو بآتش کرد شد کائے تند خو آں جہاں سوز طبیعی خوت کو

بادشاہ غصہ وغضب میں بھرا ہوا آگ سے مخاطب ہوکر بولا: ''اے جلانے والی آگ! تیری طبیعی عادت اور مزاجی خاصیت یعنی جلانے والی خصلت کہاں چلی گئی؟''

چوں نمی سوزی چہ شد خاصیت یاز بخت ما دگر شد نیست

''تو جلاتی کیوں نہیں؟ تیری طبیعی خاصیت کہاں چلی گئی یا ہماری بدقسمتی سے تیری نیت یعنی تیری حقیقت اور اصل ماہیت ہی بدل گئی ہے اور کیا تو آگ نہ رہی؟''

می نہ بخشائی تو بر آتش پرست آں کہ نہ پرستد ترا او چوں پرست

''اے آگ! تو تو اپنے پرستش کرنے والوں پر بھی رحم نہیں کرتی، پس جو شخص تیری پرستش نہیں کرتا وہ تیرے جلانے سے کیوں کر بچ گیا۔''

آگ کا کافر بادشاہ کو حیران کن جواب

گفت آتش من ہانم آتشم اندر آتا بہ بینی تابشم

آگ نے (بحکم خداوندی) جواب دیا: ''میں وہی آگ ہوں، میری حقیقت اور ماہیت میں کوئی تغیر نہیں ہوا، تو اندر آتا کہ تجھ کو میری تپش نظر آئے اور میری حرارت کا مزہ چکھے۔''

طبع من دیگر نگشت وعنصرم تیغ حقم ہم بدستوری برم

''میری طبیعت اور میری اصل نہیں بدلی، میں حق کی تلوار ہوں، اس کی اجازت سے کاٹتی ہوں، جس طرح تلوار اپنے چلنے اور کاٹنے میں مستقل نہیں بل کہ تلوار چلانے والے کے ارادہ اور اختیار کے تابع ہے، اسی طرح میں جلانے میں مستقل نہیں کہ بلا حق تعالیٰ کی اجازت کے کسی کو جلا سکوں۔''[1]

یہ دنیا عالمِ اسباب ہے۔ ان اسبابِ ظاہرہ کو اسی نے سبب بنایا ہے کوئی سبب خود بخود سبب نہیں بن گیا۔ وہ قادرِ مطلق ہے، جس نے سبب بنایا ہے وہ جب چاہتا ہے سبب کو کارگر بناتا ہے اور جب چاہتا ہے اس کو بے اثر اور بے کار بنا دیتا ہے، جس طرح ان اسبابِ حادثہ کا وجود اس کے اختیار میں ہے اسی طرح ان اسباب کی تاثیر اور ان کی خاصیتیں بھی اس کے اختیار میں ہیں۔[2]

جب ''اَلْمُبْلِغُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے سانپ کو نقصان پہنچانے سے روک دیا

واقعہ نمبر ۹۷: حضرت سلمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں حضرت اُمِّ ایمن رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا آئیں اور انہوں نے کہا: ''یا رسول اللہ! حسن اور حسین (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا) گم ہو

---

[1] مثنویٔ مولوی معنوی: ۱۱۱ تا ۱۱۶

[2] فائدہ: حضراتِ اہلِ علم تفصیل کے لئے دفتر اول مولانا روم صفحہ ۷۰ دیکھیں۔ اور ''معرفت الٰہیہ'' مؤلفہ مولانا عبدالغنی پھولپوری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا مطالعہ کریں۔

گئے ہیں اس وقت دن چڑھ چکا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا:

''اٹھو اور میرے دونوں بیٹوں کو تلاش کرو......'' چناں چہ ہر آدمی نے اپنا راستہ لیا اور چل پڑا اور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ لے کر چل پڑا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے، یہاں تک کہ ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے تو دیکھا کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے کھڑے ہیں اور پاس ہی ایک کالا ناگ اپنی دم پر کھڑا ہے جس کے منہ سے آگ کی چنگاریاں نکل رہی ہیں (غالباً اللہ تعالیٰ نے ناگ بھیجا تھا کہ بچوں کو آگے جانے سے روکے)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے اس ناگ کی طرف بڑھے، اس ناگ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مڑ کر دیکھا پھر چل پڑا اور ایک سوراخ میں داخل ہوگیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے پاس گئے اور دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا اور دونوں کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

''بِأَبِي وَأُمِّي أَنْتُمَا مَا أَكْرَمَكُمَا عَلَى اللّٰهِ!''...... ''میرے ماں باپ تم دونوں پر قربان ہوں! تم دونوں اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنے قابلِ اکرام ہو۔'' پھر ایک کو دائیں کندھے پر اور دوسرے کو بائیں کندھے پر بٹھا لیا، میں نے کہا: تم دونوں کو خوش خبری ہو کہ تمہاری سواری بہت عمدہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ دونوں بہت عمدہ سوار ہیں اور ان کے والد ان دونوں سے بہتر ہیں۔'' [1]

''اَلْمَانِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی صفت کو سمجھنے کے لئے حدیث میں ایک بہترین دعا ہے:

''اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهٗ...... اَللّٰهُمَّ لَا قَابِضَ لِمَا بَسَطْتَ...... وَلَا بَاسِطَ لِمَا قَبَضْتَ...... وَلَا هَادِيَ لِمَنْ اَضْلَلْتَ...... وَلَا مُضِلَّ لِمَنْ هَدَيْتَ...... وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ...... وَلَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ...... وَلَا مُقَرِّبَ لِمَا بَاعَدْتَّ...... وَلَا مُبَاعِدَ لِمَا قَرَّبْتَ.'' [2]

تَرجَمہ: ''اے اللہ! ساری تعریف آپ کے لئے ہے جس کا رزق تو وسیع کر دے، پھر اس کا تنگ کرنے والا کوئی نہیں اور جس کا رزق تو تنگ فرما دے پھر اس کا وسیع کرنے والا کوئی نہیں، ...... جس کو تو گمراہ کر دے پھر اس کا ہدایت دینے والا کوئی نہیں اور جس کو تو ہدایت نصیب فرما دے پھر اس کا گمراہ کرنے والا کوئی نہیں، جو نعمت تو روک لے پھر اس کا دینے والا کوئی نہیں اور جو دیدے پھر اس کا روکنے والا کوئی نہیں، جس چیز کو تو دور کر دے پھر اس کا قریب کرنے والا کوئی نہیں اور جس کو قریب کر دے پھر اس کا دور کرنے والا کوئی نہیں۔''

''اَلْمَانِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' جس مصیبت کو روک دے وہ کبھی نہیں آسکتی

حدیث میں آتا ہے:

[1] حیاۃ الصحابہ: ۹۶۲/۲ [2] مسند احمد: ۴۲۳/۳، رقم: ۱۵۰۶۶

"مَآ أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِّيُخْطِئَكَ وَمَآ أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِّيُصِيْبَكَ" [1]

"یہ سمجھو کہ جو مصیبت تم کو پہنچ چکی ہے وہ کبھی بھی ٹلنے والی نہ تھی اور جو نہیں پہنچی وہ کبھی بھی تمہیں پہنچنے والی نہ تھی۔"

حدیثِ نبوی کا یہ مختصر سا مگر جامع جملہ ہمارے بہت سے غموں اور پریشانیوں کے لئے تسلی و دوا کا سبب بن سکتا ہے، بہت سے آپس کے جھگڑوں و رنجشوں کے ختم ہونے کا ذریعہ، بل کہ آپس کی ناچاقیوں اور تو تو، میں میں کے اسباب ہی کے خاتمہ کا ذریعہ ہوسکتا ہے۔

بہت سے لوگ (مرد و عورت) اس غم میں گھلتے رہتے ہیں کہ اتنی پریشانیاں...... اتنی مصیبتیں،...... فلاں صاحب کی وجہ سے آئیں، ابا کی یہ غلطی تھی...... اماں نے یہ غلط مشورہ دیا...... بھائی، بہن، دوست، نے ایسا کیا تو ایسا ہوا، بھابھی صاحبہ کی وجہ سے ایسا ہوا ان سب کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت پر یقین رکھیں کہ روکنے والا بھی وہی ہے اور دینے والا بھی وہی ہے۔ پریشانیاں بھیجنے والا بھی وہی ہے اور پریشانیاں دور کرنے والا بھی وہی ہے۔

اسی طرح بعض لوگوں کی طبیعتیں ایسی ہیں کہ مستقبل میں آنے والی موہوم پریشانیوں سے وہ ڈرتے رہتے ہیں اور شیخ چلی کی طرح سوچ سوچ کر خواہ مخواہ اپنے آپ کو پریشانی وفکر و اضطراب میں مبتلا کرتے رہتے ہیں، انہیں بھی چاہئے کہ ان سارے موہوم و شکی خیالات کو اپنے سے دور رکھیں کہ یہ ہوگیا تو کیا ہوگا......؟ یوں ہوا تو کیا ہوگا......؟ فلاں یہ کر دے گا تو......؟ اگر میری ملازمت ختم ہوگئی تو......؟ فلاں کاروبار میں نقصان ہوگیا تو......؟ فلاں یوں کرلے گا تو......؟ یہ بیماری ٹھیک نہ ہوئی تو......؟ یہ پریشانی ختم نہ ہوئی تو......؟

اللہ تعالیٰ کی ذات پر اپنا یقین کامل رکھیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ان دو مبارک شعروں سے اپنے آپ کو تسلی دیں، گو یہ اشعار عربی میں ہیں لیکن ہو سکے تو ان کو یاد کرلیں، چلتے پھرتے پڑھتے رہیں، ان شاء اللہ بہت ہی فائدہ ہوگا، یاد نہ ہوں تو ان کے معانی کا استحضار رکھیں اور یہ طے کریں کہ اگر خود عربی زبان نہیں آتی تو اپنی نسلوں، آئندہ آنے والے نونہالوں کو اس مبارک زبان سے محروم نہیں کریں گے۔

تو لیجئے یہ دو شعر: ؎

عَلَيْكَ بِالتَّيْسِيْرِ فَإِنَّ الْأُمُوْرَ　　بِكَفِّ الْإِلٰهِ مَقَادِيْرُهَا

"اپنے ساتھ آسانی کا معاملہ کرو (اور گھبراؤ مت) کیوں کہ تمام کاموں کی تقدیریں اللہ تعالیٰ کی ہتھیلی میں ہیں۔"

فَلَيْسَ يَأْتِيْكَ مَنْهِيُّهَا　　وَلَا قَاصِرٌ عَنْكَ مَأْمُوْرُهَا

[1] ابوداؤد، السنة، باب فی القدر: ۲/۲۹۰

ترجمہ: ''جس کام کو اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا وہ تمہارے پاس آ نہیں سکتا اور جس کے ہونے کا حکم دے دیا ہے وہ تم سے ٹل نہیں سکتا۔''

تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا

واقعہ نمبر ۹۸: ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے، راستے میں ایک منزل پر قیام فرمایا اور وہاں ایک درخت کے نیچے آپ تنِ تنہا سو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کوئی محافظ اور کوئی نگہبان نہیں تھا، کسی کافر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا دیکھا تو تلوار سونت کر آ گیا اور بالکل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر آ کر کھڑا ہو گیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی تو آپ نے دیکھا کہ اس کافر کے ہاتھ میں تلوار ہے اور آپ خالی ہاتھ ہیں اور وہ کافر یہ کہہ رہا ہے:

''مَنْ یَّمْنَعُکَ مِنِّیْ؟''...... ''اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟''

اس شخص کو یہ خیال تھا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھیں گے کہ اس کے ہاتھ میں تلوار ہے اور میں نہتا ہوں اور اچانک یہ شخص میرے سر پر آ کھڑا ہوا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا جائیں گے اور پریشان ہو جائیں گے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر دور دور تک پریشانی کے کوئی آثار نمودار نہیں ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان سے جواب دیا:

''اللّٰہ'' ...... ''مجھے اللہ تعالیٰ بچائیں گے۔''

جب اس شخص نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پریشانی اور گھبراہٹ کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سنتے ہی اللہ تعالیٰ نے اس پر ایسا رعب مسلّط فرما دیا کہ اس کے ہاتھوں میں لرزہ آ گیا اور اس لرزہ کی وجہ سے تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ اب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار ہاتھ میں اُٹھالی اور فرمایا: ''اب بتاؤ تمہیں کون بچائے گا؟''[1]

اس واقعہ کے ذریعہ اس شخص کو یہ دعوت دینی تھی کہ درحقیقت تم اس تلوار پر بھروسہ کر رہے تھے اور میں اس تلوار کے پیدا کرنے والے اور اس میں تاثیر دینے والے پر بھروسہ کر رہا تھا۔ یہی طریقہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سامنے پیش فرمایا تو اس کے نتیجے میں ایک ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ وہ اسباب اختیار کرتے تھے مگر بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر کرتے تھے، مخلوق کا تاثر اپنے دل میں نہیں آنے دیتے تھے اور یہ طے شدہ حقیقت ہے اور آزمودہ و مجرب نسخہ ہے کہ مخلوق کا تاثر دل سے نکال دیا جائے، چاہے وہ مخلوق کتنی ہی بڑی نظر آئے اس کا دل سے تاثر نکالتے ہی وہ تابع بن جائے گی۔

---

[1] بخاری، المغازی، باب غزوۃ بنی مصطلق ......: ۲/۵۹۳، الرقم: ۴۱۳۹

فوائد و نصائح

❶ اس اسم سے سبق حاصل کرنے والوں کو لازم ہے کہ نفس پرستوں کی صحبت سے پرہیز کریں اور ﴿ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴾[1] میں داخل ہونے سے خود کو بچائیں لازم ہے کہ اعتماد اور بھروسہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر قائم کریں۔[2]

❷ چاہئے کہ اپنا عقیدہ صحیح کرے۔ کہ کوئی بھی بیماری ہو، ...... جنات ہوں یا جادو ہو...... یہ تمام چیزیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتیں جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے اور یقین بنائے کہ اگر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے طریقوں پر چلوں گا تو کوئی مخلوق مجھے کسی طرح کا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی، لہٰذا مخلوق سے گلے شکوے ختم کریں۔

❸ اس اسم مبارک کے تحت دی گئی دعاؤں کو یاد کرے اور ہر وقت ترجمہ کے استحضار کے ساتھ مانگتا رہے۔



---

[1] الماعون: ۷

[2] شرح اسماء حُسنٰی: ۲۲٦ (منصور پوری)

اَلضَّآرُّ جَلَّ جَلَالُہٗ اَلنَّافِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(ضرر پہنچانے والا) (نفع پہنچانے والا)

ان اسماء کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ اَلضَّارُّ الَّذِيْ يَضُرُّ الْعَاصِيْنَ بِحِرْمَانِهٖ، وَالنَّافِعُ الَّذِيْ يَنْفَعُ الطَّائِعِيْنَ بِتَوْفِيْقِهٖ وَ إِحْسَانِهٖ.[1]

ترجمہ: "اَلضَّآرُّ جَلَّ جَلَالُہٗ وہ ذات ہے جو نافرمان بندوں کو اپنی نعمتوں سے محروم رکھ کر سزا دیتا ہے اور اَلنَّافِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ وہ ذات ہے جو فرماں بردار بندوں کو اپنی توفیق اور احسان سے فائدہ پہنچاتا ہے۔"

۲ اَلضَّارُّ وَالنَّافِعُ هٰذَانِ الإِسْمَانِ مِمَّا يَحْسُنُ الْقِرَانُ فِى الذِّكْرِ بَيْنَهُمَا لِأَنَّ فِى اجْتِمَاعِهِمَا وَصْفًا لَّهٗ بِالْقُدْرَةِ عَلٰى نَفْعِ مَنْ شَآءَ وَضَرِّ مَنْ شَاءَ وَذٰلِكَ أَنَّ مَنْ لَّمْ يَكُنْ عَلَى النَّفْعِ وَالضَّرِّ قَادِرًا لَمْ يَكُنْ مَرْجُوًّا وَلَا مَخُوْفًا وَفِيْهِ إِثْبَاتٌ أَنَّ الْخَيْرَ وَالشَّرَّ مِنْ قِبَلِ اللّٰهِ جَلَّ وَعَزَّ وَقَدْ يَكُوْنُ مَعْنَاهُ أَيْضًا أَنَّهٗ يَقْلِبُ الضَّارَّ بِلَطِيْفِ حِكْمَتِهٖ مَنَافِعَ، فَيَشْفِيْ بِالسُّمِّ الْقَاتِلِ إِذَا شَاءَ، كَمَا يُمِيْتُ بِهٖ إِذَا شَاءَ، لِيُعْلَمَ أَنَّ الْأَسْبَابَ إِنَّمَا تَنْفَعُ وَتَضُرُّ إِذَا اتَّصَلَتِ الْمَشِيْئَةُ بِهَا.[2]

ترجمہ: "الضّار اور النّافع اللہ ربّ العزت کے ان مبارک ناموں میں سے ہیں جنہیں ساتھ ملا کر ذکر کرنا بہتر ہے۔ ان دونوں کے جمع کرنے میں اُس ذات کے لئے نفع اور نقصان پر قادر ہونے کی صفت بن جاتی ہے اور یہ کہ جو ذات نفع اور نقصان پر قادر نہ ہو اس سے نہ کسی فائدے کی امید اور نہ ہی کسی نقصان کا خوف رکھا جا سکتا ہے۔ اس میں اثبات ہے اس بات کا کہ خیر اور شر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہ معنیٰ بھی پایا جاتا ہے کہ وہ نقصان دہ چیز کو اپنی لطیف حکمت سے فائدہ مند چیز میں بدل دیتے ہیں۔ جب اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ چاہیں تو زہرِ قاتل کے ذریعے شفاء بخشتے ہیں، جس طرح کہ وہ جب چاہیں اس کے ذریعے موت دے دیں، تاکہ اس بات کا علم ہو جائے کہ اسباب نقصان اور فائدہ تب ہی پہنچا سکتے ہیں جب ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مرضی و ارادہ شامل ہو جائے۔"

اس مذکورہ عبارت سے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ نفع و نقصان کا مالک اور اشیاء میں نفع اور نقصان کی تاثیر رکھنے والی

---

[1] شرح اسماء اللّٰہ الحسنٰی للرّازی: ۳٤٦ [2] شان الدعا: ۹٤

ذات وہی اَلضَّآرُّ النَّافِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ ہے اور یہی درس ہمیں قرآن مجید بھی دے رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ۗ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾[1]

تَرجَمَہ: ''آپ فرما دیں کہ مجھے اپنے لئے بھلائی برائی کا اختیار نہیں، مگر جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو، اگر میں غیب جانتا تو کثرت سے بھلائی جمع کر لیتا (یعنی اپنی حفاظت کا سامان پہلے سے کر لیتا) اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو صرف ایمان والوں کو ڈرانے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں۔''

یعنی پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم جو سرتاج انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے بڑے معجزے ظاہر ہوئے، لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کے اسرار و رموز سیکھے، لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ پر چلنے سے بزرگی نصیب ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے فرمایا کہ لوگوں کے سامنے اپنا حال بیان فرما دیں کہ مجھے نہ تو کچھ قدرت حاصل ہے اور نہ ہی غیب دان ہوں، میری قدرت کا یہاں سے اندازہ لگاؤ کہ میں اپنی جان تک کے لئے نفع و نقصان کا مالک نہیں، دوسروں کو تو کیا بھلائی برائی پہنچا سکوں گا۔

اگر میں غیب دان ہوتا تو کام سے پہلے اس کا انجام معلوم کر لیا کرتا، اگر اس کام کا انجام برا معلوم ہوتا تو اس میں کبھی ہاتھ نہ ڈالتا۔

غیب دانی اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور میں پیغمبر ہوں، پیغمبر کا صرف اتنا کام ہوتا ہے کہ وہ برے کاموں کے انجام سے خبردار کر دے اور نیک کاموں پر خوش خبری سنا دے، یہ بات بھی ان ہی کو فائدہ پہنچاتی ہے جن کے دلوں میں یقین ہو اور یقین پیدا کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اصل کام

معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء میں یہی بڑائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ بتاتے ہیں اور جن اچھے برے کاموں سے واقف ہیں، ان سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں۔ اللہ پاک نے ان کی تبلیغ میں تاثیر رکھی ہے، بہت سے لوگ ان کی تبلیغ سے سیدھی راہ پر آجاتے ہیں۔ یہ کوئی بڑائی نہیں کہ انہیں تصرفِ عالم کی قدرت دی گئی ہو کہ جسے چاہیں مار ڈالیں...... یا بیٹا بیٹی دے دیں...... یا آئی بلا ٹال دیں...... یا مرادیں برلائیں...... یا فتح و شکست دے دیں...... یا تونگر بنا دیں...... یا فقیر و قلاش کر دیں، یا کسی کو بادشاہ بنا دیں...... یا کسی کو امیر یا وزیر بنا دیں...... اور کسی کو فقیر و حقیر کر دیں۔...... کسی کے دل میں ایمان ڈال دیں...... اور کسی سے چھین لیں...... کسی بیمار کو تندرست یا تندرست کو بیمار کر دیں،......

[1] الاعراف: ۱۸۸

یہ اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چھوٹا بڑا یہ کام کرنے سے عاجز ہے اور عجز میں سب برابر ہیں۔

اسی طرح یہ کوئی بڑائی نہیں کہ اللہ تعالیٰ غیب کی کنجیاں انہیں دے دے، کہ جب چاہیں کسی کے دل کی بات معلوم کر لیں، ...... یا جس غیب کی بات کو چاہیں، معلوم کر لیں ...... کہ فلاں کے ہاں اولاد ہوگی یا نہیں......؟ تجارت میں فائدہ ہوگا یا نہیں......؟ لڑائی میں فتح ہوگی یا شکست......؟

ان باتوں سے سب چھوٹے بڑے یکساں بے خبر ہیں، پھر جس طرح کوئی بات عقل سے یا کسی قرینے سے کہہ دی جاتی ہے اور وہ اسی طرح ہو جاتی ہے جس طرح کہی گئی تھی، اسی طرح یہ بڑے لوگ بھی جو بات عقل وقرینہ سے کہہ دیتے ہیں، کبھی تو وہ ٹھیک ہو جاتی ہے اور کبھی غلط ہو جاتی ہے، لیکن وحی یا الہام کی بات غلط نہیں ہوتی، مگر وحی اختیار میں نہیں ہوتی۔ [1]

اسی طرح احادیث مبارکہ سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نفع ونقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا: ''ایک دن میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پیچھے تھا، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: اے بیٹے! اللہ کو یاد رکھ، اللہ تجھے یاد رکھے گا۔ اللہ کو یاد رکھ، اس کو اپنے سامنے پالے گا۔ جب تو سوال کرے تو اللہ ہی سے کر، جب مدد مانگے تو اللہ ہی سے مانگ اور یقین مان کہ اگر تمام لوگ تجھے کچھ نفع پہنچانے پر اتفاق کر لیں، تو اسی قدر نفع پہنچائیں گے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے اور اگر سب مل کر نقصان پہنچانے پر اتفاق کر لیں، تو اسی قدر نقصان پہنچا سکیں گے، جو تیرے لئے اللہ تعالیٰ نے لکھا ہوا ہے۔ قلم اٹھا لئے گئے اور کتابیں خشک ہو گئیں۔'' [2]

واقعہ نمبر ۹۹: حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی اہلیہ محترمہ حضرت زینب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) جب گھر سے باہر ضرورت پوری کر کے واپس آتے اور دروازے پر پہنچتے تو کھنکارتے اور تھوکتے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ اچانک اندر آئیں اور ہمیں کسی نامناسب حالت میں دیکھ لیں۔

چناں چہ وہ ایک دن آئے اور انہوں نے کھنکارا، اس وقت میرے پاس ایک بوڑھی عورت تھی جو بت کا منتر پڑھ کر مجھ پر دم کر رہی تھی، میں نے اس کو پلنگ کے نیچے چھپا دیا۔ حضرت عبداللہ اندر آکر میرے پاس بیٹھ گئے، ان کو میری گردن میں ایک دھاگہ نظر آیا تو انہوں نے کہا: ''یہ دھاگہ کیسا ہے؟''

---

[1] تقوية الايمان: ٥١

[2] "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ: يَا غُلَامُ! اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، وَ إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ، وَ إِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ، وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى أَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ" (ترمذي، ابواب صفة الجنة: ٧٨/٢)

میں نے کہا: اس پر منتر پڑھ کر کسی نے مجھے دیا ہے۔ انہوں نے دھاگہ پکڑ کر کاٹ دیا اور فرمایا: عبداللہ کے گھر والوں کو شرک کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''إِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ''[۱]

تَرجَمۂ: منتر، تعویذ اور گنڈا یہ سب شرک ہے (بشرطے کہ ان چیزوں کو ہی خود اثر کرنے والا سمجھے)

میں نے ان سے کہا: آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں؟

میری آنکھ دکھنے آتی تھی، میں فلاں یہودی کے پاس جایا کرتی تھی وہ دم کیا کرتا تھا، جب بھی وہ دم کرتا میری آنکھ ٹھیک ہو جاتی۔ حضرت عبداللہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: یہ سب کچھ شیطان کی طرف سے تھا، شیطان تمہاری آنکھ پر ہاتھ سے کوچا مارتا تھا (جس سے آنکھ ٹھیک ہو جاتی) تمہیں یہ کافی تھا کہ تم اس موقع پر یہ دعا مانگ لیتیں جو کہ حضور ﷺ پڑھا کرتے تھے:

''اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَاشِفَآءَ اِلَّا شِفَآؤُكَ شِفَآءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا.''[۲]

تَرجَمۂ: ''اے لوگوں کے رب! اس بیماری کو دور فرما، تو ہی شفا دینے والا ہے۔ لہٰذا شفا عطا فرما! شفا صرف تیری ہی طرف سے ہے، ایسی شفا عطا فرما جو کسی قسم کی بیماری نہ چھوڑے۔''

بعض جاہلی مذاہب ایک خالقِ کائنات کے تو مقر و معترف ہیں، لیکن ساتھ ہی کائنات میں دخل، تصرف وحکومت کے لئے دوسرے دیوی، دیوتا بھی مان رکھے ہیں۔ پانی فلاں دیوتا برساتے ہیں۔ دولت فلاں دیوی دلواتی ہے وغیرہ وغیرہ، مشرکینِ قریش کا مذہب بھی اسی قسم کا شرک تھا، قرآنِ کریم نے سورۂ زمر آیت ۳۸ میں ان کے اسی مسلمہ اصول کو بار بار یاد دلا کر اور توحید کے مطالبات و مضمرات کو ان پر واضح کر کے ان پر جرح کی ہے۔

پھر فرمایا: ﴿فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ﴾ آپ کہہ دیں کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔

(جس کے بعد تمہاری اور تمہارے بتوں کی مخالفت کی کچھ پروا باقی نہیں رہتی)۔

جب اللہ تعالیٰ پر تکیہ (بھروسہ) کر لیا تو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کے ماتحت کائنات میں جتنی بھی مخلوقات ہیں۔ اب کسی کی طرف سے کھٹکا نہ رہا۔[۳]

واقعہ نمبر ۱۰۰ حضرت عمران بن حصین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں پیتل کا چھلہ دیکھا تو فرمایا:

---

[۱] ابن ماجه، ابواب تعليق التمائم: ۲/۲۵۲

[۲] ابن ماجه، الطلب، باب تعليق التمائم: ۲۵۲

[۳] تفسير ماجدى: ۲/۹۲۶

"مَا هٰذِهٖ؟" قَالَ: "مِنَ الْوَاهِنَةِ"، قَالَ: "أَمَا أَنَّهَا لَا تَزِيْدُكَ إِلَّا وَهْنًا، إِنْبِذْهَا عَنْكَ فَإِنَّكَ لَوْ مُتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ مَا أَفْلَحْتَ أَبَدًا."[1]

تَرجَمَہ: "یہ کیا ہے؟" اس نے کہا: "یہ "واہنہ" (ایک مرض) کی وجہ سے پہنا ہوا ہے"، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:
"یہ (تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا بل کہ) تمہاری کمزوری میں مزید اضافہ کر دے گا، اِسے پھینک دو اس چھلے کو پہنے ہوئے اگر تمہیں موت آگئی تو تم کبھی نجات نہ پا سکو گے۔"

فَائِدَہ: امام ابن الاثیر الجزری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "واہنہ ایک ایسی بیماری ہے جس میں کندھے یا پورے بازو کی رگ پھول جاتی ہے۔" اس تکلیف سے نجات کے لئے دم بھی کیا کرتے ہیں۔

آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اس شخص کو وہ چھلا پہننے سے اس لئے منع کیا تھا کہ اس نے وہ چھلا اس مرض سے نجات کے لئے پہنا تھا کہ وہ چھلا اسے محفوظ رکھے گا۔ حالاں کہ چھلے کا بیماری سے کوئی واسطہ یا تعلق نہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

"مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَلَا أَتَمَّ اللّٰهُ لَهٗ، وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدَعَةً فَلَا وَدَعَ اللّٰهُ لَهٗ"[2]

تَرجَمَہ: "جس شخص نے (بیماری سے تحفظ کے لئے) کوئی تعویذ لٹکایا، اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے اور جس نے سیپ باندھی، اللہ تعالیٰ اسے بھی آرام نہ دے۔"

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے: جنت میں ستر (۷۰) ہزار افراد بغیر حساب کے داخل ہوں گے اور یہ وہ لوگ ہوں گے۔

"لَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَلَا يَكْتَوُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ."[3]

یعنی جو تعویذ گنڈے کے چکر میں نہیں رہتے، نہ بدفالی لیتے ہیں، نہ اپنے جسموں کو داغتے ہیں بل کہ صرف اپنے ربّ پر توکل کرتے ہیں۔

نوٹ: یہ بات ملحوظ رہے کہ ایسے تعویذ جو شرک و بدعت سے پاک ہوں اور ان کے الفاظ ماثورہ (جو قرآن و حدیث سے منقول) ہوں جن کے معانی بھی صحیح ہوں، نیز ان الفاظ کا لکھنے والا ان الفاظ و معانی کو جانتا بھی ہو، اور تعویذ دینے والے اور استعمال کرنے والے دونوں اس تعویذ کو موثرِ حقیقی نہ سمجھتے ہوں، بل کہ ان کا پختہ عقیدہ ہو کہ شفاء دینے والی ذات صرف اور صرف اللہ ربّ العزت کی ہے اور یہ تعویذ وغیرہ کا استعمال فقط بطورِ علاج ہے۔ ایسے تعویذ کا استعمال کرنا ان شرائط کے ساتھ بعض علماء نے درست قرار دیا ہے، خصوصاً چھوٹے بچے یا مجنون یا ایسے معذور لوگ جو خود سے دعا نہیں

[1] مسند احمد: ٥/٦١٦، رقم: ١٩٤٩٨

[2] مسند احمد: ٤/١٥٤ رقم: ١٦٩٥١

[3] بخاري، الطب، باب من اكتوى او كوى غيره، وفضل من لم يكتو، رقم: ٥٧٠٤

مانگ سکتے ان کے لئے تعویذ کا استعمال بلا کراہت درست ہے۔

اور یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو قرآنِ کریم اور مسنون دعائیں پڑھنے پر قدرت نہیں رکھتے اور جو بذاتِ خود قرآن کریم کی تلاوت اور مسنون دعائیں پڑھنے پر قدرت رکھتے ہیں تو ان کے لئے بہتر ہے کہ بجائے تعویذ بنا کر پہنے کے وہ قرآن کریم کی آیات پڑھ کر اپنے اوپر دم کریں، ان شاء اللّٰہ تعالیٰ بہت جلد آیات کی برکت سے شفا پائیں گے ہاں اس کے ساتھ گناہوں سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

کوئی انسان تقدیر نہیں بدل سکتا

کوئی شخص کسی نبی یا ولی کو اس لئے پکارتا ہے کہ وہ اس کو اللہ تعالیٰ سے قریب کر دیں، تو یہ نہیں سمجھتا کہ نبی ولی تو پھر بھی اس سے دور ہیں، اللہ تعالیٰ تو اس سے بہت ہی قریب ہے، اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک غلام بادشاہ کے پاس تنہا ہے۔ بادشاہ اس کی درخواست سننے کے لئے ہمہ تن متوجہ ہے، لیکن وہ کسی امیر کو آواز دے کر پکارتا ہے کہ جناب بادشاہ کے حضور میں میری درخواست پیش فرما دیں۔ تمہارا اس غلام کی بابت کیا خیال ہے؟

ظاہر ہے کہ یہ غلام یا تو اندھا ہے...... یا دیوانہ...... یا ضد اور عناد نے عقل پر پردہ ڈال دیا ہے؟

حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”ہر شخص اللہ تعالیٰ ہی سے مانگے اور آڑے وقت اسی سے مدد چاہے اور یہ بات یقین سے سمجھ لے کہ تقدیر کا لکھا ہرگز نہیں مٹ سکتا، اگر تمام دنیا مل کر کسی کو نفع یا نقصان پہنچائے تو نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتی، دنیا کے تمام لوگ تحریرِ تقدیر سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ معلوم ہوا کہ تقدیر کو بدلنے کی کسی میں طاقت نہیں۔ جس کے مقدر میں اولاد نہیں اسے کون اولاد دے؟

اور جس کے مقدر میں عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا، کون ہے جو اس کی مدتِ حیات میں اضافہ کر دے؟

پھر یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں کو تقدیر بدل ڈالنے کی طاقت بخشی ہے، غلط ہے، بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کبھی اپنے ہر بندے کی دعا قبول فرماتا ہے اور انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ و اولیاء کی اکثر دعائیں قبول فرما لیتا ہے۔ دعا کی توفیق بھی وہی دیتا ہے اور قبول بھی وہی فرماتا ہے۔ دعا کرنا، اس کے بعد مراد بر آنا، دونوں باتیں تقدیر میں لکھی ہوئی ہیں۔ دنیا کا کوئی کام تقدیر سے باہر نہیں۔

کسی میں کوئی کام کرنے کی طاقت نہیں، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، نبی ہو یا ولی، ہاں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے، بس اسے اتنی ہی طاقت ہے۔ اس کے بعد مالک و مختار کو اختیار ہے، چاہے از راہِ مہربانی قبول فرمالے اور چاہے تو از راہِ حکمت قبول نہ فرمائے۔“ [1]

---

[1] تقویة الایمان: ٦٠، ٦١

رشتہ داری نفع ونقصان نہیں دے سکتی

واقعہ نمبر (۱۰۱) حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ جب آیت:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ [1]

یعنی ''اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ'' اتری، تو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے قریش کو بلایا لہٰذا خاص اور عام تمام لوگ جمع ہوئے پھر فرمایا:

''اے اولادِ کعب بن لوی! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ! اے اولادِ مرہ بن کعب! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ! اے اولادِ عبدشمس! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ! اے اولادِ ہاشم! اپنے نفسوں کو آگ سے بچاؤ! اے اولادِ عبدالمطلب! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ! اے فاطمہ! اپنی جان کو عذاب سے بچالے! کیوں کہ میں اللّٰہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا، ہاں (دنیا میں) تمہارے ساتھ صلہ رحمی کرتا رہوں گا۔'' [2]

یعنی جو لوگ کسی بزرگ کے رشتہ دار ہوتے ہیں، بسا اوقات ان میں سے بعض لوگوں کو بزرگوں کی حمایت کا بھروسہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے وہ مغرور ہوکر نڈر ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے اللّٰہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے فرمایا: ''اپنے رشتہ داروں کو ہوشیار کردیں۔'' آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایک ایک کو، یہاں تک کہ اپنی لاڈلی صاحب زادی کو بھی صاف صاف بتادیا کہ: "يَا فَاطِمَةُ أَنْقِذِي نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ......" [3] یعنی حقِ قرابت اسی چیز میں ممکن ہے جو انسان کے اختیار میں ہے، میرے اختیار میں میرا مال ہے، اس کے دینے میں بخل سے کام نہیں لیتا؛ لیکن اللّٰہ تعالیٰ کے ہاں کا معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے، وہاں کسی کی بھی حمایت نہیں کرسکتا اور کسی کا بھی وکیل نہیں بن سکتا، ہر شخص قیامت کے لئے اپنی اپنی تیاری کرلے، اور دوزخ سے بچنے کی آج ہی فکر کرلے'' معلوم ہوا کہ کسی بزرگ کی رشتہ داری اللّٰہ تعالیٰ کے ہاں کام آنے والی نہیں۔ جب تک انسان خود نیک عمل نہ کرے، بیڑا پار ہونا مشکل ہے۔ [4]

---

[1] الشعرآء: ۲۱٤

[2] "عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرَيْشًا فَاجْتَمَعُوْا فَعَمَّ وَخَصَّ فَقَالَ: يَا بَنِيْ كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ وَيَا بَنِيْ مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، وَيَابَنِيْ عَبْدِ شَمْسٍ أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، وَيَابَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِيْ هَاشِمٍ أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، يَا بَنِيْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، يَا فَاطِمَةُ أَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّيْ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَأَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا." (مسلم: كتاب الايمان، باب مَن مات على الكفر: ١/١١٤)

[3] حوالہ بالا

[4] تقوية الايمان: ٦٢

فوائد و نصائح

❶ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ نفع اور نقصان کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھے۔ کوئی نبی، کوئی ولی یا اور کوئی اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہ تو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتا ہے۔

❷ یومِ آخرت کے لئے تیاری کر کے رکھے جس دن کوئی رشتہ داری، کوئی قرابت داری نفع نہیں پہنچائے گی، صرف اور صرف وہی اعمال کام آئیں گے جو اس دن کے لئے کر رکھے ہوں گے۔

❸ تکلیف اور راحت دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرے۔ اگر کوئی مشکل درپیش ہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے دعا مانگے اور اگر کوئی خوشی نصیب ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ ہی کا شکر ادا کرے۔



اَلنُّوْرُ جَلَّ جَلَالُهٗ

(روشنی والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾[1] أَيْ: يَهْتَدِيْ بِنُوْرِهٖ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ، أَيْ: بِاٰيَاتِهٖ وَأَعْلَامِهِ الدَّالَّةِ عَلَيْهِ، وَالْبَرَاهِيْنِ الْوَاضِحَةِ النَّيِّرَةِ، يَهْتَدِيْ أَهْلُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلٰى تَوْحِيْدِهٖ، وَالْإِقْرَارِ بِرُبُوْبِيَّتِهٖ، وَتَنْزِيْهِهٖ مِنَ الْأَنْدَادِ، وَالْأَمْثَالِ عَزَّوَجَلَّ.[2]

ترجمہ: امام زجاجی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ’’اللہ ربّ العزت کے نور سے آسمان و زمین والے ہدایت پاتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات اور وہ نشانیاں جو اس کی ذات پر نشان دہی کرنے والی ہیں، نیز روشن اور واضح دلائل، ان تمام چیزوں کے ذریعے آسمان و زمین والے اللہ تعالیٰ کی توحید تک رسائی پاتے ہیں اور انہیں چیزوں کو دیکھ کر اس کی ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں، اور اللہ ربّ العزت کی ذات پاک کو جو انتہائی عزت وجلال والی ہے شریک اور مثل سے پاک اور بری مانتے ہیں۔‘‘

❷ (اَلنُّوْرُ) هُوَ الَّذِيْ بِنُوْرِهٖ يُبْصِرُ ذُوالْعَمَايَةِ، وَبِهِدَايَتِهٖ يَرْشُدُ ذُوالْغَوَايَةِ، وَعَلٰى مِثْلِ هٰذَا يَتَأَوَّلُ قَوْلُهٗ -جَلَّ وَعَزَّ-: ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ أَيْ مِنْهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ.[3]

ترجمہ: امام خطابی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ’’اَلنُّوْرُ‘‘ وہ ذات ہے جس کے نور سے نابینا بینائی حاصل کرتا ہے، اور گمراہ ہدایت پاتا ہے، یہی مطلب ہے اللہ ربّ العزت کے اس ارشاد کا ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ یعنی اللہ ربّ العزت ہی کی ذات سے آسمان و زمین کو نور حاصل ہے۔

❸ ’’امام زجاج رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کی تفسیر میں بعض علماء کا قول ذکر فرماتے ہیں کہ ’’اللہ ربّ العزت اس نور کے خالق ہیں جو تمام ستاروں اور سیاروں کو حاصل ہے، ان سیاروں کی روشنی ذاتی اور جسمانی

---

[1] النور: ۳۵ [2] اشتقاق الاسماء: ۱۸۲، بحواله النهج الأسمٰى: ۲/۲۴۳

[3] شان الدعا: ۹۵، بحواله النهج الأسمٰى: ۲/۲۴۳

نہیں بل کہ یہ روشنی اللہ تعالیٰ کے نور سے عطا کردہ ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عرش کے اردگرد ایسے انوارات ہیں کہ اگر ان میں سے ایک چنگاری بھی زمین پر آگرے تو زمین اپنے سارے ساز وسامان سمیت جل جائے۔[1]

اللہ ربّ العزت کا ارشاد مبارک ہے جس کا ترجمہ ہے:

’’اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا، اس کے نور کی مثال مثل ایک طاق کے ہے جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشہ کی قندیل میں ہو اور شیشہ مثل چمکتے ہوئے روشن ستارے کے ہو، وہ چراغ ایک بابرکت درخت زیتون کے تیل سے جلایا جاتا ہو، جو درخت نہ مشرقی ہے نہ مغربی، خود وہ تیل قریب ہے کہ آپ ہی روشنی دینے لگے اگرچہ اسے آگ نہ بھی چھوئے، نور پر نور ہے، اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے جسے چاہے، لوگوں (کے سمجھانے) کو یہ مثالیں اللہ تعالیٰ بیان فرمارہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے حال سے بخوبی واقف ہے۔‘‘[2]

نور کی تعریف

امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے نور کی تعریف میں فرمایا: ’’اَلظَّاهِرُ بِنَفْسِهٖ وَالْمُظْهِرُ لِغَيْرِهٖ‘‘

یعنی نور وہ ہے جو خود اپنی ذات سے ظاہر اور روشن ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر و روشن کرنے والا ہو۔

تفسیر مظہری میں ہے: نور دراصل اس کیفیت کا نام ہے جس کو انسان کی قوتِ باصرہ پہلے ادراک کرتی ہے اور پھر اس کے ذریعہ ان تمام چیزوں کا ادراک کرتی ہے جو آنکھ سے دیکھی جاتی ہیں، جیسے آفتاب اور چاند کی شعاعیں ان کے مقابل اجسامِ کثیفہ پر پڑ کر اوّل اس چیز کو روشن کر دیتی ہیں پھر اس سے شعاع منعکس ہو کر دوسری چیزوں کو روشن کرتی ہیں۔[3]

آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نور بخشنے والے ہیں آسمان و زمین کو، اور اس میں بسنے والی سب مخلوق کو اور مراد اس

---

[1] اِخْتَلَفُوْا فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: اَللّٰهُ ذُوْ نُوْرِالسَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يُرِيْدُ: أَنَّهٗ خَالِقُ هٰذَا النُّوْرِ الَّذِيْ فِي الْكَوَاكِبِ كُلِّهَا، لَا أَنَّهٗ ضِيَاءٌ لَّهَا وَأَنْوَارٌ لِّأَجْسَامِهَا بَلْ أَنْوَارٌ تَنْفَصِلُ مِنْ أَنْوَارِ اللّٰهِ تَعَالٰى.

وَيُقَالُ: إِنَّ حَوْلَ الْعَرْشِ أَنْوَارٌ لَوِ انْفَصَلَتْ مِنْهَا شَرَارَةٌ عَلَى الْأَرْضِ لَاحْتَرَقَتِ الْاَرْضُ وَمَنْ عَلَيْهَا.

(تفسير الاسماء: ٦٤، بحواله النهج الأسمٰى: ٢/٢٤٢)

[2] اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (النور: ٣٥)

[3] مظهرى: ٦/٥٢٢، النور: ٣٥

نور سے نورِ ہدایت ہے۔

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے اس کی تفسیر میں نقل کیا گیا ہے "اَللّٰهُ هَادِيْ أَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ"
تَرجَمۂ: "اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین والوں کو ہدایت دینے والے ہیں۔"[1]

نورِ مؤمن

﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ﴾ اللہ تعالیٰ کا نورِ ہدایت جو مؤمن کے قلب میں آتا ہے۔ یہ اس کی ایک عجیب مثال ہے جیسا کہ ابن جریر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے حضرت ابی بن کعب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے:

یہ مثال اس مؤمن کی ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور قرآن کا نورِ ہدایت ڈال دیا ہے، چناں چہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال بیان فرمائی، پہلے تو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نور کا ذکر فرمایا: ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ پھر قلبِ مؤمن کے نور کا ذکر فرمایا ﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ ......﴾[2]

اللہ تعالیٰ کا نورِ ہدایت، جو مؤمن کے قلب میں فطرۃً رکھا گیا ہے اس کی مثال یہ ہے: ﴿كَمِشْكٰوةٍ ......﴾ یہ قول حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ مؤمن کا سینہ ایک طاق کی مثال ہے، اس میں اس کا دل ایک قندیل کی مثال ہے، اس میں نہایت شفاف روغنِ زیتون فطری نورِ ہدایت کی مثال ہے جو مؤمن کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا ہے۔ جس کا خاصہ خود بخود قبولِ حق کا ہے، پھر جس طرح روغنِ زیتون آگ کے شعلہ سے روشن ہو کر دوسروں کو روشن کرنے لگتا ہے، اسی طرح فطری نورِ ہدایت، جو قلبِ مؤمن میں رکھا گیا ہے جب وحی الٰہی اور علمِ الٰہی کے ساتھ اس کا اتصال ہو جاتا ہے تو روشن ہو کر عالم کو روشن کرنے لگتا ہے۔

حضرات صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ و تابعین رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے جو اس مثال کو قلبِ مؤمن کے ساتھ مخصوص فرمایا وہ بھی غالبًا اس لئے ہے کہ اس نور کا فائدہ صرف مؤمن ہی اٹھاتا ہے۔ ورنہ وہ فطری نورِ ہدایت جو ابتداءِ تخلیق کے وقت انسان کے دل میں رکھا جاتا ہے، وہ مؤمن کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، بل کہ ہر انسان کی فطرت اور جبلت میں وہ نورِ ہدایت رکھا جاتا ہے اسی کا یہ اثر دنیا کی ہر قوم، ہر خطہ، ہر مذہب و مشرب کے لوگوں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ کے وجود کو اور اس کی عظیم قدرت کو فطرۃً مانتا ہے، اس کی طرف رجوع کرتا ہے، اس کے تصور اور تعبیر میں خواہ کیسی ہی غلطیاں

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۶۰۳/۲، (النور: ۳۵)

[2] "هُوَ الْمُؤْمِنُ الَّذِيْ جَعَلَ اللّٰهُ الْإِيْمَانَ وَالْقُرْاٰنَ فِيْ صَدْرِهٖ فَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلَهٗ فَقَالَ ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ فَبَدَأَ بِنُوْرِ نَفْسِهٖ ثُمَّ ذَكَرَ نُوْرَ الْمُؤْمِنِ فَقَالَ ﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ﴾ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ فَكَانَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يَقْرَأُهَا: "مَثَلُ نُوْرِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ" (تفسیر ابن کثیر: ۶۰۳/۲)

کرتا ہو مگر اللہ تعالیٰ کے نفسِ وجود کا ہر انسان فطرۃً قائل ہوتا ہے، سوائے چند مادہ پرست افراد کے جن کی فطرت مسخ ہوگئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے وجود کے منکر ہیں۔

ایک صحیح حدیث سے اس عموم کی تائید ہوتی ہے جس میں یہ ارشاد ہے: ''كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ''[1] یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو فطرت کے تقاضوں سے ہٹا کر غلط راستوں پر ڈال دیتے ہیں۔ اس فطرت سے مراد ہدایتِ ایمان ہے۔ یہ ہدایت ایمان اور اس کا نور ہر انسان کی پیدائش کے وقت اس میں رکھا جاتا ہے اور اسی نورِ ہدایت کی وجہ سے اس میں قبولِ حق کی صلاحیت ہوتی ہے۔

جب انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اور ان کے نائبوں کے ذریعہ وحی الٰہی کا علم ان کو پہنچتا ہے، تو وہ اس کو آسانی کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں سوائے ان ممسوخ الفطرت لوگوں کے جنہوں نے اس فطری نور کو اپنی حرکتوں سے مٹا ہی ڈالا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے شروع میں تو عطاءِ نور کو عام بیان فرمایا ہے جو تمام آسمان والوں اور زمین والوں کو شامل ہے مؤمن اور کافر کی بھی کوئی تخصیص نہیں اور آخرِ آیت میں یہ فرمایا:

﴿يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾[2]

''یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے ہدایت کر دیتا ہے۔''

یہاں مشیتِ الٰہی کی قید اس نورِ فطرت کے لئے نہیں، جو ہر انسان میں رکھا ہے بل کہ نورِ قرآن کے لئے ہے جو ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا سوائے اس خوش نصیب کے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق نصیب ہو، ورنہ انسان کی کوشش بھی بلا توفیقِ الٰہی بے کار بل کہ بعض اوقات مضر بھی ہو جاتی ہے

فَأَوَّلُ مَا يَجْنِيْ عَلَيْهِ اِجْتِهَادُهٗ	إِذَا لَمْ يَكُنْ عَوْنٌ مِّنَ اللّٰهِ لِلْفَتٰى
تو سب سے پہلے اس کی کوشش ہی اس کو الٹا نقصان پہنچا دیتی ہے[3]	اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کی مدد نہ ہو

صرف اَلنُّوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ ہی نور و ظلمت دونوں کے خالق ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾[4]

تَرجَمہ: ''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے پیدا کیا آسمان اور زمین اور بنایا اندھیرا اور اجالا پھر بھی یہ کافر اپنے ربّ کے ساتھ اوروں کو برابر کر دیتے ہیں۔''

---

[1] بخاري، الجنائز، باب ما قيل في اولاد المشركين: ۱/۱۸۵

[2] النور: ۳۵ [3] معارف القرآن: ۶/۴۲۳، النور: ۳۵ [4] الانعام: ۱

فَائِدَۃ: ''مجوس'' دنیا کے لئے دو خالق مانتے ہیں ''یزدان'' جو خالقِ خیر ہے اور ''اہرمن'' جو خالق شر ہے اور دونوں کو نور و ظلمت سے یاد کرتے ہیں۔ ہندوستان کے مشرک لوگ تینتیس کروڑ دیوتاؤں کے قائل ہیں۔ آریہ سماج باوجود توحید کے دعوے کے ''مادہ'' اور ''روح'' کو اللہ تعالیٰ کی طرح غیر مخلوق اور انادی کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اپنی صفتِ تکوین و تخلیق وغیرہ میں ان دونوں کا محتاج بتلاتے ہیں۔

عیسائیوں کو باپ بیٹے کا توازن و تناسب قائم رکھنے کے لئے آخر تین ایک اور ایک تین کا مشہور عقیدہ اختیار کرنا پڑا ہے۔ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے وہ صفات تجویز کیں کہ ایک معمولی انسان بھی نہ صرف اس کا ہمسر بلکہ اس سے برتر ہوسکتا ہے۔ عرب کے مشرکین نے تو خدائی کی تقسیم میں یہاں تک سخاوت دکھلائی کہ شاید ان کے نزدیک پہاڑ کا ہر پتھر نوع انسانی کا معبود بننے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ غرض آگ، پانی، سورج، ستارے، درخت، پتھر حیوان کوئی چیز لوگوں نے نہ چھوڑی جسے خدائی کا کچھ حصہ نہ دیا اور عبادت و استعانت وغیرہ کے وقت اسے اللہ تعالیٰ کے برابر نہ بٹھایا ہو، حالاں کہ وہ ذات پاک جو تمام صفاتِ کمال کی جامع اور ہر قسم کی خوبیوں کی جڑ ہونے کی وجہ سے سب تعریفوں اور ہر طرح کی حمد و ثنا کی بلا شرکتِ غیرے مستحق ہے۔

جس نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہیں سب کو پیدا کیا...... اور رات، دن،...... اندھیرا، اجالا،...... علم و جہل،...... ہدایت و گمراہی،...... موت و حیات،...... غرض مختلف کیفیات اور مختلف احوال ظاہر فرمائے، اسے اپنے افعال میں نہ کسی حصہ دار یا مددگار کی ضرورت ہوسکتی ہے نہ بیوی اور اولاد کی، نہ اس کی معبودیت اور الوہیت میں کوئی شریک ہو سکتا ہے نہ ربوبیت میں نہ اس کے ارادہ پر کوئی غالب آسکتا ہے اور نہ اس پر کسی کا دباؤ اور زور چل سکتا ہے پھر تعجب ہے کہ ان حقائق کو سمجھنے کے بعد بھی کس طرح لوگ کسی چیز کو خدائی کا رتبہ دے رہے ہیں۔[1]

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾[2]

تَرْجَمَۃ: ''وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کے لئے منزلیں مقرر کیں، تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرلیا کرو، اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں، یہ دلائل وہ ان کو صاف صاف بتلا رہا ہے جن کو سمجھ ہے۔''

یہاں یہ بتا دیا ہے کہ آفتاب میں روشنی اور چاند میں نور رکھنا سب اسی قادرِ مطلق کا کام ہے، نہ کہ کسی دیوی دیوتا کا، اور نہ خود ان اجرامِ فلکی نے اپنے آپ میں یہ صفات پیدا کر لی ہیں۔ شمس پرستی اور قمر پرستی دنیا میں بہت عام رہی ہے اور

[1] تفسیر عثمانی: ۱۶۹ [2] یونس: ۵

اب تک ہے۔[1]

اَلنُّوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ نے آنکھوں میں نور پیدا کیا، روزِ قیامت بھی وہی نور دے گا

ہمارے جسم میں سب سے نازک عضو آنکھ ہے، اس آنکھ میں اللہ تعالیٰ نے نور پیدا کیا، جس سے ہم اپنے نفع، نقصان کو دیکھ سکتے ہیں، تکلیف اور راحت کے سامان میں فرق کر سکتے ہیں، اس آنکھ کی حفاظت کس طرح اس نے مضبوطی سے کی ہے، ان دو آنکھوں میں کیا عجیب نور بھرا ہے، کیا یہ ممکن تھا کہ آنکھ کچھ دیکھ سکتی خواہ کیسی ہی خوب صورت ہوتی مگر نرگس کی طرح بے نور ہی رہتی، دو آنکھوں سے قاعدے کے مطابق ہر ایک چیز کی دو چیزیں نظر آتیں جب کہ بیچ میں ناک کے بانسے کا بھی ستون کھڑا ہے مگر ایسا نہیں ہے، دونوں آنکھوں سے ہم ہر ایک چیز کو ایک ہی دیکھتے ہیں۔ پردہ در پردہ نور کی حفاظت کی۔ ایسے پردے کہ جو حفاظت بھی کر سکیں اور دیکھنے میں خلل بھی نہ ڈال سکیں، سات پردوں میں نور کو محفوظ کر کے پتلی کو گھومنے کی طاقت عطا فرمائی کہ ہر طرف دیکھ سکیں۔[2]

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ﴾[3]

تَرجَمَہ: ”وہ دن یاد رکھنے کے قابل ہے جس دن آپ مؤمن مرد اور مؤمن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور داہنی طرف ہوگا۔“

اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے، اور یہ نور عطا ہونے کا معاملہ پلِ صراط پر چلنے سے کچھ پہلے پیش آئے گا، اس کی تفصیل ایک حدیث میں ہے جس میں ابوامامہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا دمشق میں ایک جنازہ میں شریک ہونا اور فارغ ہونے کے بعد لوگوں کو موت اور آخرت کی یاد دلانے کے لئے موت اور قبر پھر حشر کے کچھ حالات بیان فرمانا مذکور ہے، اس کے چند جملوں کا ترجمہ یہ ہے:

”پھر تم قبروں سے میدانِ حشر کی طرف منتقل کئے جاؤ گے، جس میں مختلف مراحل اور مواقف ہوں گے، ایک مرحلہ ایسا آئے گا کہ بحکمِ خداوندی کچھ چہرے سفید اور روشن کر دیئے جائیں گے، اور کچھ چہرے کالے سیاہ کر دیئے جائیں گے، پھر ایک مرحلہ ایسا آئے گا کہ میدانِ حشر میں جمع ہونے والے سب لوگوں پر جن میں مؤمن و کافر سب ہوں گے، ایک شدید ظلمت اور اندھیری طاری ہو جائے گی، کسی کو کچھ نظر نہ آئے گا، اس کے بعد نور تقسیم کیا جائے گا، ہر مؤمن کو نور عطا کیا جائے گا (ابن ابی حاتم ہی کی دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے کہ مؤمن میں یہ نور بقدر ان کے اعمال کے تقسیم ہوگا، کسی کا نور مثل پہاڑ کے، کسی کا کھجور کے درخت کے مثل، کسی کا قامتِ انسانی کے

---

[1] تفسير ماجدی: ۴۳۲/۱　[2] ماخوذ شرح اسماء الحسنٰی، (الازهری): ۴۹۴　[3] الحديد: ۱۲

برابر ہوگا، سب سے کم نور اس شخص کا ہوگا جس کے صرف انگوٹھے میں نور ہوگا اور وہ بھی کبھی روشن ہو جائے گا کبھی بجھ جائے گا۔"[1]

میدانِ حشر میں نور اور ظلمت کے اسباب

اس جگہ تفسیرِ مظہری میں قرآن و حدیث سے محشر کی ظلمت و نور کے اسباب بھی بیان کر دیئے ہیں، جن کو مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے نقل کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

❶ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: "خوش خبری سنا دو ان لوگوں کو جو اندھیری راتوں میں مسجد کی طرف جاتے ہیں، قیامت کے روز مکمل نور کی۔"[2]

❷ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا جس کا ترجمہ ہے:

"جو شخص پانچوں نمازوں کی محافظت کرے گا (یعنی ان کے اوقات اور آداب کو پابندی کے ساتھ بجالائے گا) اس کے لئے یہ نماز قیامت کے روز نور، برہان اور نجات بن جائے گی، اور جو اس پر محافظت نہ کرے گا، نہ اس کے لئے نور ہوگا، نہ برہان اور نہ نجات اور وہ قارون، ہامان اور فرعون کے ساتھ ہوگا۔"[3]

❸ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: "جو سورۂ کہف پڑھے گا قیامت کے روز اس کے لئے اتنا نور ہوگا جو اس کی جگہ سے مکہ مکرمہ تک پھیلے گا" اور ایک روایت میں ہے کہ "جو شخص جمعہ کے روز سورۂ کہف پڑھے گا قیامت کے روز اس کے قدموں سے آسمان کی بلندی تک نور چمکے گا۔"[4]

❹ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: "جو شخص قرآن کی ایک آیت بھی تلاوت کرے گا، وہ آیت اس کے لئے قیامت کے روز نور ہوگی۔"[5]

❺ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حج کے احکام بیان کرتے ہوئے فرمایا: "حج وعمرہ کے احرام سے فارغ ہونے کے لئے جو سر منڈایا جاتا ہے تو اس میں جو بال زمین پر گرتا ہے وہ قیامت کے روز نور ہوگا۔"[6]

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ٤/٤٤٩، مستدرک حاکم: التفسیر، ٢/٥٦٤، الحدید: ١٢

[2] ابوداود، الصلاۃ، المشی الی الصلاۃ فی الظلم: ١/٨٣

[3] "مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُوْرًا وَبُرْهَانًا وَنَجَاةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَهُ نُوْرٌ وَلَا بُرْهَانٌ وَلَا نَجَاةٌ وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وأُبَيِّ بنِ خَلَفٍ" (مسند احمد، عبداللہ بن عمرو: ٢/١٦٩، رقم: ٦٥٤٠)

[4] مستدرک حاکم: التفسیر، تفسیر سورۃ الکہف: ٢/٤٣٤

[5] کنزالعمال، باب فی تلاوۃ القرآن وفضائلہ: ١/٢٦١

[6] الترغیب والترہیب، الترغیب فی حلق الرأس بمنٰی: ٢/١٣٥

❻ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ: ''منیٰ میں جمرات کی رمی کرنا قیامت کے روز نور ہوگا۔'' [۱]

❼ حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے: ''جس شخص کے بال حالتِ اسلام میں سفید ہو جائیں وہ اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔'' [۲]

❽ حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے: ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد میں ایک تیر بھی پھینکے گا اس کے لئے قیامت میں نور ہوگا۔'' [۳]

❾ حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے: ''جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت و تکلیف کو دور کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے پلِ صراط پر نور کے دو شعبے بنا دے گا، جس سے ایک جہاں روشن ہو جائے گا، جس کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔'' [۴]

❿ جنابِ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

''إِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ فَإِنَّهُ هُوَ الظُّلُمٰتُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ'' [۵]

ترجمہ: ''یعنی تم ظلم سے بہت بچو، کیوں کہ ظلم ہی قیامت کے روز ظلمات اور اندھیری ہوگی۔'' [۶]

گویا ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ نور کے اسباب زیادہ سے زیادہ جمع کرے، خصوصاً اِن کاموں کا اہتمام کرے:

❶ اذان ہوتے ہی نماز کی تیاری کرے، مؤذن کی آواز ''حَيَّ عَلَى الْفَلَاحْ'' سُن کر یقین کر لے کہ کسی اور کام میں کامیابی نہیں، کامیابی صرف اور صرف نماز میں ہے، خصوصاً عشاء اور فجر کی جماعت کے اہتمام سے نور ملے گا۔

❷ جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے کا اہتمام کرے۔

❸ روزانہ قرآنِ کریم کی تلاوت کا اہتمام کرے۔

❹ فرض حج ادا کرنے کا اہتمام اور دعا کرے۔

❺ جہاد کی تمنا اور دعا کرے۔

❻ بازاروں میں نگاہ کی حفاظت اور ذکر کا اہتمام کرے۔

❼ مسلمانوں کے دکھ درد میں شریک ہو۔

---

[۱] مجمع الزوائد، الحج، باب رمی الجمار: ۴۳۳/۳، رقم: ۵۵۸۸

[۲] ترمذي، فضائل الجهاد، باب من شاب شيبة في سبيل الله: ۲۹۲/۱

[۳] مجمع الزوائد، الجهاد، باب فيمن رمى بسهم: ۳۵۱/۵، رقم: ۹۳۹۸

[۴] مجمع الزوائد: البر والصلة، باب فضل قضاء الحوائج: ۲۵۱/۸، رقم: ۱۳۷۱۷

[۵] بخاري، المظالم والقصاص، باب الظلم ظلمات يوم القيامة: ۳۳۱/۱

[۶] معارف القرآن: ۳۰۹/۸

۸ کسی کا دل دکھانے سے بچے، خصوصاً زبان کی حفاظت کرے۔

ان تمام اسبابِ نور پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔

جب دل میں نور پیدا ہو جائے تو حرام سے بچنا آسان ہو جاتا ہے

واقعہ نمبر (۱۰۲): مولانا غازی احمد صاحب ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے، تیرہ سال کی عمر میں انہوں نے اسلام قبول کیا، ان کے والدین اور سارا خاندان متعصب ہندو تھے، جس کی وجہ سے انہیں بڑی تکالیف سہنا پڑیں، انہوں نے اسلام قبول کرنے اور اپنی زندگی کی ایمان افروز داستان "مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْر" کے نام سے لکھی ہے، جس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ جب ہندو ۱۹۴۷ء میں ہندوستان منتقل ہو رہے تھے، اس زمانے کا وہ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لوگ جب کیمپ میں منتقل ہو رہے تھے تو میری خالہ نے والدہ صاحبہ کی وساطت سے ایک بوری میں لپٹا ہوا کچھ مال میرے پاس بطور امانت رکھا کہ اگر ہم چکوال کیمپ میں زندہ بچ گئے تو اپنا مال واپس لے لیں گے، اگر ہم مارے گئے تو یہ مال تمہارے کام آئے گا۔ میں نے کہا: "خالہ جان! اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے، میں مال کا طالب نہیں ہوں" میں نے یہ مال صوفی جان محمد صاحب کو بتایا اور سامان ان کے گھر رکھ دیا، ایک روز میں نے صوفی صاحب سے کہا: "دیکھیں تو سہی بوری میں کیا ہے ......، جب کھول کر دیکھا تو کپڑے میں تقریباً دو سیر سونا (۸۰) پونڈ اور تقریباً بیس بائیس سیر چاندی تھی، مال کو اسی طرح باندھ کر بوری میں لپیٹ دیا گیا۔ ایک دن شام کے وقت اطلاع ملی کہ صبح چکوال سے ایک اسپیشل ٹرین کیمپ والوں کو لے کر انڈیا جا رہی ہے، مجھے فوراً امانت کا خیال آیا، صوفی صاحب بھی گھر پر نہ تھے، اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے امانت کو سائیکل پر باندھا اور چکوال روانہ ہو گیا، سورج غروب ہو چکا تھا، اس دور میں راستہ بھی غیر محفوظ تھا۔ چکوال کے راستے میں ایک دو جگہ سکھوں کی لاشیں دیکھ چکا تھا مگر ضمیر کی آواز تھی کہ جلد چکوال پہنچ کر امانت خالہ کے حوالے کروں۔

عشاء کے وقت کیمپ میں پہنچ گیا، فوجی حضرات نے پوچھا: دیر سے آئے ہو، میں نے کہا: ایک ضروری کام تھا، جب میں کیمپ میں داخل ہوا تو میری خالہ اور خالو بہت خوش ہوئے کہ بھگوان کی دیا سے ہمارا مال پہنچ گیا ہے۔ کیمپ کے ہندو حضرات جمع ہو گئے، میں نے سائیکل سے امانت کھول کر خالو صاحب کے حوالے کی کہ اپنا مال دیکھ لیں، تمام حضرات میری دیانت داری پر بہت خوش ہوئے، ایک صاحب فرمانے لگے: "ہندو خون ہے، دیانت داری کیوں نہ ہو" میں نے کہا: "جی حضرت آپ غلط کہہ رہے ہیں اگر میں مسلمان نہ ہوتا تو یہ مال کب کا ٹھکانے لگ چکا ہوتا، اسلام نے مجھے سکھایا ہے کہ امانت میں خیانت قبیح ترین جرم ہے، حق دار کو اس کا حق صحیح و سالم واپس کرو، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں مسلمان تھا،

اور آپ کا یہ حق واپس کر رہا ہوں" وہ صاحب کہنے لگے "اگر تمام مسلمان تمہاری طرح ہوتے تو شاید ہمیں اپنا حق اور علاقہ چھوڑ کر نہ جانا پڑتا" والدہ صاحبہ بہت خوش تھیں کہ تو نے میری عزت میں اضافہ کر دیا، میں خود بھی امانت واپس کر کے بہت خوش تھا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ میں نے بددیانتی کا ارتکاب کر کے اسلام کے مقدس دامن کو داغ دار نہیں کیا، اللہ تعالیٰ مجھے حرام رزق سے بچائے۔[1]

نور طلب کرنے کے لئے آپ ﷺ کی ایک نہایت جامع دعا

فطری نور جب قوی تر ہو جاتا ہے تو اسی کی برکت سے آدمی دینِ حق پر جمتا ہے۔ یہی نور آخرت میں پل صراط پر روشنی کا ذریعہ بنے گا۔ حدیث میں خوش خبری ہے کہ کامل نورِ ایمان والے مؤمنین جب پل صراط کو پار کر رہے ہوں گے (جو جہنم پر ہوگا)۔ تو جہنم ان سے کہے گی: "جُزْيَا مُؤْمِنُ! فَقَدْ أَطْفَأَ نُورُكَ لَهَبِي" اے مؤمن! جلدی پار کر (جلدی گزر جا) کہ تیرے ایمان کا نور میری نار (آگ) بجھاتا ہے۔[2] اسی لئے حضور پاک ﷺ نے بدن کے رگ و ریشے میں اس نور کے سرایت کر جانے کی اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگی ہیں۔ مثلاً ایک دعا ہم ذکر کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات نمازِ تہجد سے فارغ ہوئے تو میں نے آپ ﷺ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْاَلُكَ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِكَ تَهْدِیْ بِهَا قَلْبِیْ وَتَجْمَعُ بِهَآ اَمْرِیْ وَتَلُمُّ بِهَا شَعَثِیْ وَتُصْلِحُ بِهَا غَآئِبِیْ وَتَرْفَعُ بِهَا شَاهِدِیْ وَتُزَكِّیْ بِهَا عَمَلِیْ وَتُلْهِمُنِیْ بِهَا رُشْدِیْ وَتَرُدُّ بِهَا اُلْفَتِیْ وَتَعْصِمُنِیْ بِهَا مِنْ كُلِّ سُوْٓءٍ."

"اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ اِیْمَانًا وَّیَقِیْنًا لَیْسَ بَعْدَهٗ كُفْرٌ وَّرَحْمَةً اَنَالُ بِهَا شَرَفَ كَرَامَتِكَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ."

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْاَلُكَ الْفَوْزَ فِی الْقَضَآءِ وَنُزُلَ الشُّهَدَآءِ وَعَیْشَ السُّعَدَآءِ وَالنَّصْرَ عَلَی الْاَعْدَآءِ."

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اُنْزِلُ بِكَ حَاجَتِیْ وَاِنْ قَصُرَ رَاْیِیْ وَضَعُفَ عَمَلِی افْتَقَرْتُ اِلٰی رَحْمَتِكَ فَاَسْاَلُكَ یَا قَاضِیَ الْاُمُوْرِ وَیَا شَافِیَ الصُّدُوْرِ كَمَا تُجِیْرُ بَیْنَ الْبُحُوْرِ اَنْ تُجِیْرَنِیْ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ وَمِنْ دَعْوَةِ الثُّبُوْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْقُبُوْرِ."

"اَللّٰهُمَّ مَا قَصُرَ عَنْهُ رَاْیِیْ وَلَمْ تَبْلُغْهُ نِیَّتِیْ وَلَمْ تَبْلُغْهُ مَسْاَلَتِیْ مِنْ خَیْرٍ وَّعَدْتَّهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوْ خَیْرٍ اَنْتَ مُعْطِیْهِ اَحَدًا مِّنْ عِبَادِكَ فَاِنِّیْ اَرْغَبُ اِلَیْكَ فِیْهِ وَاَسْاَلُكَهٗ بِرَحْمَتِكَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ."

[1] من الظلمات الی النور: ۱۶۰، بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۱۳۱

[2] کنز العمال، القیامۃ: ۱۶۶/۱۴، رقم: ۳۹۰۲۳۰

"اَللّٰهُمَّ ذَا الْحَبْلِ الشَّدِيْدِ وَالْاَمْرِ الرَّشِيْدِ اَسْاَلُكَ الْاَمْنَ يَوْمَ الْوَعِيْدِ وَالْجَنَّةَ يَوْمَ الْخُلُوْدِ مَعَ الْمُقَرَّبِيْنَ الشُّهُوْدِ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ الْمُوْفِيْنَ بِالْعُهُوْدِ اِنَّكَ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ وَاِنَّكَ تَفْعَلُ مَا تُرِيْدُ."

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا هَادِيْنَ مُهْتَدِيْنَ غَيْرَ ضَالِّيْنَ وَلَا مُضِلِّيْنَ سِلْمًا لِاَوْلِيَائِكَ وَعَدُوًّا لِاَعْدَائِكَ نُحِبُّ بِحُبِّكَ مَنْ اَحَبَّكَ وَنُعَادِيْ بِعَدَاوَتِكَ مَنْ خَالَفَكَ."

"اَللّٰهُمَّ هٰذَا الدُّعَاءُ وَعَلَيْكَ الْاِجَابَةُ وَهٰذَا الْجُهْدُ وَعَلَيْكَ التُّكْلَانُ."

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِّيْ نُوْرًا فِيْ قَلْبِيْ وَنُوْرًا فِيْ قَبْرِيْ وَنُوْرًا مِّنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَنُوْرًا مِّنْ خَلْفِيْ وَنُوْرًا عَنْ يَّمِيْنِيْ وَنُوْرًا عَنْ شِمَالِيْ وَنُوْرًا مِنْ فَوْقِيْ وَنُوْرًا مِّنْ تَحْتِيْ وَنُوْرًا فِيْ سَمْعِيْ وَنُوْرًا فِيْ بَصَرِيْ وَنُوْرًا فِيْ شَعْرِيْ وَنُوْرًا فِيْ بَشَرِيْ وَنُوْرًا فِيْ لَحْمِيْ وَنُوْرًا فِيْ دَمِيْ وَنُوْرًا فِيْ عِظَامِيْ."

"اَللّٰهُمَّ اَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا وَاَعْطِنِيْ نُوْرًا وَاجْعَلْ لِّيْ نُوْرًا سُبْحَانَ الَّذِيْ تَعَطَّفَ الْعِزَّ وَقَالَ بِهٖ سُبْحَانَ الَّذِيْ لَبِسَ الْمَجْدَ وَتَكَرَّمَ بِهٖ سُبْحَانَ الَّذِيْ لَا يَنْبَغِي التَّسْبِيْحُ اِلَّا لَهٗ سُبْحَانَ ذِي الْفَضْلِ وَالنِّعَمِ سُبْحَانَ ذِي الْمَجْدِ وَالْكَرَمِ سُبْحَانَ ذِي الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ."[1]

تَرجَمہ: "(اے اللہ میں تجھ سے دعا اور التجا کرتا ہوں، تو محض اپنے فضل و کرم سے مجھ پر ایسی وسیع اور ہمہ گیر رحمت فرما جس سے میرا قلب تیری ہدایت سے بہرہ یاب ہو، اور اپنے سارے معاملات میں مجھے تیری اس رحمت سے جمعیت نصیب ہو، اور میری ظاہری و باطنی پراگندگی اور ابتری دور ہو اور مجھ سے تعلق رکھنے والی جو چیزیں میرے پاس نہیں، دور اور غائب ہیں، تیری رحمت سے ان کو صلاح و فلاح حاصل ہو، اور جو میرے پاس حاضر و موجود ہیں ان کو تیری رحمت سے رفعت اور قدر افزائی نصیب ہو، اور خود میرے اعمال کا تیری اس رحمت سے تزکیہ ہو۔ اور تیری طرف سے میرے قلب میں وہی ڈالا جائے جو میرے لئے صحیح اور مناسب ہو اور جس چیز سے مجھے رغبت اور اُلفت ہو وہ مجھے تیری اس رحمت سے عطا ہو اور ہر برائی سے تو میری حفاظت فرما۔

اے میرے اللہ میرے دل کو وہ ایمان و یقین عطا فرما جس کے بعد کسی درجہ کا بھی کفر نہ ہو (یعنی کوئی بات بھی مجھ سے ایمان کے خلاف سرزد نہ ہو) اور مجھے اپنی اس رحمت سے نواز، جس کے طفیل دنیا اور آخرت میں مجھے عزت و شرف کا مقام حاصل ہو۔

اے اللہ میں تجھ سے التجا کرتا ہوں قضا و قدر کے فیصلوں میں کامیابی کی اور تجھ سے مانگتا ہوں تیرے شہید بندوں والا اعزاز اور تیرے نیک بندوں والی زندگی، اور دشمنوں کے مقابلے میں تیری حمایت اور مدد۔

اے اللہ میں تیری بارگاہ میں اپنی حاجتیں لے کر حاضر ہوا ہوں، اگرچہ میری عقل و رائے کوتاہ اور میرا عمل اور

---

[1] ترمذی، ابواب الدعوات، باب ماجاء ما یقول اذا قام من اللیل ۱۷۹/۲

جدوجہد ضعیف ہے۔ اے رحیم و کریم! میں تیری رحمت کا محتاج ہوں، پس اے سارے امور کا فیصلہ فرمانے والے اور قلوب کے روگ "غم" دور کر کے ان کو شفا بخشنے والے مالک و مولا! جس طرح تو اپنی قدرت کاملہ سے (ایک ساتھ بہنے والے) سمندروں کو ایک دوسرے سے جدا رکھتا ہے (کہ کھاری شیریں سے الگ رہتا ہے اور شیریں کھاری سے) اسی طرح تو مجھے آتشِ دوزخ سے اور اس عذاب سے جدا اور دور رکھ جس کو دیکھ کر آدمی موت کی دعا مانگے، اور اسی طرح مجھے عذابِ قبر سے بچا۔

اے میرے اللہ! تو نے جس خیر اور نعمت کا اپنے کسی بندے کے لئے وعدہ فرمایا ہو، یا جو چیز اور نعمت تو کسی کو بغیر وعدے کے عطا فرمانے والا ہو اور میری عقل و رائے اس کے شعور اور اس کی طلب سے قاصر رہی ہو اور میری نیت بھی اس تک نہ پہنچی ہو اور میں نے تجھ سے اس کی استدعا بھی نہ کی ہو، تو اے میرے اللہ! تیری رحمت سے میں اس کی بھی تجھ سے التجا کرتا ہوں، اور تیرے فضل و کرم سے اس کا بھی طالب اور شائق ہوں، تو اپنے رحم و کرم سے وہ خیر و نعمت بھی مجھے عطا فرما۔

اے میرے وہ اللہ! جس کا رشتہ مضبوط و محکم ہے اور جس کا ہر حکم اور ہر کام صحیح اور درست ہے، میں تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ "یوم الوعید" یعنی قیامت کے دن مجھے امن چین عطا فرما، اور "یوم الخلود" یعنی آخرت میں میرے لئے جنت کا فیصلہ فرما اپنے بندوں کے ساتھ جو تیرے مقرب اور تیری بارگاہ کے حاضر باش ہیں، اور رکوع و سجود یعنی نماز و عبادت میں مشغول رہنا جن کا وظیفۂ حیات ہے، اور وفائے عہد جن کی خاص صفت ہے۔

اے میرے اللہ! تو بڑا مہربان اور بڑی عنایت و محبت فرمانے والا ہے اور "فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ" تیری شان ہے۔ اے اللہ! ہمیں ایسا کر دے کہ ہم دوسروں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنیں، اور خود ہدایت یاب ہوں۔ نہ خود گم کردہ راہ ہوں اور نہ دوسروں کے لئے گمراہ کن۔ تیرے دوستوں سے ہماری صلح ہو، تیرے دشمنوں کے ہم دشمن ہوں۔ جو کوئی تجھ سے محبت رکھے، ہم تیری اس محبت کی وجہ سے اس سے محبت کریں، اور جو تیرے خلاف چلے اور عداوت کی راہ اختیار کرے، تیری عداوت کی وجہ سے ہم بھی اس سے عداوت اور بغض رکھیں۔

اے اللہ! یہ میری دعا ہے اور قبول فرمانا تیرے ذمہ ہے اور یہ میری حقیر کوشش ہے اور اعتماد بھروسہ اپنی کوشش اور دعا پر نہیں، بل کہ صرف تیرے کرم پر ہے۔

اے اللہ! میرے قلب میں نور پیدا فرما اور میری قبر کو نورانی کر دے، اور منور کر دے میرے آگے اور میرے پیچھے اور میرے دائیں اور میرے بائیں اوپر اور میرے نیچے (یعنی میرے ہر طرف تیرا نور ہی نور ہو) اور اے اللہ! نور پیدا فرما شنوائی اور بینائی میں، میرے بال بال اور روئیں روئیں میں، میرے گوشت و پوست میں، میری رگوں میں دوڑنے والے خون میں اور میری ہڈیوں میں۔ اے اللہ! میرے نور کو بڑھا اور مجھے نور عطا فرما اور نور کو میرا، اور میرے ساتھ کر دے۔

پاک ہے وہ پروردگار جس نے عزت وجلال کی چادر اوڑھ لی ہے، اور مجد وکرم اس کا لباس وشعار ہے، پاک ہے وہ رب قدوس جس کے سوا کوئی تسبیح کے لائق نہیں، پاک ہے بندوں پر فضل وانعام فرمانے والا، پاک ہے جس کی خاص صفت عظمت وکرم ہے، پاک ہے **رب ذُوالْجَلَالِ**۔"

تشریح: سُبْحَانَ اللّٰه! کتنی بلند اور کس قدر جامع ہے یہ دعا۔ صرف اسی ایک دعا سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو **اللہ** تعالیٰ کے شئون وصفات کی کتنی معرفت حاصل تھی، اور عبدیت جو بندے کا سب سے بڑا کمال ہے اس میں آپ ﷺ کا کیا مقام تھا، اور سیّد العالمین ﷺ اور محبوبِ ربُّ العالمین ﷺ ہونے کے باوجود اپنے کو آپ ﷺ **اللہ** تعالیٰ کی رحمت اور اس کے کرم کا کتنا محتاج سمجھتے تھے، اور بندگی ونیاز مندی کی کیسی فقیرانہ شان کے ساتھ اس سے اپنی حاجتیں مانگتے تھے۔ نیز یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دعا کے وقت آپ ﷺ کے قلب مبارک کی کیا کیفیت ہوتی تھی، اور **اللہ** تعالیٰ نے انسانی ضرورتوں اور حاجتوں کا کتنا تفصیلی اور عمیق احساس آپ ﷺ کو عطا فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ جیسے **"رؤف"** اور **"رحیم و کریم"** ہیں اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ان دعاؤں کے ایک ایک فقرے پر **اللہ** تعالیٰ کے دریائے رحمت میں کیسا تلاطم اور دعا مانگنے والے پر کتنا پیار آتا ہوگا۔

حضور ﷺ کی دعائیں امت کے لئے آپ ﷺ کا عظیم ترین ورثہ ہیں، **اللہ** تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس ورثہ کی قدر وقیمت سمجھیں، اور اس میں سے پورا حصہ لینے کی کوشش کریں۔ جس شخص کے کام پھیلے ہوئے ہوں، بے ترتیب ہوں، کام کی زیادتی اور وقت کی کمی کی پریشانی ہو تو اس کو بھی چاہئے کہ اس دعا کا اہتمام کرے، اس دعا میں نور مانگا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ رحمت طلب کی گئی ہے، غور کیجئے کہ اس دعا میں کتنے امور جمع ہیں:

1. دل کی ہدایت......
2. کاموں کا مجتمع ہونا......
3. دین کی درستگی......
4. اعمال کا تزکیہ......
5. دل میں صحیح بات کا آنا......
6. ہر جائز چیز کی طلب......
7. ہر برائی سے حفاظت......
8. ایمان ویقین کا اعلیٰ درجہ......
9. رحمت کا وہ درجہ جس سے عزت وشرف حاصل ہو......

۱۰ تقدیر کے فیصلوں میں کامیابی ......

۱۱ شہداء والا اعزاز ......

۱۲ نیک بخت بندوں والی زندگی ......

۱۳ دشمن کے مقابلے میں مدد کی طلب ......

۱۴ جہنم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے اور عذاب ثبور (موت کی تمنا) سے پناہ ......

۱۵ خیر و نعمت کی طلب ......

۱۶ روزِ قیامت امن و چین کی طلب ......

۱۷ جنت کا فیصلہ کروانا ......

۱۸ انسانوں کی ہدایت کے لئے خود بھی ہدایت یافتہ ہونا اور ہدایت کا ذریعہ بننا ......

۱۹ اپنی اور دوسروں کی گمراہی کا سبب بننے سے بچنے کی دعا ......

۲۰ اللہ تعالیٰ کے ولیوں سے دوستی ......

۲۱ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی ......

۲۲ دل میں نور کی طلب ......

۲۳ قبر کو نورانی اور منور بنانے کی دعا ......

۲۴ ہر طرف نور کی طلب، بینائی، شنوائی میں نور کی طلب، گوشت پوست، رگوں، خون، ہڈیوں میں نور کی طلب۔

نور سے مراد ہدایت اور حق کا واضح ہونا ہے، جس کا تعلق ہر عضو سے ہے، مثلاً حق دیکھنا حق سننا، حق سوچنا وغیرہ اور ہر جہت سے گمراہی سے بچنا ہے، کیوں کہ باطل ظلمت ہے اور قیامت کے اندھیرے میں یہ نور اپنے ظاہری شکل میں روشنی کا کام دے گا۔

الغرض بہت ہی مبارک دعا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مبارک دعا کا ایک ایک فقرہ ایسا مبارک ہے کہ بار بار اس کو مانگا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز کے بعد اس دعا کو مانگا کرتے تھے۔

اس لئے ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ مولائے کریم سے فرض نمازوں کے بعد تہجد کی نماز کے بعد، عمرہ و حج کے سفر، جماعتوں کے سفر، گشت اور تعلیم کے بعد دعائیں مانگیں اور مسنون دعاؤں کا اہتمام کریں۔

کتنے افسوس کی بات ہوگی کہ ایسی مستند اور مسنون دعاؤں کو چھوڑ کر ہم غیر مسنون اور غیر مستند دعاؤں اور وظائف کو اختیار کریں! آج سے نیت کر لیں کہ ہم مسنون دعاؤں کا خوب اہتمام کریں گے۔

حفظ وامان میں آنے کی دعا

حضرت سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا یہ دعا مانگا کرتے تھے:

''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِنُوْرِ وَجْهِكَ...... الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ...... اَنْ تَجْعَلَنِیْ فِیْ حِرْزِكَ وَحِفْظِكَ...... وَجِوَارِكَ وَتَحْتَ كَنَفِكَ.''[1]

تَرْجَمَۃٌ: ''اے اللہ! میں آپ سے آپ کی ذات کے نور کے واسطے سے جس سے زمین وآسمان روشن ہیں، سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے اپنی حفظ وامان میں رکھیئے۔''

فوائد ونصائح

1. اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ نورِ ہدایت یعنی نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی سنتوں اور طریقوں کو اپنا کر اپنی زندگی کو کامیابی والی بنائے۔
2. قرآنِ کریم کی روزانہ کم از کم ایک پارہ تلاوت کو اپنے اوپر لازم کرلے اور جن احادیثِ مبارکہ میں نور کے حصول کے اسباب بیان ہوئے ہیں اُن کو بار بار پڑھے اور ان پر عمل کرے۔
3. رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے جو پیاری دعائیں نور کے حصول کے لئے مانگی ہیں وہ دُعائیں یاد کرے، بار بار اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے اور اپنے اعمال کو نورانی بنائے۔

---

[1] مجمع الزوائد، الأدعية، باب ادعية الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم: ۲۱۵/۱۰

اَلْهَادِيْ جَلَّ جَلَالُہٗ

(سیدھا راستہ دکھانے اور اس پر چلانے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ اَلْهَادِيْ: هُوَ الَّذِيْ هَدٰى خَلْقَهٗ إِلٰى مَعْرِفَتِهٖ وَرُبُوْبِيَّتِهٖ، وَهُوَ الَّذِيْ هَدٰى عِبَادَهٗ إِلٰى صِرَاطِهِ الْمُسْتَقِيْمِ، كَمَا قَالَ تَعالٰى: ﴿وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾[1]

تَرجَمَہ: امام زجاج رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''اَلْهَادِيْ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کو اپنی ربوبیت اور معرفت کی جانب رہنمائی فرماتا ہے اور وہی اپنے بندوں کو سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرماتا ہے جیسا کہ ''اَلْهَادِيْ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا ارشاد ہے: ''جس کو چاہتا ہے راہِ راست پر چلا دیتا ہے۔''

❷ ''اَللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ (اَلْهَادِيْ) يَهْدِيْ عِبَادَهٗ إِلَيْهِ، وَيَدُلُّهُمْ عَلَيْهِ، وَعَلٰى سَبِيْلِ الْخَيْرِ وَالْأَعْمَالِ الْمُقَرَّبَةِ مِنْهُ عَزَّوَجَلَّ.''[2]

تَرجَمَہ: زجاجی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: '' اللہ ربّ العزت ''اَلْهَادِيْ'' ہیں اپنے بندوں کو اپنے تک پہنچنے کا راستہ بتلاتے ہیں اور بھلائی اور ان اعمال کا راستہ بتلاتے ہیں جو اللہ ربّ العزت کی ذات سے قریب کرنے والے ہیں۔''

❸ وَهُوَ الَّذِيْ هَدٰى سَائِرَ الْخَلْقِ مِنَ الْحَيَوَانِ إِلٰى مَصَالِحِهَا، وَأَلْهَمَهَا كَيْفَ تَطْلُبُ الرِّزْقَ، وَكَيْفَ تَتَّقِي الْمَضَارَّ وَالْمَهَالِكَ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿الَّذِىٓ اَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى﴾[3]

تَرجَمَہ: اللہ ربّ العزت نے اپنی تمام حیوانی مخلوق کو ان کے مصالح کی ہدایت بخشی، انہیں سکھلایا کہ وہ کیسے اپنا رزق تلاش کریں، نقصان دہ اور مہلک چیزوں سے کیسے بچیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ عطا کی پھر اس کی راہنمائی کی۔''

یعنی وہ ہر مخلوق کو اپنی ضروری حاجتوں کے پورا کرنے کی سمجھ دیتا ہے چناں چہ (ا) بچے کو پیدا ہوتے ہی پستان منہ

---

[1] یونس: ۲۵، النهج الأسمٰى: ۲۷۰/۲

[2] اشتقاق الاسمیٰ: ۱۸۷، بحواله النهج الأسمٰى: ۲۷۰/۲

[3] طٰهٰ: ۵۰، النهج الأسمٰى: ۲۷۰/۲

میں لینے کا ڈھنگ بتا دیتا ہے ② چوزے کو اس کے انڈے سے نکلتے ہی دانہ چگنے کا طریقہ سکھا دیتا ہے۔ ③ شہد کی مکھی کو ایسے شش پہلو خانوں کے گھر بنانے کا طریقہ سکھاتا ہے جو اس کے جسم کے اس طرح سما جانے کے لئے کہ اردگرد کچھ خالی جگہ نہ رہے تمام صورتوں سے زیادہ مناسب ہے۔ ④ تین انڈوں سے تین چوزے نکلے ایک چوزہ کو پانی میں ڈالئے تو تیرنا شروع کر دے گا، ایک چوزہ کو زمین پر چلایئے تو چلنا شروع ہو جائے گا، ایک چوزہ کو ہوا میں اُڑایئے تو اُڑنا شروع ہو جائے گا، یہ ''اَلْهَادِيْ جَلَّ جَلَالُهٗ'' کی ہدایت ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

یعنی ہر چیز کو اس کی استعداد کے موافق شکل ...... صورت ...... قویٰ ...... خواص ...... وغیرہ عنایت فرمائے اور کمالِ حکمت سے جیسا بنانا چاہئے تھا بنایا۔

پھر مخلوقات میں سے ہر چیز کے وجود و بقاء کے لئے جس ساز و سامان کی ضرورت تھی مہیا کیا، اور ہر چیز کو اپنی مادی ساخت اور روحانی قوتوں اور خارجی سامان سے کام لینے کی راہ سمجھائی۔

پھر ایسا محکم نظام دکھلا کر ہم کو بھی ہدایت کر دی کہ مصنوعات کے وجود سے صانع کے وجود پر کس طرح استدلال کرنا چاہئے۔[1]

ہدایت کا اعلیٰ درجہ

اللہ ربّ العزت نے اپنے بندوں کو طلب ہدایت کے لئے نہایت عمدہ ونفیس دعا سکھلائی: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾[2] اور اس کی تلقین کو بندوں پر لازم قرار دیا کہ جب بھی نماز کے لئے کھڑے ہوں یہ دعا پڑھنا ضروری ہے۔

یہاں پہلی بات قابلِ غور یہ ہے کہ صراطِ مستقیم کی ہدایت کے لئے جو دعا اس آیت میں تعلیم فرمائی گئی ہے اس کے مخاطب جس طرح تمام انسان اور عام مؤمنین ہیں، اسی طرح اولیاء اللہ اور حضراتِ انبیاء عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بھی اس کے مامور ہیں، جو بلاشبہ ہدایت یافتہ، بل کہ دوسروں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔

انسان کو بھی چاہئے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ مانگے، سیدھا راستہ وہ ہے جس میں موڑ نہ ہوں اور مراد اس سے دین کا وہ راستہ ہے جس میں افراط اور تفریط نہ ہو، افراط کے معنی ہیں حد سے آگے بڑھنا اور تفریط کے معنی ہیں کوتاہی کرنا، ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ کے بعد کی دو آیتوں میں اُس صراطِ مستقیم کا پتہ دیا گیا ہے، جس کی دعا اس آیت میں تلقین کی گئی ہے۔

---

[1] تفسیر عثمانی: ٤٢٠، طٰه: ٥٠ [2] الفاتحہ: ٥

ارشاد ہے: ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ ”یعنی راستہ اُن لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا۔“
اور وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ان کی تفصیل ایک دوسری آیت میں اس طرح آئی ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾[1]

ترجمہ: ”وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔“

مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے یہ چار درجات ہیں، جن میں سب سے اعلیٰ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ہیں، اور صدیقین وہ لوگ ہیں جو انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی امت میں سب سے زیادہ رُتبے والے ہوتے ہیں، جن میں کمالاتِ باطنی بھی ہوتے ہیں، عُرف میں اُن کو اولیاء کہا جاتا ہے، شہداء وہ ہیں جنہوں نے دین کی محبت میں اپنی جان تک دے دی، اور صلحاء وہ ہیں جو شریعت کے پورے متبع ہوتے ہیں، واجبات میں بھی، مستحبات میں بھی، جن کو عرف میں نیک دین دار کہا جاتا ہے۔

ہدایت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جس کو یہ نعمت مل گئی اسے دنیا و آخرت کی ہر بھلائی مل گئی، اسی لئے ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کا حکم دیا گیا اور سورۂ فاتحہ میں ہدایت کی دعا مانگنا سکھایا گیا ہے، لہٰذا سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوئے توجہ کے ساتھ ہدایت کی دعا مانگے اور اس پر آمین کہے اور بار بار ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ سے اخیر تک مانگتے رہنا چاہئے۔

ہدایت کے اصلی معنی ہیں: کسی شخص کو منزلِ مقصود کی طرف مہربانی کے ساتھ رہنمائی کرنا، اور ہدایت کرنا حقیقی معنی میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے، جس کے مختلف درجات ہیں:

❶ ایک درجہ ہدایت کا عام ہے، جو کائنات و مخلوقات کی تمام اقسام جمادات، نباتات، حیوانات وغیرہ کو شامل ہے، یہاں آپ یہ خیال نہ کریں کہ ان بے جان، بے شعور چیزوں کو ہدایت سے کیا کام؟

کیوں کہ قرآنی تعلیمات سے یہ واضح ہے کہ کائنات کی تمام اقسام اور ان کا ذرّہ ذرّہ اپنے اپنے درجے کے موافق حیات و احساس بھی رکھتا ہے اور عقل و شعور بھی، یہ دوسری بات ہے کہ یہ جوہر کسی نوع میں کم، کسی میں زیادہ ہے، اسی وجہ سے جن اشیاء میں یہ جوہر بہت کم ہے ان کو بے جان، بے شعور سمجھا اور کہا جاتا ہے، احکامِ الٰہیہ میں بھی ان کے ضعف شعور کا اتنا اثر آیا کہ ان کو احکام کا مکلّف نہیں بنایا گیا، جن مخلوقات میں حیات کے آثار تو نمایاں ہیں مگر عقل و شعور نمایاں نہیں، ان کو ذی حیات جان دار مگر بے عقل و شعور کہا جاتا ہے، اور جن میں حیات کے ساتھ عقل و شعور کے آثار بھی نمایاں نظر آتے ہیں ان کو ذوی العقول کہا جاتا ہے، اور اسی اختلافِ درجات اور عقل و شعور کی کمی بیشی کی وجہ سے تمام کائنات میں احکامِ شرعیہ کا مکلّف صرف انسان اور جنات کو قرار دیا گیا ہے، کہ ان میں عقل و شعور بھی مکمل ہے۔

الغرض ہدایتِ خداوندی کا یہ درجہ اُولیٰ تمام مخلوقات، جمادات، نباتات، حیوانات، انسان اور جنات کو شامل ہے، اسی

---
[1] النساء: ٦٩

ہدایتِ عامہ کا ذکر قرآن کریم کی آیت: ﴿ اَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴾[1] میں فرمایا گیا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کی خلقت عطا فرمائی، پھر اس خلقت کے مناسب اس کو ہدایت دی، اور یہی مضمون سورۂ اعلیٰ میں ان الفاظ سے ارشاد ہوا:

﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝١ الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝٢ وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝٣ ﴾[2]

ترجمہ: ''یعنی آپ اپنے پروردگار عالی شان کی تسبیح کیجئے ...... جس نے ساری مخلوقات کو بنایا، پھر ٹھیک بنایا، ...... اور جس نے تجویز کیا، پھر راہ بتائی۔''

یعنی جس نے تمام مخلوقات کے لئے خاص خاص مزاج اور خاص خاص خدمتیں تجویز فرما کر ہر ایک کو اس کے مناسب ہدایت کر دی۔

اسی ہدایتِ عامہ کا نتیجہ ہے کہ کائناتِ عالم کے تمام انواع و اصناف اپنا اپنا مقررہ فرض نہایت سلیقہ سے ادا کر رہے ہیں، جو چیز جس کام کے لئے بنا دی ہے وہ اس کو ایسی خوبی کے ساتھ ادا کر رہی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، حضرت مولانا رومی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى نے اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے۔[3]

''زبان سے نکلی ہوئی آواز کے معنی کا ادراک نہ ناک کر سکتی ہے نہ آنکھ، حالاں کہ یہ زبان سے زیادہ قریب ہیں، اس ادراک کا فریضہ اللہ تعالیٰ نے کانوں کے سپرد کیا ہے، وہی زبان کی بات کو لیتے ہیں اور ادراک کرتے ہیں۔ اسی طرح کانوں سے دیکھنے یا سونگھنے کا کام نہیں لیا جاتا، ناک سے دیکھنے یا سننے کا کام نہیں لیا جا سکتا۔''[4]

❷ دوسرا درجہ ہدایت کا اس کے مقابلے میں خاص ہے، یعنی صرف ان چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے جو عرف میں ذوی العقول کہلاتی ہیں، یعنی انسان اور جن، یہ ہدایت انبیاء عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ ہر انسان کو پہنچتی ہے، پھر کوئی اس کو قبول کر کے مؤمن و مسلم ہو جاتا ہے، کوئی رد کر کے کافر و مشرک ٹھہرتا ہے۔

❸ تیسرا درجہ ہدایت کا اس سے بھی زیادہ خاص ہے جو صرف مؤمنین و متقین کے ساتھ مخصوص ہے، یہ ہدایت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاواسطہ انسان پر فائز ہوتی ہے، اس ہدایت کا دوسرا نام توفیق ہے، یعنی ایسے اسباب اور حالات پیدا

---

[1] طٰہٰ: ۵۰ [2] الاعلیٰ: ۱ تا ۳

[3] ے

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند — بامن و تو مردہ، باحق زندہ اند

ترجمہ: ''آگ، مٹی ہوا اور پانی اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں، ہمارے اور آپ کے نزدیک تو یہ مردہ دکھائی دیتے ہیں جب کہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ سب زندہ ہیں۔''

[4] دانائے روم نے خوب فرمایا ے

مرزباں را مشتری جز گوش نیست — واقف این راز جز بے ہوش نیست

کر دینا کہ قرآنی ہدایات کا قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا آسان ہو جائے اور ان کی خلاف ورزی دشوار ہو جائے، اس تیسرے درجے کی وسعت غیر محدود اور اس کے درجات غیر متناہی ہیں یعنی جن کا شمار نہیں ہوسکتا، یہی درجہ انسان کی ترقی کا میدان ہے، اعمالِ صالحہ کے ساتھ ساتھ اس درجۂ ہدایت میں زیادتی ہوتی رہتی ہے، قرآنِ کریم کی متعدد آیات میں اس زیادتی کا ذکر ہے، مثلاً:

﴿وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ﴾[1]

ترجمہ: "جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔"

یعنی وہ جان لیتا ہے کہ اسے جو کچھ پہنچا ہے، اللہ تعالیٰ کے ارادے اور حکم ہی سے پہنچا ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾[2]

ترجمہ: "جو لوگ ہمارے راستے میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں، ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھا دیں گے۔"[3]

یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر مشقتیں برداشت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے قرب و ثواب (یعنی جنت) کے راستے ضرور دکھائیں گے۔

درجاتِ ہدایت کی اس تشریح سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ ہدایت ایک ایسی چیز ہے جو سب کو حاصل بھی ہے اور اس کے مزید درجاتِ عالیہ حاصل کرنے سے کسی بڑے سے بڑے انسان کو استغناء بھی نہیں، اسی لئے سورۂ فاتحہ کی اہم ترین دعاء ہدایت کو قرار دیا گیا، جو ایک ادنیٰ مؤمن کے لئے بھی مناسب حال ہے، اور بڑے سے بڑے رسول اور ولی کے لئے بھی اتنی ہی اہم ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کی آخر عمر میں سورۂ فتح کے اندر فتحِ مکہ کے فوائد و ثمرات بتلاتے ہوئے یہ بھی ارشاد ہوا کہ ﴿وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾[4] یعنی مکہ مکرمہ اس لئے آپ ﷺ کے ہاتھوں فتح کرایا گیا تا کہ آپ ﷺ کو صراطِ مستقیم کی ہدایت ہو، ظاہر ہے کہ سیّد الانبیاء ﷺ پہلے سے نہ صرف ہدایت یافتہ بل کہ دوسروں کے لئے بھی ہدایتِ مجسم تھے، پھر اس موقع پر آپ ﷺ کو ہدایت ہونے کے اس کے سوا کوئی معنی نہیں ہو سکتے کہ ہدایت کا کوئی بہت اعلیٰ مقام آپ ﷺ کو اس وقت حاصل ہوا۔[5]

---

[1] تغابن: ١١ [2] عنکبوت: ٦٩

[3] یہی وہ میدان ہے جہاں ہر بڑے سے بڑا نبی و رسول اور ولی اللہ آخر عمر تک زیادتی ہدایت و توفیق کا طالب نظر آتا ہے، اسی مقامِ ہدایت کے متعلق مولانا رومی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا ؎

اے برادر بے نہایت درگہے ست ہر چہ بردے میری بردے مایست

اور سعدی شیرازی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا ؎

نگویم کہ بر آب قادر نیسند کہ بر ساحل نیل مستسقی اند

[4] الفتح: ٢ [5] معارف القرآن: ٨٧/١، الفاتحة: ٥ تا ٧

ہدایت طلب کرنے کی اہمیت پر امام ابوداوٗد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا واقعہ

وَاقِعَہ نمبر (۱۰۳): امام ابوداوٗد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی محدثین کے امام ہیں، صحاح ستہ میں شامل ان کی سنن، ان کے زندہ و جاوید ہونے کے لئے کافی ہے، ایک بار وہ کشتی میں سفر کر رہے تھے، دریا کے کنارے ایک آدمی کو چھینکنے کے بعد ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' کہتے ہوئے سنا۔ چھینکنے والا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' کہے تو جواب میں ''یَرْحَمُكَ اللّٰہُ'' (اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے) کہنا سنت بھی ہے اور مسلمان بھائی کا حق بھی!

امام ابوداوٗد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی کشتی آگے نکل گئی، آپ نے ایک دوسری چھوٹی کشتی ایک درہم کے عوض کرایہ پر لی، چھینکنے والے کے پاس آئے اور انہیں ''یَرْحَمُكَ اللّٰہُ'' کہا۔

اس نے جواب میں ''یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ'' (اللہ آپ کو ہدایت دے) کہا۔

امام ابوداوٗد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی واپس اپنی کشتی پر آ گئے، ساتھیوں نے ان سے اس تکلف کی وجہ پوچھی تو فرمانے لگے ''مجھے خیال ہوا کہ ہوسکتا ہے یہ آدمی مستجابُ الدعوات ہو، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی دعا قبول ہوتی ہو، میرے ''یَرْحَمُكَ اللّٰہُ'' کہنے کے جواب میں وہ ''یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ'' کہے گا تو بہت ممکن ہے اس کی یہ دعا میرے حق میں قبول ہو جائے، اس لئے میں کشتی لے کر اس کے پاس گیا۔''

کہتے ہیں جب سفر کرتے ہوئے رات کو کشتی کے مسافر سو گئے تو سب نے یہ ہاتفِ غیبی کی یہ آواز سنی: ''کشتی والو! ابوداوٗد نے ایک درہم کے عوض اللہ تعالیٰ سے جنت خرید لی ہے۔''[1]

''اللہ آپ پر رحم کرے''، ''اللہ آپ کو ہدایت دے''، ان دونوں دعاؤں کو معمولی نہ سمجھا جائے، یہ بہت ہی بڑی اور بہت ہی اہم دعائیں ہیں، کسی کے حق میں قبول ہوگئیں تو اس کا بیڑا پار ہے۔

راہِ مستقیم کی ہدایت دینے والا صرف ''اَلْهَادِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۚ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۗ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ﴾[2]

تَرْجَمَہ: ''آپ کہئے کہ تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے کہ حق کا راستہ بتاتا ہو؟...... آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی حق کا راستہ بتاتا ہے...... تو پھر آیا جو شخص حق کا راستہ بتاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جس کو بغیر بتائے خود ہی راستہ نہ سوجھے؟ پس تم کو کیا ہوگیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو۔''

[1] شرح الشنوائی علی مختصر ابن ابی جمرۃ: ۲۹۰، بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۵۲
[2] یونس: ۳۵

"الهادي جل جلالہٗ" ہی بندوں کی صحیح اور سچی رہنمائی کرسکتا ہے۔ مخلوق میں کوئی بڑا ہو یا چھوٹا، سب اسی کی رہنمائی کے محتاج ہیں۔ اسی کی ہدایت و رہنمائی پر سب کو چلنا چاہئے۔ بت مسکین تو کس شمار میں ہیں جو کسی کی رہنمائی سے بھی چلنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ بڑے بڑے مقربین (انبیاء و ملائکہ علیہم الصلاۃ والسلام) بھی برابر یہ اقرار کرتے آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت و دست گیری کے بغیر ہم ایک قدم نہیں اٹھا سکتے۔ ان کی رہنمائی بھی اسی لئے بندوں کے حق میں قابل قبول ہے کہ اللہ تعالیٰ بلاواسطہ ان کی رہنمائی فرماتا ہے، پھر یہ کس قدر ناانصافی ہے کہ انسان اس "الهادي جل جلالہٗ" مطلق کو چھوڑ کر باطل اور کمزور سہارے ڈھونڈے یا مثلاً احبار و رہبان، برہمنوں اور مہنتوں کی رہنمائی پر اندھا دھند چلنے لگے۔

فائدہ: جب معلوم ہو چکا کہ "مُبْدِئ"، "مُعِيْد" اور "هَادِئ جل جلالہٗ" وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے تو اس کے خلاف شرک کی راہ اختیار کرنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ ان کے ہاتھ میں کون سی دلیل و برہان ہے جس کی بناء پر "توحید" کے مسلکِ قویم وقدیم کو چھوڑ کر ضلالت کے گڑھے میں گرے جا رہے ہیں؟ سچ تو یہ ہے کہ ان کے پاس سوائے ظنون و اوہام اور اٹکل پچو باتوں کے کوئی چیز نہیں، بھلا اٹکل کے تیر حق و صداقت کے مواقع میں کیا کام دے سکتے ہیں۔[1]

دعوت، ہدایت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے

واقعہ نمبر (۱۰۴): عبید بن عمیر رحمہ اللہ تعالیٰ مشہور تابعی گزرے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی فصیح زبان دی تھی، ان کی مجلس میں مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی بیٹھا کرتے تھے، اور ان کے دل پر اثر کرنے والی گفتگو سے پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے۔

مکہ مکرمہ میں ایک جوان عورت تھی، شادی شدہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے غیر معمولی حسن سے نوازا تھا، یہ خاتون ایک دن آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ رہی تھی، شوہر سے کہنے لگی:

"کوئی شخص ایسا ہوسکتا ہے جو یہ چہرہ دیکھے اور اس پر فریفتہ نہ ہو؟"

شوہر نے کہا: "ہاں ایک شخص ہے۔"

کہنے لگی: "کون؟"

کہا: "عبید بن عمیر۔"

اسے شرارت سوجھی، کہنے لگی: "آپ مجھے اجازت دیں، میں ابھی انہیں محبت کے قیدی بنائے دیتی ہوں۔"

شوہر نے کہا: "اجازت ہے۔"

---

[1] تفسیر عثمانی: ۲۸۱، یونس: ۳۵

وہ عبید بن عمیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس آکر بولی: ''مجھے آپ سے تنہائی میں ایک ضروری مسئلہ پوچھنا ہے؟''

چناں چہ عبید بن عمیر مسجدِ حرام کے ایک گوشے میں اس کے ساتھ الگ کھڑے ہو گئے تو اس نے اپنے چہرے سے حجاب سرکایا اور اس کا چاند جیسا چہرہ قیامت ڈھانے لگا، عبید نے اسے بے پردہ دیکھ کر فرمایا: ''إِتّقِي اللّٰهَ يَا أَمَةَ اللّٰهِ''

''اللہ تعالیٰ کی بندی! اللہ تعالیٰ سے ڈر''

کہنے لگی: ''میں آپ پر فریفتہ ہوگئی ہوں، آپ میرے متعلق غور کرلیں''

دعوتِ گناہ کی طرف اشارہ تھا، عبید بن عمیر رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے جھانسے میں آنے والے کب تھے، جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہ کر سکے، ان کی حالت تو کہہ رہی تھی:

اے بادِ بہاری! مت چھیڑ ہمیں، لگ رہ اپنی تجھے اٹھکیلیاں سوجھی ہیں، ہم بے زار بیٹھے ہیں

حضرت عبید رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو خیر کی دعوت دینی شروع کی اور اس سے کہا:

''میں تجھ سے چند سوالات پوچھتا ہوں، اگر تو نے صحیح اور درست جوابات دیئے تو میں تیری دعوت پر غور کر سکتا ہوں۔''

اس نے حامی بھر لی تو حضرت نے فرمایا:

1. ''موت کا فرشتہ تیری روح قبض کرنے آجائے اس وقت تجھے یہ گناہ اچھا لگے گا؟''

کہنے لگی: ''ہرگز نہیں'' ......فرمایا: ''جواب درست''

2. ''لوگوں کو ان کے اعمال نامے دیئے جا رہے ہوں اور تجھے اپنے اعمال نامہ کے متعلق معلوم نہ ہو کہ دائیں ہاتھ میں ملے گا یا بائیں میں، اس وقت تجھے یہ گناہ اچھا لگے گا؟''

کہنے لگی: ''ہرگز نہیں'' ......فرمایا: ''جواب درست''

3. ''پل صراط کو عبور کرتے ہوئے تجھے اس گناہ کی خواہش ہوگی؟''

کہنے لگی: ''ہرگز نہیں'' ......فرمایا: ''جواب درست''

اس کے بعد اسے مخاطب کر کے مزید دعوت دی اور فرمایا:

''إِتّقِي اللّٰهَ يَا أَمَةَ اللّٰهِ فَإِنَّهُ أَحْسَنَ إِلَيْكِ''[1] ''اللہ تعالیٰ کی بندی! اللہ تعالیٰ سے ڈر، اللہ نے تجھ پر انعام و احسان کیا ہے، اس کی نافرمانی نہ کر'' چناں چہ وہ گھر لوٹی تو اس کے دل کی کائنات بدل چکی تھی، دنیوی لذتیں اور شوخیاں اسے بے حقیقت معلوم ہونے لگیں، شوہر نے پوچھا: ''کیا ہوا؟''

کہنے لگی: ''مرد اگر عبادت کر سکتے ہیں تو ہم عورتیں کیوں نہیں کر سکتیں، ہم کیوں پیچھے رہیں''

---

[1] تاریخ الثقات للعجلي: ۳۲۱/۱ (کتابوں کی درسگاہ میں: ۵۹)

اور اس کے بعد نماز روزہ اور عبادت میں منہمک ہو کر ایک عابدہ اور پرہیزگار خاتون بن گئی، اس کا آزاد منش شوہر اس کی حالت دیکھ کر کہا کرتا تھا: ”مجھے عبید بن عمیر کے پاس شرارت کے لئے بیوی کو بھیجنے کا کس نے مشورہ دیا تھا، اس نے تو میری بیوی کو بگاڑ کر رکھ دیا، پہلے ہماری ہر رات شبِ زفاف تھی، اب اس کی ہر شب، شبِ عبادت بن گئی ہے، وہ راتوں کو عبادت میں مشغول ہو کر راہبہ بن چکی ہے۔“

واقعتاً مردِ مؤمن کی دعوتِ ایمان افروز اور دعا سے بسا اوقات دل کی دنیا میں انقلاب آجاتا ہے اور عقل وخرد کی شوخی ومستی، جلوۂ ایمان کے سامنے دم توڑنے لگتی ہے ؎

جلووں نے اہلِ ہوش کو کیسے شکستِ فاش دی — آئے تھے ان کو ڈھونڈنے، خود سے بھی بے خبر ہو گئے

”جن“ کی دعوت پر اسلام قبول کرنا

واقعہ نمبر ۱۰۵: ”کیا آپ کو معلوم ہے میرے اسلام لانے کا حیرت انگیز واقعہ کس طرح پیش آیا؟“

یہ الفاظ حضرت خریم بن فاتک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے کہے۔ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا:

”آپ اپنے اسلام لانے کا واقعہ ہمیں ضرور سنائیں، اس لئے کہ ہمیں یہ واقعہ معلوم نہیں۔“

حضرت خریم بن فاتک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہ واقعہ سنایا:

”ایک مرتبہ جنگل میں میرے جانور ادھر ادھر ہو گئے، میں ان کو تلاش کرنے لگا، ان کے پیروں کے نشانات پر چل رہا تھا کہ رات ہو گئی۔ اس وقت میں ”ابرق العزاف“ نامی مقام پر تھا۔ میں نے اونچی آواز سے پکار کر کہا:

”میں اس وادی کے بادشاہ (یعنی جن) کی پناہ چاہتا ہوں اس کے قوم کے بے وقوفوں سے۔“

اس پر کسی نے غیب سے آواز دی:

”تیرا بھلا ہو، اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ جو جلال، بزرگی، نعمت اور فضل والا ہے اور سورۂ انفال کی آیات پڑھ، اللہ تعالیٰ کو ایک مان اور کسی کی پروا نہ کر۔“

میں نے یہ آواز سنی تو خوف زدہ ہو گیا، پھر کچھ سنبھل کر میں نے کہا:

”اے غیبی آواز دینے والے! تو کیا کہہ رہا ہے؟

تو مجھے صحیح راستہ دکھانا چاہتا ہے، یا گمراہ کرنا، اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت دے...... مجھے صاف صاف بتا......“

جواب میں پھر آواز آئی:

”تمام تر خیر کو لے کر آنے والے اللہ تعالیٰ کے رسول (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) یثرب (مدینہ) میں نجات کی دعوت دے رہے

ہیں، وہ نماز اور روزے کا حکم دیتے ہیں اور شر والے کاموں سے روکتے ہیں۔''

یہ سن کر میں نے اپنی سواری آگے بڑھائی اور بولا:

''مجھے سیدھا راستہ بتا، اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت دے......تو کبھی بھوکا ننگا نہ ہو......اور تو ہمیشہ طاقت ور سردار بنا رہے اور جو خیر تجھے ملی ہے اس کا مجھ پر زیادہ بوجھ نہ ڈال۔''

اب وہ یہ الفاظ کہتا ہوا میرے پیچھے آیا:

''اللہ تعالیٰ ہمیشہ تیرا ساتھی ہو اور تیری جان کو صحیح سلامت رکھے اور تجھے گھر والوں تک پہنچائے، تو اللہ تعالیٰ کے رسول پر ایمان لا، میرا رب تیرے حق کو بامراد کرے اور اس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کر، میرا رب تیری اچھی نصرت کرے۔''

یہ سن کر میں نے کہا:

''اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے، تو کون ہے؟''

جواب میں اس نے کہا:

''میں آثال کا بیٹا عمرو ہوں اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نجد کے مسلمان جنات کا امیر ہوں، تمہارے گھر پہنچنے تک تمہارے اونٹوں کی حفاظت ہوگی، اب تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔''

چناں چہ میں جمعے کے دن مدینے میں داخل ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے پاس آئے اور بولے:

''اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، چلے آؤ، ہم تک تمہارے مسلمان ہونے کی خبر پہنچ چکی ہے۔''

اس پر میں نے کہا:

''مجھے اچھی طرح وضو کرنا نہیں آتا۔''

انہوں نے مجھے وضو کرنا سکھایا، پھر میں مسجد میں داخل ہوا، میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر بیان کرتے ہوئے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم چودھویں کے چاند کی طرح لگ رہے تھے، میں نے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

''جو مسلمان اچھی طرح وضو کرتا ہے اور پھر سوچ سمجھ کر دھیان سے ایسی نماز پڑھتا ہے جس کی ہر طرح حفاظت کرتا ہے، وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔''

یہ سارا واقعہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''تم اس واقعے کا کوئی گواہ لاؤ، ورنہ میں تمہیں ضرور سزا دوں گا۔''

اس پر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعے کی تصدیق کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی گواہی کو قبول کر لیا۔[1]

---

[1] الإصابة: ۳۵٤/۳، وحياة الصحابه، باب امداد الجن والهواتف: ۸۱۲/۳

فائدہ: ان دو واقعات سے معلوم ہوا کہ ہدایت کو حاصل کرنے کے لئے ہر مسلمان کو داعی بننا چاہئے، ہم میں سے ہر ایک کی چاہت ہے کہ ہم لوگ سیدھے راستہ پر آجائیں تو اس چاہت کو پورا کرنے کے لئے ہر جگہ ہمیں دعوت کا ماحول بنانا ہوگا، ۲۴ گھنٹوں میں جن سے بھی ملاقات ہو ان کو دین کی طرف دعوت دیجئے۔

انسان کو سائنسی تعلیم بھی ''الهادي جل جلاله'' کی طرف سے عطیہ ہے

انسان جس کو حق تعالیٰ نے عقل وشعور سب سے زیادہ مکمل عطا فرمایا اور اس کو مخدومِ کائنات بنایا ہے، تمام زمین اور پہاڑ، دریا اور اُن میں پیدا ہونے والی اشیاء انسان کی خدمت اور اس کے نفع کے لئے پیدا ہوئی ہیں، مگر اُن سے پورا پورا فائدہ اُٹھانا اور مختلف قسم کے منافع حاصل کرنا اور مختلف چیزوں کو جوڑ کر ایک نئی چیز پیدا کر لینا یہ بڑے علم و ہنر کو چاہتا ہے، قدرت نے انسان کے اندر فطری طور پر یہ عقل وفہم رکھا ہے کہ پہاڑوں کو کھود کر...... دریاؤں میں غوطہ لگا کر...... سینکڑوں معدنی اور دریائی چیزیں حاصل کر لیتا ہے اور پھر لکڑی، لوہے، تانبے، پیتل وغیرہ کو باہم جوڑ کر ان سے نئی نئی چیزیں اپنی ضرورت کی بنا لیتا ہے اور یہ علم و ہنر فلاسفہ کی تحقیقات اور کالجوں کی تعلیمات پر موقوف نہیں، ابتدائے دُنیا سے اَن پڑھ جاہل یہ سب کام کرتے آئے ہیں اور یہی فطری سائنس ہے جو حق تعالیٰ شانہ نے انسان کو فطرۃً بخشی ہے، آگے فنی اور علمی تحقیقات کے ذریعہ اس میں ترقی کرنے کی استعداد بھی ''الهادي جل جلاله'' کا عطیہ ہے۔

یہ سب جانتے ہیں کہ سائنس کسی چیز کو پیدا نہیں کرتی، بل کہ قدرت کی پیدا کردہ اشیاء کا استعمال سکھاتی ہے اور اس استعمال کا ادنیٰ درجہ تو حق تعالیٰ شانہ نے انسان کو فطرۃً سکھا دیا ہے، آگے اس میں فنی تحقیقات اور ترقی کا بڑا وسیع میدان رکھا ہے اور انسان کی فطرت میں اس کے سمجھنے کی استعداد وصلاحیت رکھی ہے، جس کے مظاہر اس سائنسی دور میں روز نئے نئے سامنے آرہے ہیں اور معلوم نہیں آگے اس سے بھی زیادہ کیا کیا سامنے آئے گا، غور کریں تو یہ سب ایک لفظِ قرآن ''فَهَدٰى'' کی شرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان سب کاموں کا راستہ دکھایا ہے اور اس میں ان کے پورا کر لینے کی استعداد عطا فرمائی، مگر افسوس ہے کہ سائنس میں ترقی کرنے والے اس حقیقت سے اور زیادہ نا آشنا بل کہ اندھے ہوتے جارہے ہیں۔[1]

''الهادي جل جلاله'' سے ان الفاظ میں ہدایت کی دعائیں مانگئے

۱ ''اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا بِالْهُدٰى وَزَيِّنَّا بِالتَّقْوٰى وَاغْفِرْلَنَا فِى الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى.''[2]

ترجمہ: ''اے اللہ! ہمیں راہِ راست پر چلا دے اور تقویٰ سے مزین فرما دے اور دنیا اور آخرت میں ہم کو بخش دے۔''

---

[1] معارف القرآن: ۷۲۴/۸، ۷۲۵

[2] ارشاد الساري إلى مناسك ملا علي قاري، الأدعية لِلحج والعمرة: ١٩

۲ ”اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی.“[۱]

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، پرہیزگاری، پاکبازی اور تیرے ماسوا سے بے نیازی کا طالب ہوں۔“

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ”تجھے وہ دعا نہ سکھاؤں کہ جب تو ہر فجر کے بعد اسے تین دفعہ مانگے تو اللہ تعالیٰ تجھ سے جذام، برص، فالج اور اندھاپن دور کردے“ پھر فرمایا: یہ دعا پڑھا کر:

۳ ”اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ مِنْ عِنْدِكَ...... وَاَفِضْ عَلَیَّ مِنْ فَضْلِكَ...... وَاَسْبِغْ عَلَیَّ مِنْ رَّحْمَتِكَ ...... وَاَنْزِلْ عَلَیَّ مِنْ بَرَكَاتِكَ.“[۲]

ترجمہ: ”اے اللہ! مجھے وہ ہدایت دے جو تیری خاص ہدایت ہو اور میرے اوپر وہ فضل بہادے جو تیرا خاص فضل ہو اور مجھ پر اپنی رحمتِ کامل فرما اور اپنی برکتیں نازل فرما۔“

۴ ”اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِمَّنْ تَوَكَّلَ عَلَیْكَ فَكَفَیْتَهٗ وَاسْتَھْدَاكَ فَھَدَیْتَهٗ وَاسْتَنْصَرَكَ فَنَصَرْتَهٗ.“[۳]

ترجمہ: ”اے اللہ! تو مجھے ان لوگوں میں سے بنالے جنہوں نے تیری ذات پر بھروسہ کیا، تو ان کے لئے تو کافی ہوگیا اور جنہوں نے تجھ سے ہدایت مانگی، تو تو نے ان کو نصیب فرمادی، اور تجھ سے مدد مانگی، تو تو نے ان کی مدد فرمادی۔“

۵ ”اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ اِیْمَانًا دَآئِمًا وَّھُدًی قَیِّمًا وَّعِلْمًا نَّافِعًا.“[۴]

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں ہمیشہ رہنے والا ایمان اور ٹھیک ہدایت اور نفع بخش علم۔“

فوائد و نصائح

۱ ان پانچ دعاؤں کو یاد کرلیں، وقتاً فوقتاً مانگتے رہیں، والدین اپنے بچوں کو یاد کروائیں، اساتذہ و معلّمات اپنے شاگردوں کو یہ دعائیں یاد کروائیں۔ نوافل کے سجدوں میں گڑگڑا کر یہ دعائیں مانگی جائیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔

۲ اس اسم سے تعلق قائم کرنے والوں کو چاہئے کہ اوّل ان باتوں کو چھوڑ دیں جو ہدایت کی راہ میں رکاوٹ ہیں مثلاً (۱) دین کی بات کا دھیان سے نہ سننا (۲) علماء، حفاظ اور دین داروں کی غیبت کرنا، یا اپنے دل میں ان کے متعلق میل رکھنا (۳) اپنے اساتذہ کا ادب نہ کرنا (۴) دین داروں پر اعتراض کرنا، مثلاً: آج کل کے علماء ایسے ہیں ...... آج کل کے خانقاہ کے لوگ ایسے ہیں ...... آج کل کے تبلیغ والے ایسے ہیں ...... عام لوگوں پر اعتراض کرنا اور ان کے عیوب کو اچھالنا

[۱] مسلم، الذکر، باب في الادعية: ۳۵۰/۲

[۲] كنز العمال، الاوّل الأذكار، ۶۴/۲، رقم: ۳۵۱۷

[۳] كنز العمال: الاوّل الأذكار، ۲۹۴/۲ رقم: ۵۱۰۳

[۴] كنز العمال: الاوّل الأذكار، ۹۲/۲ رقم: ۳۷۸۶

کتنا برا ہے تو خاص دین دار لوگوں پر اعتراض کرنا، بدگمانی کرنا وغیرہ اس سے بھی زیادہ برا ہے لہٰذا ان تمام گناہوں سے بچنا چاہئے۔ اپنی آنکھ، کان، عقل و ہوش کو احکامِ الٰہی پر لگا دیں، ہدایت ایسے ہی لوگوں کی رفیقِ راہ بن کر انہیں منزل تک پہنچائے گی، یہی وہ ہدایت ہے جس کا سوال ہر ایک نمازی ربُّ العالمین سے کیا کرتا ہے۔[1]

۳ ''الهادي جل جلاله'' نے جو ہدایت کی روشنی ہمیں عطا کی ہے چاہئے کہ ہم پورے عالم کی راہ نمائی کا ذریعہ بنیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف لوگوں کو دعوت دیں۔

۴ اولاد اور ماتحت ہدایت پر نہ آئیں تو اُن سے قطعِ تعلق یا جھگڑا نہ کریں جس کو ''الهادي جل جلاله'' کی معرفت حاصل ہوگئی تو اس کو یقین ہوگا کہ ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، میں اللہ تعالیٰ ہی سے اُن کے لئے ہدایت مانگتا رہوں گا اور اُن کو صرف سمجھاتا رہوں گا، اگر بیس مرتبہ سمجھانے سے کام نہ بنا تو اکیسویں مرتبہ بھی سمجھاؤں گا، ہاں سمجھانے کے ساتھ روزہ رکھ کر اُن کے لئے دعا کروں گا، اور بچپن میں جو میری طرف سے تربیت میں غفلت ہوئی اس پر استغفار کروں گا، معافی مانگوں گا۔



[1] شرح اسماء حُسنیٰ: ۱۵۹ (منصور پوری)

اَلْبَدِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(بلا نمونہ چیزوں کو ایجاد کرنے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلْبَدِیْعُ: هُوَ الْمُبْدِعُ الَّذِيْ فَطَرَ الْخَلْقَ إِبْتِدَاءً لَاعَلٰی مِثَالٍ سَبَقَ."[1]

تَرجَمَہ: "اَلْبَدِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ وہ ذات ہے جس نے مخلوق کو بلا نمونہ پیدا کیا ہے۔"

یعنی ہر چیز کو وجود "اَوّلی" اسی ذات نے بخشا ہے کہ اس "اَلْبَدِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی تخلیق سے پہلے اس چیز کا کوئی وجود نہیں تھا۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾[2]

تَرجَمَہ: "نئی طرح پر بنانے والا آسمانوں اور زمین کا۔"

بدیع کے معنی ہیں: بغیر کسی مثال یا نمونہ کے اور بغیر کسی سابق مادہ اور میٹریل کے وجود میں لانے والے۔

"اَلْبَدِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ہے جو نہ کسی آلہ کا محتاج ہو...... نہ مال مسالہ کا،...... نہ مقام و مکان کا پابند،...... نہ زمان و وقت کا مقید و محتاج ...... نہ کسی نمونہ کا، نہ استاذ کا،...... وہ صناع ہے کاری گر نہیں، اصلی اور حقیقی معنی میں خالق اور موجد ہے بغیر کسی کی اعانت اور شرکت کے وجود میں لانے والا۔[3]

آسمان و زمین سب اسی کی مخلوق ہیں۔

❷ "اَلْبَدِیْعُ: الَّذِيْ أَظْهَرَ عَجَائِبَ صَنْعَتِهٖ وَغَرَائِبَ حِكْمَتِهٖ."[4]

تَرجَمَہ: "اللہ تعالیٰ "اَلْبَدِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہیں کہ وہ اپنی صنعت و حکمت کے عجائب و غرائب کو مخلوق پر آشکارا (ظاہر) فرماتے ہیں (تاکہ مخلوق قدرتِ حق تعالیٰ کو دیکھ کر اس کی عظمت پہچان سکے)۔"

شیخ عبد الصمد الازہری فرماتے ہیں:

[1] النہج الاسمیٰ: ۲۸۲/۲ [2] البقرة: ۱۱۷ [3] تفسیر ماجدی: ۴۶/۱
[4] شرح اسماء اللّٰہ الحُسنیٰ للرازي: ۳۵۰

''عجائبِ مخلوقات'' پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ دور کیوں جائیے خود اپنے آپ کو دیکھئے یہ انسان جسے عالمِ صغیر کہا جاتا ہے اس'' اَلبَدِیعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا ایک عجوبہٴ روزگار ہے، چوپائے جانور چار ہاتھوں پیروں پر چلتے ہیں بات سمجھ میں آتی ہے کہ چار ستونوں پر جسم کا وزن درست رہتا ہے مگر اس احسنِ تقویم والے (انسان) کا صرف دو پاؤں پر چلنا پھرنا حیرت انگیز ہے، اتنے بڑے وزنی جسم کو دو پیروں پر کھڑا کر دینا اس'' اَلبَدِیعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا کمال ہے۔ پھر یہی نہیں کہ وہ اپنے دو پاؤں پر کھڑا ہو سکتا ہے بل کہ دوڑا دوڑا پھرتا ہے۔ چلنا پھرنا اور دوڑنا اور ہے اور وزن کا متوازن رہنا بڑا ہی عجیب ہے۔ یہ چاہے تو ایک پاؤں پر بھی ایک دو گھنٹہ نہیں کئی کئی دن کھڑا رہ سکتا ہے، بل کہ ساری عمر بھی ایک پاؤں پر کھڑا رہ سکتا ہے، جیسا کہ بعض جوگی ایسا ہی کرتے ہیں۔ وزن کا یہ تناسب ایک دو من کی لاش پر اس'' اَلبَدِیعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا بڑا ہی عجیب کارنامہ ہے، پھر یہ کہ دراز قد منوں کا وزن لے کر بھی بآسانی چل پھر سکتا ہے اور توازن نہیں بگڑتا۔ سارس اور بعض آبی جانور بھی گھنٹوں ایک پاؤں پر کھڑے رہتے ہیں۔ دو پائے جانوروں اور پرندوں میں اس'' اَلبَدِیعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے اس خوبی سے توازن قائم کیا ہے جیسے کہ زمین و آسمان و کواکب کا حسنِ توازن قائم کر رکھا ہے۔

چوں کہ یہ انسان زمین پر'' اَلبَدِیعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا خلیفہ ہے، لہٰذا یہ بھی طرح طرح کی ایجادات کرتا رہتا ہے، بڑی سے بڑی ایجاد کرنے والے بڑے سے بڑے موجد کو جسے ہم ''موجد'' کہتے ہیں۔ یہ دراصل موجد نہیں ہوتے صرف تالیف، ترتیب و ترکیب دینے والے یا انکشاف کرنے والے ہوتے ہیں، کیوں کہ وہ کوئی چیز پیدا نہیں کرتے، اس '' اَلبَدِیعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی مختلف چیزوں کو ترکیب دے کر ایک نئی چیز بنا دیتے ہیں، یا اس کی کسی مخفی چیز کو برسرِ عام لے آتے ہیں، جس شخص نے لاسلکی ریڈیو، ٹیلی ویژن یا لیزر شعاعیں ایجاد کیں اس نے ایجاد تو کچھ بھی نہیں کیا صرف انکشاف کیا ہے، سب چیزیں پہلے سے موجود تھیں مگر لوگوں کو علم نہ تھا، اس نے ترتیب و تالیف سے ایک ہی چیز بنا دی، تو سارے موجد بدیع و مبدع و موجد نہیں ہیں۔ صرف اسی کی ذات'' اَلبَدِیعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہے۔ ہم مجازاً انہیں بدیع کہہ دیتے ہیں۔[۱]

اس عالمِ فانی میں لامتناہی مخلوقات حیات سے بہرہ ور اپنے نظم و نسق سے عالم کا حصہ بنی ہوئی ہیں، بعض مخلوقات بے انتہاء عظیم الجثہ[۲] اور بعض انتہائی حقیر الجسم[۳] کہ ان میں رَمقِ حیات[۴] کا احساس بھی دشوار معلوم ہوتا ہے لیکن یہ سب اس صناعِ قادر[۵] کی قدرت کا کرشمہ ہے جس کے رموز پر مطلع ہونا[۶] انسانی عقل کے بس کی بات نہیں۔

'' اَلبَدِیعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی قدرت کے عجیب کرشمے

چیونٹی

چیونٹی بظاہر حقیر اور بڑی غیر اہم معلوم ہوتی ہے لیکن محنت اور ذہانت کے لحاظ سے ایک ایسا نادر نمونہ ہے جس کی

[۱] شرح اسماء حسنٰی للازھری: ٦٥

[۲] بڑے جسم والی [۳] بہت چھوٹے جسم والی [۴] زندگی کے آثار [۵] بنانے والا، قدرت والا [۶] جاننا

مثال ملنی دشوار ہے۔ یہ کبھی نہ نچلی بیٹھتی ہے نہ کبھی بے کار، ہر وقت مصروف، ہر وقت مشغول، اس کی زندگی کے مختلف ادوار اور اس کے رہنے سہنے کے طریقوں کا حال سنایا جائے تو آپ ششدر رہ جائیں۔ تنظیم اور تقسیم کار کے لحاظ سے ہو یا ذہانت اور ذکاوت کی بناء پر، چیونٹی کی زندگی ہر طرح مکمل اور مربوط ہوتی ہے۔

حقیقت افسانہ سے زیادہ تعجب خیز ہوتی ہے۔ چیونٹی کسی طرح اشرف المخلوقات حضرت انسان سے کمتر نہیں ہے۔ یہ جانور پالتی ہے۔ ان کو اپنے فائدے کے لئے استعمال کرتی ہے۔ فوج رکھتی ہے، دشمن پر حملہ کرتی ہے، اسے کھیتی باڑی کا سلیقہ بھی آتا ہے!!............ کھیتوں میں ہل چلاتی ہے، بیج بوتی ہے۔ کاشت تیار ہوتی ہے تو اسے کاٹ کر احتیاط کے ساتھ تہ خانوں میں محفوظ اور منتقل کر دیتی ہے۔ مدارج کے فرق البتہ اس میں بھی پائے جاتے ہیں...... اس قوم میں بھی حیدر آباد کا جاگیرداری نظام موجود ہے۔ ان کے جاگیردار ہمارے جاگیرداروں کی طرح مطلبی، آرام پسند، قومی فرائض سے غافل، خود پسند اور تن آسان ہوتے ہیں۔ ان کو کسی کام سے کوئی غرض نہیں ہوتی، دن بھر کھاتے اور پڑے اینڈتے رہتے ہیں۔

اب تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ اپنی نوع سے ہٹ کر دوسری نوع کے جانوروں کو پالنا، ان سے فائدہ اٹھانا صرف اشرف المخلوقات کا حصہ ہے لیکن تجربات نے اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچا دی ہے کہ چیونٹی جیسی حقیر خلقت اب اس خصوص میں انسان کی رقیب ہے، چیونٹی کی گائے، بھینس ایک قسم کے کیڑے ہوتے ہیں جن کو (Aphiads) افائیڈس کہا جاتا ہے۔ ان کے شکم میں شہد بھرا رہتا ہے۔ چیونٹیاں اپنے چھوٹے چھوٹے ڈنکوں کی مدد سے ان کیڑوں سے شہد حاصل کر لیتی ہیں، بعض مرتبہ چیونٹیاں ان دودھیلے جانوروں کو اپنے چھتوں میں اٹھا لاتی ہیں اور ان کے انڈے بچوں کی بڑی سخت نگہداشت کی جاتی ہے۔

چیونٹی کی ایک قسم وہ بھی ہوتی ہے جو خود دودھ دیتی ہے۔ یہ میکسیکو اور آسٹریلیا کے بعض حصوں میں کثرت سے پائی جاتی ہے۔ ان کی زندگی کا مقصد اپنے دیگر ہم قوموں کو آرام اور غذا پہنچانا ہوتا ہے۔ ابتداء میں قومی مزدور اور رضا کار ان کو گائے بھینسوں کی طرح اچھی اچھی غذا مہیا کرتے ہیں یعنی خوب چارہ ڈال کر ان کو دودھ حاصل کرنے کی غرض سے پالا اور پرورش کیا جاتا ہے جس طرح کبوتر اپنے بچوں کو غذا بھراتا ہے۔

رضا کار چیونٹیاں ان گائے بھینسوں کو شہد بھرایا کرتی ہیں۔ جوں جوں یہ عمل جاری رہے گائے بھینسوں کا جثہ بڑھتا جاتا ہے...... یہاں تک کہ ان کے لئے چلنا پھرنا حتیٰ کہ سرکنا بھی دوبھر ہو جاتا ہے۔ یوں بھی ان کو چلنے پھرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی اور یہ اپنے لئے بنے ہوئے مخصوص خانوں کی دیواروں سے چمٹ جاتے ہیں۔ یہ خاص کمرہ تقریباً تین انچ لمبا اور ایک انچ چوڑا ہوتا ہے۔ اس کی شکل کروی یعنی گول ہوتی ہے۔

یہ کمرے دراصل چوپال کا کام دیتے ہیں جہاں گائے بھینس باندھی جاتی ہیں۔ ان کی دیواروں سے شہد بھری چیونٹیاں اس طرح لٹکی رہتی ہیں جیسے انگور کے خوشے لٹک رہے ہوں۔ مزدوروں اور رضا کاروں کو جب بھی بھوک ستائے

وہ ان زندہ مرتبانوں کے پاس آکر اپنی غذا لیتے اور پھر کام میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یوں تو عموماً چیونٹیوں کی یہ گائیں چل پھر سکنے سے معذور ہوتی ہیں لیکن اگر ان کے شکم میں بھرا ہوا شہد کم ہو جائے تو ان کو چلتے پھرتے بھی دیکھا گیا ہے۔ آیئے اب چیونٹیوں کے جاگیرداروں اور نوابین کا حال سن لیجئے:

یہ دراصل مفت خورے ہوتے ہیں اور اپنی زندگی میں ایک آدھ مرتبہ مزدوروں رضا کاروں کے محلوں پر دھاوا بول کر ان کے انڈے اپنے پاس اٹھالاتے ہیں اور جب ان سے بچے نکلتے ہیں تو ان سے ملازمین کا سا کام لیتے ہیں۔ گھر بار کی نگہداشت، صفائی، تعمیر و ترمیم، بچوں کی نگرانی، غذا کی فراہمی، یہ سب ان ہی رضا کاروں کے ذمہ ہوتی ہے۔ مشہور فرانسیسی سائنس داں ہیوبر نے اس بارے میں ایک بڑا دل چسپ تجربہ دہرایا ہے۔ اس نے تقریباً (۳۰) ''جاگیر دار چیونٹیوں'' کو ان کے رضا کاروں سے علیحدہ کر کے ایک ڈبہ میں علیحدہ بند کر دیا۔ ہاتھ پیر ہلانے کی توفیق تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی نہ تھی، دو دن کے اندر نصف سے زیادہ جاگیردار دوسری دنیا کو سدھار چکے تھے اور جو باقی تھے، وہ بھی لب گور، سکت جواب دے چکی تھی، چہرے زرد، موت آنکھوں کے سامنے کھیل رہی تھی۔ ہیوبر کو ان کی حالت پر رحم آ گیا۔ اس نے صندوق میں ایک رضا کار کو بھی منتقل کر دیا۔ اس رضا کار نے تن تنہا بغیر کسی دوسرے کی مدد کے سب کے رہنے کے لئے زمین میں ایک گھر بنا لیا سب کو اس میں منتقل کیا، غذا مہیا کی بیماروں کی تیمارداری کی، ان کو بھلا چنگا بنایا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس چھوٹی سی جگہ میں زندگی کی ہماہمی پھر سے پیدا ہو گئی۔

شہد کی مکھیوں کی طرح چیونٹیوں کی بھی تین گروہوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ نر اور مادہ اور غیر نمو یافتہ مادہ یا رضا کار......

یہ امر تو ہمیں بہت پہلے سے معلوم ہے کہ چیونٹیاں کفایت شعار اور گرہستی بھی ہوتی ہیں۔ غذائی دانے محفوظ کر لینا ان کا ایک عام وطیرہ ہے، لیکن یہ حالیہ انکشاف بے حد تعجب خیز ہے کہ چیونٹیوں کی بعض انواع نہ صرف یہ کہ آئندہ کے استعمال کے لئے اپنی غذا محفوظ کرتی ہیں بل کہ ان کو باضابطہ طریقہ سے اور خوش سلیقگی سے کاشت کرنا بھی آتا ہے! ان کسان چیونٹیوں کا رنگ بھورا ہوتا ہے۔ یہ جسامت میں بھی دوسری چیونٹیوں کے مقابل میں بڑی ہوتی ہیں اور مناسب موسم آنے پر بالکل کسانوں کی طرح بیج بونے کی تیاریاں شروع کر دیتی ہیں۔ کھیت کے لئے زمین کے انتخاب کے بعد وہ ایک مٹی کا پشتا بنا لیتی ہیں۔ چار تا چھ انچ اونچا ہوتا ہے پوری چوڑائی تین تا چار فٹ ہوتی ہے۔

اس چھتہ کے اطراف تین چار فٹ تک کی زمین بالکل صاف کر دی جاتی ہے...... جیسے کسی پائیں باغ کی تیاری ہو اس صاف شدہ اراضی پر کسی قسم کی نباتات اگنے نہیں دی جاتی ہے البتہ صرف ایک خاص قسم کی گھاس اگتی ہے جو بیج دار ہوتی ہے۔ یہی چیونٹیوں کا کھیت ہے۔ اگر دوسری قسم کی گھاس اس میں اگنے لگے تو بے کار گھاس کو چیونٹیاں فوراً علیحدہ کر دیتی ہیں، یہ بیج دار گھاس جو اہتمام سے اگائی جاتی ہے چاول سے بہت ملتی ہے، فصل کے تیار ہونے پر چیونٹیاں بڑی احتیاط سے اس کو گودام میں منتقل کر دیتی ہیں۔ گودام میں منتقل کرنے کے بعد ان کی صفائی کی جاتی ہے اور بھوسہ دوبارہ باہر

پھینک دیا جاتا ہے۔

اگر گودام میں غلہ نمی اور رطوبت کی وجہ سے خراب ہونے لگے، تو کبھی کبھی باہر نکال کر دھوپ کھلا لیا جاتا ہے۔ یہ تمام تحقیق سب سے پہلے ڈاکٹر لنکم نے کی تھی اور پھر میک کک نے ۱۸۷۷ء میں اس کی تصدیق کی۔ اس کے بعد متواتر تجربات نے رہے سہے شبہ کو بھی بالکل دور کر دیا...... لوگ کہتے ہیں: سائنس اور مذہب میں بڑا اختلاف ہے لیکن کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ سائنس دراصل اپنے ان تجربات اور معلومات سے ایک ان دیکھے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت کے تصور میں غیر معمولی اضافہ کر دیتا ہے۔[1]

یہ تو ایک چھوٹی سی مخلوق کی طرز زندگی کی تحقیق تھی جو اپنے اندر بہت سی قدرتِ حق تعالیٰ کی نشانیوں کو سموئے ہوئے ہے آسمان و زمین میں تو لامحدود عجائباتِ قدرت پنہاں ہیں۔

﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾[2]

تَرجَمہ: ”اسی نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا، وہ اس سے بَری ہے جو شرک کرتے ہیں۔“

یعنی ان تمام چیزوں کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں محض تماشے اور کھیل کود کے طور پر پیدا نہیں کیا، بل کہ ایک مقصد پیشِ نظر ہے اور وہ جزا و سزا ہے۔

البدیع جل جلالہ نے آسمان کو چھت اور زمین کو فرش بنایا

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت اور مصلحت کے ساتھ پیدا کیا، جن کو دیکھ کر عقل حیران اور دنگ رہ جاتی ہے، وہ بلند اور برتر ہے ہر اس چیز سے جس کو یہ نادان بندے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس عالم کا فرش بنایا اور آسمان کو چھت بنایا۔ عقل ایسے عرش اور فرش بنانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

آسمان کی یہ بے پناہ بلندی اور زمین کی یہ بے پناہ پستی کہ کوئی اس پر دوڑ رہا ہے، یا اپنی سواری کو اس پر دوڑا رہا ہے یا اس پر پیشاب اور پاخانہ کر رہا ہے، یا اس پر کدال چلا رہا ہے اور کھود کر اس میں تہہ خانہ یا کنواں بنا رہا ہے، کیا یہ آسمان اور زمین جن کا نہ مبداء معلوم نہ منتہی معلوم خود بخود ہی غیر متناہی اجزاء سے مرکب ہو کر تیار ہو گئے؟ یا کوئی امر اتفاقی ہے کہ اتفاقی طور پر ایک جسم آسمان بن گیا اور دوسرا جسم زمین بن گیا۔

یا کسی مادہ اور طبیعت کا یا کسی ایتھر کا مقتضی ہے تو کوئی مدعی فلسفہ اور سائنس بتلائے تو سہی کہ وہ کس مادہ اور طبیعت کا اقتضاء ہے، فلسفی کو جب آسمان اور زمین کے مبداء اور منتہا کا پتہ نہ چل سکا تو کہہ دیا کہ آسمان اور زمین قدیم ہیں، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی ہے کہ یہ آسمان اور زمین مخلوقِ خداوندی ہیں اور قدرت قدیمہ کا کرشمہ ہیں۔ زمین و

---

[1] تفسیر ماجدی: ۷۷۱/۲ روز نامہ ”رہبر دکن“ حیدر آباد دکن کے سائنسی کالموں سے۔ [2] النحل: ۳

آسمان کا ہر جزو اس کی خدائی اور یکتائی کی گواہی دے رہا ہے۔

ایک قطرۂ آب سے انسان کی پیدائش

ایک قطرۂ آب سے ایک عجیب وغریب چیز یعنی انسان کا اس طرح پیدا ہونا کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں، اس لئے کہ مادہ اور طبیعت کے افعال یکساں ہوتے ہیں۔ ان میں تفاوت نہیں ہوتا۔ انسان کی یہ عجیب وغریب پیدائش اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت وحکمت کی دلیل ہے، انسان کا مادہ ایک ہے مگر اس کے اعضاء اور اجزاء مختلف ہیں اور ہر ایک کے افعال اور خواص بھی مختلف ہیں۔ کوئی جزو سر ہے اور کوئی کان اور آنکھ ہے اور کوئی دل ہے اور کوئی پیٹ ہے وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ یہ فعل مادہ اور طبیعت کا نہیں، اس لئے کہ مادہ اور طبیعت بے شعور ہے، بل کہ یہ کسی علیم وقدیر کی قدرت کا کرشمہ ہے، اگر بالفرض طبیعت ہی کا فعل ہے تو طبیعت بھی اسی کی پیدا کردہ ہے، رحم مادر میں نطفہ قرار پکڑ گیا اور اندر ہی بچہ تیار ہو رہا ہے اور ماں باپ کو خبر بھی نہیں کہ اندر ہی اندر کیا ہو رہا ہے۔ لہٰذا ماں باپ کو خالق نہیں کہا جا سکتا، انسان کی پیدائش کے ساتھ اس کے مصالح وفوائد کے لئے دوسری مخلوقات کو بھی پیدا فرمایا اور سب کو حضرت انسان کے لئے مسخر فرما دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنَّ لَكُمۡ فِى الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَةً﴾[1]

تَرجَمَہ: ''اور بے شک تمہارے لئے چوپایوں میں عبرت ہے۔''

خون کے درمیان سے خالص دودھ

یعنی اگر تم ان میں غور وفکر کرو تو جہالت سے گزر کر علم اور معرفت کے مقام تک پہنچ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کو معلوم کر لو، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

''پلاتے ہیں ہم تم کو اس چیز سے جو ان کے پیٹوں میں ہے۔'' یعنی ہم ان چوپایوں کے پیٹ میں سے تمہارے لئے غذا پیدا کرتے ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ ان کے پیٹ میں سوائے گوبر اور خون کے کیا ہے؟ ہم اپنی کمالِ قدرت سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ نکالتے ہیں، جو پینے والوں کے لئے نہایت لذیذ اور خوشگوار ہوتا ہے۔ یعنی باوجود دودھ گوبر اور خون کے درمیان سے نکلتا ہے مگر اس کے باوجود خالص سفید ہوتا ہے، اور خون اور گوبر کے آمیزش سے بالکل پاک وصاف ہوتا ہے اور اس کی بو اور مزہ میں ذرہ برابر خون اور گوبر کا اثر نہیں ہوتا۔

اس سے اللہ تعالیٰ کی کمالِ قدرت کا ظہور ہوتا ہے کہ دو ناپاک اور گندی اور بدبودار چیزوں کے درمیان سے کیسی عمدہ غذا پیدا فرما دی، مطلب یہ ہے کہ تم ''البدیع جلّ جلالہٗ'' کی قدرت اور نعمت میں غور کرو...... ہم تم کو دودھ جیسی عمدہ غذا

[1] النحل: ٦٦

پلاتے ہیں جو خون اور گوبر کی نجاست اور کدورت کے شائبہ سے خالص اور پاک ہوتی ہے اور وہ دودھ آسانی سے حلق سے اتر جاتا ہے اور لذیذ اور خوش گوار ہے اور ہضم بھی خوب ہوتا ہے، غرض یہ کہ جب جانوروں کے شکم میں گھاس وغیرہ پہنچتی ہے تو ہضم کے بعد کچھ حصہ گوبر بن جاتا ہے اور کچھ حصہ پیشاب بن جاتا ہے، خون تو رگوں میں چلا جاتا ہے اور دودھ تھنوں میں آجاتا ہے اور ہر چیز اپنے اپنے مخرج سے نکلتی اور دوسری چیز کے ساتھ نہیں ملتی ہے۔ یہ سب ''البدیع جل جلالہٗ'' کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ شکمِ حیوان سے جو خون اور گوبر کا منبع ہے اس سے خالص دودھ نکالتا ہے اور اس عمدہ غذا سے تم کو سیراب کرتا ہے جس میں نہ خون کی رنگت ہے اور نہ گوبر کی بدبو ہے جیسا کہ ماں کے پستان میں خون ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی لطیف حکمت سے سرِ پستان میں ایک چھوٹا سا سوراخ پیدا فرما دیا اور مسامات تنگ کر دیئے اس میں سے دودھ چھن کر اور صاف ہو کر نکلتا ہے جو بچہ کے لئے بہترین لطیف غذا ہے، یہ صنعت سوائے ''البدیع و القدیرُ جل جلالہٗ'' کے کون کر سکتا ہے پس جس نے تمہارے لئے یہ نعمت پیدا کی اسی کی اور صرف اسی کی عبادت کرو۔

دانے کا زمین میں پھول کر پھٹنا

''البدیع جل جلالہٗ'' کی تخلیقات میں سے ایک یہ ہے کہ زمین میں مختلف قسم کے قطعے ہیں، جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور اس کے باوجود ایک دوسرے سے مختلف ہیں، حالاں کہ سب پر ایک ہی آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی ہیں اور ایک ہی قسم کی ہوا ان پر چل رہی ہے، کوئی قطعہ قابلِ زراعت ہے اور کوئی بنجر ہے اور کوئی کسی میوے کے قابل ہے اور کوئی کسی دوسرے میوہ کے قابل ہے حالاں کہ سب کو ایک ہوا اور ایک پانی پہنچ رہا ہے اور سب پر ایک ہی آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی ہیں، عجیب بات ہے کہ باوجود اس اتصال کے اور اتحاد کے آثار مختلف ہیں۔

جو شخص اس میں غور کرے کہ دانہ زمین میں غائب ہوا اور نرمی سے پھول کر پھٹا اور اس سے سوئیں نمودار ہوئیں اور زمین میں پھیلیں اور اوپر شاخیں نکلیں اور مختلف قسم کے پھل اور پھول نمودار ہوئے جن کی صورتیں اور شکلیں بھی مختلف اور رنگتیں بھی مختلف اور خاصیتیں بھی مختلف اور مزے بھی مختلف، حالاں کہ زمین، پانی اور ہوا سب کی ایک ہے اور اسباب وعلل بھی سب کے ایک ہیں اور تاثیراتِ فلکیہ اور تحریکاتِ کوکبیہ کی نسبت بھی سب کے ساتھ ایک ہے، جو اس میں غور و فکر کرلے گا وہ سمجھ جائے گا کہ یہ تمام تغیرات اور اختلافات کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں، بل کہ کسی ''البدیع جل جلالہٗ'' کی کاری گری اور کرشمہ سازی ہے۔

آم کے درخت میں تربوز

''البدیع جل جلالہٗ'' کے دلائلِ قدرت میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے انسانوں میں بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی

ہے، کسی کو امیر بنایا اور کسی کو فقیر بنایا کسی کو مالک اور آقا بنایا اور کسی کو مملوک اور غلام بنایا غرض یہ کہ بنی آدم کو مختلف اوصاف پر پیدا کیا۔ مطلب یہ ہے کہ سب کا رزق اس کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ بعض کو زیادہ دیتا ہے اور بعض کو کم اور کسی بندہ کے اختیار میں نہیں کہ اس تفاوت کو ختم کر دے، اسی اختلاف اور تفاوت میں اس کی حکمتِ بالغہ ہے جس کے سمجھنے سے بندوں کی عقلیں قاصر ہیں، اور اس کے اسباب کے ادراک سے عاجز اور درماندہ ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس ظاہری رزق یعنی مال و دولت میں تفاوت رکھا۔ اسی طرح معنوی رزق یعنی علم، عقل، فہم، ...... حسنِ صورت، حسنِ سیرت، ...... صحت، مرض، ...... ضعف، قوت، ...... بصارت اور بصیرت ...... میں بھی تفاوت رکھا۔

کسی کو زیادہ عقل دی اور کسی کو کم، کسی کو قوی جسم بنایا اور کسی کو ضعیف ناتواں بنایا، کسی کو عاقل اور کسی کو ناداں، کسی کو عالم اور کسی کو جاہل ...... کسی کو حسین اور کسی کو بدشکل بنایا۔ غرض یہ کہ دنیا کا سارا نظام اسی اختلاف اور تفاوت پر مبنی ہے، اگر سب یکساں ہو جائیں تو نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے اور یہ تفاوت اور تقسیم اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا کرشمہ ہے، اگر یہ بات علم و عقل، فہم اور دانش پر موقوف ہوتی تو دنیا میں کوئی بدعقل اور جاہل دولت مند اور مال دار نظر نہ آتا اور کوئی عالم اور عاقل دنیا میں خوار اور نادار نہ ہوتا۔ حالاں کہ معاملہ برعکس ہے، ظاہری صورت کے لحاظ سے سب انسان یکساں ہیں مگر صفات اور کمالات کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ کارخانۂ عالم ان ہی اختلافات اور تباین و تفاوت پر مبنی ہے، اگر سب آدمی باتوں میں یکساں ہو جائیں تو کیوں کوئی حاکم ہو اور کوئی محکوم، کوئی مال دار اور کوئی نادار، کوئی مالکِ مکان اور کوئی کرایہ دار۔ اور دنیا کا کارخانہ اسی اختلاف سے چل رہا ہے۔[1]

واقعہ نمبر (۱۰۶) لطیفہ: ایک ملحد ہمیشہ نظامِ قدرت اور حکمتِ خداوندی پر معترض رہتا تھا، ایک روز اس کا گزر تربوز کے کھیت میں سے ہوا۔ اس چھوٹے سے پودے میں اتنے بڑے بڑے تربوز دیکھ کر قدرت کی اس نامناسبت و ناموزونیت پر ہنسا۔ آگے بڑھا تو آموں کا ایک باغ آیا۔ بڑے بڑے تناور درختوں میں چھوٹے چھوٹے آم دیکھ کر نظامِ قدرت میں یہ اصلاح کی کہ بلحاظ جسامت آم کا چھوٹا چھوٹا پھل تربوزوں کے پودے میں اور تربوزوں کا پھل آم پر لگتا تو یہ نہایت ہی موزوں تناسب ہوتا۔

وہ اس مسئلہ پر آم کے پھلوں پر ٹکٹکی لگائے اُن کی نامناسبت پر غور کر ہی رہا تھا کہ طوطے نے ایک آم کترا جو گر کر سیدھا اس کی آنکھ کے ڈھیلے میں جا لگا، آنکھ پھوٹ گئی، سخت تکلیف ہوئی، لیکن وہ ملحدانہ خیالات سے تائب ہو کر فوراً ہی سجدہ شکر بجالایا کہ اب تو صرف آنکھ ہی ضائع ہونے پر بلا ٹل گئی، اگر میری اصلاح کے مطابق اس پر تربوز لگے ہوتے تو جان کی بھی خیر نہ تھی۔

جہاں اس صانعِ مطلق کی صنعت کے کارخانے عجیب ہیں، وہاں ان کو عجیب کہنے والا انسان خود سب سے بڑا عجوبہ

---

[1] معارف القرآن، للکاندھلوی: ۳۳۰/٤ تا ۳۸۰ بتصرّف

روزگار ہے۔ اس صانعِ حقیقی کی بے شمار قدرتیں بھی حیرت خیز اور محیر العقول ہیں، لیکن یہ خاکی پتلا ان سب سے بڑھ کر حیرت میں ڈالنے والا ہے۔ اس کی بناوٹ میں اس صناعِ حقیقی نے اپنی صناعی کا کمال دکھلایا ہے۔

کیا بناوٹ کی خوبی کے لحاظ سے، اور کیا مشینری کی لطافت اور باریکی کے لحاظ سے، اپنا جواب آپ ہے۔ اس چھوٹی سی آنکھ کے اندر نور کا موجود ہونا اور اس آنکھ کی پتلی میں بڑے بڑے مکانات، پہاڑ، حتیٰ کے آسمان تک کا سما جانا ایک بے نظیر کرشمہ ہے۔ انسان کا دل و دماغ اس سے بھی بڑھ کر عجوبہ ہے جس میں عقل و حکمت کے بحرِ بیکراں بہہ رہے ہیں۔ ؎

ہے آدمی بجائے خود اِک منبعِ کمال گر عقل ہے تو دیکھ لے تو شانِ ذُوالجلال

اگر بہ نسخہ تشریحِ جسم در نگری شروحِ صنع دریں جلد مختصر یابی

ترجمہ: ''اگر تو انسانی جسم کی شرح کی کتاب میں نگاہ مارے تو اس مختصر سی کتاب میں قدرت کی ساری تشریحات کو دیکھ پائے گا۔''

انگور ہوں یا تربوز، بارش کے قطرے ہوں یا سمندروں کا پانی، ہر شئے سے اس کی قدرت کا نظارہ ہوتا ہے۔ بے شمار جانور بھی اس ''اَلْبَدِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی ذات نے پیدا کئے ہیں۔ ایک اونٹ ہی کے بارے میں غور کریں کہ کیسی عجیب مخلوق ہے۔

قدرت نے اونٹ کے پاؤں کو تین تہہ میں تقسیم کردیا

جانوروں میں اونٹ کی کچھ ایسی خصوصیات بھی ہیں جو خاص طور سے غور کرنے والے کے لئے حق تعالیٰ کی حکمت و قدرت کا آئینہ بن سکتی ہیں۔ اوّل تو عرب میں سب سے زیادہ بڑا جانور اپنے ڈیل ڈول کے اعتبار سے اونٹ ہی ہے، ہاتھی وہاں ہوتا نہیں، دوسرے حق تعالیٰ نے اس عظیم الجثہ جانور کو ایسا بنا دیا ہے کہ عرب کے بدو اور غریب مفلس آدمی بھی اس اتنے بڑے جانور کے پالنے رکھنے میں کوئی مشکل محسوس نہ کریں کیوں کہ اس کو چھوڑ دیجئے تو یہ اپنا پیٹ خود بھر لے گا، اونچے درختوں کے پتے توڑنے کی زحمت بھی آپ کو نہیں کرنا پڑتی۔

یہ خود درختوں کی شاخیں کھا کر گزارہ کر لیتا ہے، ہاتھی اور دوسرے جانوروں کی سی اس کی خوراک نہیں جو بڑی گراں پڑتی ہے۔ عرب کے جنگلوں میں پانی ایک بہت ہی کمیاب چیز ہے، ہر جگہ ہر وقت نہیں ملتا۔ قدرت نے اس کے پیٹ میں ایک ریزروٹنکی ایسی لگا دی ہے کہ سات آٹھ روز کا پانی پی کر یہ اُس ٹنکی میں محفوظ کر لیتا ہے، اور تدریجی رفتار سے وہ اس پانی کی ضرورت کو پورا کر دیتا ہے۔

اتنے اونچے جانور پر سوار ہونے کے لئے سیڑھی لگانا پڑتی مگر قدرت نے اس کے پاؤں کو تین تہ میں تقسیم کر دیا یعنی ہر پاؤں میں دو گھٹنے بنا دیئے کہ وہ تہہ کر کے بیٹھ جاتا ہے تو اُس پر چڑھنا اور اُترنا آسان ہو جاتا ہے۔ محنت کش اتنا ہے

کہ سب جانوروں سے زیادہ بوجھ اُٹھالیتا ہے۔ عرب کے میدان میں دن کا سفر دھوپ کی وجہ سے سخت مشکل ہے لیکن قدرت نے اس جانور کو رات بھر چلنے کا عادی بنادیا ہے۔ مسکین طبع ایسا ہے کہ ایک بچی بھی اُس کی مہار پکڑ کر جہاں چاہے لے جائے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی خصوصیات ہیں، جو انسان کو حق تعالیٰ کی قدرت وحکمتِ بالغہ کا سبق دیتی ہیں۔[1]

بے زباں جانور کا بولنا البدیع جلّ جلالہٗ کی قدرت

واقعہ نمبر ۱۰۷: علامہ ابنِ اثیر جزری رحمہ اللہ تعالیٰ نقل کرتے ہیں: جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایرانی آتش پرستوں سے جہاد کرنے کے لئے قادسیہ پہنچے، تو انہوں نے اپنے لشکر کے ایک افسر عاصم بن عمرو رحمہ اللہ تعالیٰ کو کسی کام سے ''میان'' کے مقام پر بھیجا، یہ دشمن کے ملک میں ایک چھوٹی سی جگہ تھی۔ حضرت عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ یہاں پہنچے تو رسد کا سارا ذخیرہ ختم ہوگیا اور ساتھیوں کے پاس کھانے کو کچھ نہ رہا۔ انہوں نے آس پاس تلاش شروع کی کہ شاید کوئی گائے بکری مل جائے مگر کافی جستجو کے باوجود کوئی جانور ہاتھ نہ آیا۔ اچانک انہیں بانس کے ایک چھپر کے پاس ایک شخص کھڑا نظر آیا۔ انہوں نے اس سے جا کر پوچھا: ''یہاں آس پاس کوئی گائے بکری مل جائے گی؟''

اس شخص نے کہا: ''مجھے نہیں معلوم۔'' حضرت عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ ابھی واپس نہیں لوٹے تھے کہ چھپر کے اندر سے ایک آواز سنائی دی:

''یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن جھوٹ بولتا ہے، ہم یہاں موجود ہیں۔''

حضرت عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ چھپر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں کئی گائے بیل کھڑے ہیں۔ مگر وہاں کوئی آدمی نہیں تھا اور یہ آواز ایک بیل کی تھی۔ حضرت عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ وہاں سے گائے بیل لے کر آئے اور انہیں لشکر میں تقسیم کیا۔

یہ واقعہ کسی نے حجاج بن یوسف کو سنایا تو اسے یقین نہ آیا۔ اس نے جنگِ قادسیہ کے شرکاء کے پاس پیغام بھیج کر اس کی تصدیق کرنی چاہی، تو بہت سے حضرات نے گواہی دی کہ اس واقعے کے وقت ہم موجود تھے، حجاج نے ان سے پوچھا:

''اس زمانے میں اس واقعے کے بارے میں لوگوں کا تأثر کیا تھا؟''

انہوں نے کہا: ''اس واقعے کو اس بات کی دلیل سمجھا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے اور وہ ہمیں دشمن پر فتح عطا فرمائے گا۔''

''یہ بات اسی وقت ہوسکتی ہے جب لوگوں کی اکثریت متقی و پرہیزگار ہو'' حجاج نے کہا:

---

[1] معارف القرآن: ۷۳۲/۸ بتصرف

''دلوں کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے'' انہوں نے کہا: ''لیکن اتنا ہم بھی جانتے ہیں کہ دنیا سے اس قدر بے نیاز قوم ہم نے ان کے بعد نہیں دیکھی۔'' [1]

البدیع جل جلالہٗ کی حکمتوں کا احاطہ کون کرے؟

واقعہ نمبر (۱۰۸): جان ولیم کلاٹس نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے: جب آسٹریلیا کا براعظم نیا نیا دریافت ہوا اور یورپ کے بہت سے لوگ وہاں جا جا کر آباد ہونے لگے تو انہوں نے دیکھا کہ اس براعظم میں خرگوش بالکل نہیں ہیں، یہ لوگ یورپ میں خرگوش کے شکار کے عادی تھے، اور انہیں اس شکار میں جو لطف آتا تھا، آسٹریلیا میں اس کی یاد ستانے لگی، انہیں لوگوں میں سے ایک شخص تھامس آسٹن تھا، اس نے ۱۸۵۹ء میں آسٹریلیا کی فضا خوشگوار بنانے کی کوشش کی اور یورپ سے خرگوش کے تقریباً بارہ جوڑے منگوا کر وہاں چھوڑ دیئے۔

لیکن قدرت کی حکمتوں کا احاطہ کون کرے؟

ہوا یہ کہ یورپ میں تو خرگوشوں کے ساتھ ساتھ کچھ ایسی مخلوقات بھی پائی جاتی ہیں جو ان کی طبعی دشمن ہیں۔ اس کی وجہ سے وہاں خرگوش کی نسل میں اعتدال و توازن برقرار رہتا ہے مگر آسٹریلیا اس کے ان طبعی دشمنوں سے خالی تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان بارہ جوڑوں سے خرگوش کی نسل بڑھنی شروع ہوئی تو اس کی کوئی انتہا نہ رہی۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارا آسٹریلیا خرگوشوں سے بھر گیا اور یہ بے مہار مخلوق کھیتوں میں گھستی تو کھیت ویران کر دیتی، چراگاہوں میں پہنچتی تو چراگاہیں اجاڑ دیتی، غرض وہ جانور جسے آسٹریلیا کی طبعی فضا کو خوشگوار بنانے کے لئے باقاعدہ درآمد کیا گیا تھا، سارے براعظم کے لئے عذابِ جان بن گیا۔

اب اس مشکل پر قابو پانے کی کوششیں شروع ہوئیں، کوئنزلا کے علاقے میں باقاعدہ سات سو میل لمبی فصیلیں اس غرض کے لئے تعمیر کی گئیں کہ خرگوش آبادیوں میں نہ پہنچ سکیں لیکن یہ کوشش بھی ناکام ہوئی اور خرگوش ان فصیلوں کو پھاند پھاند کر آنے لگے، پھر ایک زہریلی غذا کو کام میں لا کر یہ روز افزوں نسل گھٹانے کی کوشش کی گئی مگر اس کا بھی نتیجہ کچھ نہ نکلا۔

آخر کار کئی سال کی محنت اور کوشش کے بعد اس مشکل کا حل دریافت ہوا، ایک دوا ایجاد کی گئی جو خرگوش کو حرض مخاطی کے مہلک مرض میں مبتلا کر دیتی تھی، اس وباء کے پھیلنے سے خرگوش کی نسل میں کمی واقع ہوئی اور رفتہ رفتہ بڑے بڑے خشک صحرا اور بنجر پہاڑ جو دسیوں سال قحط زدہ رہے، اب سرسبز و زرخیز خطوں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ بکریوں کی صنعت سے آمدنی بہت بڑھ گئی ۵۲، ۱۹۵۳ء کے دوران اس صنعت کی آمدنی میں جو اضافہ ہوا اس کا اندازہ ۸۴ ملین

---

[1] الکامل لابن اثیر، ذکر ابتداءِ اَمرِ القادسیۃ: ۲/۱۷۵

پونڈ ہے۔[1]

پرندے راستہ کیوں نہیں بھولتے؟

سائنس دانوں کا خیال ہے کہ انہوں نے اس بات کی کھوج لگا لی ہے کہ موسم بدلنے پر ہجرت کرنے والے پرندے کس طرح ہزاروں میل کا سفر کر کے دوسرے مقام تک پہنچتے ہیں، اور سفر کے دوران راستہ بھی نہیں بھولتے۔ جدید تحقیق کے مطابق ہجرت کرنے والے بہت سے پرندوں کی آنکھوں میں ایسے خلیے ہوتے ہیں جو کرۂ زمین کا مقناطیسی میدان اور زمین پر ہونے والی روشنیاں بالکل اس طرح واضح طور پر دیکھنے میں ان کی مدد کرتے ہیں جس طرح انہیں زمین پر اُگے درخت، چٹانیں اور دیگر اشیاء صاف دکھائی دیتی ہیں۔

سال کے اس حصے میں برطانیہ سے قریباً ۳ کروڑ پرندے گرم علاقوں کی جانب ہجرت کرنے والے ہیں۔ ان میں سے کئی پرندے تو ایسے ہیں جو برطانیہ سے سفر کر کے افریقہ پہنچیں گے۔ اس موقع پر جرمنی کی اولڈن برگ یونیورسٹی کے تحقیق دان ہنرک مورٹسن نے تجربہ کیا جس کا نتیجہ انہوں نے یہ نکالا کہ پرندوں کی آنکھوں کے پردے میں ایسے خلیے ہوتے ہیں جن کی مدد سے وہ زمین کا مقناطیسی نقشہ دیکھ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہزاروں میل کا سفر کرنے کے باوجود راستہ نہیں بھولتے۔ مورٹسن نے، جس جگہ سے پرندوں نے ہجرت شروع کی اس جگہ کے قریب مصنوعی مقناطیسی میدان قائم کیا اور مقناطیسی کشش کی قوت، زمین کی عمومی کشش سے ۹۰ درجے پر رکھی اور جب اس مصنوعی مقناطیسی میدان میں انہوں نے مقناطیسی لہریں پیدا کیں تو وہ پرندے، جو شمال کی جانب پرواز کر رہے تھے، ان کا رخ مغرب کی جانب ہوگیا۔

اس تجربے سے حاصل شدہ نتائج کی تصدیق کے لئے مورٹسن اور ان کی ٹیم نے باغوں میں بسیرا کرنے والے پرندوں پر تجربات کا فیصلہ کیا اور ان میں سے چند پرندے، جیسے کوئل وغیرہ پنجروں میں قید کر لئے۔ پھر ان پرندوں کا طرز عمل تبدیل ہوا تو اس سے انہیں معلوم ہوا کہ اب یہ پرندے یہاں سے ہجرت کرنے کے لئے بے تاب ہو رہے تھے۔

تجربے کی خاطر مورٹسن اور ان کی ٹیم نے ان پرندوں کو رہا کرنے کے بجائے انہیں مار ڈالا پھر ان کی آنکھوں پر تحقیق کی جس سے ظاہر ہوا کہ ان پرندوں کی آنکھوں کے پردے میں مخصوص خلیے ہوتے ہیں جن میں ''کریٹوکروم'' نامی پروٹین ہوتی ہے۔ کریٹوکروم پروٹین اتنی حساس ہوتی ہے کہ مقناطیسی میدان میں معمولی سی تبدیلی بھی فوراً محسوس کر لیتی ہے۔ مورٹسن کا کہنا ہے کہ آنکھ کے پردے پر کروڑوں خلیے ہوتے ہیں جو مخصوص طریقِ عمل سے پرندوں کو مقناطیسی میدان بالکل اس طرح دکھاتے ہیں جس طرح راڈار پر طیارے دکھائی دیتے ہیں۔

[1] (تراشہ: ۶۷) (''اَللّٰهُ يَتَجَلّٰى فِي عَصْرِ الْعِلْم'' ترجمہ عربی (The Evidence Of God The Expanding Universe) مرتبہ جان کلاور مونسما و مترجمہ عبدالمجید سرحان، موسۃ فرانکلین قاہرہ نیویارک (۱۹۶۱ء صفحہ ۵۱)

اس آئینے میں سبھی عکس ہیں تیرے

مذکورہ مضمون نگار ہی نے لکھا ہے کہ پھول کی ایک خاص قسم ہے جس کا نام (Jack in the pulpoint) ہے اس پودے میں پھولوں کے گچھے دو طرح کے ہوتے ہیں: نر اور مادہ۔ اس پودے میں چھوٹے چھوٹے پیالوں کی طرح کچھ نباتی حلقے ہوتے ہیں اور انہی حلقوں کے اندر پھول نشوونما پا کر باہر آتے ہیں، دوسرے پودوں کی طرح ان میں بھی پھولوں کی نشوونما نر اور مادہ کے ملاپ سے ہوتی ہے، لیکن ان پودوں میں ملاپ کا عجیب وغریب طریقہ مقرر ہے۔

نر اور مادہ یہاں براہِ راست نہیں ملتے بل کہ یہ ملاپ بہت چھوٹی مکھی کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ پودے کے نباتاتی حلقے اوپر سے کشادہ ہوتے ہیں لیکن اندر جا کر تنگ ہو جاتے ہیں، وہ چھوٹی سی مکھی نر پودے کے ان حلقوں کے اندر گھسنا چاہتی ہے، لیکن بیچ میں پہنچ کر بری طرح پھنس جاتی ہے، ایک تو آگے راستہ تنگ ہوتا ہے۔

دوسرے جوں ہی مکھی کسی نر پودے کے حلقے میں داخل ہوتی ہے، اس حلقے کے بالائی حصے سے موم کی طرح کا ایک مادہ اندر کی طرف پھیلنا شروع ہو جاتا ہے، جس سے حلقے کی دیواریں ڈھک جاتی ہیں۔ اب اس مکھی کو نہ آگے جانے کا راستہ ملتا ہے، نہ پیچھے ہٹنے کا، اس لئے وہ اپنی جگہ ایک جنونی کیفیت میں چکر کاٹتی ہے، اس جنونی گردش کے سبب پودے کے تناسلی ذرات اس مکھی کے جسم سے چمٹ جاتے ہیں اور جونہی یہ کام مکمل ہوتا ہے تو حلقے کے بالائی حصے سے مومی مادہ کا خروج خود بخود بند ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اوپر کا حصہ تھوڑا تھوڑا سخت ہونے لگتا ہے اور مکھی ذرا سا زور لگا کر باہر نکل آتی ہے۔

اس کے بعد یہی مکھی کسی مادہ پودے کے حلقے میں اسی طرح داخل ہوتی ہے، لیکن مادہ پودے کے حلقوں میں یہ خاصیت ہے کہ وہ مکھی کے گھسنے کے بعد نکلنے نہیں دیتے، مکھی اندر پہنچ کر ہمیشہ کے لئے مقید ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہو جاتی ہے، مرنے سے ذرا دیر پہلے وہ باہر نکلنے کی جو آخری کوشش کرتی ہے، اس میں وہ نر پودے کے تناسلی ذرّات مادہ پودے میں منتقل کر دیتی ہے اور تناسل کا عمل مکمل ہو جاتا ہے۔

یہ عجیب وغریب معاملہ ہے کہ نر پودے کا حلقہ پہلے مکھی کو داخل ہونے کا موقع دیتا ہے، پھر اسے پھانس دیتا ہے، اور اس کے بعد نکلنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اس کے برعکس مادہ پودا ایک بار پھانسنے کے بعد نکلنے کا موقع نہیں دیتا۔

﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ﴾[1]

مضمون نگار یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے:

"کیا یہ سارے شواہد اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت نہیں کرتے؟ ہماری عقلوں کے لئے یہ تصور کرنا انتہائی دشوار ہے کہ یہ عجیب وغریب انتظام محض اتفاقات کا کرشمہ ہے، یہ ماننا ناگزیر ہے کہ یہ سب کچھ ایک مستحکم تدبیر اور مکمل قدرت کا

---

[1] المؤمنون: ١٤

نتیجہ ہے۔'' [1]

البَدِیعُ جَلَّ جَلَالُہٗ کے کرم کا ایک واقعہ

وَاقِعَہ نمبر (۱۰۹): عامر بن حطان خارجی تھا اور حجاج بن یوسف کے مخالفین میں سے تھا، حجاج نے اسے گرفتار کیا، جلاد سے کہا: ''بدکار عورت کے اس بیٹے کی گردن اڑا دو۔'' عامر نے بڑے پروقار انداز میں سر اٹھا کر کہا:

''حجاج! تمہارے بڑوں نے تمہاری بڑی غلط تربیت کی ہے، موت کے بعد رہ کیا جاتا ہے، میں جواباً اسی طرح کی گالی تمہیں دوں تو مجھے کیا خوف ہوسکتا ہے لیکن گالی دینا بہادروں اور شرفاء کے شایان شان نہیں۔''

یہ گالی کا باعثِ نجات جواب تھا، حجاج نے اس کا یہ جملہ سن کر شرمندگی سے سر جھکا لیا، پھر اس سے کہا: ''تمہارے ساتھ احسان کیا جاسکتا ہے؟''

عامر نے کہا: ''کیوں نہیں'' چناں چہ حجاج نے گھوڑا اور زادِ راہ دے کر اسے اپنے علاقے کی طرف رخصت کیا، عامر وہاں پہنچا تو اس کے قبیلہ کے لوگوں نے کہا: ''آپ کو اللہ تعالیٰ نے آزادی دی ہے، حجاج نے نہیں، بھرپور تیاری کے ساتھ ہمیں دوبارہ حجاج پر حملہ کرنا چاہئے۔'' لیکن عامر نے کہا: ''حجاج نے مجھ پر احسان کیا ہے اور اس احسان نے میرے ہاتھ باندھ لئے ہیں، اب میں اس کے خلاف لڑنے پر آمادہ نہیں ہوسکتا۔'' [2]

فوائد و نصائح

❶ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ '' البَدِیعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کو ہی ہر چیز کا خوب صورت اور رنگ برنگی پیدا کرنے والا سمجھے اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اس طرح بغیر نمونے، مثال، سانچے کے بنانے، پیدا کرنے کی طاقت نہیں ہے، یہی مطلب '' البَدِیعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا ہے۔ انسان بدیع نہیں ہے، کیوں کہ انسان تو پہلے اپنے سامنے ایک نقشہ رکھتا ہے پھر کہیں جا کر اس کی نقل تیار کرتا ہے، بغیر نقشے یا نمونے کے ابتداءً کسی چیز کو نہیں بناتا، یہ صرف '' البَدِیعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہی کی خصوصیت ہے۔

❷ اس خوب صورت کائنات کے ذرّے ذرّے پر غور کرے اور '' البَدِیعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی حقانیت پر اپنے یقین کو پختہ کرے۔

❸ '' البَدِیعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے جو مخلوقات اس انسان کی خدمت کے لئے پیدا فرمائی ہیں ان سے نفع حاصل کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے اور یہ سوچے کہ یہ طاقت ور مخلوق اللہ تعالیٰ کی بہترین کاری گری میں سے ہے۔

[1] الله يتجلى في عصر العلم: ۵۱ بحوالہ تراشے ۶۷ تا ۶۹
[2] العفو والاعتذار لابی الحسن الرقام: ۵۵۹

الْبَاقِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ

(ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ ''هُوَ الَّذِيْ لَا تَعْتَرِضُ عَلَيْهِ عَوَارِضُ الزَّوَالِ وَهُوَ الَّذِيْ بَقَاؤُهُ غَيْرُ مُتَنَاهٍ وَلَا مَحْدُوْدٍ، وَلَيْسَتْ صِفَةُ بَقَائِهِ وَدَوَامِهِ كَبَقَاءِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَدَوَامِهِمَا، وَذَالِكَ أَنَّ بَقَائَهُ أَزَلِيٌّ أَبَدِيٌّ وَبَقَاءُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ أَبَدِيٌّ غَيْرُ أَزَلِيٍّ وَمَعْنَى الْأَزَلِ مَالَمْ يَزَلْ وَمَعْنَى الْأَبَدِ مَا لَا يَزَالُ، وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَخْلُوْقَتَانِ كَائِنَتَانِ بَعْدَ أَنْ لَّمْ تَكُوْنَا فَهٰذَا فَرْقُ مَا بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ''[1]

''الْبَاقِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جس پر اسبابِ زوال طاری نہیں ہو سکتے اور جس کے باقی رہنے کی کوئی انتہا اور حد نہ ہو اللہ ربّ العزت کی ہمیشہ باقی رہنے والی صفت جنت وجہنم کے ہمیشہ باقی رہنے کی طرح نہیں ہے کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے، جب کہ جنت وجہنم ہمیشہ تو رہیں گے لیکن ہمیشہ سے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی ہیں، ازل کا مطلب جو ہمیشہ سے ہو اور ابد کا مطلب جو ہمیشہ رہے۔ جب کہ جنت وجہنم مخلوق ہیں پہلے موجود نہ تھے بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق فرمائی (اور جنت وجہنم کو ہمیشہ باقی رہنے کی صفت بھی ''الْبَاقِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے عطا فرمائی ہے۔''

❷ ''اَلْبَاقِيْ اَلَّذِيْ لَا إِبْتِدَاءَ لِوُجُوْدِهِ ...... وَلَا نِهَايَةَ لِوُجُوْدِهِ ...... وَقِيْلَ: هُوَ الْأَوَّلُ بِلَا إِبْتِدَاءٍ ...... وَالْاٰخِرُ بِلَا إِنْتِهَاءٍ.''[2]

''''الْبَاقِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات جس کے وجود کی نہ کوئی ابتداء ہو اور نہ ہی کوئی انتہاء ہو، بعض حضرات فرماتے ہیں: ''الْبَاقِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ہے جو اوّل ہے بغیر ابتداء کے اور آخر ہے بغیر انتہاء کے۔''

''الْبَاقِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے سوا ہر چیز فانی ہے

اللہ ربّ العزت کا ارشاد مبارک ہے:

[1] شان الدعا: ٩٦ [2] شرح اسماء اللّٰہ الحسنٰی للرّازی: ٣٥٠

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْإِكْرَامِ ۝﴾[1]

ترجمہ: ”زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں، صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت و عزت والی ہے باقی رہ جائے گی۔“

مشہور تفسیر کے مطابق آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے جن میں جن و انس بھی داخل ہیں سب کے سب فانی ہیں، باقی رہنے والی ایک ہی ذات حق جلّ جلالہٗ کی ہے۔

فانی ہونے سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ سب چیزیں اس وقت بھی اپنی ذات میں فانی ہیں، ان میں دوام و بقا کی صلاحیت نہیں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ قیامت کے روز یہ سب چیزیں فنا ہو جائیں گی، بعض حضرات مفسرین نے ﴿وَجْهُ رَبِّكَ﴾ کی تفسیر جہت اور سمت سے کی ہے، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہو جائیں گے کہ کل موجودات میں بقا صرف اس چیز کو ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب میں ہے، اس میں اس کی ذات و صفات بھی داخل ہیں اور مخلوقات کے اعمال و احوال میں جس چیز کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ بھی شامل ہے، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ انسان اور جن اور فرشتے جو کام اللہ تعالیٰ کے لئے کرتے ہیں وہ کام بھی فنا نہیں ہوں گے۔[2]

اور اس مفہوم کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾[3]

ترجمہ: ”جو کچھ تمہارے پاس ہے (مال و دولت ہو یا قوت و طاقت یا راحت و کلفت یا کسی کی محبت و عداوت یہ سب چیزیں) فنا ہونے والی ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے پاس انسان کے اعمال و احوال میں سے وہ چیز ہے جس کا تعلق حق تعالیٰ سے ہے کہ اس کو فنا نہیں۔[4]

دنیا کی راحت و کلفت، دوستی، دشمنی سب فنا ہونے والے ہیں اور ان کے ثمرات و نتائج جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ باقی رہنے والے ہیں۔

﴿مَا عِنْدَكُمْ﴾ کے لفظ سے عام طور پر ذہن صرف مال و متاع کی طرف جاتا ہے، استاذِ محترم مولانا سیّد اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لفظ ﴿مَا﴾ لغت کے اعتبار سے عام ہے اور عموم کے معنی مراد لینے سے کوئی امر شرعی مانع نہیں، اس لئے اس میں دنیا کا مال و متاع بھی داخل ہے، اور اس میں پیش آنے والے تمام حالات و معاملات، خوشی، رنج وغم، راحت، بیماری، صحت، نفع اور نقصان کسی کی دوستی یا دشمنی یہ سب چیزیں شامل ہیں کہ سب کی سب فنا ہونے والی ہیں، البتہ ان حالات و معاملات پر جو آثار مرتب ہونے والے ہیں اور قیامت میں ان پر عذاب و ثواب ہونے والا ہے وہ سب باقی رہنے والے ہیں۔

---

[1] الرحمٰن: ٢٦، ٢٧ [2] روح المعانی: ١٠٨/١٤ [3] النحل: ٩٦ [4] معارف القرآن: ٢٥١/٨، النحل: ٩٦

فنا ہو جانے والے حالات و معاملات کی دھن میں لگا رہنا اور اپنی زندگی اور اس کی توانائی کو اسی کی فکر میں لگا کر دائمی عذاب وثواب سے غفلت برتنا کسی ذی عقل کا کام نہیں۔

قرآن کہتا ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾[1]

تَرجَمَۃ: ''صرف وہی زندہ جاوید ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں۔''

سورۃ القصص میں فرمایا:

﴿كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾[2]

تَرجَمَۃ: ''اس ذات کے سوا جو کچھ ہے سب فنا ہونے والا ہے۔''

اس آیت میں قرآنِ پاک نے غور وفکر کرنے والوں اور سمجھنے والوں کے لئے ایک عام فہم آسان انداز میں دل نشین اور بہت دل چسپ استدلال کیا ہے۔ اگر غیر مسلم بھی اس کو سوچے تو اس کو اسلام اور توحید کی توفیق مل جائے گی اور مسلمان جتنا اس پر غور کرے گا تو توحید کا عقیدہ مضبوط ہوگا اور غیر اللہ سے مستغنی ہو جائے گا:

قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے سب فنا ہونے والا ہے، باقی رہنے والی اور کبھی نہ فنا ہونے والی ہستی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے جو سب کا خالق اور پروردگار ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری ہستیوں کو حاجت روا اور کارساز سمجھ کر اُن سے دُعائیں کرنے والے اور مُرادیں مانگنے والے جاہل مشرکین بھی اس حقیقت کو جانتے اور مانتے ہیں کہ سدا رہنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور باقی سب فانی ہیں۔

پس قرآن کہتا ہے: جن ہستیوں کے متعلق تم خود جانتے ہو کہ وہ اپنے وجود اور اپنی حیات میں بھی مختار نہیں اور اپنے کو موت اور فنا سے بچا لینا بھی جن کے بس میں نہیں، سوچو کہ اُن کو کارساز اور حاجت روا سمجھ کر اُن سے مدد مانگنا اور ان کو پکارنا کتنی بڑی حماقت و جہالت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ سے روایت ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ''سچا کلمہ جو کسی شاعر نے کہا وہ لبید شاعر کا ہے:''

''اَلَا كُلُّ شَیْءٍ مَّا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ''[3]

تَرجَمَۃ: ''خبردار ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سوا ختم ہونے والی ہے۔''

---

[1] المؤمن: ٦٥ [2] القصص: ٨٨ [3] بخاري، مناقب، ايام الجاهلية: ١/٥٤١

پس جولوگ بتوں کو...... یا نیک اور مقدس رُوحوں کو...... یا گزرے ہوئے پیغمبروں...... یا پیروں...... ولیوں......کو اپنی مدد کے لئے پکارتے ہیں اور اپنی حاجتوں میں اُن سے دُعائیں کرتے ہیں (حالاں کہ جانتے ہیں کہ یہ سب فانی ہستیاں ہیں) وہ خود سوچیں کہ وہ کیسی احمقانہ حرکت کرتے ہیں اور اپنے کو وہ کتنی گہری پستی میں گراتے ہیں۔[1]

الباقی جل جلالہ سے تعلق پیدا کرنے کی دعا

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ دنیا سے ہر انسان کو جانا ہے، اب جانے والا یا تو قید خانے سے نکل کر جاتا ہے یا پھر قید خانے میں جاتا ہے۔ یعنی انسان نے دنیا میں اپنے دل کو قید اور پابندی میں بند رکھا کہ اس میں غیر اللہ کا خوف اور غیر اللہ سے امید نہ رکھی...... آنکھوں کو قید میں رکھا کہ بدنظری نہ کی...... زبان کو قید میں رکھا کہ غیبت...... بدزبانی...... گالی گلوچ سے بچایا اور ذکر وتلاوت کا پابند رکھا تو موت آتے ہی یہ تمام اعضاء قید سے نکل کر آزاد فضا میں ہوں گے، اور اگر ان اعضاء کو دنیا میں آزاد رکھا تو پھر موت آتے ہی یہ سب قید خانے میں ہوں گے۔

اسی لئے کہتے ہیں:

''فَكُلُّ خَارِجٍ مِّنَ الدُّنْيَا إِمَّا مُتَخَلِّصٌ مِّنَ الْحَبْسِ وَإِمَّا ذَاهِبٌ إِلَى الْحَبْسِ.''[2]

''یعنی دنیا سے ہر جانے والا شخص یا تو قید سے رہائی پانے والا ہے گیا یا قید میں جانے والا ہے۔''

انسان الباقی جل جلالہ سے جتنی محبت اور تعلق کو بڑھائے گا، اتنا ہی اس کے ہر فیصلے پر راضی رہ سکے گا اور اتنا ہی فانی چیزوں سے تعلق گھٹے گا، بسا اوقات انسان کی کوئی محبوب ترین چیز جدا ہو جاتی ہے جس سے اس کو اتنا افسوس ہوتا ہے کہ نہ پوچھیں......؟

ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ کاروبار میں نقصان ہوا یا کسی عزیز کا انتقال ہوا، کسی فانی چیز پر مصیبت آئی، کسی نے بے وفائی کی، تو انسان اپنے ہوش وحواس کھو دے، یا پریشان پھرتا رہے، یا اپنی زندگی کو ختم کرنے کی فکر اور دعا کرتا رہے، بل

---

[1] ے

دوران لقاء چو باد صحرا بگذشت تلخی و خوشی وزشت و زیبا بگذشت

پنداشت ستمگر کہ جفا برما کرد برگر دن وے بماند و برما بگذشت

ملاقات کے دوران جب صحرائی ہوا چلی تو وہ خوشی غمی اچھے برے لمحات لے کر چلی

ستم گر یہ سمجھا کہ ہوا ہم پر ظلم کرگئی، کہ اس کی گردن پہ باقی رہی اور ہم پر سے گزر گئی

(معارف القرآن: ۳۹۷/۵)

[2] اس میں اشارہ ہے اس حدیث مبارکہ کی طرف جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے: ''میت کا جنازہ جلدی لے جاؤ اس لئے کہ اگر یہ نیک آدمی تھا تو اس کو بہتری کی طرف آپ بڑھا رہے ہیں اور اگر یہ برا آدمی تھا تو اس کے شر سے جلد محفوظ ہو جاؤ گے۔'' (سنن ابی داؤد، الجنائز، باب الاسراع بالجنازة، رقم: ۳۱۸۱)

کہ یہ دعا مانگتا رہے:

"اَللّٰهُمَّ وَمَا زَوَيْتَ عَنِّيْ مِمَّا أُحِبُّ فَاجْعَلْهُ فَرَاغًا لِّيْ فِيْمَا تُحِبُّ."[1]

ترجمہ: "الٰہی میری جن پسندیدہ نعمتوں کو تو نے مجھ سے روک لیا ہے تو اب تو ان کے خیال سے بھی میرے دل کو خالی کر کے ایسے کاموں میں لگا دے جو تجھ کو پسند ہوں۔"

یہ دعا ہر وقت مانگتا رہے تب ہی جا کر اس الباقی جل جلالہٗ سے قلبی تعلق پیدا ہو جائے گا اور اس فانی دنیا کی تبدیلیوں سے آپ کو بالکل غم و افسوس نہیں ہوگا۔ اس کی ایک بہترین مثال بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ اپنے والد ماجد کا واقعہ لکھتے ہیں:

اللہ والے دنیا کے تمام کاروبار عام انسانوں کی طرح انجام دیتے ہیں، لیکن دنیا کی محبت ان کے دل میں نہیں ہوتی، اس جملے کی مکمل عملی تفسیر ہم نے اپنے والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ کی زندگی میں دیکھی، آپ کو اللہ تعالیٰ نے کسبِ معاش کے لئے تجارت، زراعت اور اجارہ تینوں سنتوں پر عمل کی توفیق بخشی، تجارت اس طرح کہ صرف پانچ روپے کے سرمائے سے دارالاشاعت کا کام شروع کیا، جو کتابوں کی نشر واشاعت کی شکل اختیار کر گیا، زراعت اس طرح فرمائی کہ دیوبند میں باغ لگایا، اس کے علاوہ کتابت اور جلد سازی کا بھی کام کیا، اور تنگ دستی سے لے کر وسعت فراخی تک ہر قسم کے سرد و گرم چکھے، لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دنیا کی محبت آپ کو چھو کر بھی نہیں گئی۔ جس کی واضح مثال یہ ہے کہ دیوبند میں عمر کا بیشتر حصہ آپ نے ایک تنگ کمرے میں گزارا، آخر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے وسعت دی تو خود اپنے شوق سے ایک کشادہ مکان بنوایا، اس کی ایک ایک اینٹ پر محنت خرچ کی، یہاں تک کہ وہ آپ کی راحت کا بہترین سامان بن گیا، آپ کو شجر کاری کا بھی شوق تھا اور فرمایا کرتے تھے: اگر نیت صحیح ہو تو درخت لگانا بھی ایک صدقہ جاریہ ہے، جب تک وہ درخت قائم رہے گا، اس سے جتنے آدمی فائدہ اٹھائیں گے، درخت لگانے والے کو ثواب ملے گا، چناں چہ دیوبند ہی میں ایک باغ لگایا جس میں بڑے شوق اور محنت سے مختلف پھلوں، بالخصوص آم کے درخت جمع کئے، لیکن اس اثناء میں پاکستان بن گیا، اور ہجرت کا مرحلہ اس وقت آیا جب اس باغ پر پہلا پہلا پھل آ رہا تھا، آپ یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلے آئے اور اکثر تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا کرتے تھے:

"بفضلہ تعالیٰ جس روز میں نے اس گھر اور اس باغ سے قدم نکالا ہے، وہ گھر اور باغ میرے دل سے نکل گئے، اور اب مجھے بعض اوقات سوچ کر بھی اس گھر کے بعض حصوں کا نقشہ یاد نہیں آتا۔" چناں چہ ساری عمر کبھی ایک مرتبہ آپ کو اس گھر یا باغ کا حسرت سے تذکرہ کرتے نہیں دیکھا۔

اسی طرح کراچی آنے کے سات سال بعد اللہ تعالیٰ نے لسبیلہ ہاؤس میں وسیع اور آرام دہ مکان عطا فرمایا لیکن چند

---

[1] جامع الترمذی، ابواب الدعوات: ۲/۱۸۷

سال اس میں مقیم رہنے کے بعد دار العلوم کی ضرورت داعی ہوئی کہ اپنا قیام یہاں منتقل فرمالیں، چناں چہ اس کشادہ اور آرام دہ مکان کو چھوڑ کر یہاں تشریف لے آئے، اور ایک ایسے تنگ مکان میں سال ہا سال گزارہ کیا جس کی چھتیں ناپختہ تھیں، اور برسات کے موسم میں کمرہ بری طرح ٹپکتا تھا، لیکن یہاں آنے کے بعد لسبیلہ کے مکان کے راحت و آرام کو یاد کرتے کبھی نہیں دیکھا۔

غرض دنیا کی کسی بڑی سے بڑی منفعت کے ہاتھ سے نکل جانے پر کبھی حسرت کرتے آپ کو نہیں پایا، بہادر شاہ ظفر مرحوم کا یہ شعر جو آپ ایسے مواقع پر اکثر پڑھا کرتے تھے، آپ کے قلب کی کیفیت کی تصویر تھا: ؎

یہ کہاں کا فسانہ سود و زیاں، جو گیا سو گیا، جو ملا سو ملا
کہو دل سے کہ فرصتِ عمر ہے کم، جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

ان مندرجہ ذیل جملوں کو اپنے کمرے میں آویزاں کریں

- تبدیلی اللہ کی طرف سے ہے ہر چیز فنا ہونی ہے!
- جو ہوا اچھا ہوا!
- جو ہو رہا ہے وہ اچھا ہو رہا ہے!
- جو ہوگا وہ بھی اچھا ہی ہوگا!
- تمہارا کیا گیا جو تم روتے ہو؟
- تم کیا لائے تھے، جو تم نے کھو دیا؟
- تم نے کیا پیدا کیا تھا جو ختم ہو گیا!
- تم نے جو لیا، یہیں سے لیا!
- جو دیا، یہیں پر دیا!
- جو آج تمہارا ہے!
- کل کسی اور کا تھا!
- آئندہ کسی اور کا ہو جائے گا!

ٹینشن اور ڈپریشن دور کرنے کے لئے ان کلمات کو یاد کر لیجئے

الباقی جل جلالہٗ کے نام کو جتنا سوچے گا دنیا کے زائل ہو جانے کا غم ختم ہوتا جائے گا۔ یہاں چند عبارتیں لکھی

جاتی ہیں جو اس دنیا کے فانی ہونے کو یاد دلاتی ہیں اور دنیا کی چیزوں کے کم ہونے یا ضائع ہو جانے یا نقصان ہونے پر جو ڈپریشن یا ٹینشن کی بیماری ہوتی ہے اس کو زائل کرنے کے لئے یہ عبارتیں مفید رہیں گی۔

❶ اے انسان! تو سمجھتا ہے کہ تو ہمیشہ زندہ رہے گا، لیکن نہیں نہیں، بل کہ جلد ہی دنیا تمہارا نام زندوں کی فہرست سے نکال کر مردوں کی فہرست میں درج کر دے گی۔

❷ والدین بہت روئیں گے بالآخر مایوس ہو کر بیٹھ جائیں گے۔

❸ دوست احباب، عزیز و اقارب تمہیں خوب یاد کر کے ہمیشہ کے لئے بھول جائیں گے۔

❹ بیوی کچھ عرصہ سوگوار رہے گی مگر چند روز کے بعد حالات کی تبدیلیاں اُسے تازہ مشاغل میں اُلجھا دیں گی۔

❺ بچے بہت یاد کریں گے مگر آہستہ آہستہ اُن کے ذہن سے تمہارا نقش محو ہو جائے گا۔

❻ طوفانِ باد و باراں دستوراً تمہاری قبر کی بلندی کو ہموار کر کے تمہارا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے، چند سال بعد ایک بھولے ہوئے خواب کے مانند ہو جاؤ گے۔

❼ نصف صدی گزر جانے پر اس بات کا باور کرنا مشکل ہوگا کہ تم کبھی دنیا میں آئے بھی تھے، اس لئے دنیا کی فکر چھوڑ! آخرت کی تیاری کر جہاں کی ابدی زندگی تیرا انتظار کر رہی ہے۔

دنیا کا سارا ذخیرہ اولاً تو ہے ہی کتنا، اور پھر جتنا ہے، سریع الزّوال ہے، آناً فاناً ختم ہو جانے والا اور اجرِ آخرت اوّل تو بے حساب و بے نہایت اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ ہمیشہ رہنے والا اور کبھی ختم نہ ہونے والا ہے۔

موجودہ ”مہذب“ دنیا عقائد میں جس شئے کو سب سے زیادہ اور یکسر بھولی ہوئی ہے وہ یہی آخرت کی نعمتیں اور ان کی اہمیت ہے، فسق و معصیت کی طرف لے جانے والی اور تقویٰ اور طاعت کی طرف سے بے پرواہ کر دینے والی سب سے بڑھ کر یہی آخرت فراموشی ہے اور اسی لئے قرآن مجید صدہا مختلف پیرایوں سے اس کی یاد دلاتا رہتا ہے۔[1]

اس عارضی و فانی دنیا کے پیچھے پڑ کر آخرت کی دائمی زندگی کو خراب کرنا کس قدر محرومی کی بات ہوگی اگر کوئی شخص حرام ذریعہ سے لاکھ روپے کما لیتا ہے تو وہ اپنی فانی دنیا کی چند راحتوں کی خاطر نہ ختم ہونے والی زندگی کی بربادی کا سودا کر رہا ہے، کیا اسے عقل مندی کہا جا سکتا ہے؟

ہرگز نہیں، اگر ایک شخص والدین کے انتقال کے بعد وراثت شرعی طریقوں پر تقسیم نہیں کرتا اور سمجھتا ہے کہ اس مال و دولت کے ساتھ میں ہمیشہ رہ سکوں گا تو یہ دھوکہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی ذات و صفات کا صحیح یقین نصیب فرمائے اور عقیدۂ آخرت کا استحضار رکھنے والا بنائے اور سوچ و فکر کا صحیح رخ عطا فرمائے۔ آمین۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] تفسیر ماجدی: ۵۷۰/۱، النحل: ۹٦

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾[1]

تَرجَمَہ: ''اس کے سوا ہر شئے فنا ہونے والی ہے بجز اس کی ذات کے۔ حکومت اسی (ایک) کی ہے اور اسی کی طرف تم (سب) لوٹائے جاؤ گے۔''

یعنی ہر چیز اپنی ذات سے معدوم ہے اور تمام چیزوں کو فنا ہونا ہے، خواہ کبھی ہو۔ مگر اس کی ذات یعنی وہ آپ نہ کبھی معدوم تھا نہ کبھی فنا ہوسکتا ہے۔[2]

صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے فانی چیزوں سے دل نہیں لگایا

واقِعَہ نمبر (۱۱۰): صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ حضرت عمرو بن عاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی سرکردگی میں مصر کے مشہور شہر اسکندریہ کا محاصرہ کیئے ہوئے تھے، اسی دوران حضرت عبادہ بن صامت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کسی ضرورت سے پڑاؤ سے کچھ فاصلہ پر چلے گئے اور ایک جگہ گھوڑے سے اتر کر نماز کی نیت باندھ لی، اتنے میں کچھ رومی کافر گھومتے ہوئے ادھر آ نکلے، انہوں نے حضرت عبادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو تنہا نماز پڑھتے دیکھا تو سوچا یہ انہیں قتل کرنے کا اچھا موقع ہے، چناں چہ وہ بری نیت لے کر حضرت عبادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی طرف بڑھے، حضرت عبادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نماز میں مشغول رہے لیکن جب رومی ان کے بالکل ہی قریب پہنچ گئے تو انہوں نے جلدی سے سلام پھیرا۔ انتہائی پھرتی کے ساتھ چھلانگ لگا کر گھوڑے پر سوار ہو گئے اور رومیوں پر حملہ کر دیا، رومیوں کو ایک عابد درویش سے ایسی شجاعت کی توقع نہ تھی۔

جب اللہ تعالیٰ کا یہ شیر ان کی طرف بڑھا تو وہ باگیں موڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن حضرت عبادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان کا تعاقب نہ چھوڑا وہ سب آگے آگے، اور یہ تنہا پیچھے پیچھے۔ جب جان بچتی نظر نہ آئی تو انہوں نے اپنا کچھ قیمتی سامان کمر کی پٹیاں کھول کھول کر زمین پر پھینکنا شروع کر دیا۔ خیال تھا کہ عرب کا یہ صحرا نشین یہ قیمتی سامان دیکھے گا تو اس کے لالچ میں ہمارا پیچھا چھوڑ کر سامان بٹورنے میں لگ جائے گا، لیکن عبادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سردارِ دو عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے شیدائی تھے، انہوں نے سامان کی طرف نظر بھر کر بھی نہ دیکھا اور تعاقب جاری رکھا، یہاں تک کہ رومی بمشکل تمام قلعہ کے قریب پہنچے اور اندر گھس کر دروازہ بند کر لیا، حضرت عبادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ تھوڑی دیر قلعہ کے اوپر پتھر برساتے رہے اور اس کے بعد لوٹ آئے۔

واپسی میں اُن رومیوں کا سامان زمین پر بکھرا تھا، مگر یہ درویش اللہ تعالیٰ کے عاشق اسے اٹھانے میں اپنا وقت کہاں برباد کرتے؟ واپس اسی جگہ پہنچ کر پھر نماز شروع کر دی۔ رومیوں نے سامان جوں کا توں پڑا دیکھا تو باہر آ کر اسے اٹھا لے گئے۔[3]

---

[1] القصص: ۸۸ [2] تفسیر عثمانی: ۵۲۷، القصص: ۸۸ [3] النجوم الزاهرة: ۹/۱ بحوالہ تراشے: ۳۹

واقعہ نمبر (۱۱۱): حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت سعید بن عامر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو حمص کا امیر (گورنر) بنایا، ایک عرصہ بعد اہلِ حمص حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس آئے تو آپ نے ان سے کہا: ''اپنے فقراء کے نام لکھ دو تا کہ ہم ان کی مدد کر سکیں'' انہوں نے فقراءِ حمص کے نام لکھ کر پیش کئے تو ان میں ایک نام سعید بن عامر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا تھا، پوچھا، ''کون سعید بن عامر؟''

کہا: ''ہمارا امیر'' پوچھا، ''تمہارا امیر فقیر ہے؟''

کہا: ''جی ہاں! کئی دن گزر جاتے ہیں اور ان کے گھر آگ نہیں جلتی، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یہ سن کر رونے لگے اور ایک ہزار دینار ان کے لئے بھیجے۔

جب وہ دینار ان کو ملے تو یک دم ''اِنَّا لِلّٰہِ......'' پڑھنے لگے، بیوی نے کہا:

''مَا شَأْنُکَ؟ أُصِیْبَ أَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ؟'' کیا بات ہے، امیر المؤمنین انتقال کر گئے؟

فرمایا: ''بَلْ أَعْظَمُ مِنْ ذٰلِکَ. الدُّنْیَا أَتَتْنِیْ، اَلْفِتْنَۃُ أَتَتْنِیْ'' ''معاملہ اس سے بھی بڑھ کر ہے، دنیا میرے پاس آنے لگی، فتنہ میرے پاس آنے لگا، مجھ پر چھانے لگا'' کہنے لگی:

اس کا تو حل ہے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں تقسیم کر دیجئے چناں چہ اگلے دن وہ ساری رقم مجاہدین میں تقسیم کر دی۔[1]

کتنے سعادت مند تھے یہ لوگ

واقعہ نمبر (۱۱۲): جنہوں نے اس فانی دنیا سے دل نہیں لگایا، دین کی خدمت، دین کی اشاعت و حفاظت میں اس فانی دنیا کے ایام کو ہمیشہ رہنے والی آخرت کے سدھارنے پر لگا دیا۔

امام ابوزرعہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مشہور محدث اور فقیہ گزرے ہیں، ان کے انتقال کا بھی عجیب واقعہ ہے، ابوجعفر تستری کہتے ہیں: ہم جان کنی کے وقت ان کے پاس حاضر ہوئے، اس وقت ابوحاتم، محمد بن مسلم، منذر بن شاذان اور علماء کی ایک جماعت وہاں موجود تھی، ان لوگوں کو تلقینِ میت کی حدیث کا خیال آیا کہ آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد مبارک ہے:

''لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ''[2] (اپنے مردوں کو ''لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ'' کی تلقین کیا کرو) مگر ابوزرعہ سے شرما رہے تھے اور ان کو تلقین کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، آخر سب نے سوچ کر یہ راہ نکالی کہ تلقین حدیث کا مذاکرہ کرنا چاہئے، چناں چہ محمد بن مسلم نے ابتدا کی ......

''حَدَّثَنَا الضَّحَّاکُ بْنُ مُخَلَّدٍ عَنْ عَبْدِالْحَمِیْدِ بْنِ جَعْفَرٍ ......'' اور اتنا کہہ کر رک گئے، باقی حضرات نے بھی خاموشی اختیار کی، اس پر ابوزرعہ نے اسی جان کنی کے عالم میں روایت کرنا شروع کیا:

---

[1] اسد الغابہ: ۲/۴۶۳ [2] صحیح مسلم، الجنائز، باب تلقین الموتی لا الہ الا اللہ، رقم: ۹۱۶

"حَدَّثَنَا بُنْدَارُ حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالْحَمِيْدِ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ أَبِىْ عُرَيْبٍ عَنْ كَثِيْرِ بْنِ مُرَّةَ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ طائرِ روح قفسِ عنصری سے عالمِ قدسی کی طرف پرواز کر گیا، پوری حدیث یوں ہے:

"مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ" (یعنی جس کی زبان سے آخری الفاظ "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" نکلے وہ جنت میں داخل ہوگا)۔[1]

الباقی جل جلالہ سے حسنِ خاتمہ مانگئے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے وقت یہ دُعا مانگ رہے تھے:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ وَارْحَمْنِىْ وَالْحِقْنِىْ بِالرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى."[2]

ترجمہ: "اے اللہ! مجھے بخش دیجئے اور مجھ پر رحم کیجئے اور مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دیجئے۔"

اس فانی دنیا کی بے ثباتی

واقعہ نمبر ⑪③: حضرت صالح عجلی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: ایک دن حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بندو! دنیاوی زندگی تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے کیوں کہ یہ ایسا گھر ہے جو بلاؤں سے گھرا ہوا ہے اور جس کا ایک دن فنا ہو جانا مشہور ہے اور جس کی خاص صفت بدعہدی کرنا ہے، اس میں جو کچھ ہے وہ زوال پذیر ہے، دنیا اپنی جگہ بدلتی رہتی ہے، کبھی کسی کے پاس اور کبھی کسی کے پاس......

اس میں اترنے والے اس کے شر سے ہرگز نہیں بچ سکتے، دنیا کے عیش وعشرت میں لگنا قابلِ مذمت کام ہے اور اس کی فراوانی ہمیشہ نہیں رہتی اور یہ فراوانی دنیا کے لئے نشانہ ہیں، ان پر دنیا اپنے تیر چلاتی رہتی ہے اور موت کے ذریعہ انہیں توڑتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندو! تمہارا دنیا کا راستہ ان لوگوں سے الگ نہیں ہے جو دنیا سے جا چکے ہیں، جن کی عمریں تم سے زیادہ لمبی تھیں اور جن کی پکڑ تم سے زیادہ سخت تھی اور جنہوں نے تم سے زیادہ شہر آباد کئے تھے اور جن کی آبادی کے نشانات بہت زیادہ عرصے تک رہے تھے، ان کی آوازوں کا شور بہت زمانے تک رہا تھا۔

لیکن اب ان کی یہ آوازیں بالکل خاموش اور بجھ چکی ہیں، اب ان کے جسم بوسیدہ اور ان کے شہر خالی ہو چکے ہیں، ان کے تمام نشانات مٹ چکے ہیں، قلعی اور چونے والے محلات، مزین تختوں اور بچھے ہوئے گاؤ تکیوں کے بجائے اب

---

[1] کتابوں کی درسگاہ میں: ۶۸

[2] ترمذی، الدعوات، رقم: ٣٤٩٦

انہیں چٹانیں اور پتھر مل گئے ہیں جو ان کی قبروں میں رکھے ہوئے ہیں اور گارے سے بنے ہوئے ہیں، ان کی قبروں کے سامنے کی جگہ ویران اور بے آباد پڑی ہوئی ہے اور مٹی کے گارے سے ان قبروں پر لپائی کی گئی ہے۔ ان قبروں کی جگہ آبادی کے قریب ہے لیکن ان میں رہنے والے بہت دور چلے جانے والے مسافر ہیں۔

ان کی قبریں آبادی کے درمیان ہیں، لیکن ان قبروں والے وحشت اور تنہائی محسوس کرتے ہیں۔ ان کی قبریں کسی محلّہ میں ہیں لیکن یہ قبروں والے اپنے ہی میں مشغول ہیں اور انہیں آبادی سے کوئی اُنس نہیں ہے حالاں کہ یہ قبروں والے ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں، ان کی قبریں پاس ہیں لیکن ان میں پڑوسیوں والا کوئی جوڑ نہیں ہے اور ان میں آپس میں جوڑ ہو بھی کیسے سکتا ہے جب کہ بوسیدگی نے انہیں پیس رکھا ہے اور چٹانوں اور گیلی مٹی نے انہیں کھا رکھا ہے۔

پہلے یہ لوگ زندہ تھے اب مر چکے ہیں اور عیش ولذت والی زندگی گزار کر اب ریزہ ریزہ ہو چکے ہیں، ان کے مرنے پر ان کے دوستوں کو بہت دکھ ہوا اور مٹی میں انہوں نے بسیرا اختیار کر لیا اور ایسے سفر پر گئے ہیں جہاں سے واپسی نہیں۔ ہائے افسوس، ہائے افسوس ہرگز ایسا نہیں ہوگا یہ اس کی صرف ایک ہی بات ہے جس کو وہ کہہ رہا ہے اور ان کے آگے آڑ (یعنی عالم برزخ) ہے اس دن تک کے لئے جس دن لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، اور تم بھی ایک دن ان کی طرح قبرستان میں اکیلے رہو گے، بوسیدہ ہو جاؤ گے اور تمہیں بھی اس لیٹنے کی جگہ کے سپرد کر دیا جائے گا، اور یہ قبر کا امانت خانہ تمہیں اپنے میں سمیٹ لے گا، تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تمام کام ختم ہو جائیں گے اور قبروں کے مردے زندہ کر کے کھڑے کر دیئے جائیں گے۔

جو کچھ دلوں میں ہے وہ سب کھول کر رکھ دیا جائے گا پھر تمہیں جلال و دبدبہ والے بادشاہ کے سامنے اندر کی ساری باتیں ظاہر کرنے کے لئے کھڑا کر دیا جائے گا، پھر گزشتہ گناہوں کے ڈر سے دل اڑنے لگ جائیں گے اور تمہارے اوپر سے تمام رکاوٹیں اور پردے ہٹا دیئے جائیں گے، تمہارے تمام عیب اور راز ظاہر ہو جائیں گے۔

ہر انسان کو اپنے کئے کا بدلہ ملے گا، برے کام کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ برا بدلہ اور اچھے کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیں گے، اعمال نامہ سامنے رکھ دیا جائے گا تو آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس اعمال نامہ میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے ہائے ہماری بدقسمتی! اس اعمال نامہ کی عجیب حالت ہے کہ اس نے لکھے بغیر نہ چھوٹا گناہ چھوڑا اور نہ بڑا اور جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا تھا اسے وہاں سب لکھا ہوا موجود پائیں گے، ان کا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اپنی کتاب پر عمل کرنے والا اور اپنے دوستوں کے پیچھے چلنے والا بنائے تا کہ ہمیں اور آپ کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے گھر یعنی جنت میں جگہ عطا فرمائے، یقیناً وہ تعریف کے قابل بزرگی والا ہے۔[1]

---

[1] کنزالعمال، المواعظ والرقائق والخطب والحکم: جلد:۸، جز:۱۶، صفحہ: ۸٤

فانی دنیا کے ناکام عاشق

وَاقِعَہ نمبر (۱۱۴): امام ابن جوزی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنی مشہور کتاب "صید الخاطر" میں اس فانی دنیا کے چند عاشقوں کے واقعات نقل کئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے۔ فرمایا:

مجھے میرے جاننے والوں نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک شخص کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی، اس شخص کے پاس ایک ہزار دینار کی خطیر رقم تھی جو اس نے کہیں دفن کی تھی، ایک مرتبہ وہ سخت بیمار ہوا، تو اپنے ایک لڑکے سے کہنے لگا:

"إِنَّ أَخَاكَ مَشْغُوْلٌ بِاللَّعْبِ وَالطُّيُوْرِ ......وَ إِنَّ أُخْتَكَ لَهَا زَوْجٌ تَرْكِي ......، وَمَتٰى وَصَلَ مِنْ مَّالِيْ إِلَيْهِمَا شَيْءٌ أَنْفَقُوْهُ فِي اللَّعْبِ ......"

"بیٹا! تیرا دوسرا بھائی تو بالکل فضول و آوارہ ہے، بہن کی شادی ہوگئی ہے اور اس کا شوہر ایک آزاد خیال، وقت پر ساتھ نہ دینے والا آدمی ہے، لہٰذا فلاں جگہ ایک ہزار دینار میں نے رکھے ہیں، میں صرف تجھے اس مال کا حق دار سمجھتا ہوں، تو میرے مرنے کے بعد تم وہ اپنے لئے نکال لینا"...... بیٹے کو جب معلوم ہوا تو اس نے باپ کے مرنے کا انتظار نہیں کیا اور جا کر وہ ایک ہزار دینار نکال لئے۔

کچھ دنوں کے بعد وہ شخص ٹھیک ہوگیا، بیٹے سے دینار لوٹانے کے لئے کہا تو اس نے انکار کر دیا، اتفاقاً وہ لڑکا بیمار ہوا، باپ نے بڑے اصرار اور لجاجت کے ساتھ اس سے کہا:

"وَيْحَكَ خَصَصْتُكَ بِالْمَالِ دُوْنَهُمْ، فَتَمُوْتُ فَيَذْهَبُ الْمَالُ"

"بیٹا وہ رقم بتا دے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تو بھی دنیا سے چلا جائے اور مال کا بھی کسی کو پتہ نہ ہو جب کہ میں نے اپنے تین بچوں میں سے صرف تجھے اس کا حق دار سمجھ کر بتایا تھا"...... بالآخر بیٹے نے وہ جگہ بتا دی، جہاں وہ دینار اس نے دفن کئے تھے۔

کچھ دنوں کے بعد باپ پھر بیمار ہوا، اب بیٹے نے اصرار شروع کیا لیکن اس بار باپ بتانے کے موڈ میں نہ تھا، یہاں تک کہ وہ مر گیا اور مال کسی گم نام جگہ میں دفن کا دفن ہی رہا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس فانی دنیا کی حرص سے بچائے (آمین)۔[1]

اس فانی محل میں دو عیب ہیں

وَاقِعَہ نمبر (۱۱۵): اس دنیا کی ہر شئے میں ایک نقص ہے وہ یہ کہ یہاں کی ہر چیز فانی ہے اسے بقا حاصل نہیں بقا صرف اور صرف البَاقِیُ جَلَّ جَلَالُہٗ کو ہے، لہٰذا فانی و زائل زندگی اور چند روزہ عیش و بہار میں پڑ کر آخرت کو نہیں بھولنا چاہئے،

[1] صيد الخاطر، حكايات عن البخلاء: ۲۸۰

دنیا کی زندگی بہرحال بھلی بری ختم ہو جانے والی ہے اس کے بعد وہ زندگی شروع ہوگی جہاں کی کسی بھی چیز کو زوال نہ ہوگا، عقل مند کا کام یہ ہے کہ یہاں رہتے ہوئے اس زندگی کی درستگی کی فکر کرے ورنہ ہمیشہ کی تکلیف میں مبتلا رہنا پڑے گا۔

؎ اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے　　　مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

امیر المؤمنین مہدی نے ایک نیا محل تعمیر کروایا۔ خلیفہ نے فرمایا: ''کسی شخص کو اس محل کے نظارے سے منع نہ کیا جائے۔ ناظرین یا تو دوست ہوں گے یا دشمن۔ اگر دوست ہیں تو خوش و خرم ہوں گے اور ہمیں دوستوں کی خوش دلی مطلوب ہے اور اگر دشمن ہیں تو رنج اٹھائیں گے اور دل کوفتہ ہوں گے۔

اور ہر شخص کی یہی مراد ہوتی ہے کہ دشمن کو رنج پہنچے۔ نیز شاید وہ کوئی عیب ڈھونڈیں اور کوئی خلل کی بات بتائیں اور اس سے وقوف پانے پر اس خلل کا تدارک کیا جا سکے اور نقص کو دور کر دیا جائے۔'' ایک فقیر نے کہا: ''اس محل میں دو نقص ہیں۔

ایک یہ کہ آپ اس میں ہمیشہ نہ رہیں گے۔

دوسرا یہ کہ یہ محل ہمیشہ نہ رہے گا۔'' خلیفہ اس کلام سے اس قدر متاثر ہوا کہ وہ محل غرباء اور فقراء کے لئے وقف کر دیا۔

؎ ہوئے قصر فنا سے قصر عالی بے نشاں لاکھوں　　　تری عبرت کو منعم ایک باقی قصر گردوں ہے[1]

''اَلْبَاقِیُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی مخلوقات کی عارضی بقاء

پہاڑوں اور زمینوں اور دریاؤں کو بقا سے بڑا حصہ عطا کیا ہے، مگر یہ بھی ایک دن زلزلوں وغیرہ کی نذر ہو جاتے ہیں تاکہ کوئی خدائی کا دعوے دار نہ بن بیٹھے۔

جسموں کی بقا کو محدود کر دیا ہے اور روحوں کی بقا غیر محدود ہے۔ موت ہمارے جسم کو ہاتھ لگا سکتی ہے روح کو نہیں کیوں کہ یہ اس ''اَلْبَاقِیُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے ساتھ باقی رہتی ہے فنا نہیں ہوتی۔ اس ''اَلْبَاقِیُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں بقائے ابدی سے نوازا۔

محدود بقا کا تعلق صرف جسم والی چیزوں ہی سے نہیں ہے غیر جسمانی چیزوں سے بھی ہے، حقائق بھی مضمحل (کمزور) اور فنا ہوتے رہتے ہیں۔ نام اور شہرت کو بھی فنا ہے، ایک عرصہ دراز تک کسی انسان کی بڑی شہرت رہتی ہے پھر امتدادِ زمانہ (زمانہ کے گزرنے) سے رفتہ رفتہ پگھل کر نابود ہو جاتی ہے، بس بقا ہے تو صرف اسی کے لئے ہے۔

؎ نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا　　　فقط ایک ربّ العلا ہی رہے گا

---

[1] مخزن اخلاق: ۳۸۵

کسی کے رنگ کو عارضی بقا دی ہے تو کسی کی بو کو، کسی کے مزے کو، کسی کے حسن کو، کسی کی نرمی کو بقا ہے تو کسی کی سختی کو، کسی کی کسی ادا کو بقا ہے تو کسی کے کسی انداز کو اور یہ سب عارضی بقائیں اس "البَاقِی جَلَّ جَلَالُہٗ" کی بقا کی گواہی دیتی ہیں۔

آپ تصور تو کریں کہ ایک شخص مر رہا ہے اور جانتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے گیا اور دوسرا شخص جو مر رہا ہے مگر یقین رکھتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے ختم نہیں ہوا، ان دونوں کی موت میں کتنا عظیم فرق ہے، ایک کی موت مکمل غم و ملال ہے اور دوسرے کی سراپا امید و وصال۔[1]

فانی چیزوں سے دل نہ لگانے کی نصیحت

حضرت شقیق بلخی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ ہر شخص کے نزدیک جو چیز بہت قیمتی ہوتی ہے بہت محبوب ہوتی ہے وہ اس کو اُٹھا کر بڑی احتیاط سے رکھتا ہے، اس کی حفاظت کرتا ہے، پھر میں نے اللہ تعالیٰ کا اِرشاد دیکھا:

﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾[2]

تَرجَمَہ: "جو کچھ تمہارے پاس دنیا میں ہے وہ ختم ہو جائے گا (خواہ وہ جاتا رہے یا تم مر جاؤ، ہر حال میں وہ ختم ہوگا) اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے۔"

اس آیت شریفہ کی وجہ سے جو چیز بھی میرے پاس ایسی کبھی ہوئی جس کی مجھے وقعت زیادہ ہوئی، وہ پسند زیادہ آئی وہ میں نے اللہ تعالیٰ کے پاس بھیج دی تاکہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے۔

میں نے ساری دنیا کو دیکھا کوئی شخص مال کی طرف (اپنی عزت اور بڑائی میں) لوٹتا ہے، کوئی نسب کی شرافت کی طرف، اور کوئی فخر کی چیزوں کی طرف، یعنی ان چیزوں کے ذریعہ سے اپنے اندر بڑائی پیدا کرتا ہے اور اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے، میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد دیکھا:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ﴾[3]

تَرجَمَہ: "بے شک تم میں سے سب سے زیادہ معزز اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہو۔"

تو میں نے تقویٰ اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کریم و شریف ہو جاؤں۔[4]

فکر و غم کے ازالے کی ایک دعا

"حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: جو شخص ......

[1] شرح اسماء الحسنیٰ، (الازھری): ۵۲، ۵۳ [2] النحل: ۹۶
[3] الحجرات: ۱۳ [4] ماخوذ از کشکول: ۲۲

"لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَبْلَ كُلِّ شَىْءٍ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَبْقٰى رَبُّنَا وَيَفْنٰى كُلُّ شَىْءٍ."

کہے اسے فکر وغم سے مکمل عافیت عطا کی جائے گی۔"[1]

دنیا کے فنا اور ربّ جل جلالہٗ کے باقی ہونے کے اعتراف کرنے سے غم کا ازالہ ہوتا ہے۔

فوائد و نصائح

❶ اس اسم سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ دنیا میں ایسے رہے گویا کہ وہ ایک مسافر ہے اور اس کی اصل منزل آخرت ہے اور دنیا کی فانی چیزوں میں دل نہ لگائے تا کہ "الباقی جل جلالہٗ" سے تعلق مضبوط رہے اور اس فقیر کی بات اپنے میز پر یا کہیں ایسی جگہ لکھ کر رکھیں جہاں ہر وقت انسان کی نگاہ پڑے کہ:

"اس محل میں نہ آپ ہمیشہ رہیں گے اور نہ یہ محل ہمیشہ رہے گا۔"

❷ مال کو جمع کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر کے آخرت کے لئے ذخیرہ بنائے۔ اسی طرح اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ کسی سے تکلیف دہ کوئی بات پہنچی ہو تو اس کو اپنے دل میں باقی نہ رکھے، بل کہ یہ سوچے کہ یہ بولنے والا اور سننے والا دونوں اس جہاں سے چلے جائیں گے، جس نے سن کر صبر کر لیا تو یہ صبر ہمیشہ باقی رہے گا اور غصہ کا جواب غصہ سے دینا یا گالی کا جواب گالی سے دینا اس عمل کا گناہ ہمیشہ باقی رہے گا تو آدمی کیوں نہ صبر کر کے ثواب اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو باقی رکھے۔

❸ اس اسم مبارک کے تحت جو "حسنِ خاتمہ کی دُعا" آئی ہے اسے اللہ تعالیٰ سے کثرت سے مانگتا رہے۔

---

[1] مجمع الزوائد: الاذكار: ١٤٥/١٠، رقم: ١٧١٣٤

الوارث جَلَّ جَلَالُهٗ

(سب کے بعد موجود رہنے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ (اَلْوَارِثُ) هُوَ الْبَاقِيْ بَعْدَ فَنَاءِ الْخَلْقِ وَالْمُسْتَرِدُّ أَمْلَاكَهُمْ وَمَوَارِثَهُمْ بَعْدَ مَوْتِهِمْ، وَلَمْ يَزَلِ اللّٰهُ بَاقِيًا مَالِكًا لِأُصُوْلِ الْأَشْيَاءِ كُلِّهَا يُوَرِّثُهَا مَنْ يَّشَآءُ وَيَسْتَخْلِفُ فِيْهَا مَنْ أَحَبَّ.[1]

هَوِّنْ عَلَيْكَ وَلَا تُوْلَعْ بِإِشْفَاقِ فَإِنَّمَا مَالُنَا لِلْوَارِثِ الْبَاقِيْ[1]

ترجمہ: امام خطابی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "الوارث جَلَّ جَلَالُہٗ" مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہنے والے ہیں، مخلوق کے اموال اور ان کی میراث ان کے مر جانے کے بعد ورثاء تک پہنچانے والے بھی "الوارث جَلَّ جَلَالُہٗ" ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیشہ باقی رہیں گے اور تمام چیزوں کے مالک بھی وہی رہیں گے، جسے چاہیں گے، جس چیز کا چاہیں گے (اپنے خزانوں میں سے) مالک بنا دیں گے اور تصرف کا اختیار عطا فرما دیں گے

پرواہ نہ کر اور لالچ میں نہ پڑ کہ ہمارا سارا مال اسی وارث باقی کا ہے

❷ "اَلْوَارِثُ" كُلُّ بَاقٍ بَعْدَ ذَاهِبٍ فَهُوَ وَارِثٌ."[2]

ترجمہ: "امام زجاج رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: جانے والے کے بعد جو باقی رہ جائے وہ وارث کہلاتا ہے۔"

اللہ ربُّ العزت کا ارشاد مبارک ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ﴾[3]

ترجمہ: "ہم ہی زمین کے اور اس پر رہنے والوں کے وارث رہ جائیں گے...... اور ہماری ہی طرف سب لوٹائے جائیں گے......"

یعنی کسی کا مُلک یا مِلک باقی نہ رہے گی، ہر چیز براہ راست مالکِ حقیقی کی طرف لوٹ جائے گی، وہی بلا واسطہ حاکم و

---

[1] شان الدعا: ٩٦، ٩٧، بحوالہ النہج الاسمٰی: ٢/٢٨٨

[2] تفسیر الاسماء: ٦٥ [3] مریم: ٤٠

متصرف ہوگا۔ جس چیز میں جس طرح چاہے گا اپنی حکمت کے موافق تصرف کرے گا، دنیا کے جن سامانوں نے ہمیں غفلت میں ڈال رکھا ہے، سب کا ایک ہی وارث باقی رہ جائے گا، مِلک و مُلک کے لمبے چوڑے دعوے رکھنے والے سب فنا کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے۔[1]

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: ''اور ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں اور ہم ہی وارث رہیں گے۔''

یعنی سب کے فنا ہوجانے کے بعد ہم ہی باقی رہیں گے یہ نہیں کہ مخلوقات کی فنا کے ساتھ ہم بھی فنا ہوجائیں گے بل کہ اور سب فنا ہوجائیں گے اور صرف ہماری ذاتِ بابرکات باقی رہ جائے گی۔

﴿اِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ﴾ یہاں تاکید کے ساتھ تصریح فرمائی ہے کہ ہوا، بارش وغیرہ کے انتظامات کے علاوہ زندگی اور موت بھی تمام تر ہمارے ہی ہاتھ میں ہے۔[3]

امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنی کتاب ''المقصد الاسنی'' میں فرماتے ہیں:

''الوارث جل جلالہ'' وہ ذات ہے، جو مالکوں کے فنا ہونے کے بعد مملوکات کا مالک قرار پاتا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ جو مخلوق کے فنا ہوجانے کے بعد باقی ہے۔ ہر شے کا آخری مرجع وہی ہے۔ (جب آخرت میں ہر چیز فنا ہوجائے گی اور کچھ بھی باقی نہ رہے گا) اس وقت وہ یوں فرمائے گا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ (آج کس کی بادشاہی ہے) پھر خود ہی یوں جواب دے گا: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾[4] (اللہ واحد و قہار کی بادشاہی ہے)، یہ انداز ان اکثر لوگوں کے غلط زعم کو دور کرنے کی غرض سے اختیار کیا جائے گا۔ جو خود بادشاہ اور صاحبِ ملک ہونے کا گھمنڈ رکھتے ہیں اس وقت اصل معاملہ ان پر آئینہ ہوجائے گا۔

لیکن جو لوگ صاحبِ بصیرت ہیں وہ ہمیشہ سے خود بخود اس پکار کا معنی سمجھے ہوئے ہیں۔ بل کہ یہ نداء بلا حرف و آواز ہر وقت سن رہے ہیں اور دل سے یقین رکھتے ہیں کہ ہر وقت اور ہر لمحہ میں ''اللّٰهُ وَاحِدٌ قَهَّار جل جلالہ'' کی بادشاہی ہے۔ اس لئے کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔[5]

---

[1] تفسیر عثمانی: ٤١١ [2] الحجر: ٢٣ [3] تفسیر ماجدی: ٥٣٩/١ [4] المؤمن: ١٦

[5] اَللّٰهُ جَلَّ شَأْنُهٗ هُوَ الْبَاقِيْ بَعْدَ فَنَاءِ خَلْقِهٖ، اَلْحَيُّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ، اَلدَّائِمُ الَّذِيْ لَا يَنْقَطِعُ، وَإِلَيْهِ مَرْجِعُ كُلِّ شَيْءٍ وَمَصِيْرُهٗ. فَإِذَا مَاتَ جَمِيْعُ الْخَلَائِقِ، وَزَالَ عَنْهُمْ مُلْكُهُمْ، كَانَ اللّٰهُ تَعَالٰى هُوَ الْبَاقِيْ اَلْحَقُّ الْمَالِكُ لِكُلِّ الْمَمْلُوْكَاتِ وَحْدَهٗ، وَهُوَ الْقَائِلُ إِذْ ذَاكَ ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ وَهُوَ الْمُجِيْبُ لِنَفْسِهٖ ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (المؤمن: ١٦)

فَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ يَظُنُّوْنَ أَنَّ لَهُمْ مُلْكًا حَقِيْقِيًّا، فَيَنْكَشِفُ لَهُمْ ذٰلِكَ الْيَوْمَ حَقِيْقَةُ الْحَالِ وَهٰذَا النِّدَآءُ عِبَارَةٌ عَنْ حَقِيْقَةِ مَا يَنْكَشِفُ لَهُمْ فِيْ ذَالِكَ الْوَقْتِ.

اس بات کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے، جو توحید کی حقیقت جانتا ہے اور بخوبی سمجھتا ہے کہ زمین و آسمان کے کلی انتظام میں فاعلِ واحد، وہی واحد و یکتا ہے۔[1]

''وارث'' اُسے کہتے ہیں کہ جس کے پاس دوسرے کی چیز اس کی موت کے بعد منتقل ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لئے وارث کا اطلاق اس لئے ہے کہ ہر ایک سلطنت کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی لاوارث کی کوئی جائداد رہ جاتی ہے تو اس کی ملکیت سلطنت کی طرف منتقل ہوتی ہے۔

ایسے حالات میں جب کہ کوئی قوم ساری کی ساری تباہ کردی گئی ہو تو اس کی وراثت سلطنتِ الٰہیہ کی طرف منتقل ہوگی اور جب کل عالم کے عارضی مالک اپنی اپنی ملکیتوں کو چھوڑ کر خاکِ فنا میں سو رہے ہوں گے تو ظاہر ہے کہ ربّ العالمین ہی کو ان کی وراثت حاصل ہوگی۔

جو لوگ ملکیتوں کے مالک بنے بیٹھے ہیں، درحقیقت یہ وہ غلام ہیں جو آقائے حقیقی کے لطف سے اس کی ملکیت میں سے عارضی طور پر فائدہ اٹھا کر لطف و کرم کی بہاریں لوٹ رہے ہیں۔[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال، جب کہ اس کا مال درحقیقت صرف تین چیزیں ہیں، ایک وہ جو اس نے کھا کر ختم کردیا، دوسرا وہ جو اس نے پہن کر پرانا کر دیا، تیسرا وہ جو اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر کے اپنے لئے آگے بھیج دیا، اس کے سوا جو کچھ بھی ہے اسے یہ لوگوں کے لئے چھوڑ کر جانے والا ہے۔''[3]

دنیا کی ساری دولت جو کہ ہاتھ در ہاتھ گھوم رہی ہے بالآخر اس دنیا کے انجام پر اسی ''الوارث جل جلالہ'' کے قبضہ و اختیار میں جا پہنچے گی جو اس سب مال و متاع کا حقیقی مالک ہے، جس نے اس دنیا میں مال و متاع کی عارضی ملکیتیں اپنے بندوں میں اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کر رکھی تھیں۔

الوارث جل جلالہ کی راہ میں خرچ

اللہ ربّ العزت نے اپنے کلام مجید میں جا بجا اپنے مؤمن بندوں کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کی جانب راغب فرمایا ہے اور انہیں اس حقیقت کی یاد دہانی کروائی ہے کہ جو کچھ بھی مال و اسباب ان کے پاس ہیں موت کے بعد ان سے رہ جانے والے ہیں، پھر انہیں تصرف کا کوئی اختیار نہ رہے گا بل کہ وہی طریقہ جاری ہوگا جسے ''الوارث جل جلالہ'' نے اپنے

فَأَمَّا أَرْبَابُ الْبَصَائِرِ فَإِنَّهُمْ أَبَدًا مُشَاهِدُوْنَ لِمَعْنٰى هٰذَا النِّدَآءِ، سَامِعُوْنَ لَهٗ مِنْ غَيْرِ صَوْتٍ وَّلَا حَرْفٍ، يُوْقِنُوْنَ بِأَنَّ الْمُلْكَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ، فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَفِيْ كُلِّ سَاعَةٍ وَفِيْ كُلِّ لَحْظَةٍ، فَكَذٰلِكَ كَانَ أَوَّلاً وَأَبَداً. (المقصد الاسنی: ۹۵)

[1] رسائل امام غزالی: ۱۴۰ [2] شرح اسماء حُسنٰی: ۲۰۲ (منصور پوری) [3] مسلم، الزھد: ۲/۴۰۷

بندوں میں تقسیمِ میراث کے لئے مقرر کردیا ہے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۖ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ﴾[1]

ترجمہ: ''ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) پر اور جس مال میں اس نے تم کو دوسروں کا جانشین بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو، سو جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں انہیں بڑا اجر ہوگا (کہ وہ مال کو اسی اصل مالک اور دینے والے کی راہ میں خرچ کررہے ہیں)۔''

﴿مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ﴾

یعنی ''اس مال میں اس نے تم کو دوسروں کا جانشین بنایا ہے۔''

اس میں صاف اور واضح اشارہ اس طرف آگیا کہ یہ مال تم سے پہلے کسی اور کا تھا اور تمہارے بعد کسی اور کا ہو جائے گا، یہ کون سی ایسی چیز ہے جس کا تم اتنا غم کررہے ہو کہ اسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی ضرورتوں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے بھی بخل کررہے ہو، مالی جہاد کی ترغیب کا یہ طریقہ کتنا حکیمانہ اور مصلحانہ ہے، اس کے بعد اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ اگر ہمارے عطا کردہ مال سے تم نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کیا، تب بھی تو یہ سارا مال تمہارے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ جائے گا، کیوں کہ آسمان اور زمین سب اسی کی میراث ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾[2]

ترجمہ: ''تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ دراصل آسمانوں اور زمین کی میراث کا مالک (تنہا) اللہ ہی ہے۔''

میراث اصل میں اُس ملکیت کو کہا جاتا ہے جو پچھلے مالک کے انتقال کے بعد اس کے بعد زندہ رہنے والے وارثوں کو ملا کرتی ہے، اور یہ ملک جبری ہوتی ہے مرنے والا چاہے یا نہ چاہے، جو وارث ہوتا ہے ملکیت اس کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، یہاں حق تعالیٰ کی ملکیتِ آسمان و زمین کو میراث کے لفظ سے تعبیر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ تم چاہو یا نہ چاہو جس جس چیز کے مالک آج تم سمجھے جاتے ہو وہ سب بالآخر حق تعالیٰ کی ملکیت خاصہ میں منتقل ہو جائے گی، مراد یہ ہے کہ اگرچہ حقیقی مالک تمام اشیاءِ عالم کا پہلے بھی حق تعالیٰ ہی تھا، مگر اس نے اپنے فضل سے کچھ اشیاء کی ملکیت تمہارے نام کردی تھی اور اب وہ ظاہری ملکیت بھی تمہاری باقی نہیں رہے گی، بل کہ حقیقۃً اور ظاہراً ہر طرح اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہو

---

[1] الحدید: ۷ [2] الحدید: ۱۰

جائے گی، اس لئے اس وقت جب کہ تمہیں ظاہری ملکیت حاصل ہے اگر تم اللہ کے نام پر خرچ کر دو گے تو اس کا بدل تمہیں آخرت میں مل جائے گا، اس طرح گویا اللہ کی راہ میں خرچ کی ہوئی چیز کی ملکیت تمہارے لئے دائمی ہو جائے گی۔[1]

لہٰذا جب سارا مال آخر ایک روز چھوڑنا ہی ہے تو ابھی سے اپنی خوشی سے طاعتِ حق کی راہ میں کیوں نہ دے دیا جائے، اس آیتِ شریفہ میں اہلِ ایمان کو دینی اور ملی مقاصد میں مالی شرکت کے لئے آمادہ اور مستعد کیا جا رہا ہے۔[2]

کسی کے انتقال پر تقسیمِ میراث

اس "اَلْوَارِثُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے انتقالِ املاک کا ایسا مربوط نظام قائم فرمایا ہے جس کے مقابل انسانی عقل اگر کسی نظام کو رائج کرنا بھی چاہے تو اس کی ناکامی میں کوئی شک کی گنجائش نہیں بل کہ انسان اس کا تجربہ بھی کر چکا ہے۔

شریعت نے انسان کی زندگی میں اسے ایسے اصول عطا کئے جس پر کاربند رہ کر اسے دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل ہوتی ہے، زندگی میں اموال عطا کر کے ان کے خرچ کرنے کے اصول بھی عطا کئے اور انسان کو مطلق العنان نہیں چھوڑا گیا، بل کہ اس پر مالی حقوق لازم کر دیئے گئے، جنہیں پورا کر کے اتباعِ شریعت کے ساتھ اہلِ حقوق کے حقوق ادا کر کے مثالی معاشرے کی بنیاد قائم کی گئی۔

اور موت کے بعد بھی شریعت نے میراث کے وہ اصول عطا کئے جس کی نظیر کسی بھی مذہب میں نہیں ملتی، میت کے ترکہ میں میراث کی تقسیم لازم قرار دی گئی ہے۔ موت کے بعد ملکیت ورثاء کی جانب منتقل ہو جاتی ہے لہٰذا صاحبِ حق کا حق اسے جلد ملنا چاہئے، غیر کا اس میں بلا اجازت تصرف کرنا ناجائز ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی فرماتے ہیں:

"آج ہمارے معاشرے میں جہالت اور نادانی کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر کسی کے مرنے پر اس کے وارثین سے یہ کہا جائے کہ بھائی میراث تقسیم کرو، تو جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ توبہ، توبہ، ابھی تو مرنے والے کا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور تم نے میراث کی تقسیم کی بات شروع کر دی۔ چناں چہ میراث کی تقسیم کو دنیاوی کام قرار دے کر اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔

اب ایک طرف تو اتنا تقویٰ ہے کہ یہ کہہ دیا کہ ابھی تو مرنے والے کا کفن بھی میلا نہیں ہوا، اس لئے مال و دولت کی بات ہی نہ کرو، اور دوسری طرف یہ حال ہے کہ جب میراث تقسیم نہیں ہوئی اور مشترکہ طور پر استعمال کرتے رہے تو سال کے بعد وہی لوگ جو مال و دولت کی تقسیم سے بہت اعراض برت رہے تھے، وہی لوگ اسی مال و دولت کے لئے ایک دوسرے کا خون پینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اور ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنے لگتے ہیں کہ فلاں زیادہ کھا گیا،

[1] معارف القرآن: ۲۹۶/۸ [2] تفسیر ماجدی: ۱۰۷۶/۲

فلاں نے کم کھایا۔'' [1]

کئی جگہ یوں ہوتا ہے کہ باپ کے انتقال کے بعد بڑے بھائی مل کر باپ کی ساری ملکیت، جائیداد و اموال پر قبضہ کر لیتے ہیں اور بہنوں کو ان کا شرعی حق نہیں دیتے، یہ سراسر ظلم ہے۔ اور جو حق اللہ تعالیٰ نے ان لڑکیوں کا مقرر کر دیا ہے اس کو خود کھا جانا حرام اور ناجائز ہے، ان لڑکیوں کا خود حق نہ مانگنا دلیل اس بات کی نہیں کہ انہوں نے اپنا حق چھوڑ دیا ہے، اور مالیات میں تو بالخصوص رواجی خاموشی معتبر نہیں، نیز مروّجہ جھوٹی معافی کا بھی کوئی اعتبار نہیں خصوصاً جب کہ نابالغ بہن بھائی بھی وارثوں میں ہوں، تو ان کی تو از خود معافی یا مال چھوڑنے پر رضا مندی بھی شرعاً ہرگز معتبر نہیں، یا اس طرح بھائی کی وفات پر اس کی بیوہ (یعنی بھابی) اور اس کی اولاد کو حق نہ دینا اور خود ہڑپ کرنا سراسر ظلم ہے اور حرام سے اپنے پیٹ کو بھرنا ہے، ایسے لوگ گویا اپنے پیٹوں میں جہنم کی جلتی ہوئی آگ کے انگارے بھر رہے ہیں۔

لہٰذا بہنوں کا، بھائیوں کا، یتیموں کا جو مال کھایا ہو، اب جب اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق دی تو فوراً ادا کرنا شروع کر دیں، اور فوراً سارا ادا نہ کر سکیں تو آہستہ آہستہ دیتے رہیں اور اپنے وصیت نامے میں لکھ جائیں کہ اگر میں ادا نہ کر سکا تو میرے باقی مال سے یا میرے رشتہ دار مجھ پر احسان کرتے ہوئے اتنا مال فلاں فلاں کو لوٹا دیں، جو میں نے ناجائز طور سے غلطی سے کھا لیا۔

یاد رکھئے! بیوی بچوں کی محبت میں آکر بہنوں کو محروم کرنا، یا چھوٹے بھائیوں کو اپنے والد کے ورثہ میں سے پورا حق نہ دینا بہت ہی بری بات ہے۔ بہن کو اپنے بھائی سے کتنی محبت ہے اس کا صحیح اندازہ تو بہن ہی کر سکتی ہے بھائی نہیں کر سکتا، بہن کا خون نازک اور لطیف ہوتا ہے، محبت اس کی رگ رگ میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے، لیکن بھائیوں کے خون میں سختی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ بہن کی محبت کے لئے اتنا نہیں جلتا جتنا بہن کا خون بھائی کی محبت میں جلتا ہے، بھائی اور بہن ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں۔

اس لئے مسلمان بھائی کو چاہئے کہ بہن کا حق جو والدین کے مال سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے اس کو جلد از جلد ادا کرے۔ اس کا حق کھا جانا گویا جہنم کی آگ سے اپنے پیٹ کو بھرنا ہے، لہٰذا مسلمان بھائی کو چاہئے کہ اپنی بہنوں کا خیال رکھیں، ان کی خوب دعائیں لیں، ان کے حق سے زیادہ ان کو دے کر ان کا اکرام کریں، والد محترم کی جدائی محسوس نہ ہونے دیں، بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ بہن کو حج کروا دیا، یا بہن کی شادی کروا دی۔ یا بھانجے کو اپنی فیکٹری کا منیجر بنوا دیا، یا بھانجے بھانجی کی تعلیم پر خرچ کر دیا تو ان کا حق ادا ہو گیا۔

حالاں کہ ایسا نہیں، بل کہ جب تک صاحبِ حق کا حق اسے نہ پہنچے اس کا حق آپ کے ذمہ لازم رہے گا، حق ادا نہ کرنے کی صورت میں قیامت میں سخت پکڑ ہوگی اور کسی کا حق دبا کر اپنے تصرف میں رکھتے ہوئے حرام کھانے کا وبال

[1] اصلاحی خطبات: ۲۷۲/۱۱، خاندانی اختلافات کے اسباب اور ان کا حل

اور گناہ الگ ہوگا اور صاحبِ حق کا دل دکھا کر اس کے دل کی آہ لینا یہ تو مظلوم کی بددعا ہے جس کے اور عرش کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی، تو کیا مظلوم کی بددعا لے کر کوئی شخص سکون و چین کی زندگی گزار سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے آمین۔[1]

الوارث جل جلالہ کی بہترین وراثت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا﴾[2]

ترجمہ: ''پھر ہم نے یہ کتاب ان لوگوں کے ہاتھوں میں بھی پہنچائی جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔''

آیتِ مبارکہ کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے یہ کتاب یعنی قرآن جو خالص حق ہی ہے اور تمام پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، پہلے بطورِ وحی آپ ﷺ کے پاس بھیجی۔

اس کے بعد ہم نے اس کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنا دیا، جن کو ہم نے منتخب اور پسند کر لیا اپنے بندوں میں سے۔ اس طرح پہلے آپ ﷺ پر بذریعہ وحی نزول اور آپ ﷺ کے بعد بندوں کو وارثِ کتاب بنانا جس میں اول و آخر اور مقدم و موخر ہونا رتبہ اور درجہ کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ قرآن کا بذریعہ وحی آپ ﷺ کے پاس بھیجنا رتبہ اور درجہ میں مقدم ہے، اور امت محمدیہ کو عطا فرمانا اس سے موخر ہے، اور اگر امت کو وارثِ قرآن بنانے کا مطلب یہ لیا جائے کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کے واسطے زر و زمین کی وراثت چھوڑنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی کتاب بطورِ وراثت چھوڑی، جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی شہادت موجود ہے کہ...... ''انبیاء درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑا کرتے، وہ وراثت میں علم چھوڑتے ہیں۔''[3]

اسی حدیث میں علماء کو وارث انبیاء فرمایا ہے، تو اس لحاظ سے یہ تقدیم و تاخیر زمانی بھی ہو سکتی ہے کہ ہم نے یہ کتاب آپ کو عنایت فرمائی ہے پھر آپ نے اس کو امت کے لئے بطورِ وراثت چھوڑا، وارث بنانے سے مراد عطا کرنا ہے، اس عطا کو بلفظِ میراث تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح وارث کو میراث کا حصہ بغیر اس کے کسی عمل اور کوشش کے مل جاتا ہے، قرآن کریم کی یہ دولت بھی ان منتخب بندوں کو اس طرح بغیر کسی مشقت و محنت کے دے دی گئی۔[4]

---

[1] مظلوم کی بددعا سے بچنے کے لئے بیت العلم ٹرسٹ کی کتاب ''مظلوم کی آہ'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

[2] فاطر: ۳۲

[3] ترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة: ۲/۹۷، ۹۸

[4] معارف القرآن: ۷/۳۴۵

اب ان منتخب بندوں پر لازم ہے کہ قرآنِ کریم اور علم کی اس دولت پر خود بھی عمل پیرا رہیں اور دنیا کے سارے انسانوں تک اس کا پیغام پہنچانے کی محنت کریں کیوں کہ یہ امت انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے مقصد کی وارث ہے اور انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا مقصدِ حیات انسانیت کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے احکامات سے روشناس کرانا ہے۔

فوائد و نصائح

۱ اس اسم سے تعلق حاصل کرنے والوں کو لازم ہے کہ مال و زر میں جو حقوق مستحقین کے ہیں وہ ادا کرتے رہیں، مال کو اللہ تعالیٰ ہی کا سمجھیں، دیا ہوا بھی اسی کا ہے اور آخر میں سنبھالنا بھی اسی نے ہے۔[۱]

اگر کسی نے آپ سے زمین چھین لی یا ظلم کیا یا آپ کو پورا حق نہیں دیا تو اس پر اس طرح جھگڑا گالی گلوچ نہ کرے جو حدود سے باہر نکل جائے، رشتہ داروں کو نقصان پہنچائے، بل کہ ''الوارث'' کے نام پر غور کرے کہ میرے مقدر میں زمین ہوگی تو ضرور مل کر رہے گی حقیقی وارث تو اللہ ہیں، وہ مجھے ضرور میرا مقدر عافیت کے ساتھ حلال طریقے سے دے گا۔

جس کو اس نام کی معرفت حاصل ہوگئی، وہ زمین کے ٹکڑوں کی وجہ سے رشتہ ناطہ نہیں توڑے گا؛ بل کہ وہ اپنا ہر مقدمہ، ہر پریشانی ''الوارث جل جلالہ'' کی عدالت میں پیش کرے گا، جس کے خزانوں میں ساتوں زمین اور ساتوں آسمان ہیں، اُس کے خزانے میں کمی نہیں آتی، مہنگائی نہیں آتی اس کے خزانے حالات سے متاثر نہیں ہوتے۔

۲ کسی کے انتقال پر تقسیمِ میراث کے عمل میں غفلت سے بچے اور مستحقین کو ان کا پورا پورا حصہ وراثت میں سے دے، تقسیم میراث کے لئے ہر ایک کو راقم الحروف کی کتاب ''طریقۂ وصیت'' کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

۳ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوڑی ہوئی وراثت یعنی ''علم'' کو حاصل کرنے اور دوسروں کو سکھانے کے لئے کوشش کرے۔

۴ ''الوارث جل جلالہ'' سے اپنی دُعاؤں میں نیک وارث مانگتا رہے اور نیک وارث کے لئے ہمیں ان الفاظ سے دعا مانگنا سکھایا گیا ہے:

﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ﴾[۲]

ترجمہ: ''اے میرے پروردگار! مجھے تنہا نہ چھوڑ، تو سب سے بہتر وارث ہے۔''

---

۱ شرح اسماء حُسنٰی: ۲۰۴ (منصور پوری)

۲ الانبیاء: ۸۹

الرَّشِيْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(سب کا رہنما)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلرَّشِيْدُ: هُوَ الَّذِيْ أَرْشَدَ الْخَلْقَ إِلٰى مَصَالِحِهِمْ"[۱]

تَرْجَمَہ: "الرَّشِيْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے کہ جس نے مخلوق کی راہنمائی ان کے مصالح کی طرف کی۔"

❷ "اَلرَّشِيْدُ الَّذِيْ أَسْعَدَ مَنْ شَاءَ بِإِرْشَادِهٖ......وَأَشْقٰى مَنْ شَاءَ بِإِبْعَادِهٖ......وَقِيْلَ: الرَّشِيْدُ الَّذِيْ لَا يُوْجَدُ سَهْوٌ فِيْ تَدْبِيْرِهٖ......وَلَا لَهْوٌ فِيْ تَقْدِيْرِهٖ"[۲]

تَرْجَمَہ: "الرَّشِيْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ہے جو اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے نیک راہ کی ہدایت فرما کر انہیں نیک بختی عطا فرماتا ہے، اور جسے چاہتا ہے اپنے سے دور فرما کر بدنصیبی سے دوچار فرما دیتا ہے،" الرَّشِيْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی تدبیر بھول چوک اور کمزوری سے پاک ہے، اور اس کے تقدیری فیصلوں میں کسی بھی بے کار اور بے اصل بات کی کوئی گنجائش نہیں۔"

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اس کی رشد و ہدایت کے وہ سارے سامان پیدا فرما دیئے جن کی اسے ضرورت تھی اور اس کی تخلیق میں ان تمام پہلوؤں کو کیسی حکمت کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا جس کی اسے معرفتِ الٰہی کے حصول میں ضرورت تھی، جس کی نظیر دوسرے حیوانات میں موجود نہیں، البتہ ایک خاص شعور تو کائنات کی ہر شئے کو حاصل ہے، لیکن جو شعور و ادراک انسان کو دیا گیا اس کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے اور رشد و ہدایت کے جس درجہ پر انسان کو فائز کیا گیا وہ بھی بہت اعلیٰ ہے۔

کائنات کی ہر ہر چیز کو اس "الرَّشِيْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے اپنے اپنے کام اور مقصد کی سمجھ بوجھ عطا کر دی اور اس میں مصروفِ عمل کر دیا، جس کا مشاہدہ انسان کر رہا ہے کہ ہر شئے اپنی مقرر کردہ ذمہ داری سے کبھی بھی انحراف کرنے کی جرأت نہیں کر سکی، البتہ حضرت انسان کو رب تعالیٰ نے اپنی جانب سے اعزاز و شرافت عطا کر کے دو راستوں رُشد و ہدایت اور گمراہی و ضلال میں اختیار دے دیا اور اس کے لئے آزمائش طے کر دی کہ وہ کس راستے کو اختیار کرتا ہے، آیا رشد و ہدایت

[۱] شان الدعا: ۹۷ [۲] تفسیر الاسماء للرازی: ۳۵۲

کی راہ پر چل کر اللہ تعالیٰ کی رضا وخوش نودی حاصل کرتا ہے، یا گم راہی کے راستے کو اختیار کر کے اس کے غیظ وغضب کا مستحق بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ﴾[1]

ترجمہ: ''اے انسان! تو اپنے رب سے ملنے تک یہ کوشش اور تمام کام اور محنتیں کر کے اس سے ملاقات کرنے والا ہے۔''

''كَدْحٌ'' کے معنی کسی کام میں پوری کوشش اور اپنی توانائی صرف کرنے کے ہیں، ''اِلٰی رَبِّكَ'' یعنی انسان کی ہر کوشش ومحنت کی انتہا اس کے رب تعالیٰ کی طرف ہونے والی ہے، اس آیتِ شریفہ میں انسان کی توجہ اس طرح مبذول کروائی گئی ہے کہ دنیا میں اس نے بہرصورت مشقت دیکھنی ہے، خواہ وہ اپنا دستورِ عمل بدی کو بنائے یا نیکی کو، کیوں کہ دنیا راحت کا موقع نہیں البتہ اگر اس نے اپنا دستورِ عمل نیکی کو بنایا تو عن قریب وہ اس کا اچھا پھل بھی پائے گا۔

''الرَّشِيْدُ جَلَّ جَلَالُهُ'' کی جانب سے رُشد وہدایت کی راہ

اس (مذکورہ بالا) آیت میں حق تعالیٰ نے بنی نوعِ انسان کو خطاب فرما کر غور وفکر کے لئے (رُشد و ہدایت) ایک ایسی راہ دکھائی ہے کہ اس میں کچھ بھی عقل وشعور ہو تو وہ اپنی کوشش کا رخ صحیح سمت کی طرف پھیر سکتا ہے جو اس کو دنیا و دین میں سلامتی اور عافیت کی ضمانت دے، پہلی بات تو یہ ارشاد فرمائی کہ انسان نیک ہو یا بد، مؤمن ہو یا کافر، اپنی فطرت سے اس کا عادی ہے کہ کچھ نہ کچھ حرکت کرے اور کسی نہ کسی چیز کو اپنا مقصود بنا کر اس کے حاصل کرنے کے لئے کوشش اور محنت کرے، جس طرح ایک شریف نیک خو انسان اپنے معاش اور ضروریاتِ زندگی کی تحصیل میں فطری اور جائز طریقوں کو اختیار کرتا ہے اور ان میں اپنی محنت وتوانائی صرف کرتا ہے۔ بدکار، بدخو انسان بھی اپنے مقاصد کہیں بغیر محنت اور بغیر کوشش کے حاصل نہیں کرسکتا، چور، ڈاکو اور بدمعاش دھوکہ فریب سے لوٹ کھسوٹ کرنے والوں کو دیکھو کیسی کیسی ذہنی اور جسمانی محنت برداشت کرتے ہیں جب ان کو ان کا مقصود حاصل ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ بتلائی کہ عاقل انسان اگر غور کرے تو اس کی تمام حرکات بل کہ سکنات بھی ایک سفر کی منزلیں ہیں جس کو وہ غیر شعوری طور پر قطع (کاٹ) کر رہا ہے، جس کی انتہا اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری یعنی موت ہے ''اِلٰی رَبِّكَ'' میں اسی کا بیان ہے اور یہ انتہا ایسی حقیقت ہے کہ جس کا کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ انسان کی ہر کوشش اور محنت موت پر ختم ہونا یقینی ہے۔

---

[1] الانشقاق: ٦

تیسری بات یہ بتلائی کہ موت کے بعد اپنے رب کے سامنے حاضری کے وقت اس کی تمام حرکات واعمال اور ہر کوشش کا حساب ہونا ازروئے عقل وانصاف ضروری ہے تاکہ نیک و بد کا انجام الگ الگ معلوم ہو سکے، ورنہ دنیا میں تو اس کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا، ایک نیک آدمی ایک مہینہ محنت مزدوری کر کے اپنا رزق اور جو ضروریات حاصل کرتا ہے، چور ڈاکو اس کو ایک رات میں حاصل کر لیتے ہیں۔

اگر کوئی وقت حساب کا اور جزا سزا کا نہ آئے تو دونوں برابر ہو گئے، جو عقل وانصاف کے خلاف ہے۔ آخر میں فرمایا ﴿فَمُلٰقِيْهِ﴾ اس کا ایک معنی یہ ہو سکتا ہے ہر انسان آخرت میں اپنے رب تعالیٰ سے ملنے والا اور حساب کے لئے اس کے سامنے پیش ہونے والا ہے۔

اس مجموعہ پر اگر انسان غور کرے کہ ضروریاتِ زندگی بل کہ اپنے نفس کی غیر ضروری مرغوبات کو بھی حاصل تو نیک و بد دونوں ہی کر لیتے ہیں، اس طرح دنیا کی زندگی دونوں کی گزر جاتی ہے، مگر ان دونوں کے انجام میں زمین و آسمان کا فرق ہے، ایک کے نتیجہ میں دائمی غیر منقطع (نہ ختم ہونے والی) راحت ہی راحت ہے، دوسرے کے نتیجہ میں دائمی مصیبت وعذاب ہے، پھر کیوں نہ انسان اس انجام کو آج ہی سوچ سمجھ کر اپنی سعی وعمل کا رخ اس طرف پھیر دے جو دنیا میں بھی اس کی ضرورتوں کو پورا کر دے اور آخرت کی دائمی نعمت بھی اس کو حاصل رہے۔[1]

اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے نیکی کی توفیق ملتی ہے، نیکی کرنا تو نیکی ہی ہے، البتہ نیکی کی حسرت بھی بڑی دولت ہے جو کہ ''اَلرَّشِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی عطا کردہ رشد وہدایت کی علامت ہے۔

اَلرَّشِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی ہدایت کی روشنی

وَاقِعَہ نَمبر ۱۱۶: حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کو کسی شخص نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

تو فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بڑی رحمت کا معاملہ فرمایا، لیکن وہ درجہ مجھے نصیب نہ ہوا جو میرے پڑوس میں رہنے والے لوہار کو ملا، کیوں کہ اگرچہ وہ لوہار تھا لیکن جوں ہی اس کے کان میں ''حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة'' کی آواز پڑتی تو اگر اس نے ہتھوڑا سر پر بلند کر رکھا ہوتا تو بجائے اس کے کہ وہ لوہے پر دے مارتا، وہ ہتھوڑا پیچھے پھینک دیتا تھا اور نماز کے لئے چلا جاتا تھا اور اپنی بیوی سے یہ کہا کرتا تھا: ہم تو دن رات دنیا داری کے کام میں مشغول رہتے ہیں اس لئے ہمیں موقع نہیں ملتا کہ جس طرح یہ اللہ تعالیٰ کے بندے ساری رات کھڑے ہو کر نماز پڑھتے رہتے ہیں اسی طرح ہم بھی پڑھتے۔

اگر ہمیں بھی فراغت ہوتی تو ہم بھی عبداللہ بن مبارک کی طرح رات کے وقت عبادت کر لیا کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ

---

[1] معارف القرآن: ۷۰٤/۸، الانشقاق: ٦

نے فرمایا: ہم نے تجھے تیری اس حسرت پر نواز دیا اور تجھے وہ درجہ دیا جو عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو بھی نہ دیا۔[۱]

نفس کی برائی سے پناہ اور رُشد و بھلائی مانگنے کی دعا

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت عمران بن حصین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کو یہ دعا تعلیم فرمائی تھی:

۱ ''اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ.''[۲]

تَرجَمۃ: ''اے اللہ! میرے دل میں بھلائی ڈال دے اور میرے نفس کی برائی سے مجھے بچا دے۔''

۲ ''اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْاِیْمَانَ وَزَیِّنْہُ فِیْ قُلُوْبِنَا وَکَرِّہْ اِلَیْنَا الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِیْنَ.''[۳]

تَرجَمۃ: ''اے اللہ! ہمارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دے اور اس کو ہمارے دلوں کی زینت بنا دے اور نفرت ڈال دے ہمارے دلوں میں کفر کی، گناہ کی، نافرمانی کی، اور ہم کو نیک راہ پر چلنے والوں میں بنا لے''

فَوائِد وَنَصَائح

۱ اس اسمِ مبارک سے تعلق قائم کرنے والوں کو چاہئے کہ ''الرَّشِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے بارے میں خود بھی یہ یقین بنائیں اور لوگوں کو بھی دعوت دیں کہ بچے کو انڈے سے نکلنے...... درختوں کو پھل دینے ...... بادلوں کو بارش برسانے...... مکڑی کو جالا بننے ...... پانی کو سیراب کرنے ...... دور جانوروں کو راستوں کی سمجھ ...... ان سب کی راہ نمائی اسی ذات نے فرمائی ہے۔[۴]

۲ جس طرح ''الرَّشِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے ہدایت دی ہے اس ہدایت کی روشنی کو پورے عالم تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک رُشد و ہدایت والا نہیں۔

۳ اس اسمِ مبارک کے تحت دی گئی دُعاؤں کو یاد کر کے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہیں۔

---

۱ اللہ کے لئے جینا مرنا: ۲۴

۲ ترمذی، الدعوات، رقم: ۳٤۸۳

۳ مسند احمد: ٤/٤۳۸، رقم: ۱۰۰٦٦

٤ المنہج للامام الجوزی: ٤۷٤

الصَّبُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(بڑا بردبار)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ ''اَلصَّبُوْرُ: اَلَّذِيْ لَا تُزْعِجُهٗ كَثْرَةُ الْمَعَاصِيْ إِلٰى كَثْرَةِ الْعُقُوْبَةِ وَقِيْلَ: اَلصَّبُوْرُ: اَلَّذِيْ إِذَا قَابَلْتَهٗ بِالْجَفَاءِ قَابَلَكَ بِالْعَطِيَّةِ وَالْوَفَاءِ، وَ إِذَا أَعْرَضْتَ عَنْهُ بِالْعِصْيَانِ أَقْبَلَ إِلَيْكَ بِالْغُفْرَانِ''[1]

تَرْجَمَہ: ''''الصَّبُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جسے گناہوں کی زیادتی سزا میں زیادتی پر نہیں ابھار سکتی، بعض حضرات نے فرمایا: ''الصَّبُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے سامنے اگر تم ظلم کر کے بھی جاؤ گے تب بھی وہ تمہارا استقبال بخشش وعطاء سے فرمائے گا، اور اگر تم گناہ کر کے اس سے اعراض کرو گے تب بھی وہ اپنی مغفرت کے ساتھ تمہاری جانب توجہ فرمائے گا۔''

❷ ''''الصَّبُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو اپنے گناہ گار بندوں کو سزا دینے میں جلدی نہیں فرماتے، بل کہ وقتِ مقررہ تک انہیں مہلت دیئے رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں ''الصَّبُوْرُ'' اور ''الْحَلِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' باہم معنی میں قریب قریب ہیں لیکن ایک وجہِ فرق موجود ہے کہ صفتِ صبور میں گناہ گار بندوں کو مہلت کی اتنی گنجائش نہیں ہے جتنی گنجائش صفتِ حلیم میں دی گئی ہے۔''[2]

تو اس کریم ذات کا در چھوڑ دینا کتنی بدنصیبی کی بات ہے، اس ذات ''الصَّبُوْرُ'' کو ہمارے گناہ رتی بھر نقصان نہیں پہنچا سکتے لیکن اس کے جلال و ہیبت کے سامنے ہماری نافرمانی کا تقاضہ یہی تھا کہ ہماری فوراً پکڑ ہو جاتی ہے لیکن اس ذات ''الصَّبُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے تحمل پر قربان جایئے کہ ہماری نافرمانیاں بل کہ حد درجہ سیاہ کاریاں بھی اسے طیش نہیں دلا سکتیں، وہ بندوں سے کس قدر محبت کرتا ہے کہ مہلت پر مہلت دیئے جاتا ہے، ذرا ذرا پر نوازتا جاتا ہے، اس کی رحمتیں بہانے بہانے سے ہماری طرف متوجہ ہوتی رہتی ہیں، ہم ہی ناقدرے ہوں تو کسی بات پر کیا گلہ؟

---

[1] اسماء اللّٰہ الحسنٰی للرازی: ۳۵۳

[2] ''هُوَ الَّذِيْ لَا يُعَاجِلُ الْعُصَاةَ بِالْإِنْتِقَامِ مِنْهُمْ بَلْ يُؤَخِّرُ ذٰلِكَ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُمْهِلُهُمْ لِوَقْتٍ مَّعْلُوْمٍ فَمَعْنَى الصَّبُوْرِ فِيْ صِفَةِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ قَرِيْبٌ مِّنْ مَعْنَى الْحَلِيْمِ إِلَّا أَنَّ الْفَرْقَ بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ، أَنَّهُمْ لَا يَأْمَنُوْنَ الْعُقُوْبَةَ فِيْ صِفَةِ الصَّبُوْرِ كَمَا يَسْلَمُوْنَ مِنْهَا فِيْ صِفَةِ الْحَلِيْمِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ'' (شان الدعا: ۹۸)

وہ اپنے بندوں کے لئے بھی صبر کو پسند فرماتا ہے اور صبر پر بے بہا انعامات مقرر کر رکھے ہیں، قرآنِ کریم میں جا بجا صبر کی تلقین اور صابرین کی تعریف فرمائی گئی ہے۔

قرآنِ مجید نے جن اخلاق پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور مختلف عنوانوں سے اور مختلف پیرایوں میں جن کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے ان میں ''صبر'' کا خاص مقام ہے۔

لیکن ہماری اردو زبان میں صبر کے معنی بڑے محدود ہو گئے ہیں۔ سمجھا جاتا ہے کہ صبر کا مطلب بس یہ ہے کہ موت اور بیماری اور فقر و تنگ دستی جیسی مصیبتوں کو اس طرح سہہ لیا جائے کہ شور و فغان اور شکوہ و شکایت کا اظہار نہ ہو، اور کوئی ظالم اگر ظلم کرے تو اس کا انتقام نہ لیا جائے، اور نہ نالہ و فریاد کی جائے، مگر قرآن کی زبان میں صبر کے معنی اس سے بہت زیادہ وسیع اور گہرے ہیں۔

مختصر الفاظ میں اس کی حقیقت کو کچھ اس طرح ادا کیا جا سکتا ہے:

''کسی عظیم اور مقدس مقصد کے لئے (مثلاً اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے ثواب کے لئے یا دنیا میں نیکی پھیلانے اور برائیوں کو مٹانے کے لئے یا دوسروں کی خدمت اور راحت رسانی کے لئے) صدموں، تکلیفوں اور ناگواریوں کو برداشت کرنا اور ناموافق حالات میں بھی حق اور سچائی پر مضبوطی سے جمے رہنا اور نیکی کے راستے پر چلتے رہنا صبر ہے۔''

صبر کی اس حقیقت کو ذہن میں رکھ کر قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیتیں پڑھیے، سب سے پہلے سورۂ بقرہ کی یہ آیت پڑھیے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾[1]

تَرجَمہ: ''اے ایمان والو! (مشکلوں اور تکلیفوں میں) صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو (یہ بات ناقابل شک اور بالکل یقینی ہے) کہ اللہ تعالیٰ (اور اس کی پوری مدد) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''[2]

صبر اور نماز ہر مشکل کا حل اور ہر تکلیف کا علاج ہیں

اس آیت میں یہ ہدایت ہے کہ انسان کی تمام حوائج وضروریات کے پورا کرنے اور تمام آفات ومصائب اور تکالیف کو دور کرنے کا نسخۂ اکسیر دو جزو سے مرکب ہے، (۱) صبر (۲) نماز اور اس نسخہ کے تمام حوائج اور تمام مصائب کے لئے عام ہونے کی طرف قرآنِ عظیم نے اس طرح سے اشارہ کر دیا کہ ﴿اِسْتَعِيْنُوْا﴾ کو عام چھوڑا ہے، کوئی خاص چیز ذکر نہیں فرمائی کہ فلاں کام میں ان دونوں چیزوں سے مدد حاصل کرو۔[3]

---

[1] البقرة: ۱۵۳ [2] قرآن آپ سے کیا کہتا ہے: ۱۷۷

[3] اللہ کی مدد کے لئے ان تین کتابوں کا مطالعہ کریں (۱) عربی کی کتاب "لا تحزن" مکتبہ العبيكان رياض، (۲) ''سکون قلب'' افادات مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ (۳) راقم الحروف کی کتاب ''پریشان ہونا چھوڑ دیجئے'' ان شاء اللہ ان کتابوں کے مطالعے سے بڑا فائدہ ہوگا اور پریشانیاں دور ہوں گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے انسان ہر ضرورت میں مدد حاصل کرسکتا ہے۔

لوگوں کی ایذاء کا مقابلہ صبر اور نصرتِ الٰہی سے کیجئے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ الۡحُسۡنٰى عَلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَاۤءِيۡلَ ۙ بِمَا صَبَرُوۡا﴾[1]

تَرجَمَہ: اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہوگیا۔"

اس کے ساتھ ہی بنی اسرائیل پر اس انعام واحسان کی وجہ بھی بیان فرمادی "بِمَا صَبَرُوۡا" یعنی اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں تکلیفیں برداشت کیں اور ان پر ثابت قدم رہے۔

اس میں اشارہ کردیا کہ ہمارا یہ احسان وانعام کچھ بنی اسرائیل ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بل کہ ان کے عمل صبر وثابت قدمی کا نتیجہ تھا، جو شخص یا جو قوم اس عمل کو اختیار کرے، ہمارا انعام ہر جگہ ہر وقت اُس کے لئے موجود ہے۔

~ فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے جب نصرتِ الٰہی کا وعدہ اپنی قوم سے کیا تھا اس وقت بھی انہوں نے قوم کو یہی بتلایا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا اور مصائب وآفات کا ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرنا ہی اصل کامیابی ہے۔

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا: اس آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جب انسان کا مقابلہ کسی ایسے شخص یا جماعت سے ہو جس کا دفاع کرنا اس کی قدرت میں نہ ہو تو ایسے وقت کامیابی اور فلاح کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ مقابلہ نہ کرے بل کہ صبر کرے، انہوں نے فرمایا: جب کوئی آدمی کسی کی اِیذاء کا مقابلہ اس کی ایذاء سے کرتا ہے یعنی اپنا انتقام خود لینے کی فکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی کے حوالے کردیتے ہیں، کام یاب ہو یا ناکام اور جب کوئی شخص لوگوں کی ایذاء کا مقابلہ صبر اور نصرتِ الٰہی کے انتظار سے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اس کے لئے راستے کھول دیتے ہیں۔[2]

جس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے صبر وثابت قدمی پر یہ وعدہ فرمایا تھا کہ ان کو دشمن پر فتح اور زمین پر حکومت عطا کریں گے، اسی طرح امتِ محمدیہ عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ سے بھی وعدہ فرمایا ہے، جو سورۂ نور کی آیت ۵۵ میں مذکور ہے۔

اور جس طرح بنی اسرائیل نے وعدۂ خداوندی کا مشاہدہ کرلیا تھا، امتِ محمدیہ عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ نے ان سے زیادہ واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی مدد کا مشاہدہ کیا کہ پوری زمین پر ان کی حکومت وسلطنت عام ہوگئی۔

---

[1] الاعراف: ۱۳۷
[2] الدر المنثور: ۳/ ۴۸۱، الاعراف: ۱۳۷

مصیبت کے وقت صبر کرنا اور ’’اَلصَّبُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ ہی سے مدد طلب کرنا

فرعون نے موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے مقابلہ میں شکست کھانے کے بعد بنی اسرائیل پر اس طرح غصّہ اتارا کہ ان کے لڑکوں کو قتل کر کے صرف عورتوں کو باقی رکھنے کا قانون بنا دیا تو بنی اسرائیل گھبرائے کہ موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی پیدائش سے پہلے جو عذاب فرعون نے ان پر ڈالا تھا وہ پھر آگیا اور حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے بھی اس کو محسوس فرمایا تو پیغمبرانہ شفقت اور حکمت کے مطابق اس بلا سے نجات حاصل کرنے کے لئے ان کو دو چیزوں کی تلقین فرمائی۔

ایک دشمن کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا۔ دوسرا مشکل حل ہونے تک صبر وہمت سے کام لینا اور یہ بھی بتلا دیا کہ اس نسخہ کا استعمال کرو گے تو یہ ملک تمہارا ہے تم ہی غالب آ ؤ گے۔

یہی مضمون ہے پہلی آیت کا جس میں فرمایا ہے: ﴿اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا﴾[1]

’’یعنی اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور صبر کرو۔‘‘

اور پھر فرمایا: ﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾[2]

’’یعنی ساری زمین اللہ کی ہے وہ جس کو چاہے اس کو اس زمین کا وارث و مالک بنائے گا اور یہ بات متعین ہے کہ انجام کار کامیابی متقی پرہیزگاروں ہی کو حاصل ہوتی ہے۔‘‘

اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اگر تم نے تقویٰ اختیار کیا جس کا طریقہ اوپر مذکور ہوا ہے کہ ’’اِسْتِعَانَتْ بِاللّٰہِ‘‘ (اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا) اور صبر کو لازم پکڑا جائے تو انجام کار تم ہی ملکِ مصر کے مالک و قابض ہو گے۔

مشکلات ومصائب سے نجات کا نسخۂ اکسیر

حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے بنی اسرائیل کو جو حکیمانہ نسخہ دشمن پر غالب آنے کے لئے تلقین فرمایا تھا، غور کیا جائے تو یہی وہ نسخۂ اکسیر (مجرب) ہے جو کبھی خطا نہیں ہوتا، جس کے بعد کامیابی یقینی ہوتی ہے۔

1. اس نسخہ کا پہلا جزء ’’اِسْتِعَانَتْ بِاللّٰہ‘‘ ہے، جو اصل رُوح ہے اس نسخہ کی۔ وجہ یہ ہے کہ خالقِ کائنات جس کی مدد پر ہو تو ساری کائنات کا رُخ اس کی مدد کی طرف پھر جاتا ہے، کیوں کہ ساری کائنات اُس کے تابع ہے۔

2. دوسرا جزء اس نسخہ کا صبر ہے، صبر کے معنی اصل لُغت کے اعتبار سے خلافِ طبع چیزوں پر ثابت قدم رہنے اور نفس کو قابو میں رکھنے کے ہیں۔ کسی مصیبت پر صبر کرنے کو بھی اسی لئے صبر کہا جاتا ہے کہ اُس میں رونے پیٹنے اور واویلا کرنے کے طبعی جذبہ کو دبایا جاتا ہے۔

ہر تجربہ کار عقل مند جانتا ہے کہ دنیا میں ہر بڑے مقصد کے لئے بہت سی خلافِ طبع محنت ومشقت برداشت کرنا

[1] البقرۃ: ۱۵۳ [2] الاعراف: ۱۲۸

لازمی ہے، جس شخص کو محنت و مشقت کی عادت اور خلافِ طبع چیزوں کی برداشت حاصل ہو جائے وہ اکثر مقاصد میں کامیاب ہوتا ہے۔ حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: صبر ایسی نعمت ہے کہ اس سے زیادہ وسیع تر نعمت کسی کو نہیں ملی۔[1]

صبر کی اصل حقیقت

صبر کے اصلی معنی اپنے نفس کو روکنے اور اس پر قابو پانے کے ہیں، قرآن وسنت کی اصطلاح میں صبر کے تین شعبے ہیں:

۱ اپنے نفس کو حرام و ناجائز چیزوں سے روکنا۔

۲ اپنے نفس کو طاعات وعبادات کی پابندی پر مجبور کرنا۔

۳ مصائب و آفات پر صبر کرنا یعنی جو مصیبت آگئی اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنا، اور اس کے ثواب کا امید وار ہونا، اس کے ساتھ اگر تکلیف و پریشانی کے اظہار کا کوئی کلمہ بھی منہ سے نکل جائے تو وہ صبر کے منافی نہیں۔[2]

یہ تینوں شعبے صبر کے فرائض میں داخل ہیں، ہر مسلمان پر یہ پابندی عائد ہے کہ تینوں طرح کے صبر کا پابند ہو، عوام کے نزدیک صرف تیسرے شعبے کو صبر کہا جاتا ہے، لیکن دو شعبے جو صبر کی اصل اور بنیاد ہیں عام طور پر ان کو صبر میں داخل ہی نہیں سمجھا جاتا۔

قرآن وحدیث کی اصطلاح میں صابرین انہیں لوگوں کا لقب ہے جو تینوں طرح کے صبر میں ثابت قدم ہوں، بعض روایات میں ہے کہ محشر میں ندا کی جائے گی کہ صابرین کہاں ہیں؟ تو وہ لوگ جو تینوں طرح کے صبر پر قائم رہ کر زندگی سے گزرے ہیں وہ کھڑے ہو جائیں گے، اور ان کو بلا حساب جنت میں داخلہ کی اجازت دے دی جائے گی۔

ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا:

﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾[3]

تَرجَمَہ: "صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر دیا جاتا ہے۔

اس آیت سے بھی اس طرف اشارہ ہوتا ہے۔[4]

دوسرا جز اس نسخہ کا نماز ہے جو تمام انسانی ضروریات کو پورا کرنے اور تمام پریشانیوں اور آفتوں سے نجات دلانے میں اکسیر ہے، صبر کی جو تفسیر ابھی لکھی گئی ہے اس سے معلوم ہو گیا ہے کہ درحقیقت نماز اور تمام عبادات صبر ہی کے جزئیات ہیں، مگر نماز کو جداگانہ بیان اس لئے کر دیا کہ تمام عبادات میں سے نماز ایک ایسی عبادت ہے جو صبر کا مکمل نمونہ

---

[1] مسلم: الزكوٰة، فضل التعفف والصبر: ۳۳۷/۱

[2] تفسیر ابن كثير: ۱۴۲/۱، البقرة: ۱۵۳ [3] الزمر: ۱۰ [4] تفسیر ابن كثير: ۱۴۲/۱، البقرة: ۱۵۳

ہے، کیوں کہ نماز کی حالت میں نفس کو عبادت و طاعت پر محبوس بھی کیا جاتا ہے، اور تمام معاصی و مکروہات سے بل کہ بہت سے مباحات سے بھی نفس کو بحالتِ نماز روکا جاتا ہے، اس لئے صبر جس کے معنی نفس کو اپنے قابو میں رکھ کر تمام طاعات کا پیرو اور تمام معاصی سے بچنے والا و بیزار بنانا ہے، نماز اس کی ایک عملی تمثیل (مثال) ہے۔

صبر اور نماز تمام مشکلات و مصائب سے نجات دینے والے ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّٰبِرِينَ﴾[1] اس کلمہ میں اس کا راز بتلا دیا گیا ہے کہ صبر نجات کا سبب اس لئے ہے کہ صبر سے حلِ مشکلات اور دفعِ مصائب کا سبب کیسے بنتا ہے؟

ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ صبر کے نتیجہ میں انسان کو حق تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ جس شخص کے ساتھ ربُّ العزت کی طاقت ہو اس کا کون سا کام رک سکتا ہے اور کون سی مصیبت اس کو عاجز کر سکتی ہے؟[2]

دُکھ سکھ، خوشی اور ناخوشی سب الصَّبُورُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی طرف سے ہے

اس دنیا میں دکھ اور رنج بھی ہے اور آرام و خوشی بھی، شادی بھی ہے اور غمی بھی، شیرینی بھی ہے اور تلخی بھی، سردی بھی ہے اور گرمی بھی، خوش گواری بھی ہے اور ناخوش گواری بھی، یہ سب کچھ الصَّبُورُ جَلَّ جَلَالُہٗ ہی کی طرف سے ہے، اور اسی کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندوں کا حال یہ ہونا چاہئے کہ جب کوئی دکھ اور مصیبت پیش آجائے، تو وہ مایوسی اور دل شکستگی کا شکار نہ ہوں بل کہ ایمانی صبر و ثابت قدمی کے ساتھ اس کا استقبال کریں اور دل میں اس یقین کو تازہ کریں۔

یہ سب کچھ الصَّبُورُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی طرف سے ہے، جو ہمارا حکیم اور کریم رب ہے، اور وہی ہم کو اس دکھ اور مصیبت سے نجات دینے والا ہے...... اسی طرح جب حالات سازگار ہوں اور چاہتیں مل رہی ہوں اور خوشی اور شادمانی کے سامان ہوں تو بھی اس کو اپنا کمال اور اپنی قوتِ بازو کا نتیجہ نہ سمجھیں بل کہ اس وقت اپنے دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی بخشش ہے، اور وہ جب چاہے اپنی بخشی ہوئی ہر نعمت چھین بھی سکتا ہے اس لئے ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کریں۔

یہ اسلام کی خاص تعلیمات میں سے ہے اور رسول اللہ ﷺ نے طرح طرح سے اس کی ترغیب اور تعلیم دی ہے، اس تعلیم پر عمل کرنے کا ایک نتیجہ تو یہ ہوتا ہے کہ بندہ کا ہر حال میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے تعلق بڑھتا ہے۔

اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کبھی مصیبتوں اور ناکامیوں سے شکست نہیں کھاتا اور رنج و غم کے تسلسل سے بھی اس کی جان نہیں گھلتی، مایوسی اور دل شکستگی اس کی عملی قوتوں کو ختم نہیں کر سکتی۔

---

[1] البقرة: ١٥٣ [2] معارف القرآن: ٣٩٤/١، البقرة: ١٥٣

اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی دو حدیثیں ذیل میں پڑھیے:

۱ ''حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندہ مؤمن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اگر اس کو خوشی، راحت و آرام پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے، اور یہ اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اور اگر اسے کوئی دکھ اور رنج پہنچتا ہے تو وہ (اس کو بھی اپنے حکیم و کریم رب کا فیصلہ اور اس کی مشیّت پر یقین کرتے ہوئے) اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لئے سراسر خیر اور موجبِ برکت ہوتا ہے۔'' [۱]

تشریح اس دنیا میں تکلیف اور آرام تو سب ہی کے لئے ہے، لیکن اس تکلیف اور آرام سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنا یہ صرف ان اہلِ ایمان ہی کا حصہ ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ایمانی رابطہ قائم کرلیا ہے کہ وہ چین و آرام، مسرت و خوشی کی ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور جب کسی رنج اور دکھ میں مبتلا کئے جاتے ہیں، اور کوئی ناخوش گواری ان کو پیش آتی ہے تو وہ بندگی کی پوری شان کے ساتھ صبر کرتے ہیں ...... اور چوں کہ دُکھ سکھ اور خوشی و ناخوشی ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کی زندگی کسی وقت بھی خالی نہیں رہتی، اس لئے اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کے دل بھی صبر و شکر کی کیفیات سے ہر وقت بھرے رہتے ہیں۔

۲ ''حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: '' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اے ابنِ آدم! اگر تو نے شروعِ صدمہ میں صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کی نیت کی، تو میں نہیں راضی ہوں گا جنت سے کم پر کہ اس کے سوا کوئی ثواب تجھے دیا جائے۔'' [۲]

تشریح جب کوئی صدمہ کسی آدمی کو پہنچتا ہے تو اس کا زیادہ اثر ابتدا ہی میں ہوتا ہے، ورنہ کچھ دن گزرنے کے بعد تو وہ اثر خود بخود ہی زائل ہو جاتا ہے، اس لئے صبر دراصل وہی ہے جو صدمہ پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا خیال کر کے اور اس کی رضا اور ثواب کی امید پر کیا جائے، اسی کی فضیلت ہے اور اسی پر ثواب کا وعدہ ہے، بعد میں طبعی طور پر جو صبر آجاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان فرمایا: ''جو

---

[۱] ''عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ: قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ وَ إِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ'' (مسلم، الزهد، باب في احاديث متفرقه: ٢/٤١٣)

[۲] ''عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى يَا ابْنَ اٰدَمَ إِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلٰى لَمْ أَرْضَ لَكَ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّةِ'' (ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ماجاء في الصبر على المصيبة: ١٤١)

صاحبِ ایمان بندہ کسی صدمہ کے پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی نیت سے صبر کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت ضرور عطا فرمائے گا اور جنت کے سوا اور اس سے کم درجہ کی کوئی چیز اس کے صبر کے ثواب میں دینے پر خود اللہ تعالیٰ راضی نہ ہوگا......" اللہ اکبر!

کس قدر کریمانہ انداز ہے، براہِ راست بندہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے: اے ابن آدم! جب تجھے میرے تقدیری حکم سے کوئی صدمہ پہنچے اور تو اس وقت میری رضا اور ثواب کی امید پر اس صدمہ کا استقبال صبر سے کرے تو تجھے جنت دیئے بغیر میں راضی نہ ہوں گا...... گویا اس صبر کی وجہ سے بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ایسا خاص تعلق ہو جائے گا کہ اس بندہ کو جنت دیئے بغیر اللہ تعالیٰ راضی اور خوش نہ ہوں گے۔

فَائِدَہ: جب اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کو کسی قسم کا کوئی صدمہ پہنچے...... کسی سے تکلیف پہنچے...... کوئی مالی یا جسمانی نقصان پہنچانے کا ذریعہ بن جائے......تو اگر اس وقت اس حدیث کو اور اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ وعدہ کو یاد کر کے صبر کرے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس صبر میں ایک خاص لذت اور حلاوت ملے گی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقیناً جنت بھی عطا ہوگی۔[1]

جو اپنی مصیبت کسی پر ظاہر نہ کرے اس کے لئے بخشش کا وعدہ

حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: "جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ کسی سے اس کا اظہار نہ کرے اور نہ لوگوں سے شکوہ شکایت کرے تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ وہ اس کو بخش دیں گے۔"[2]

فَائِدَہ: صبر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی مصیبت اور تکلیف کا کسی سے اظہار بھی نہ ہو، ایسے صابروں کے لئے اس حدیث میں مغفرت کا پختہ وعدہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش کا ذمہ لیا ہے، اللہ تعالیٰ ان مواعید (وعدوں) پر یقین اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔[3]

کسی بھی قسم کے حالات کیوں نہ ہوں، مسلمان کبھی ہمت نہیں ہارتا اور اپنے مولیٰ کی ذات سے ناامید نہیں ہوتا۔ دنیا کی زندگی میں ہر قسم کے حالات آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مختلف طریقوں سے اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ قرآنِ پاک کی مختلف آیات میں اس بات کو بار بار بیان کیا گیا ہے کہ تم لوگوں کی آزمائش ضرور ہوگی اور تمہیں مختلف طریقوں سے آزمایا جائے گا۔ اولاد کا نہ ہونا...... یا اولاد کا بیمار معذور ہونا...... ملازمت وتجارت میں نقصان وکمی...... خود اپنے بدن میں بیماری

---

[1] معارف الحدیث: ۲/۳۰۰، ۳۰۱

[2] مجمع الزوائد، باب فیمن صبر علی العیش الشدید: ۱۰/۳۲٤، رقم: ۱۷۸۷۲

[3] معارف الحدیث: ۲/۳۰۲

...... دشمنوں اور حاسدوں کی طرف سے مخالفت اور پریشانی ...... اپنے اردگرد کے سخت اور مشقت والے حالات ...... اور دوسرے بعض مخصوص معاملات ...... یہ سب آزمائش کے طریقے ہیں۔ ایمان والا مرد اور ایمان والی عورت کبھی بھی حالات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے، بل کہ ہر آزمائش پر ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ صبر اور شکر کے ذریعے یہ نہ صرف اپنے درجات کی بلندی حاصل کر لیتے ہیں بل کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے بن جاتے ہیں۔

دنیا راحت کی جگہ نہیں

دنیا اور دنیا کی زندگی مشقتوں اور آزمائشوں والی زندگی ہے۔ ہم اگر اپنی پیدائش سے قبل اور پھر پیدا ہونے کے بعد دنیا کی زندگی کے مختلف مراحل پر غور کریں تو یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی کہ یہ سب کے سب مراحل یقیناً سخت اور مشکل ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ کی راحت آخرت میں ہے وہاں کسی بھی قسم کی مشقت اور سختی نہیں، نیز وہاں کوئی آزمائش نہیں، لہٰذا مؤمن ہونے کی حیثیت سے ہم سب کو ہمیشہ اس آخرت والی زندگی کی فکر کرنی چاہئے اور اس دنیا کی زندگی میں اگر کسی آزمائش یا سختی سے دوچار ہونا پڑے تو ہمیں چاہئے (دنیا کے) ان امور میں اپنے سے کم پر نظر ڈالیں۔

مسند احمد کی ایک روایت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''تم لوگ اپنے سے کم درجہ کے لوگوں کو دیکھو اور اپنے سے اوپر (اپنے سے زیادہ اچھی حالت) والوں کی طرف نہ دیکھو تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری نہ کرو۔''[1]

فَائِدَۃ: اگر ہم اس حدیث پر عمل پیرا ہو جائیں تو ہر لمحہ ہماری زبانوں سے شکر وحمد ہی کے جملے و کلمے ادا ہوں کہ کتنے وہ لوگ ہیں جو ہم سے زیادہ کڑی اور سخت آزمائش میں ہیں اور ہم بِحمد اللہ پھر بھی (ان لوگوں کی نسبت) اچھی حالت میں ہیں۔ اسی کیفیت میں زبان سے حمد وشکر ادا ہوگا جو کہ مطلوب ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارے سامنے وہ قرآنی آیات اور وہ احادیث بھی ہوں جن میں ایمان والوں کو آزمائش میں صبر کرنے پر بڑے اور عظیم اجر وثواب کی خوش خبریاں سنائی گئی ہیں۔

ان میں سے ایک معیتِ الٰہی ہے کہ ایسے مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہو جاتی ہے جیسا کہ سورة البقرة کی آیت ۱۵۳ میں ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

جب کہ سورة الزمر آیت ۱۰ میں ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

''صبر کرنے والوں کے لئے ان کا اجر وثواب بے حساب ہے۔''

---

[1] مسند احمد: ۲۰۹/۳ رقم: ۹۸۸۶

امام قرطبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اس آیت کی تفسیر میں سیّدنا علی اور سیّدنا حسین بن علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اور بعض دوسرے اصحاب کا قول نقل کیا ہے کہ وہ لوگ جو دنیا کی زندگی میں مصیبتوں اور آزمائشوں میں صبر کرتے ہیں، قیامت کے دن ان کے لئے بلاحساب جنت میں داخلہ ہے۔[1]

ہر قسم کے حالات میں صبر کرنا اور ہر حالت میں شکر ادا کرنا ایک بڑی نیکی ہے کہ اس سے انسان کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین پختہ ہوتا ہے اور ایمان کامل ہوتا ہے۔

واقعہ نمبر ۱۱۷: ایک حدیث میں ارشاد ہے: مسلمان کو دنیا کی زندگی میں جو بھی تکلیف ملتی ہے خواہ یہ غم ہو، اذیت ہو یا دوسری کوئی آزمائش ہو، یہاں تک کہ اگر اسے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے تو اس پر بھی اس کے لئے اجر وثواب ہے۔[2]

ایک خاتون صحابیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ ایک موقع پر سیّدنا عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے فرمایا تھا: ''میں تمہیں ایک ایسی عورت کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں جو اہلِ جنت میں سے ہے، پھر ارشاد فرمایا: یہ جو کالی عورت ہے اسے مرگی والی بیماری تھی۔ اس نے رسولِ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں عرض کیا: مجھ پر اس بیماری کے دورے پڑتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میرا پردہ کھل جاتا ہے اور میں بے پردہ ہو جاتی ہوں، میرے لئے دعا فرمایئے۔ سرکارِ دو عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: [3]''اگر تم چاہو تو صبر کر کے جنت حاصل کرلو اور اگر چاہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگوں گا کہ وہ تجھے شفا و عافیت سے نوازے۔'' اس عورت نے عرض کیا: میں صبر کرنا چاہتی ہوں، البتہ یہ دعا فرما دیجئے کہ میرا پردہ نہ کھلے۔ اس پر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اس کے لئے دعا فرما دی۔''[4]

ہم سب کے لئے عموماً اور مسلمان خواتین کے لئے خصوصاً اس حدیث میں نصیحت ہے کہ ہم صبر کو اختیار کر کے اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا مانگتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس آزمائش میں ڈالا ہے، یہ اس کی آپ سے محبت کی نشانی ہے۔ رسولِ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی سے محبت فرماتا ہے تو ان کو آزماتا ہے۔[5] کسی مصیبت و پریشانی، بیماری، نقصان وخسارے اور کسی عزیز کی موت یا جدائی پر صبر کرنا ایمان کی نشانی اور یقین کا ثبوت ہے۔ کیا ہم اور آپ یہ نہیں چاہتے کہ ہمارا رب ہم سے راضی ہو؟

یقیناً ہم سب کی یہی آرزو اور تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی رہے، تو اس رضامندی اور قربِ الٰہی کے لئے صبر سیڑھی ہے۔ اس سیڑھی کو استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے ایسے بندے بہت ہی اچھے لگتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بھی قسم کی آزمائش پر صبر کریں اور تسبیح وتحمید کے ذریعہ اپنی زبان سے اس کی

---

[1] تفسیر قرطبی: ۱۷۷/۸ [2] مسلم، البر والصّلة، ثواب المؤمن فيما يصيبه: ۳۱۸/۲

[3] بخاري، كتاب المرضى، باب فضل من يُصْرَعُ مِنَ الرِّيحِ، رقم: ٥٦٥٢

[4] "إِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الْجَنَّةُ، وَإِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللهَ أَنْ يُعَافِيَكِ." [5] مسند احمد: ۴۲۸/۵، رقم: ۲۳۱۲۲

تعریف کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں کسی پر بھی زیادتی نہیں کرتا۔ دنیاوی آزمائش جو ظاہری طور پر کبھی ہمیں زیادتی نظر آتی ہے۔کل قیامت کے دن جب اس کے اجر وثواب کا معاملہ ہوگا تو ہم کہیں گے کاش کہ دنیا کی زندگی میں مزید آزمائشیں ہوتیں اور ان سب کا اجر آج ہمیں ملتا۔

سورة البقرة آیت ۲۱۶ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: ”ہوسکتا ہے کسی چیز کو تم ناپسند کرو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ کسی چیز کو تم پسند کرو حالاں کہ وہ تمہارے لئے بہتر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔“

مؤمن کبھی بھی حالات سے نہیں گھبراتا بل کہ مؤمن اور مؤمنہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقینِ کامل کے ساتھ ایک نئے عزم وولولے سے اپنے کاموں کو انجام دیتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے سستی وکاہلی اور بزدلی سے پناہ مانگی ہے۔ اسی طرح کئی دوسری احادیث میں رسول کریم ﷺ کی دعاؤں میں ہمت ہار دینے سے اور مایوسی سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (مضبوط قوی ارادے والا) ”قوی مؤمن اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے ایک کمزور مؤمن سے لیکن دونوں میں خیر ہے“۔ (یعنی دونوں بہرحال ایمان والے ہیں)۔ اسی حدیث میں ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو (اور اسی کے بھروسہ واعتماد سے اپنے سارے کام کرو عاجزی مت دکھاؤ ہمت نہ ہارو)۔[2]

پریشانیوں میں گھبرانا نہیں چاہئے

پریشان ہونے سے لوگوں کے سامنے رونے دھونے سے وہ مصیبت ختم یا کم تو نہیں ہوگی، مزید گھبراہٹ اور پریشانی میں اضافہ ہوگا، اس لئے سوچنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ”مالک الملک“ ہے، جس حال میں رکھے ہمیں اس پر راضی ہونا چاہئے، وہ مالک ہے ہم مملوک ہیں وہ آقا ہے ہم بندے ہیں، مالک کو اختیار ہے اپنی ملک میں جس طرح چاہے تصرف کرے، ہاں بندہ دعا مانگتا رہے، گڑگڑاتا رہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے رورو کر التجا کرے۔

حضرت داؤد علیہ السلام یہ کلمہ پڑھا کرتے تھے:

”سُبْحَانَ مُسْتَخْرِجُ الدُّعَاءَ بِالْبَلَاءِ. ...... سُبْحَانَ مُسْتَخْرِجُ الشُّكْرَ بِالرَّخَاءِ“

یعنی حق تعالیٰ بڑا ہی پاک ہے جو انسان کو بلا میں مبتلا کر کے اس کی زبان سے دعا نکلواتا ہے اور راحت دے کر اس کی زبان سے شکر نکلواتا ہے۔

---

[1] البقرة: ٢١٦
[2] مسلم، القدر، الايمان بالقدر: ٣٣٨/٢

حضرت کردوس بن عمرو جو کتبِ سابقہ کے عالم تھے فرماتے ہیں: بعض کتبِ سابقہ میں حق تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ بعض اوقات کسی اپنے مقبول بندے کو تکلیف میں مبتلا فرما دیتے ہیں تاکہ وہ آہ و زاری کرے، حق تعالیٰ ان کی آہ و زاری کو سنتے ہیں۔[1]

حضرت بشر بن بشار مجاشعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی (جو زہد و عبادت میں مشہور و معروف ہیں) فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عابد سے کہا کہ مجھے وصیت کرو!

اس نے کہا: تقدیرِ الٰہی تمہیں جس جگہ ڈالے صبر و سکون کے ساتھ اپنے نفس کو وہاں ڈال دو۔ اسی کے ذریعہ تمہارا قلب فارغ ہوگا اور تمہارا غم ہلکا ہوگا اور تقدیر پر ناراضگی کا اظہار ہرگز نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ کا غضب اس طرح تم پر نازل ہوگا کہ تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔[2]

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا ہے: ’’جس شخص کو کوئی حاجت پیش آئے اور وہ اس کو لوگوں کے سامنے پیش کرے (یعنی حق تعالیٰ سے قطع نظر کرکے لوگوں ہی کو حاجت روا قرار دے) تو اس کی حاجت پوری نہ ہوگی، لیکن اگر وہ اپنی حاجت حق تعالیٰ کے سامنے پیش کرے تو حق تعالیٰ یا تو اس کی مراد جلد پوری فرما دیں گے اور یا اگر اس کی عمر پوری ہو چکی ہے تو وفات (دے کر اس کو راحت) عطا فرمائیں گے۔‘‘[3]

حضرت عمران بن حصین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ’’جو شخص لوگوں سے قطع نظر کرکے حق تعالیٰ پر اعتماد و توکل کرے۔ حق تعالیٰ اس کی ہر حاجت کے کفیل بن جاتے ہیں اور بے گمان رزق دیتے ہیں اور جو شخص حق تعالیٰ کی رحمت سے قطع نظر کرکے) محض لوگوں پر بھروسہ کرے اور ان سے اپنی حاجت طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی کے حوالے کر دیتے ہیں۔‘‘[4]

صبر...... معیتِ خداوندی کا ذریعہ

یہ پکی بات ہے اپنے دلوں پر لکھ لیجیے، اللہ ربُّ العزت کو صبر کرنے والوں سے محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾[5] ’’بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔‘‘ وہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ محبت کر رہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی معیت ان کو نصیب ہے۔ جس کے ساتھ پروردگار ہوتا ہے پھر کوئی بندہ اس کا بال بیکا نہیں کرسکتا۔ اگر اپنی بات کہنی ہو تو فقط اللہ تعالیٰ کے سامنے کہیں۔ اس پروردگار نے حالات بھیجے ہیں۔ جو بھیجنے والا ہوتا ہے حالات کو واپس وہی لے لیا کرتا ہے، ہم اس کے در پہ تو جاتے نہیں اور دوسرے ہر در پر جا رہے ہوتے ہیں۔ در در پر ہاتھ پھیلا رہے ہوتے ہیں، شکوے سنا رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح ہم اپنی پریشانیوں میں اور اضافہ کر رہے ہوتے

---

[1] صفة الصفوة، كردوس بن عباس الثعلبي: ٣/٤٦، رقم: ٤٠٦　[2] صفة الصفوة، ذكر المصطفين من العباد المقدسين: ٤/٢٠٧، رقم: ٧٧٤

[3] ابو داؤد، كتاب الزكاة، باب فى الاستعفاف، رقم: ١٦٤٥　[4] مجمع الزوائد، باب ماجاء في العزلة: ١٠/٢٩٧، رقم: ١٨١٨٩　[5] البقرة: ١٥٣

ہیں۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں اور ان کو بڑا اجر عطا فرما دیتے ہیں۔

اقسامِ صبر

ابو اللیث سمرقندی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے لکھا ہے: صبر کی تین قسمیں ہیں، اس بات کی دلیل آپ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے ایک حدیث کے ذریعے لکھی ہے، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ صبر تین ہیں:

(۱) طاعت پر صبر (۲) مصیبت پر صبر (۳) معصیت سے صبر، جو شخص مصیبت پر صبر کرتا ہے حتیٰ کہ اعلیٰ حوصلہ کے ساتھ اسے برداشت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تین سو درجے لکھ دیتے ہیں، اور جو شخص طاعت پر صبر کرتا ہے اس کے چھ سو درجات لکھے جاتے ہیں، اور جو شخص معصیت سے صبر کرے اس کے لئے نو سو درجات لکھ دیئے جاتے ہیں۔[۱]

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے معارف القرآن میں صبر کی تین قسمیں لکھی ہیں:

اول: صَبْرٌ عَلَى الطَّاعَات:

❶ یعنی جن کاموں کا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حکم دیا ہے ان کی پابندی طبیعت پر کتنی بھی شاق ہو اس پر نفس کو جمائے رکھنا۔

مثال کے طور پر حق تعالیٰ شانہ نے پانچ وقت نماز کا حکم دیا اب اگر کسی پر فجر کی نماز پڑھنا بھاری ہو رہا ہے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی محبت میں نفس پر جبر کرکے اٹھے اور فجر کی نماز باجماعت پڑھے، اسی کا نام صَبر عَلَى الطَّاعَات ہے۔

دوم: صَبْرٌ عَنِ المَعَاصِي:

❷ یعنی جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے منع فرمایا ہے، وہ نفس کے لئے کتنی ہی مرغوب ولذیذ ہوں نفس کو اس سے روکے رکھنا۔

مثلاً کسی کو بدنظری کا مرض ہے اس نے اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنے نفس پر جبر کرکے اور اپنی خواہشات کا خون کرکے اس مرض کو چھوڑا تو اس کا نام صَبر عَنِ الْمَعَاصِي ہے۔

سوم: صَبْرٌ عَلَى الْمَصَائِب:

❸ یعنی مصیبت وتکلیف پر صبر کرنا، ...... حد سے زائد پریشان نہ ہونا ...... اور سب تکلیف وراحت کو حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر نفس کو بے قابو نہ ہونے دینا ......[۲]

مثال کے طور پر ایک شخص کا ایکسیڈنٹ ہوگیا اور اس میں اس کا ایک ہاتھ بھی چلا گیا، وہ اللہ والا تھا، اس نے کہا: اس دنیا میں ہزاروں آدمی ایسے ہیں جن کے پاس دونوں ہاتھ نہیں ہیں اور نہ ہی دونوں پاؤں ہیں۔ آپ نے مجھے دو ہاتھ

---

[۱] تنبیه الغافلین، باب الصبر علی المصیبة: ۲۹۰ [۲] معارف القرآن: ۲/۲۷۴، ال عمران: ۲۰۰

دیئے۔ دو پیر دیئے پھر اس میں اگر ایک ہاتھ واپس لے لیا تو اس میں بھی آپ کا مجھ پر احسان ہے کہ آپ چاہتے تو دونوں ہی ہاتھوں سے محروم کر سکتے تھے۔ وہ شخص جس کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اس نے اس بات کا مراقبہ کرکے اپنے دل کو مطمئن کر لیا، تو اس صبر کا نام صَبْر عَلَی الْمَصَائِب ہے۔ اَلصَّبُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ سے تعلق پیدا کرنے کے لئے صبر کی ان تینوں قسموں پر عمل کرنا چاہئے۔

واقعاتِ صبر

واقعہ نمبر ⑴⑴⑻: ابوسلیمان دارانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے تھے: حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جس کا پیٹ درندوں نے پھاڑ ڈالا تھا اور گوشت نوچ لیا تھا، حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ نے اس کو پہچان لیا اور اس کے پاس کھڑے ہوکر عرض کیا: اے پروردگار! یہ شخص تیرا مطیع تھا تو ایسا کیوں ہے؟

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے وحی فرمائی: اے موسیٰ! اس نے مجھ سے وہ درجہ طلب کیا تھا جس تک اپنے اعمال کی بدولت نہ پہنچ سکتا تھا پس میں نے اس کو وہاں تک پہنچانے کے لئے اس مصیبت میں مبتلا کیا۔

واقعہ نمبر ۱۱۹: احنف بن قیس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنے چچا سے دانت کے درد کی شکایت کی تو انہوں نے کہا: اے اللہ! احنف تو ایک ہی رات میں درد کی شکایت کرتا ہے، واللہ مجھے یہ درد تقریباً تیس سال سے ہے مگر تیرے سوا اور کسی کو معلوم نہیں۔[۱]

واقعہ نمبر ۱۲۰: صبر کے بارے میں حضرت امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا واقعہ بڑا سبق آموز ہے: آپ ایک دن حدیث پاک کا درس دے رہے تھے کہ آپ کو بچھو نے سولہ بار ڈنگ مارا، جس کی وجہ سے آپ کا رنگ متغیر ہوگیا، لیکن آپ نے حدیث پاک کی تعظیم کی وجہ سے اپنے کلام کو قطع نہ کیا۔[۲]

ابن شبرمہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی تو فرماتے:

یہ تو بادل ہے تھوڑی دیر بعد چھٹ جائے گا۔ اس کے لئے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

واقعہ نمبر ۱۲۱: حضرت بایزید بسطامی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی جا رہے تھے، مریدوں کا لشکر اور فوج ساتھ تھی، اوپر سے بدکار عورت نے چولہے کی راکھ اور گھر کا کچرا اور گندگی کا ٹوکرا بھر کر ان کے سر پر ڈال دیا۔ حضرت نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ مریدوں نے پوچھا: حضرت اس وقت آپ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کیوں کہا: فرمایا: دل میں میں نے اِنَّا لِلّٰہِ بھی پڑھ لیا کہ سنت ہے لیکن اس سنت کے ساتھ ایک دوسری سنت بھی ادا کر رہا ہوں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ.

خادموں نے کہا: حضرت اجازت دیجئے کہ ہم اس سے بدلہ لیں، فرمایا: تم لوگ میرے ساتھ رہنے کے قابل نہیں ہو،

---

[۱] سکون قلب: ۱۷۴
[۲] المدخل الی السنن الکبری، باب توقیر العالم والعلم: ۱/ ۳۹٤، رقم: ٦۹۸

اللہ والے انتقام نہیں لیا کرتے۔[۱]

وَاقِعَہْ نَمْبَرْ (۱۲۲): شیخ سعدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اپنے فارسی کلام میں جن اہم نصیحت والے امور اور عبرت والے واقعات کو بیان کیا ہے ان میں ایک یہ ہے: ایک مرتبہ دورانِ سفر ان کے جوتے پھٹ گئے اور بے کار ہو گئے۔

شیخ سعدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو کئی میل تک پیدل بغیر جوتوں کے سفر کرنا پڑا حتیٰ کہ ان کے پیر زخمی ہو گئے۔ فرماتے ہیں: میں نے اس حالت میں اللہ تعالیٰ سے گلہ شکوہ کیا:

اے اللہ! میں کتنا بے بس اور مفلس ہوں کہ تو نے مجھے جوتے تک نہیں دیئے اور میں ننگے پیر سفر کر رہا ہوں۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد شیخ سعدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے دیکھا کہ ایک درخت کے سایہ میں ایک شخص بیٹھا ہوا ہے جو دونوں پیروں سے محروم ہے۔ شیخ سعدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: میرے دونوں ہاتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے اُٹھ گئے اور زبان سے بار بار شکر کے الفاظ نکلنے لگے کہ مولائے کریم! تیرا شکر ہے کہ تو نے جوتے نہیں دیئے مگر پیر تو سلامت ہیں جن سے چل پھر سکتا ہوں۔[۲]

صبر کے آداب

صبر کے آداب میں سے ہے کہ شروع ہی سے صبر کیا جائے کیوں کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے: "صبر" صدمے کے ابتداء میں ہے،[۳] ہر مجلس میں بیٹھ کر اپنی پریشانیوں، ناکامیوں کا ذکر نہ کریں، تنہائی میں بھی ماضی کی ناکامیوں کو زیادہ نہ سوچیں، ہر حال میں خوش وخرم رہنے کی کوشش کریں۔

صبر کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ مصیبت کے وقت: "إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ"[۴] کہے، جیسا کہ مسلم شریف میں اُمّ سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی روایت ہے۔[۵]

مصائب کے فوائد

❶ اللہ تعالیٰ دنیا میں مسلمانوں کو مصائب وتکالیف دے کر اس کا میل صاف کرتے ہیں، یعنی وَساوِس ومعاصی سے جو غفلت قلب میں پیدا ہو جاتی ہے اس کو دور کرتے ہیں، یہ تو آخرت کی بھلائی ہوئی۔

❷ دنیا کی بھلائی یہ ہوتی ہے کہ مصائب وتکالیف سے انسان کے اخلاق درست ہو جاتے ہیں اور اخلاق کی درستگی سے بہت راحت ملتی ہے کیوں کہ بدخلق سے سب کو وحشت ہوتی ہے، لوگ اس کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ نیز اس کے یعنی (اہلِ مصیبت کے) دل پر دنیا کی حقیقت بھی منکشف ہو جاتی ہے کہ دنیا دل لگانے کی چیز نہیں ہے۔

---

[۱] سکونِ قلب: ١٧٤، ١٧٦ [۲] سکونِ قلب: ١٩٦ [۳] مسلم، الجنائز: ٣٠١/١

[۴] تَرجَمَہ: "ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔" [۵] مسلم، کتاب الجنائز، باب ما یقال عند المصیبۃ، رقم: ٢١٢٦

۳ عبدیت غالب ہو جاتی ہے اور دعویٰ غرور وتکبر کا میل کچیل معلوم ہو جاتا ہے اور اپنی حقیقت واضح ہو کر سمجھ میں آجاتی ہے کہ آدمی کو کبھی دعویٰ نہ کرنا چاہئے۔

۴ مصائب میں استحضار عظمتِ الٰہی کا ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں اپنی عاجزی زیادہ ظاہر ہوتی ہے، پس مصائب سے انسان پر عبدیت کا غلبہ ہوتا ہے اور یہ عبدیت کا اعلیٰ مقام ہے۔

مصائب کے وقت بزرگوں کا بنایا ہوا ایک اصول یاد رکھیں!

مصائب کو گناہوں کی سزا سمجھو، یا ایمان کی آزمائش سمجھو، مگر یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہوگئے ہیں، کیوں کہ یہ خیال خطرناک ہے، اس سے تعلق ضعیف ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ تعلق زائل ہو جاتا ہے۔

مصائب کو ہلکا کرنے کی تدابیر

۱ اپنے گناہوں کو یاد کر کے کثرت سے گناہوں کی معافی مانگے۔

۲ مصیبت کے ثواب کو یاد کرے۔

۳ مصیبت کے وقت صبر مطلوب ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا تصرف سمجھ کر راضی رہے اور دل میں اللہ تعالیٰ سے شکایت نہ لائے، نہ لوگوں کے سامنے کہتا پھرے۔

۴ صبر کی ایک صورت یہ ہے کہ اہلِ مصائب کو سامنے رکھے، بالخصوص ان کو جن پر زیادہ مصیبت آئی ہے تو خود بخود وہ شکر کرے گا کہ ہم سے زیادہ مصیبت فلاں پر آئی ہے۔

دنیا کی نعمت بھی ہو تو اس میں بھی مصائب ملے ہوئے ہیں، کوئی نعمت ایسی نہیں کہ جس میں مصیبت کا دروازہ کھلا ہوا نہ ہو اور کوئی مصیبت ایسی نہیں کہ جس میں نعمت کا راستہ نہ نکلتا ہو۔ تو یہاں کی نعمت محدود ہے اور مصیبت بھی یہاں کی لازوال نہیں ہے۔

۵ اکبر نے ایک قطعہ لکھا ہے وہ مانے ہوئے شاعر ہیں۔ انہوں نے بڑے ہی کام کی بات کہی ہے:

ؔ ایک ہی کام سب کو کرنا ہے یعنی جینا ہے اور مرنا ہے
اب رہی بحث رنج و راحت کی وہ فقط وقت کا گزرنا ہے

واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے بڑے کام کی بات بتائی ہے کہ مصیبتوں کا خیال مت کرو اور منزل کی طرف متوجہ رہو؛ مگر منزل کا پتہ نہیں دیا۔

مطلب یہ ہے کہ تکلیف آئے تو صبر کرو اور خیال کرلو کہ یہ تو وقت کا گزرنا ہے؛ لیکن جائیں کہاں؟ اس قطعہ میں منزلِ مقصود کا پتہ نہیں دیا تو میں[1] نے اس میں اپنے تین شعر بڑھا دیئے، تاکہ منزل کا پتہ بھی چل جائے۔

[1] مراد اس سے قاری محمد طیب صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ہیں۔

ایک ہی کام سب کو کرنا ہے — یعنی جینا ہے اور مرنا ہے
اب رہی بحث رنج و راحت کی — وہ فقط وقت کا گزرنا ہے
رہ گیا عز و جاہ کا جھگڑا — یہ تخیل کا پیٹ بھرنا ہے
اور قابلِ ذکر بھی نہیں خورد و نوش — یہ بہیمی کی خو سے لڑنا ہے
مقصدِ زندگی ہے طاعتِ حق — نہ کہ فکرِ جہاں میں پڑنا ہے

اگر اس مقصد کو پیشِ نظر رکھو تو ہر مصیبت ہلکی ہو جائے گی، یعنی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں گزر جائے یہ مقصد نہیں کہ دنیا کی فکروں میں پڑ کر اصل حقیقت کو بھول جائے۔[1]

مصائب کے برداشت کرنے کا طریقہ تعلق مع اللہ ہے۔ اس کو پیدا کر کے دیکھو، پھر سب مصائب طاقت کے اندر ہیں، کوئی بھی مصیبت برداشت سے باہر نہیں، کیوں کہ کام تو وہ خود کرتے ہیں تم صرف راستہ اور سڑک کی مانند ہو کہ کوئی کام تم سے ظاہر ہوتا ہے، ورنہ حقیقت میں کرانے والے وہ خود ہیں، تو اب تحمل اس لئے ہو جائے گا کہ وہ تمہارے دل میں قوتِ برداشت پیدا کر دیں گے۔

مصیبت میں دو اجر ہیں:

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو مصیبت سے جو تکلیف ہوتی ہے اس پر بھی اجر ملتا ہے اور صبر کا اجر الگ ہے۔

حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے جو مراتب بلند ہیں اس کی یہی تو وجہ ہے کہ انہوں نے سب سے زیادہ قیود و حدود کا حق ادا کیا ہے۔ ان پر وہ بلائیں گزری ہیں جن کو دوسرا برداشت نہیں کر سکتا۔

تکالیف گناہوں کا کفارہ ہیں

جس طرح سونا نکھارا جاتا ہے آگ میں ڈال کر، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو بھی دنیا میں اس طرح تکلیف دے کر ان کے گناہوں کو دھویا جاتا ہے اور یہ سمجھ لو گے تو گناہوں کا کفارہ بھی ہو جائے گا۔ ورنہ تکلیف تو یوں بھی آنی ہے جو اہلِ جنت ہیں ان کو دنیا میں تکالیف پہنچتی ہیں کیوں کہ یہ جنت کے تحفے ہیں اور اہلِ جہنم کو دنیا میں راحت اور عیش ملتا ہے کہ یہ جہنم کے گرد کے پھل ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جنت نعمتوں کی جگہ بنائی اور جہنم تکالیف کی جگہ بنائی[2] مگر ان کے گرد

---

[1] سکون قلب: ۱۳۰، ۱۳۱ بحوالہ مجالس حکیم الاسلام

مصائب، پریشانیوں، بلائیں، الجھنیں، ٹینشن وغیرہ میں پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ اس کے لئے راقم الحروف نے ایک کتاب ''پریشان ہونا چھوڑ دیجئے'' مرتب کی ہے۔ پریشان حال و بے چین لوگوں کے لئے ان شاء اللہ مفید ثابت ہوگی۔ کسی بھی معیاری دینی کتب خانے سے یہ کتاب طلب کی جا سکتی ہے۔

[2] ترمذی، ابواب صفۃ الجنۃ: ۲/۸۳

ایک باڑ لگائی۔ جہنم کے گرد لذت اور عیش اور راحت، شہوات، دل لبھانے والی چیزوں کی باڑ لگائی ہے۔ جنت کے گرد محنت، تکلیف اور مشقت کی باڑ لگی ہوئی ہے، لہٰذا کانٹے، مصیبت اور تکلیف اٹھانے کے بعد ہی جنت میں داخلہ ہوگا۔‘‘

جنت کے تحفے

مؤمن کا ایمان سلامت رہے تو یہ تکالیف، غم، بیماری اور مصیبت یہ تحفے ہیں جنت کے، یہ کانٹا ہٹا جنت کا راستہ ملا۔ جو لذتوں میں مبتلا ہیں وہ سوچ سمجھ کر قدم رکھیں کہ اس میں کہیں خلافِ شرع تو کچھ نہیں کہ یہ خدا نہ کرے کہیں جہنم کا تحفہ ہو، اللہ پاک ہر مؤمن کو اس سے بچائے۔

معیارِ مصیبت

جس مصیبت سے کوفت اور پریشانی بڑھے وہ تو گناہوں کی وجہ سے ہے اور جس سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہو، تسلیم و رضا زیادہ ہو، وہ حقیقت میں مصیبت نہیں، گو صورتِ مصیبت ہو اور صورتِ مصیبت رفعِ درجات و امتحانِ محبت کے واسطے بھی ہوتی ہے۔

واقعاتِ مصائب درحقیقت تجارت ہیں

یہ واقعاتِ مصائب درحقیقت سب تجارت میں داخل ہیں کہ ایک چیز ہم سے لی جاتی ہے اور اس کے عوض دوسری چیز دی جاتی ہے اور تجارت بھی ایسی کہ ؎

نیم جاں بستاند و جان دہد انچہ درد ہمت نیا ید آں دہد

علاوہ اس کے مصیبت حالاً تو مصیبت ہے مگر مآلاً (مستقبل میں) نعمت ہے کیوں کہ اس سے منافع و مصالحِ دینیہ و دنیویہ حاصل ہوتے ہیں۔

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ برسوں کے مجاہدات سے باطن کو وہ نفع نہیں ہوتا جو ایک ساعت کے حزن سے ہوتا ہے خاص کر ایمان کو پختگی ہوتی ہے جو امورِ باطنہ میں سب سے زیادہ افضل ہے۔ ؎

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے
جو بشر آتا ہے دنیا میں یہ کہتی ہے قضا میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے[1]

اَلصَّبُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ سے تعلق پیدا کرنے کے لئے صبر کرنا چاہئے

ایک صاحب نے حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی خدمت میں عرض کیا: مجھ پر مصائب اور حوادث اتنے آئے

[1] سکونِ قلب: ۱۷۷ تا ۱۸۱ یہ اشعار حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی خانقاہ میں لکھے ہوئے تھے۔

ہیں کہ اگر خودکشی جائز ہوتی تو میں یقیناً کر لیتا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا: اگر مصائب اور حوادث کوئی بری چیز ہوتی تو حق تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے لئے پسند نہ فرماتے؟

مانگنا تو عافیت ہی چاہئے لیکن اگر کوئی مصیبت آجائے تو رضا بالقضاء چاہئے، اللہ تعالیٰ کے حَکَمْ اور حَکِیْم ہونے کا یقین رکھے اور ان پر ہی نظر رکھے۔[1]

صبر کے درجات

تائبین کا صبر:

پہلا درجہ تائبین کا ہے۔ اس کا کیا مطلب کہ انسان اپنا غم اور پریشانی دوسروں کو بتانا چھوڑ دے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ بیوی خاوند کو نہ بتائے، بیٹا باپ کو نہ بتائے، مریض حکیم کو نہ بتائے۔ نہیں، یہ ضروریات ہیں، ایک ہوتا ہے تذکرۂ احوال کے لئے بتانا وہ نہیں بتانا چاہئے۔ اس کو بتایا اس کو بتایا، حالات سنانے کی خاطر بتانا، اس سے منع کیا گیا ہے۔ ورنہ کوئی تکلیف ہے تو ڈاکٹر کو بتا دینے میں کوئی حرج نہیں۔ بیٹا باپ کو بتائے کوئی حرج نہیں، بیوی خاوند کو بتائے تو کوئی حرج نہیں، آخر بیوی اگر اپنے خاوند کو نہ بتائے تو کس کو سنائے گی، لیکن جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ کچھ لوگوں کی زبان پر بات ہی یہی رہتی ہے، جہاں بیٹھے بس جی کیا کریں عجیب مصیبتوں میں پھنسے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ تو ہماری سنتا ہی نہیں، اس قسم کی گفتگو ہمیشہ شکوے میں شامل ہوتی ہے۔ ایسا کہنے والے گویا یوں کہہ رہے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔

زاہدین کا صبر:

دوسرا درجہ زاہدین کا ہے۔ وہ درجہ یہ ہے کہ انسان کو اگر کوئی مصیبت پیش آئے تو وہ اس کے اوپر راضی رہے۔ جب بندہ ہر حال میں راضی ہوتا ہے، اچھے حالات ہوں تو بھی راضی ہے، برے حالات ہوں تو بھی راضی، تو وہ زاہدین کا صبر کہلاتا ہے۔

صدیقین کا صبر:

ایک تیسرا مرتبہ ہے جسے صدیقین کا درجہ کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہوتا ہے کہ جب بندے پر کوئی بلا اور مصیبت آتی ہے تو وہ اس پر خوش ہوتا ہے کہ پروردگار مجھ سے راضی ہے، کیوں کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ خوشیاں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ باندھ کے روزانہ کھڑی ہوتی ہیں: اے اللہ! ہمارے لئے کیا فیصلہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فلاں فلاں ظالمین اور مخالفین کے پاس چلی جاؤ، خوشیوں کو ان کے ہاں بھیج دیتے ہیں۔ اس کے بعد فاقے، پریشانیاں اور غم وغیرہ رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اچھا، تم میرے پیاروں کے پاس چلے جاؤ۔

---

[1] سکون قلب، مصیبت آئے تو صبر کرو: ۱۴۷

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس بندے کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہو اس پر پریشانیاں اس طرح آئیں گی جیسے پانی ڈھلوان کی طرف تیزی کے ساتھ چلتا ہے[1] لیکن تھوڑی سی پریشانیاں ہیں۔ سو سال، پچاس سال کی زندگی میں دو دن، چار دن کی پریشانی کیا حیثیت رکھتی ہے، جب کہ آگے جاکر ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی میں اس کا اجر اور ثواب ملے گا۔ تاہم اللہ والوں کی نظر اس پر ہوتی ہے کہ اگر ہمارا اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ ہوگا تو ہمارے اوپر آزمائش اور ابتلائیں آئیں گی۔

خُلاصَہ: صبر کے ان تین درجات سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ مصیبت کے وقت ہم اپنی مصیبت دوسروں کو شکوہ شکایت کے طور پر نہ بتائیں اور مصیبت پر راضی رہنے کی کوشش کریں، اور راضی ہونے کے ساتھ ساتھ خوش بھی ہوں کہ پروردگار ہم سے راضی ہیں، کیوں کہ تکالیف اور مصیبتیں نیک لوگوں پر ہی آتی ہیں۔[2]

مصیبت میں بھی غور کرنے سے شکر کا پہلو سامنے آئے گا

صبر...... رفع درجات کا سبب:

بعض اوقات بندہ اپنی عبادات کی وجہ سے اللہ ربّ العزت کے قریب وہ مقام نہیں پاسکتا جو اللہ تعالیٰ اسے دینا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پھر اس کے اوپر کچھ برے حالات بھیج دیتے ہیں۔ جب وہ بندہ ان حالات میں صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سبب بنا کر اس بندے کو بلند مقام عطا فرما دیا کرتے ہیں۔ چناں چہ روایات میں آیا ہے کہ جب کوئی بیمار آدمی صحت یاب ہوتا ہے تو اپنے گناہوں سے ایسے پاک ہو جاتا ہے جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔[3] جس طرح خزاں کے موسم میں درخت کے پتے گرتے ہیں، اسی طرح بیمار آدمی کے جسم سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو دور کر دیا کرتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے بے شمار مصیبتیں جھیلیں، پریشانیاں برداشت کیں۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی جدائی کے صدمہ سے حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کی آنکھ کی بینائی جاتی رہی۔ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام تقریباً چالیس سال سے زائد عرصہ تک باپ سے جدا رہے۔ بعض روایات میں ستر سال تک جدائی کا عرصہ بیان کیا گیا ہے۔ جدائی کے یہ صدمات برداشت کرنے کے علاوہ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے طرح طرح کی مصیبتیں جھیلیں۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو کنوئیں میں ڈالا گیا، بازار میں فروخت کیا گیا، غلام بنایا گیا اس پر ہی بس نہیں۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام پر جھوٹی تہمت بھی لگائی گئی اور بے گناہ آپ کو قید و بند کی مشقتوں میں ڈالا گیا۔

غرض طویل عرصہ تک مصیبتیں برداشت کرتے رہے اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مصائب و پریشانیوں سے نجات

---

[1] ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی فضل الفقر، رقم: ۲۳۵۰ [2] سکونِ قلب: ۱۴۷ تا ۱۴۹

[3] سنن الدارمی، کتاب الرقاق: ۴۰۸/۲

دی اور اپنے والد سے ملاقات کی صورت پیدا ہوئی اور چالیس سال تک والد سے جدا رہنے کے بعد ملے تو اپنے والد ماجد سے چالیس سال کی پریشانیوں اور دکھڑوں کا تذکرہ نہیں فرمایا، بل کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا شروع کیا۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ﴾[1]

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا جو کہ مجھے قید خانے سے نکالا اور باہر لے آیا جب کہ اس سے پہلے شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان اختلاف ڈال دیا تھا۔ حالاں کہ اگر کسی عام آدمی پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو وہ اس کو عمر بھر گاتا پھرتا ہے۔

یوسف عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے چالیس سالہ جدائی کی روئیداد دو منٹوں میں بیان فرما دی۔ یہ ہے پیغمبر کی شان کہ مصیبت کو بھی نعمت شمار کرتے ہیں۔ شکر کرنے والوں کی نظر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر ہوتی ہے۔

ایک شخص اگر کسی کا مہمان بنے اور میزبان اس کو پینے کے لئے دودھ کا آدھا گلاس دے دے تو شکرگزار بندہ جب اس واقعہ کو بیان کرے گا تو اس طرح کہے گا کہ میزبان نے پینے کے لئے دودھ کا گلاس پیش کیا جو آدھا بھرا ہوا تھا، اور اسی بات کو اگر اس طرح بیان کیا جائے کہ میزبان نے دودھ کا گلاس دیا جو آدھا خالی تھا، تو مطلب تو ایک ہی بنتا ہے لیکن اندازِ بیان کا اثر مختلف ہے۔ جس نے یہ کہا: آدھا بھرا ہوا تھا اس نے نعمت کی جہت کو اختیار کیا ہے، اس طرح اس نے شکر ادا کیا، اور جس نے کہا: میزبان نے دودھ کا آدھا خالی گلاس پیش کیا ہے، اس نے ناشکری کا انداز اختیار کیا، تو اہل اللہ کی نظر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ہوتی ہے اور ان کی وجہ سے منعم (انعام کرنے والا) سے تعلق مضبوط ہوتا ہے۔

صبر کی برکات

حالات کا تغیر:

انسانی زندگی کے حالات بدلتے رہتے ہیں، کبھی خوشی کی گھڑیاں ہوتی ہیں اور کبھی غم کی کیفیت ہوتی ہے، کبھی انسان کا ہاتھ کھلا ہوتا ہے اور کبھی قرضوں کے بوجھ کے نیچے دبا ہوتا ہے، کبھی جوانی اور صحت کا عالم ہوتا ہے اور کبھی بیماری کی وجہ سے چارپائی کے ساتھ لگا ہوتا ہے۔ زندگی غم اور خوشی کے درمیان گزرتی چلی جا رہی ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ وقت گزر رہا ہے مگر موت کے وقت پتہ چلتا ہے کہ وقت کیا گزرنا تھا خود ہی اس دنیا سے گزر گیا۔

سب کے لئے ایک ہی کام ہے کہ جینا ہے اور مرنا ہے، یعنی عمل کرنے ہیں اور حساب دینا ہے۔ رہ گئی خوشی اور غم کی بات تو یہ زندگی کی ترتیب ہے۔

---

[1] یوسف: ۱۰۰

شاکر و صابر ہونے کی دُعا

"اَلصَّبُوْرُ" اسم مبارک کے ذریعے شاکر و صابر اور تواضع و مسکنت اور لوگوں کے دلوں میں احترام و محبت پیدا ہو جائے اس کے لئے یہ دعا مانگنی چاہئے:

"اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ شَکُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ صَبُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَّفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا." [1]

تَرجَمَہ: "اے اللہ! مجھے نہایت شکر کرنے والا اور اعلیٰ درجے کا صبر کرنے والا بندہ بنا اور مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا اور دوسروں کی نگاہ میں بڑا بنا دے۔"

تَشرِیح: اس دعا کا آخری جز و خاص طور سے قابل توجہ ہے۔ بندے کو چاہئے کہ اپنے کو وہ چھوٹا اور حقیر و ذلیل سمجھے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے کہ دوسروں کی نگاہ میں وہ ذلیل نہ ہو۔ [2]

فَوَائِد و نَصَائِح

1. اس اسم مبارک سے تعلق پیدا کرنے والوں کو لازم ہے کہ خود بھی اعدائے دین (دین کے دشمنوں) کے کلماتِ اذیت کو سن کر برداشت کی عادت پیدا کریں۔ خود بھی صبر کریں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔ [3]

2. دین کی محنت میں جتنی تکالیف آئیں ان پر صبر کرنا، صبر کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے انبیاء عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے دین کی خاطر کیسی کیسی مشقتیں جھیلیں، ہر ہر تکلیف پر صبر کے بدلے ان کے درجات اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند ہوتے جاتے ہیں، ہمارے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا درجہ اللہ ربُّ العزت کے ہاں سب سے بلند ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی خدمتِ دین کے لئے قبول فرمائے اور اس کی راہ میں آنے والی تکلیف پر صبر کے ساتھ استقامت کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

3. اس اسم مبارک کے تحت دی گئی "صابر و شاکر بننے کی دعا" کو یاد کرکے ہر وقت مانگتے رہیں۔

---

[1] مجمع الزوائد، کتاب الادعیة: ۲۱۱/۱۰، رقم: ۱۷٤۱۲

[2] معارف الحدیث: ۲٦۷/٥

[3] شرح اسماء حُسنٰی: ۲۲۹ (منصور پوری)

مصادر و مراجع

اسمائے کتب	اسمائے مصنّفین	ناشرین
① اللّٰہ اہل الثناء والمجد	الدکتور ناصر بن مسفر الزہرانی	مؤسسۃ الجریسی ریاض، سعودی عرب
② الداء والدواء	علامہ ابن قیم الجوزی	بیروت، لبنان
③ اللّٰہ وحدہ	خورشید عالم گوہر	ریاض برادر، لاہور
④ انوار البیان	مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب	ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان
⑤ النہج الاسمٰی فی شرح اسماء اللّٰہ الحسنٰی	الشیخ محمد الحمود النجدی	مکتبۃ الامام الذہبی، الکویت
⑥ الإصابة فی تمییز الصحابة	احمد بن علی بن الحجر العسقلانی، وفات ۸۵۲ھ	دار الباز، مکہ
⑦ الکامل للمبرد	ابو العباس محمد بن یزید المبرد	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
⑧ احیاء علوم الدین	حجۃ الاسلام امام غزالی، وفات ۵۰۵ھ	دار الاشاعت، کراچی
⑨ الترغیب والترہیب	الشیخ عبد العظیم المنذری، وفات ۶۵۶ھ	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
⑩ الحزب الاعظم	الشیخ ملا علی القاری	مجلس دعوت و تحقیق، کراچی
⑪ آپ بیتی	شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللّٰہ تعالیٰ	معہد الخلیل الاسلامی، کراچی
⑫ اصلاحی خطبات	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب	میمن اسلامک پبلشرز، کراچی
⑬ استغفار کے ثمرات	مولانا حکیم محمد اختر صاحب	کتب خانہ مظہری، کراچی
⑭ بکھرے موتی	مولانا محمد یونس پالن پوری	مکتبہ الشیخ سعید احمد خان، کراچی
⑮ تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللّٰہ پانی پتی	مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
⑯ تفسیر قرطبی	ابو عبد اللّٰہ محمد بن احمد الانصاری	دار الفکر، بیروت
⑰ تفسیر عثمانی	علامہ شبیر احمد عثمانی، وفات ۱۳۶۹ھ	شاہ فہد پرنٹنگ پریس، ریاض
⑱ تقویۃ الایمان	حضرت شاہ اسماعیل شہید	دار السلام
⑲ تفسیر ابن کثیر	حماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر، وفات ۷۷۴ھ	دار السلام، ریاض
⑳ تفسیر ماجدی	مولانا عبد الماجد دریا آبادی	خان پبلشر، نئی دہلی
㉑ تراشے	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب	ادارۃ المعارف، کراچی
㉒ حلیة الأولیاء	الامام احمد بن عبد اللّٰہ الاصفہانی الشافعی، وفات ۴۳۰ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۲۳) حياة الصحابة .... مولانا محمد یوسف کاندھلوی، وفات ۱۳۸۴ھ .... کتب خانہ فیضی، لاہور

(۲۴) حياة الحيوان ....علامہ کمال الدین دمیری ....ادارۂ اسلامیات، لاہور

(۲۵) الفرج بعد الشدة والضيقة.............. ابراہیم بن عبداللہ الحازمی .... دارالشریف النشر والتوزیع

(۲۶) درّمنثور .... الحافظ جلال الدین سیوطی، وفات ۹۱۱ھ ....دارالاحیاء التراث العربی، بیروت

(۲۷) دستورِ حیات .... مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی .... مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی

(۲۸) دیوان امام شافعی ....امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ .... مکتبہ بیت العلم، کراچی

(۲۹) رسائل امام غزالی ....امام محمد غزالی، وفات ۵۰۵ھ ....دارالاشاعت، کراچی

(۳۰) روح المعانی .... علامہ سیّد محمود آلوسی البغدادی، وفات ۱۲۷۰ھ .... مکتبہ امدادیہ، ملتان

(۳۱) سنن ترمذی ....ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، وفات ۲۷۹ھ .... قدیمی کتب خانہ، کراچی

(۳۲) سنن ابی داؤد .... سلیمان ابن اشعث السجستانی، وفات ۲۷۵ھ ....ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

(۳۳) سنن ابن ماجه .... ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی، وفات ۲۷۳ھ ....قدیمی کتب خانہ، کراچی

(۳۴) سنن النسائی .... ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی، وفات ۳۰۳ھ ....قدیمی کتب خانہ، کراچی

(۳۵) سنن الکبری للبیهقی.................. ابوبکر احمد بن حسین بن علی، وفات ۴۵۸ھ ....ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان

(۳۶) سکونِ قلب .... حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ....ادارۂ تالیفات اشرفیہ، ملتان

(۳۷) شرح اسماء حُسنٰی........................ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری ....ادارۂ اسلامیات، لاہور

(۳۸) شرح اسماء حُسنٰی............................ علامہ عبدالصمد الازہری .... مکتبہ قاسمیہ، ملتان

(۳۹) شرح اسمائے حسنیٰ .... مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی .... مجلس نشریات، اسلام

(۴۰) شرح اسماء الله الحسنٰی.......................امام رازی.................................... دارالکتاب العربی، بیروت

(۴۱) شریعت یا جہالت .... محمد پالن حقانی گجراتی .... بیت العلم ٹرسٹ، کراچی

(۴۲) صفة الصفوة .... محمد بن عبدالرحمٰن الجوزیۃ .... دارالوعي بحلب

(۴۳) صحیح بخاری شریف.......... ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، وفات ۲۵۶ھ ....قدیمی کتب خانہ، کراچی

(۴۴) صحیح مسلم شریف.......... ابوحسین مسلم بن الحجاج القشیری، وفات ۲۶۱ھ ....ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

(۴۵) صحیح ابن حبان .... الامیر علاؤالدین بن بلبان الفارسی .... دارالفکر، بیروت

(۴۶) طیبی شرح مشکوٰة.......................... شرف الدین حسین بن محمد الطیبی .... ادارة القرآن، کراچی

(۴۷) عمل اليوم والليلة.............................ابوعبدالرحمٰن بن شعیب النسائی.............................. الکتب الثقافیہ، بیروت

(۴۸) فضائل اعمال .... شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب .... کتب خانہ فیضی، لاہور

(۴۹) کتاب الدعا .... صاحبزادہ قاری عبدالباسط .... حلقۂ دروس قرآن وحدیث، کراچی

(۵۰) فضائل صدقات .... شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب .... کتب خانہ فیضی، لاہور

(۵۱) کنز العمال .... علاء الدین علی المتقی وفات ۹۷۵ھ .... دارالکتب العلمیہ، بیروت

(۵۲) کتابوں کی درسگاہ میں .... مولانا ابن الحسن عباسی .... مکتبہ عمر فاروق، کراچی

(۵۳) گناہوں کو چھوڑنے پر انعامات .... ابراہیم بن عبداللہ الحازمی .... دارالبلاغ

(۵۴) قرآن آپ سے کیا کہتا ہے .... مولانا محمد منظور نعمانی .... ادارۂ اسلامیات، لاہور

(۵۵) مسند امام احمد .... امام احمد بن حنبل وفات ۲۴۱ھ .... داراحیاء التراث العربی، بیروت

(۵۶) مجمع الزوائد .... نورالدین الہیثمی وفات ۸۰۷ھ .... دارالکتب العلمیہ، بیروت

(۵۷) مصنف ابن ابی شیبہ .... الحافظ عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفی وفات ۲۳۵ھ .... دارالفکر، بیروت

(۵۸) معارف القرآن .... حضرت مفتی محمد شفیع وفات ۱۳۹۶ھ .... ادارۃ المعارف، کراچی

(۵۹) معارف القرآن .... مولانا محمد ادریس کاندھلوی .... فرید بکڈپو، دہلی

(۶۰) مشکوٰۃ المصابیح .... شیخ ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ وفات ۷۳۷ھ .... ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

(۶۱) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ .... الشیخ ملا علی القاری وفات ۱۰۱۴ھ .... مکتبہ امدادیہ، ملتان

(۶۲) مظاہر حق .... نواب محمد قطب الدین .... دارالاشاعت، کراچی

(۶۳) مدارج السالکین .... ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر بن ایوب .... المنار، مصر

(۶۴) معارف الحدیث .... مولانا محمد منظور نعمانی .... دارالاشاعت، کراچی

(۶۵) منتخب احادیث .... مولانا محمد یوسف کاندھلوی وفات ۱۳۸۴ھ .... زمزم پبلشرز، کراچی

(۶۶) مثنوی مولوی معنوی .... مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ تعالیٰ .... اسلامی کتب خانہ، لاہور

(۶۷) موت کا منظر .... خواجہ محمد اسلام .... مکتبہ رحمانیہ، لاہور

(۶۸) مثالی استاذ (اول، دوم) .... محمد حنیف عبدالمجید .... بیت العلم ٹرسٹ، کراچی

(۶۹) مستند مجموعۂ وظائف .... علمائے بیت العلم .... بیت العلم ٹرسٹ، کراچی

(۷۰) مخزن اخلاق .... مولانا رحمت اللہ سبحانی .... سنی پبلی کیشنز، لاہور

(۷۱) منہج الامام ابن قیم الجوزیۃ .... مشرف بن علی بن عبداللہ .... دار ابن الجوزیۃ

(۷۲) ندائے منبر ومحراب .... مولانا محمد اسلم شیخوپوری .... صدف پبلشرز، کراچی

(۷۳) فی ظلال شرح اسماء اللہ الحسنیٰ .... السید عبدالغنی زاید .... مکتبۃ عبادالرحمٰن، مصر

(۷۴) الفوائد .... لابن قیم الجوزیۃ .... مکتبۃ نزار مصطفی الباز، الریاض

⑦⑤ خزینہ .... مولانا اسلم شیخو پوری .... مکتبہ حلیمیہ

⑦⑥ بدائع الصنائع........................ علامہ علاء الدین بن مسعود کاسانی .... ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

⑦⑦ قرآنی افادات .... حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی .... زمزم پبلشرز، کراچی

⑦⑧ سمیر المؤمنین .... شیخ عبداللہ بدران .... دارالخیر، دمشق

⑦⑨ اسد الغابة........................ عزالدین ابن الاثیر جزری........................ دارالکتب العلمیه، بیروت

⑧⓪ تاریخ الخلفاء........................ حافظ جلال الدین سیوطی .... دارالکتب العلمیه، بیروت

⑧① علو الهمة .... محمد احمد اسماعیل المقدم .... دار طيبة الخضراء، مكة المكرمة

⑧② تفسیر ابن کثیر........................ اسماعیل بن کثیر الدمشقی........................ داراحیاء التراث العربی

⑧③ ذکر وفکر .... مفتی محمد تقی عثمانی صاحب .... مکتبہ المعارف دارالعلوم، کراچی

⑧④ المواهب اللدنية .... امام احمد بن محمد قسطلانی .... فرید بک اسٹال، لاہور

⑧⑤ تفسیر کبیر .... امام فخرالدین الرازی........................ دارالکتب العلمیه، بیروت

⑧⑥ اختلاف امت اور صراط مستقیم .... مولانا یوسف لدھیانوی شہید .... مکتبہ لدھیانوی، کراچی

⑧⑦ اکابر دیو بند کیا تھے؟ .... مفتی محمد تقی عثمانی صاحب .... ادارۃ المعارف، کراچی

⑧⑧ البداية والنهاية .... اسماعیل بن کثیر الدمشقی........................ داراحیاء التراث العربی

⑧⑨ بیان القرآن .... حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی .... تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی

⑨⓪ المعجم الكبير .... الحافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی...... دار احیاء التراث العربی

⑨① المعجم الوسيط........................ لجنة العلماء........................ مکتبه القاهره

⑨② قصص الحدیث .... مولانا محمد زکریا اقبال صاحب .... دارالاشاعت، کراچی

⑨③ دل کی دنیا .... مفتی محمد شفیع صاحب........................ ادارۃ المعارف، کراچی

⑨④ مكاشفة القلوب .... امام غزالی........................ دارالاشاعت، کراچی

⑨⑤ عقل والوں کے لئے اللہ کی نشانیاں .... ہارون یحییٰ........................ ادارہ اسلامیات، لاہور

⑨⑥ حاشية الجمل على الجلالين........................ الشیخ سلیمان الجمل .... قدیمی کتب خانہ، کراچی

⑨⑦ المعجم المفهرس........................ لفيف من المستشرقين........................ دارالدعوة، استنبول

⑨⑧ تفسیر ابن عباس........................ لابی طاهر محمد بن یعقوب الشیرازی الشافعی...... تاج کتب خانہ، مردان، سرحد

⑨⑨ الادب المفرد .... حافظ الحدیث محمد بن اسماعیل البخاری.... دارالکتب العلمیه، بیروت

①⓪⓪ فتح القدير........................ الامام محمد بن علی بن محمد الشوکانی........................ دار ابن حزم

(۱۰۱) لسان العرب ....امام جمال الدین ابن منظور .... دارالکتب العلمیه، بیروت
(۱۰۲) روح المعانی .... العلامة السیدمحمد الآلوسی .... مکتبہ امدادیہ، ملتان
(۱۰۳) الاستیعاب ....عمر یوسف بن عبداللہ............دارالکتب العلمیه
(۱۰۴) سیر الصحابة ....لجنة العلماء............ادارہ اسلامیات، لاہور
(۱۰۵) فتح الباری .... حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی .... دارالسلام، ریاض
(۱۰۶) عمدة القاری ....امام بدرالدین العینی ....دارالکتب العلمیه
(۱۰۷) شان الدعا ....لابی سلیمان حمد بن محمد خطابی الحافظ............ دارالمامون للتراث
(۱۰۸) امدادالفتاوی ....مولانا اشرف علی تھانوی............ مکتبہ دارالعلوم، کراچی
(۱۰۹) مستدرك للحاكم .... امام ابوعبداللہ حاکم النیسابوری ....دارالحرمین
(۱۱۰) صور من حیاة التابعین ....الدکتور عبدالرحمن رأفت الباشا............ مکتبہ غفوریہ، کراچی
(۱۱۱) شرح اسماء اللہ الحسنیٰ .... السید عبدالغنی زاهد ....مکتبه العلوم والحکم، مصر
(۱۱۲) حصن حصین ....علامہ ابن جزری............ میر محمد کتب خانہ، کراچی
(۱۱۳) مجموعہ رسائل ....امام محمد غزالی............ دارالاشاعت، کراچی
(۱۱۴) فیروز اللغات ....فیروز سنز............ فیروز سنز، کراچی
(۱۱۵) الفتوحات الربانیه علی الاذکار النواویه .. محمد بن علان صدیقی............المکتبه الإسلامیه
(۱۱۶) النهایه فی غریب الحدیث............علامه ابن الاثیر............داراحیاء التراث العربی، بیروت
(۱۱۷) نزهة السباتین .... حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی .... دارالاشاعت، کراچی
(۱۱۸) بحرمحیط .... محمد بن یوسف الشهیر بابی حیان الاندلسی ....دارالکتب العلمیه
(۱۱۹) مؤطا للإمام مالك ....امام مالك بن انس ....نور محمد کتب خانہ، کراچی
(۱۲۰) ذیل طبقاتِ حنابله............ الحافظ ابوالفرج عبدالرحمٰن .... دارالکتب العلمیه، بیروت
(۱۲۱) المعجم الاوسط ....امام حافظ سلیمان بن احمد طبرانی .... دارالکتب العلمیه، بیروت
(۱۲۲) مختصر المعانی............مسعود بن عمر التفتازانی ....دارالحدیث

جلد اوّل میں ذکر کی گئی دعاؤں کی فہرست اور فوائد وفضائل



جلد دوم میں ذکر کی گئی دعاؤں کے فوائد و فہرست



جلد اوّل میں بیان کئے گئے واقعات کی فہرست



جلد دوم میں بیان کئے گئے واقعات کی فہرست